پہلی مرتبہ تقریباً 350 نادر و نایاب رسائل وکتب کی یکجا اشاعت

مقالاتِ حکیم الامت

حکیم الامت مجدد الملت

حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہ

۱۲۸۰ - ۱۳۶۲ھ ۱۸۶۳ - ۱۹۴۳ء

زیر سرپرستی

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

(شیخ الحدیث جامعہ دارالعلوم کراچی)

ادارہ تالیفات اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان 0322-6180738

اجمالی فہرست

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ

اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ

اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

السُنَّۃُ الجَلِیَّۃ فِی الچِشْتِیَّۃِ العَلِیَّۃ

ترجمہ عبارت فارسی وعربی رسالہ

السنة الجليه فى الچشتيه العلية مع رساله ملحقه

تمیز العشق من الفسق درحصہ زیرایں تا آخر کتاب

از مولوی سراج احمد خان صاحب امروہوی

مدرس امداد العلوم تھانہ بھون

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعدالحمد و الصلوٰۃ! عرض ہے کہ ایک مدت سے عام لوگوں کے ذہن میں یہ خیال بسا ہوا ہے اور جوں جوں جہل کا غلبہ بڑھتا جاتا ہے اس خیال میں قوت ہوتی جاتی ہے کہ حضرات صوفیہ میں عموماً اور چشتیہ میں خصوصاً شریعت کا اتباع نہیں ہوتا یا کم ہوتا ہے اور اس خیال سے دو مفسدے پیدا ہوتے ہیں ایک ان حضرات کے معتقدین میں دوسرا غیر معتقدین میں۔ معتقدین میں تو یہ مفسدہ ہوتا ہے کہ ان کے اعتقاد میں خود شریعت ہی کا اتباع اس خیال سے ضروری نہیں رہا کہ اگر ضروری ہوتا تو یہ حضرات بھی متبع شریعت ہوتے اور غیر معتقدین میں یہ مفسدہ ہوتا ہے کہ ان کے اعتقاد میں شریعت تو واجب الاتباع ہے مگر چونکہ یہ حضرات ان کے زعم میں متبع شریعت نہیں اس لئے وہ ان حضرات کی شان میں گستاخی کرنے لگے۔ اول مفسدہ تو سرحد کفر سے ملا ہوا ہے کہ اس میں جحود ہے شریعت مقدسہ کا جس کا وجوب نصوص قطعیہ سے ثابت ہے اور دوسرا مفسدہ گو کفر نہیں مگر درجہ بدعت شنیعہ و معصیت قطعیہ تک یقیناً پہنچا ہوا ہے کہ بلا دلیل بلکہ خلاف دلیل مقبولان الٰہی سے بدگمانی اور ان کی شان میں بدزبانی ہے جو کہ نصوص کے خلاف ہے اور نصوص کے خلاف عمل اگر شبہ سے ہے تو بدعت ورنہ معصیت و فسق بلا شبہ ہے وہ نصوص یہ ہیں۔

وقال تعالیٰ ولا تقف مالیس لک به علم.

فرمایا اللہ تعالیٰ نے جس بات کی تجھ کو تحقیق نہ ہو اس پر عمل درآمد مت کیا کر۔

وقال تعالیٰ ان یتبعون الا الظن وان الظن لا یغنی من الحق شیئا.

صرف بے اصل خیالات پر چل رہے ہیں اور یقیناً بے اصل خیالات امر حق میں ذرا بھی مفید نہیں ہوتے۔

وقال تعالیٰ بل کذبوا بمالم یحیطوا بعلمه.

اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے بلکہ تکذیب کی اُن چیزوں کی جن کے علم کا انہوں نے احاطہ نہیں کیا۔

وقال تعالیٰ اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم ولا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضا.

اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے اجتناب کرو بہت سے گمانوں سے اسلئے کہ بعض گمان گناہ ہوتا ہے اور دوسرے کے عیبوں کا تجسس مت کرو اور نہ غیبت کرے کوئی تم میں سے دوسرے کی۔

وقال تعالیٰ والذین یؤذون المؤمنین والمومنات بغیر ما اکتسبوا فقد احتملوا بھتانا واثما مبینا.

اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور وہ لوگ جنہوں نے اذیت پہنچائی مسلمان مردوں اور عورتوں کو بغیر اس کے کہ انہوں نے کچھ کیا ہو پس انہوں نے (اپنے سر پر) اٹھایا بہت بڑے بہتان اور کھلم کھلا گناہ کو۔

وقال تعالیٰ فی الحدیث القدسی من عادیٰ لی ولیا فقد آذنته بالحرب وغیر ذلک من الأیات والاحادیث

اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے حدیث قدسی میں جو شخص عداوت کرتا ہے میرے ولی سے تو ضرور اعلان لڑائی کا دیتا ہوں اس کو ۱۲ مترجم

اور چونکہ یہ دونوں مفسدے ضرر میں شدید ہیں اس لئے اُن کی اصلاح کی سخت ضرورت تھی اور کسی مفسدہ کی اصلاح کا متعین طریق ازالہ ہوتا ہے اس مفسدہ کے سبب کا اور سبب اس کا جیسا اوپر مذکور ہوا وہی خیال ہے ان حضرات کے متبع شریعت نہ ہونے کا تو اس خیال کے ازالہ کی ضرورت ثابت ہوگئی۔ پھر خود اس خیال باطل کا بھی ایک منشاء ہے وہ یہ ہے کہ ان حضرات کو دوسرے طبقات مسلمین سے دوامر

میں ایک خاص درجہ کا امتیاز حاصل ہے۔

ایک انکشاف اسرار خاصہ جو مسبب ہے نور قلب و مشاہدات سے دوسرا غلبۂ محبت جو مسبب ہے کثرت ذکر و مراقبات سے یہ دونوں امر سبب ہو جاتے ہیں کبھی بعض ایسے اقوال کے صدور کے جن کی کنہ تک اہل ظاہر نہیں پہنچتے اور کبھی بعض ایسے افعال کے صدور کے جن کے عذر تک اہل ظاہر نہیں پہنچتے تو اب اصلی طریق اصلاح کا یہ قرار پایا کہ ان اقوال و افعال کی کنہ اور عذر کو مفصل طور پر پیش کیا جائے مگر یہ تفصیل خود اس قدر طویل ہوگی کہ بڑے بڑے دفتر بھی اس کی گنجائش نہیں رکھتے تو اس طریق سے عام انتفاع بھی متعذر رہا اس متعذر پر نظر کر کے اکثر اوقات مصلحین نے اصلاح کے لئے اس کے ایک بدل کو کافی سمجھا ہے وہ یہ کہ خود ان حضرات کے اقوال و افعال سے کلی طور پر اتباع شریعت کا اہتمام و التزام ثابت کر دیا جائے اور چونکہ اصل عقلاء مسلمین کے اقوال و افعال میں عدم تعارض و حمل علی الصلاح ہے جب تک اس سے عدول کی کوئی وجہ یقینی نہ ہو جیسا فقہاء نے بھی جابجا اس کی تصریح فرمائی ہے اور ان حضرات کی مجموعی حالت سے وجہ عدول کا تیقن منفی ہے بلکہ اس کا انتفاء متیقن ہے۔ پس یہ اجمالی دلیل اس پر دلالت کرنے کے لئے کافی ہوگی کہ اُن اقوال و افعال موہمہ کا ضرور کوئی صحیح محمل ہے اس اجمالی دلیل کے بعد اُن مبہمات کی توجیہ یا عذر کی تفصیل کی حاجت باقی نہیں رہتی لیکن محتمل کو واقع کی صورت میں دکھلانے کے لئے مناسب سمجھا ہے کہ بعض توجیہات یا اعذار کو بھی نمونہ کے طور پر کہیں کہیں ذکر کر دیا جائے چنانچہ ان اصلاحات کے ذخیرے وقتاً فوقتاً جمع ہو کر نافع ہوتے رہے ہیں جس کا ایک جز و رسالہ التنبیہ الطربی احقر نے بھی ابھی شائع کیا ہے اور یہ ذخائر اس مقصود کے لئے بالکل کافی وافی تھے اور اُن کے ہوتے ہوئے کسی جدید ذخیرہ کی احتیاج نہ تھی مگر اقتضائے وقت سے ایک خاص اضافہ کی ضرورت ذہن میں آئی وہ یہ کہ یہ تہمت عدم اتباع شریعت کے حضرات چشتیہ کے سر خصوصیت کے ساتھ تھوپی گئی ہے چنانچہ خطبہ

ہٰذا کے شروع میں اس خصوصیت کی طرف اشارہ بھی کیا گیا ہے جس کی وجہ مرکب ہے دو جزو سے ایک ان حضرات پر شورش وسوزش کے رنگ کا غلبہ جس سے بعض اوقات ان کا اعتدال مائل بہ اختلال ہو جاتا ہے دوسرے ان حضرات کی مسکنت کو ملامت گر کو جواب نہیں دیتے یا کبھی ناتمام جواب دیتے ہیں پھر اس کے درپے نہیں ہوتے جس سے جاہل کو شبہ ہو جاتا ہے کہ ان کے پاس واقع میں بھی جواب نہیں اور غایت فناء و محویت سے جواب کافی کا یہ داعی اُن کے ذہن میں نہیں آتا کہ ہمارے اس طرز سے دوسروں کو ضرر ہو گا بس ان کے مذاق کا حاصل یہ ہوتا ہے۔

رند عالم سوز را با مصلحت بینی چہ کار　　کار ملک ست آنکہ تدبیر و تحمل بایدش

(عشاق کو مصلحتوں کی طرف مطلق توجہ نہیں ہوتی یہ مصلحت اندیشی اور تدبیر ان لوگوں کا کام کیا ہے جن کے متعلق حکومت کا کام ہو ۱۲ مترجم)

ورنہ اگر انصاف کے ساتھ تامل کیا جائے تو حضرات چشتیہ اتباع سنت میں ایک خاص امتیاز رکھتے ہیں چنانچہ ایک بین دلیل اس کی یہ ہے کہ ان کے طریق میں کوئی ایسا امر شرط مقصود نہیں جو سنت میں صریحاً وارد نہ ہو اس دلیل کی تنویر کا ایک نمونہ یہ ہے کہ حضرات نقشبندیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے متبع سنت ہونے پر قریب قریب سب کا اتفاق ہے اور صحیح اتفاق ہے مگر خود ان کے طریق میں بعض ایسی چیزیں جو نصوص میں وارد نہیں شرط طریق ہیں اور شرط بھی اعظم واہم چنانچہ تصور شیخ باوجود اس کے کہ صریحاً کسی نص میں وارد نہیں اور پھر خطرناک بھی ہے اور بعض کو اُس میں غلو بھی ہو گیا ہے اور اسی خطر وغلو کے سبب مولانا شہید اس کو منع فرماتے ہیں مگر باوجود اس کے اکابر نقشبندیہ اس کو شرط مقصود فرماتے ہیں چنانچہ انوار العارفین ذکر تصور شیخ...... میں کنز الہدایہ سے بحوالہ مکتوبات حضرت مجدد صاحب کا ارشاد نقل کرتے ہیں۔

ذکر تنہا بے رابطہ و بے فنا فی الشیخ موصل نیست ذکر ہر چند از اسباب وصول ست لیکن غالباً مشروط برابطۂ محبت وفنا در شیخ ست آرے ایں رابطہ تنہا با رعایت آداب

صحبت وتوجہ والتفات شیخ بے التزام ذکر موصل ست۔اھ

''بغیر رابطہ کے اور بغیر فنا فی الشیخ کے تنہا ذکر سے وصول نہیں ہوتا ذکر اگرچہ وصول کے اسباب میں سے ہے لیکن غالباً وہ مشروط ہے رابطہ محبت اور شیخ میں فنا ہونے کے ساتھ البتہ تنہا یہ رابطہ مع رعایت کرنے آداب صحبت اور شیخ کی توجہ والتفات کے بدون ذکر کی پابندی کے موصل ہو جاتا ہے۔۱۲مترجم''

اور گو چشتیہ میں بھی مثل دیگر طرق کے ایسے اشغال ہیں جو صریح سنت میں وارد نہیں۔مگر کوئی شغل شرط طریق نہیں بلکہ مطلق شغل بھی شرط نہیں بعض کے لئے صرف ذکر ہی کافی ہو جاتا ہے پس چشتیہ کی شان بالکل حنفیہ کے مشابہ ہے باوجود سب مذاہب سے زیادہ شدید الاتباع للسنۃ ہونے کے جیسا ان کے اصول سے ظاہر ہے اپنے دقت ماخذ کے سبب مخالفت حدیث میں بدنام ہیں۔

اسی طرح چشتیہ کے اصول سے ان کا شدید الاتباع للسنۃ ہونا ظاہر ہے جیسے اوپر ان کی ایک اصل بھی گزر چکی ہے کہ اُن کے طریق میں کوئی امر غیر وارد فی السنۃ شرط مقصود نہیں ہے اور اصول ہی اصل معیار ہیں ان احکام میں۔باقی اگر نقشبندیہ پر کسی کو شبہ ہو کہ یہ شغل رابطہ کو شرط طریق کیسے کہتے ہیں حالانکہ خود یہ شغل سلف میں نہ تھا اس کا جواب یہ ہے کہ مقصود سے مراد کچھ خاص کیفیات ہیں جو خود مقصود اصلی کے لئے شرط نہیں صرف معین ہیں پس یہ وقتی ضرورت مدت دراز سے داعی ہوتی تھی کہ ایک مختصر ذخیرہ چند مشاہیر حضرات چشتیہ کے ایسے اقوال وافعال واحوال کا جمع کیا جائے جو اُن سے اس تہمت کا رافع ہو پھر نہ کوئی اُن سے بدگمان ہو اور نہ عدم لزوم اتباع شرع میں کوئی ان سے تمسک کر سکے مگر عروض عوائق مختلفہ سے اس میں معمول سے بہت زیادہ تاخیر ہوتی رہی آخراب بعض ضروری کاموں کو مؤخر کر کے بنام خدا تعالیٰ اس ذخیرہ کو شروع کرتا ہوں۔اللہ تعالیٰ بخیر اختتام کو پہنچائے۔آمین۔

اور اس کو تین باب پر منقسم کرتا ہوں۔باب اول میں ان حضرات کے بعض

وہ قول ہیں جن میں اتباعِ شریعت کی تاکید فرمائی گئی ہے۔

باب ثانی میں بعض وہ افعال ہیں جن سے خود ان کا شدید الاتباع ہونا ثابت ہوتا ہے۔ باب ثالث میں بعض ایسے اقوال یا افعال کی توجیہ اور ان سے رفع اشکال ہے جو موہم ہیں عدمِ اتباعِ شریعت کے اور نام اس کا بمناسبت موضوع السنۃ الجلیہ فی الچشتیہ العلیہ رکھتا ہوں جس میں سنت کی صفت تو واقعی ہے یعنی خالص اور چشتیہ کی صفت اگر چشتیہ مطلق مشتہرین کے لئے عام لیا جائے تو احترازی ہے اور احتراز ہے ان سے جس میں بجائے علو دین کے غلو ہو (یعنی تجاوز عن الحدود) کیونکہ اہل غلو کے ہم ذمہ دار نہیں اور اگر اہل انتساب صحیح کے ساتھ خاص لیا جائے تو واقعی ہے کیونکہ طریق صحیح سے جو جدا ہیں وہ چشتیہ ہی نہیں اب نام کی وجہ مناسبت سے ظاہر ہے کیونکہ اس رسالہ میں حضرات چشتیہ میں سنت خالصہ کا پایا جانا دکھلایا گیا ہے۔

اللهم اجعلنا هادين مهتدين غير ضالين ولا مضلين
سلما لاوليائك حربا لاعدائك نحب بحبك
من احبك ونعادي بعداوتك من خالفك من خلقك.

کتبہ　(اشرف علی)　رابع شہر ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ

نوٹ: جن کتابوں سے ان مضامین کا اقتباس کیا گیا ہے وہ سلسلہ چشتیہ میں مقبول و مسلم ہیں ان میں سے بعض تو اصل میسر ہوئیں اور بعض کا ترجمہ جو بہر حیثیت معتبر معلوم ہوتا ہے۔

باب اوّل

جس میں اُن حضرات کے ایسے اقوال ہیں جن میں اتباعِ شرع کی تاکید فرمائی گئی ہے۔

(از مختصر حالات حضرات خواجگان چشت ملحقہ پنج گنج)

ذکر حضرت شیخ فرید الدین شکر گنج رحمہ اللہ (قول:۱)

نقل ہے کہ جب آپ مکتب میں بیٹھے تو تھوڑے ہی دنوں میں تحصیل علوم سے فراغ پائی اور قرآن حفظ کیا پھر ملتان میں مولانا منہاج الدین کی مسجد میں پڑھنے کے لئے بیٹھے اور کتاب نافع شروع کی۔ جبکہ خواجہ قطب الدین بختیار اوشیؒ ملتان تشریف لے گئے تو اس مسجد میں بھی آپ کا گزر ہوا۔ آپ نے پوچھا کہ صاحبزادے کیا پڑھتے ہو انہوں نے عرض کیا نافع، آپ نے فرمایا: نافع خواہد شد ان شاء اللہ تعالیٰ

"یہ کتاب نافع ہوگی ان شاء اللہ تعالیٰ۔۱۲ مترجم"

شیخ کے دل میں آپ کا یہ فرمانا ایسا مؤثر ہوا کہ یہ مرید ہو گئے اور چلتے وقت آپ کے ساتھ دہلی جانے لگے۔ حضرت خواجہ نے یہ بات منظور نہ فرمائی اور کہا کہ بالفعل یہیں رہو اور تحصیل علوم ظاہری میں خوب کوشش کرو پھر اس کے بعد میرے پاس آؤ کہ زاہد بے علم مسخرہ شیطان ہے اس کے بعد شیخ ملتان سے قندھار وہاں سے بعد تحصیل علوم بغداد پہنچے۔۔۔۔۔۔۔ (ف): دیکھئے! تحصیل علوم ظاہرہ کی کس قدر تاکید فرمائی۔

از انیس الارواح یعنی ملفوظات حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ

مرتبہ حضرت خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ

تیسری مجلس۔۔۔ (قول۲)

خواجہ عثمان ہارونی رحمہ اللہ سے ایک ملفوظ حضرت خواجہ مودود چشتیؒ کا نقل کیا

ہے کہ خوارزم اور چند شہر کہ گرد اس کے ہیں راگ اور باجوں کی شامت سے اور بعض گناہوں کی وجہ سے خراب اور ویران ہوں گے اور سب آپس میں لڑ مریں گے اور ہلاک ہو جائیں گے۔..... (ف) دیکھئے اس میں گانے بجانے کی کس قدر مذمت کی گئی ہے اس کے عموم میں سماع متعارف بھی داخل ہے باقی خود ان حضرات سے جو سماع منقول ہے اس کی تحقیق باب سوم اشکال نمبر ا کے ذیل میں ہے۔

چھٹی مجلس.... (قول ۳)

خواجہ عثمان ہارونیؒ کا ارشاد ہے کہ یہ حکم تو شریعت کا ہے کہ شراب ہی کو حرام فرمایا اور طریقت میں تو جو پانی پینا کہ طاعت اور عبادت میں کاہلی اور سستی پیدا کرے وہ بھی مثل شراب کے حرام مطلق ہے اور فرمایا کہ وہاں اس کی بھی باز پرس ہوگی۔

(ف) دیکھئے جو شخص شریعت کے مباحات کو بھی اثر مذموم کی وجہ سے لغیرہ غیر مباح سمجھتا ہو وہ عمل بالشریعت کو کس درجہ لازم سمجھے گا بلکہ ان تدقیقات کی بناء پر اگر ان حضرات پر تشدد فی الاعمال کا شبہ کیا جائے تو ظاہراً کچھ گنجائش ہے اور تساہل فی الاعمال کے شبہ کی تو گنجائش ہی نہیں۔

نویں مجلس... (قول ۴)

پھر حضرت نے فرمایا کہ کسب کرنے والا دوست خدا کا ہے مگر وہ کسب کرنے والا جو نماز کے وقت سستی نہ کرے اور فوراً نماز میں حاضر ہو اور حد شریعت سے ایک ذرہ قدم باہر نہ رکھے۔ (ف) اس میں حد شریعت سے باہر نہ ہونے کی کس قدر تاکید ہے۔

دسویں مجلس... (قول ۵)

پھر اس جگہ فرمایا کہ ایک وقت حضرت خواجہ ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ راستہ میں چلے جاتے تھے کہ آواز نوحہ ایک طرف سے آئی فوراً رانگ گرم کر کے اپنے کانوں میں ڈال لیا اور بہرے ہو گئے۔

(ف) یہ حکایت موافقت کے طور پر نقل فرمانا بین دلیل ہے کہ خواجہ صاحب خلاف شرع امور کو کیسا برا سمجھتے تھے اور رانگ ڈال کر بہرا ہو جانا سد باب مفسدہ ہے جس کا تحمل کر سکتے تھے جیسا کثرت صوم مجرد شخص کے لئے وارد ہے۔

انیسویں مجلس...(قول ٦)

یہ خوب جان لو کہ کوئی عمل اس (نماز) سے بڑھ کر نہیں ہے سو جو کوئی نماز نہیں پڑھتا وہ آخر کو پشیمانی اٹھائے گا۔

ف: دیکھئے اس میں نماز کی کیسی تاکید فرمائی ہے۔ اسی طرح بیسویں مجلس میں ایک حدیث لائے ہیں کہ میری امت کے اعمال میں سے فاضل تر نماز ہے۔

انیسویں مجلس...(قول ۷)

پھر فرمایا کہ پانچ گروہ پر قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خشمگیں ہوں گے اول وہ جو اذان کا جواب نہیں دیتا اور اذان سن کر چپ نہیں رہتا ہے اور جمعہ کی نماز کو فوت کرتا ہے۔ **ف**: دیکھئے نماز جمعہ کی کس قدر تاکید فرمائی ہے۔

انیسویں مجلس...(قول ۸)

فرمایا کوئی شخص خدا تعالیٰ کا مقرب نہیں ہو سکتا مگر وہ کہ علم پڑھائے اور قرآن شریف کی تلاوت کا عادی ہو۔

ف: دیکھئے تلاوت اور درس علم کی کس قدر ترغیب ہے بخلاف اس وقت کے جہلاء کے کہ علم دین کو رہزن طریق کہتے ہیں۔

بائیسویں مجلس...(قول ۹)

اس جگہ فرمایا جو شخص علم رکھتا ہے حق تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ اُس کا نام آسمان پر ولی مشہور ہو۔

ف: دیکھئے علماء کی کیسی بڑی فضیلت بیان فرمائی جو لوگ علم دین اور علماء سے اعراض کرتے ہیں وہ ان بزرگوں کے بالکل مخالف ہیں اور اسی مجلس میں کفر کی ایک

قسم جماعت سے نماز نہ پڑھنے کو فرمایا اور اسی مجلس میں آخرت کا خوف نہ ہونے کی مذمت فرمائی ہے اور اسی مجلس میں علم دین کے فضائل میں ارشاد ہے کہ جو کوئی ایک کلمہ بھی حق کا سنے تو وہ ایک سال کی عبادت شبانہ روزی سے بڑھ کر ہے اور جو شخص عالم حقانی کے درس میں بیٹھے تو گویا اس نے ایک بردہ (غلام) آزاد کیا اور علم اندھے کیلئے روشنی اور نور بصر ہے اور علم جنت کی راہ بتانے والا ہے اور علم کو خدا تعالیٰ کبھی اور کہیں ضائع نہیں کرتا ہے نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔

چھبیسویں مجلس...(قول ۱۰)

ازار کے دراز کرنے کی سخت مذمت اور وعیدیں فرمائیں۔

ف: دیکھئے خلاف شرع لباس سے کیسی نفرت ظاہر فرمائی۔

از دلیل العارفین

یعنی ملفوظات حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ

جمع فرمودہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ

مجلس اول...(قول ۱۱)

آپ نے (یعنی حضرت خواجہ معین الدین رحمہ اللہ نے) فرمایا کہ آدمی منزل گاہ عزت سے قریب نہیں ہو سکتا مگر نماز میں (پھر دور تک نماز کے فضائل کا بیان چلا گیا)

ف: اس وقت بعض جہلا تصوف کا دم بھرنے والے نماز کو بیکار سمجھتے ہیں وہ آنکھیں کھولیں۔

مجلس اوّل...(قول ۱۲)

فرمایا کہ خواجہ ابواللیث سمرقندیؒ کہ فقہ میں امام وقت تھے۔ تنبیہ میں لکھتے ہیں کہ ہر روز آسمان سے دو فرشتے نیچے اترتے ہیں ایک کعبہ کی چھت پر کھڑا ہو کر باآواز بلند یہ

ندا کرتا ہے۔ یا معشر الجن و الانس (اے جن اور انسان کے گروہ۔۱۲ مترجم) سنو اور معلوم کرو کہ جو شخص خدائے عزوجل کا فرض نہیں ادا کرتا ہے خدا کی پناہ اور حمایت سے باہر نکل جاتا ہے اور دوسرا فرشتہ حظیرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چھت پر کھڑا ہو کر یہ ندا کرتا ہے کہ اے آدمیو سنو اور معلوم کرو کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں نہ ادا کرے اور ان سے تجاوز کرے وہ شفاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محروم رہے گا۔

ف: اس میں فرض کے ساتھ سنتوں کی کس قدر تاکید اور اسکے ترک پر وعید ہے۔

مجلس اوّل...(قول ۱۳)

فرمایا کہ ایک وقت ہم اور خواجہ اجل بیٹھے تھے نماز مغرب کا وقت تھا خواجہ تازہ وضو کرتے تھے انگلیوں میں خلال کرنا اُن سے سہواً فراموش ہو گیا ہاتف غیبی نے آواز دی اور ان کے کان مبارک میں کہا کہ اے اجل ہمارے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دوستی کا دعویٰ کرتے ہو اور ان کی امت سے کہلاتے ہو ان کی سنت کو تم نے ترک کیا اس کے بعد خواجہ اجل نے قسم کھائی کہ جس دن سے میں نے ندا سنی موت کے وقت تک کوئی سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں سے متروک نہ ہو گی۔ پھر فرمایا کہ میں نے ایک وقت خواجہ اجل کو از حد متردد دیکھا اور پوچھا کہ کیا حال ہے فرمایا کہ جس روز سے انگلیوں کا خلال مجھ سے فوت ہوا ہے مجھ کو حیرت ہے کہ کل کے روز قیامت میں یہ منہ خواجۂ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو کیونکر دکھاؤں گا۔

ف: دیکھئے خلال کے ترک پر اور وہ بھی سہواً پھر سنت موکدہ بھی نہیں صرف مستحب کس قدر قلق ہوا ہے کیا یہ حضرات احکام شریعت کے تارک ہو سکتے ہیں؟

مجلس اوّل...(قول ۱۴)

فرمایا کہ خواجہ فضیل بن عیاض رحمہ اللہ وضو کے وقت دوبار ہاتھ دھونا بھول گئے اور نماز ادا کی۔ اسی رات حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا حضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے فضیل بن عیاض تعجب کی بات ہے کہ وضو میں تجھ سے نقصان واقع ہو خواجہ مارے ہیبت کے نیند سے جاگ پڑے اور از سر نو تازہ وضو کیا اور اس جرم کے کفارہ میں پانچ سو رکعت نماز ایک برس تک اپنے اوپر واجب کیں۔

ف: اول تو یہ تکرار فرض و واجب نہ تھا دوسرے سہواً یہ کوتاہی ہوگئی اس لئے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد درجہ ناخوشی میں نہ تھا مگر پھر بھی ان پر کس قدر اثر ہوا ہے اس سے زیادہ شریعت کا کیا اہتمام ہوگا۔

مجلس دوم...(قول ۱۵)

فرمایا کہ اول راہ سلوک کی یہ ہے کہ جو آدمی شریعت پر ثابت قدم ہوا اور جو کچھ احکام شرع کے ہیں ان کو بجالایا اور سر مو ان سے تجاوز نہ کیا تو اس کا مرتبہ آگے کو بڑھتا ہے اور دوسرے مرتبہ میں پہنچ جاتا ہے۔

ف: دیکھئے اس میں کیسی تصریح ہے کہ تمام ترقیاں اس پر موقوف ہیں کہ شریعت پر ثابت قدم رہے۔

مجلس دوم...(قول ۱٦)

فرمایا کہ یہ فوائد حق نماز ادا کرنے والوں کے حق میں ہیں اور جو نماز کا حق نہیں بجالاتا ہے اور ارکان نماز کے نگاہ نہیں رکھتا ہے تو اگر فرشتے چاہتے ہیں کہ اس کی نماز کو اوپر لے جائیں تو اس کے لئے دروازے آسمان کے نہیں کھلتے اور حکم آتا ہے کہ اُس کی نماز کو یہاں سے لے جاؤ اور اس نماز پڑھنے والے کے منہ پر مارو تو نماز اپنی زبان حال سے کہتی ہے کہ تو نے سب کچھ ضائع کیا۔ نیز فرمایا کہ میں ایک وقت بخارا میں تھا دستار بندوں میں یہ حدیث میں نے سنی کہ ایک وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نماز پڑھتے دیکھا کہ وہ حق نماز پورا نہیں ادا کرتا تھا اور رکوع وسجود اچھی طرح بجا نہیں لاتا تھا آپ کھڑے دیکھا کئے جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ آج تک کتنے برس سے تو اسی طرح نماز پڑھتا ہے۔ کہا یا رسول اللہ! چالیس برس ہوئے کہ میں اسی طرح نماز پڑھتا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آنسو بھر لائے اور فرمایا کہ ان چالیس برس میں تو نے کچھ نہیں کیا۔ اگر تو مر گیا تو میری سنت پر نہیں مرے گا۔ اور فرمایا کہ میں نے خواجہ عثمان ہارونی رحمہ اللہ کی زبان مبارک سے سنا ہے کہ کل کے روز قیامت میں جتنے انبیاء اولیاء اور مسلمان ہیں جو کوئی عہدہ (یعنی ذمہ داری) نماز سے چھوٹ گیا وہ چھوٹ گیا اور جو نماز کی ذمہ داری سے نہ چھوٹا تو وہ شعلۂ دوزخ میں گرفتار ہوگا۔ نیز ارشاد فرمایا کہ میں ایک وقت ایک شہر میں تھا جس کا نام مجھ کو یاد نہیں رہا مگر یہ جانتا ہوں کہ شام کے وقت ہے اس شہر سے باہر ایک غار تھا اور ایک بزرگ اس غار میں رہتے تھے لوگ ان کو شیخ اوحد محمد الواحد عزیزی کہتے تھے ایسے نحیف تھے کہ بدن کی ہڈیاں دکھائی دیتی تھیں جائے نماز پر بیٹھے تھے اور دو شیر اُن کے آگے کھڑے تھے یہ دعا گو شیروں کے خوف سے اُن کے نزدیک نہ جا سکا، ناگاہ ان بزرگوار کی نظر مجھ پر پڑی آواز دی کہ چلے آؤ ڈرو نہیں جب میں پاس پہنچا آداب عرض کر کے بیٹھ گیا ان بزرگ نے بیٹھتے ہی مجھ سے یہ بات کہی کہ اگر تم کسی کے آزار کا قصد نہ کرو تو کوئی تمہارے بھی آزار کا قصد نہ کرے یعنی شیر کیا چیز ہے جس سے ڈرتے ہو اس کے بعد فرمایا کہ جس کے دل میں خدا کا خوف ہوتا ہے اس سے ہر چیز خوف کرتی ہے شیر کیا ہستی رکھتا ہے جو آدمی سے نہ ڈرے۔

الغرض اس قسم کی بہت سی باتیں کیں پھر اس کے بعد فرمایا آپ کا کہاں سے آنا ہوا۔ میں نے کہا بغداد سے فرمایا کہ خوش آمدی، درویشوں کی خدمت کیا کرو پھر تم کو بزرگی حاصل ہوگی۔ میرا حال سنئے مجھ کو اس غار میں رہتے ہوئے چند برس گزرے تمام خلائق سے علیحدہ ہو کر اس گوشہ میں آپڑا ہوں اور تیس برس سے ایک چیز کے خوف سے ہمیشہ رویا کرتا ہوں۔ دن اور رات رونے سے کام ہے میں نے پوچھا کہ وہ کیا چیز ہے فرمایا کہ نماز ہے جب میں نماز پڑھتا ہوں تو خوب خیال رکھتا ہوں اور روتا ہوں کہ

جو نماز کی شرطیں ہیں اگر ان میں سے ایک بھی فوت ہوجائے تو سب محنت اکارت جائے اور دم بھر میں تمام طاعت منہ پر ماردی جائے۔ اے درویش اگر تو نے اپنے آپ کو حقوق نماز سے بری الذمہ کرلیا تو بڑا کام کیا ورنہ ساری عمر غفلت میں کھوئی اور سب کچھ ضائع کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ خدا کے نزدیک کوئی گناہ اس سے بڑھ کر نہیں اور بڑا دشمن قیامت میں تارک نماز ہے اس کے بعد دوزخ کے بارے میں یہ فرمایا کہ اس شخص کے لئے دوزخ ہے جو نماز کی شرطیں پوری پوری ادا نہیں کرتا اور اس کا حق بجا نہیں لاتا اور وقت پر نہیں پڑھتا جب وقت گزر جاتا ہے تب پڑھتا ہے اور مجھ میں جو تم صرف ہڈی اور چمڑا دیکھتے ہو اس کا یہی سبب ہے کہ میں نہیں جانتا کہ میں نماز کا حق بجالاتا ہوں یا نہیں جب وہ بزرگوار یہ سب کچھ بیان فرما چکے تو ایک سیب جوان کے پاس رکھا تھا اٹھا کر مجھ کو دیا اور یہ بات کہی کہ نماز بڑا عہدہ ہے اگر اس عہدہ سے سلامتی کے ساتھ تو بری الذمہ ہوگیا تو کل ذمہ داریوں سے تو نے رہائی ونجات پائی۔ ورنہ...... کل کے دن قیامت میں تو ایسا شرمندہ ہوگا کہ کسی کو منہ نہ دکھا سکے گا۔

اس کے بعد خواجہ آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور زبان مبارک سے فرمایا کہ اے درویش نماز دین کا ستون ہے اور نماز کے ارکان نماز کے ستون ہیں تو ستون جب تک سیدھا کھڑا رہے گا گھر بھی قائم اور سلامت رہے گا اور جب ستون گر پڑے گا تو گھر بھی ڈھے جائے گا چونکہ دین اسلام کا ستون نماز ہے تو جس کی نماز کے فرضوں اور سنتوں اور رکوع وسجود میں خلل پڑا اس کے دین واسلام میں فتور آیا۔ والسعہ شرح صلوۃ مسعودی میں امام زاہد رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ خدائے عزوجل نے کسی عبادت کے بارے میں اس شدت کے ساتھ حکم نہیں فرمایا جیسا نماز کے بارے میں۔ پھر یہ حکایت بیان فرمائی کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ نے قرآن مجید میں جابجا بندوں کو نصیحتیں فرمائی ہیں بعض جگہ مدح کے طور پر خطاب کیا ہے اور بعضی جگہ رغبت دلانے کے طریقہ پر اور بعضی جگہ تنبیہ کے پیرائے میں لیکن ان

نصیحتوں میں سے سات سو جگہ پر یہی نصیحت ہے کہ نماز کو قائم رکھو کیونکہ یہ ستون دین کا ہے۔ نیز فرمایا کہ تفسیر معروف کرخی میں آیا ہے کہ قیامت کے دن دنیا کا حساب پچاس جگہ پر کھڑے ہو کر ہوگا۔ اور پچاس جگہ میں پچاس چیزوں سے سوال کیا جائے گا۔

اگر بندہ ایمان سے کل شرطوں اور صفتوں کے ساتھ اور معرفت خدا سے عہدہ برائی کر سکا تو فبہا ورنہ اسی جگہ سے دوزخ میں بھجوا دیا جائے گا پھر اس کے بعد دوسری جگہ اس کو کھڑا کریں گے اور نماز اور جملہ فرائض سے سوال کریں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں سے سوال کیا جائے گا اگر ادائے سنن میں بھی پورا اتر گیا تو اور باتوں سے بھی رہائی پا گیا ورنہ موکلوں کے ہمراہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو بھیجا جائے گا کہ یہ شخص آپ کی امت سے ہے اور آپ کی سنتوں کی ادا کرنے میں اس نے قصور کیا ہے خواجہ نے جب یہ فوائد تمام کئے ہائے ہائے کر کے رونے لگے اور یہ فرمایا کہ وائے اس شخص پر کہ کل روز قیامت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شرمندہ ہوگا تو اس کا ٹھکانہ کہاں ہوگا جو ان کے روبرو شرمندگی اٹھائے گا۔ اس کے بعد خواجہ نے یہ فوائد تمام کئے اور محفل برخاست ہوئی اور ہر شخص چلا گیا۔ الحمدللہ علٰی ذالک

مجلس سوم بروز چہارشنبہ...(تتمہ سابق)

دولت پابوسی میسر ہوئی چھ درویش سمرقند سے آئے ہوئے خدمت بابرکت میں بیٹھے تھے بعد ازاں مولانا بہاؤ الدین بخاری کہ ہمیشہ خواجہ کی صحبت میں رہا کرتے تھے آئے اور بیٹھے ان کے بعد خواجہ واحد کرمانی بھی حاضر ہوئے گفتگو اس بات میں تھی کہ فرض نماز میں یہاں تک تاخیر کرنا کہ وقت گزر جائے اور پھر قضاء ادا کرنا کیسا ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ کیسے مسلمان ہیں جو نماز کو وقت پر ادا نہیں کرتے اور اتنی تاخیر کرتے ہیں کہ وقت گزر جائے بیس ہزار وائے اور افسوس ان کی مسلمانی پر کہ اپنے مولا کی بندگی کرنے میں قصور کرتے ہیں پھر فرمایا کہ میں ایک وقت ایک شہر میں تھا اس شہر کے مسلمانوں کی یہ رسم عادت تھی کہ نماز کے لئے وقت آنے سے پہلے مستعد

ہو جاتے اور منتظروں کی طرح مستعد کھڑے رہتے میں نے ان سے پوچھا کہ اس میں کیا حکمت ہے کہ وقت سے پہلے سب لوگ نماز کے واسطے مستعد ہو جاتے ہیں انہوں نے کہا اس کا یہ سبب ہے کہ جب نماز کا وقت آ جائے تو فوراً ادا کر لیں۔ سو اگر ہم مستعد نہ رہیں اور نماز کا وقت گزر جائے تو کل کے روز قیامت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا منہ دکھائیں گے کیونکہ حدیث میں ہم کو خبر دی ہے اور ہم کو حکم دیا ہے

قال النبی صلی اللہ علیہ وعلی الہ وسلم عجلوا بالتوبۃ قبل الموت وعجلوا بالصلوٰۃ قبل الفوت

ترجمہ: یعنی جلدی کرو توبہ کرنے میں پیشتر موت کے آنے سے اور ڈرو نماز کے لئے قبل وقت گزر جانے کے تاکہ نماز فوت نہ ہو جائے۔ اس کے بعد دوسری حکایت یہ فرمائی کہ میں نے امام یحییٰ حسن رندوسی رحمہ اللہ کے روضہ پر کتاب واسعہ میں (جس کو میں مولانا حسام محمد بخاری کے آگے جو میرے استاد ہیں چھوڑ آیا ہوں) لکھا ہوا دیکھا ہے اور مولانا مذکور مرحوم سے بھی یہ حدیث مجھ کو یاد ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے **من اکبر الکبائر الجمع بین الصلوتین**۔

ترجمہ: یعنی سب گناہوں سے بڑھ کر یہ گناہ ہے کہ فرض نماز وقت پر ادا کرنے میں تاخیر کی جائے تاکہ وقت گزر جائے تو دو نمازیں ملا کر پڑھ لیں اس کے بعد فرمایا کہ میں ایک روز خواجہ عثمان ہارونی نور اللہ مرقدہ کی مجلس میں حاضر تھا میں نے ان سے بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم کو منافقین کی نماز سے مطلع کروں کہ کیسی ہوتی ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! فرمائیے فرمایا کہ جو شخص عصر کی نماز میں تاخیر کرے یہاں تک کہ آفتاب متغیر اور اس کی روشنی ماند ہو جائے تو وہ شخص گناہگار ہے۔ اصحاب نے دست بستہ عرض کیا اور کہا کہ یا رسول اللہ! اس کا وقت معین فرما دیجئے آپ نے فرمایا کہ نماز عصر کا وقت یہیں تک ہے کہ آفتاب خوب روشن رہے اور اس کا رنگ زرد نہ ہو جائے یہ حکم گرمی جاڑے دونوں موسم

میں یکساں ہے اس کے بعد فرمایا کہ علم فقہ کی کتاب ہدایہ میں جو قلمی خواجہ عثمان ہارونیؒ کی لکھی ہوئی تھی میں نے یہ حدیث دیکھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

اسفروا بالفجر فانه اعظم للاجر.

ترجمہ: یعنی فجر کی نماز روشنی میں پڑھا کرو کہ اس میں بڑا ثواب ہے اور ظہر کی نماز میں سنت یہ ہے کہ گرمی کے دنوں میں اس قدر تاخیر کرے کہ ہوا میں خنکی پیدا ہو جائے اور جاڑے میں چاہئے کہ جس وقت سایہ ڈھلے اس وقت ظہر کی نماز پڑھ لے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

ابردوا بالظهر فان شدة الحرمن فيح جهنم

ترجمہ: یعنی گرمی کے موسم میں ظہر کی نماز ٹھنڈے وقت پڑھا کرو کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کے سانس سے ہے اس کے بعد فرمایا کہ ایک وقت خواجہ بایزید بسطامیؒ سے فجر کی نماز قضاء ہوگئی تھی آپ نے بے حد و نہایت گریہ وزاری کی ہاتف غیبی نے آواز دی کہ اے بایزید اتنے کیوں روتے ہو۔

تمہاری ایک نماز صبح کی قضاء ہوئی تمہارے نامۂ اعمال میں ہزار نمازوں کا ثواب لکھا گیا نیز فرمایا کہ میں نے تفسیر محبوب قریشی میں لکھا دیکھا ہے کہ جو شخص پانچوں نمازیں ہمیشہ وقت پر پڑھتا رہتا ہے کل کے روز قیامت میں وہ نمازیں اس کے آگے آگے رہنما ہو کر چلیں گی نیز فرمایا کہ جو شخص نماز نہیں پڑھتا اس کا ایمان نہیں

كما قال عليه الصلوٰة والسلام لا ايمان لمن لاصلوٰة له :

ترجمہ: یعنی جو نمازی ہے وہ ہی با ایمان ہے پھر یہ حکایت فرمائی کہ میں نے شیخ الاسلام خواجہ عثمان ہارونی کی زبانی سنا ہے کہ تفسیر امام زاہد میں آیہ

فويل للمصلين الذين هم عن صلاتهم ساهون.

یعنی ویل ہے ان نمازیوں کے لئے کہ اپنی نماز میں سستی کرتے ہیں) کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ویل ایک کنواں دوزخ میں ہے۔ ایک گروہ کہتے ہیں دوزخ

میں ایک جنگل ہے اس میں نہایت سخت عذاب رکھا گیا ہے وہ عذاب انہیں لوگوں کے لئے ہے جو نماز میں تاخیر کرتے ہیں اور وقت پر ادا نہیں کرتے اس کے بعد خود ویل کی یہ تفسیر بیان فرمائی کہ ویل ستر ہزار بار خدائے عزوجل سے فریاد کرتا ہے کہ اے پروردگار! یہ عذاب سخت کس گروہ کو کیا جائے گا؟ حکم ہوتا ہے کہ یہ عذاب ان لوگوں کے واسطے ہے کہ نماز وقت پر نہیں ادا کرتے قضاء کر کے پڑھتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ ایک وقت امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مغرب کی نماز پڑھ کر جو آسمان کی طرف نظر کی تو دیکھا کہ آسمان میں ستارے نمودار ہیں گھر میں جا کر اس امر کے کفارہ میں کہ مجھ سے نماز مغرب میں تاخیر ہوگئی ایک بردہ (یعنی غلام) آزاد کیا کیونکہ حکم ہے کہ جب آفتاب غروب ہو فوراً نماز مغرب پڑھ لے ذرا تاخیر نہ کرے۔

ف: دیکھئے نماز اور اس کے حقوق کو کس اہتمام سے بیان فرمایا ہے۔

مجلس پنجم...(قول ۱۷)

تیسرے علماء کی طرف دیکھنا بھی عبادت ہے (اور دور تک یہ مضمون چلا گیا ہے اور اسی کے ضمن میں ان لوگوں کی مذمت بھی ہے جو علماء وفضلاء ومشائخ سے اعراض کرتے ہیں)......

ف: دیکھئے ان حضرات کے قلب میں علماء کی کتنی عظمت ہے بخلاف آج کل کے جاہل فقیروں کے کہ علماء سے عداوت رکھتے ہیں۔

ازفوائد السالکین

یعنی ملفوظات حضرت خواجہ قطب الدین کاکی رحمۃ اللہ علیہ
جمع فرمودہ حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ

مجلس اوّل (قول ۱۸)

فرمایا کہ اے فرید تو نے دیکھا اگر منصور کامل ہوتا تو سرِ دوست کو ظاہر نہ کرتا۔ اسرار دوست سے صرف ایک ذرہ برابر ہی راز ظاہر کیا تھا کہ سر دے بیٹھا اور دنیا سے سفر کر گیا۔

ف: دیکھئے ایسے اسرار کے جو ظاہر اً شریعت پر منطبق نہ ہوں ظاہر کرنے کو کس قدر ناپسند فرمایا۔

مجلس چہارم (قول ۱۹)

درویشوں کی تکبیر کہنے کا ذکر ہو رہا تھا کہ جس جگہ اور جس گلی کوچہ میں جاتے ہیں تکبیر کہتے ہیں یہ کہاں سے ہے خواجہ قطب الاسلام ادام اللہ برکاتہ فرمانے لگے کہ اس طرح تکبیر کہنا کہیں نہیں آیا کہ ہر جگہ تکبیر کہتے پھریں تکبیر محل شکر ہے جب آدمی کو کوئی نعمت دین و دنیا سے پہنچے تو زیادتی نعمت کے لئے اس وقت اس کو تکبیر کہنا روا ہے نہ یہ کہ ہر محل پر تکبیر کہتا پھرے پھر فرمایا کہ تکبیر حمد کے معنوں میں ہے۔

ف: دیکھئے اس میں تصریح ہے کہ ہر عمل کا ایک محل ہے غیر محل میں اس کو ادا کرنا پسندیدہ نہیں اس سے بدعت پر کس قدر صاف نکیر ہے کیونکہ اعمال بدعت بھی اپنی ذات میں عمل صالح ہیں غیر محل میں ہونے سے بدعت بن جاتے ہیں۔

از راحۃ القلوب

یعنی ملفوظات حضرت خواجہ بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ
جمع فرمودہ حضرت سلطان نظام الدین اولیاء

مجلس سوم...۲۰ شعبان ۶۵۵ھ (قول ۲۰)

پھر شیخ الاسلام نے دعا گو کی طرف منہ کیا اور فرمایا کہ اس راہ میں اصل دل کی حضوری ہے اور دل کی حضوری اس وقت میسر ہو گی جبکہ حرام لقمے سے بچے گا اور اہل دنیا کی صحبت سے پرہیز کرے گا۔......... **ف** دیکھئے کھانے پینے میں اور صحبت نیک میں بھی پابندی شریعت کی کس قدر تاکید ہے۔

مجلس پنجم...۲۷ شعبان ۶۵۵ھ (قول ۲۱)

فرمایا کہ اہل سلوک فرماتے ہیں کہ جو مرید یا شیخ قانون مذہب اہل سنت والجماعت پر نہ ہو گا اور اس کی کیفیت و حالت و حکایت موافق کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہو گی وہ اس معنی میں راہزن ہے۔

ف: کس تصریح کے ساتھ اہل سنت والجماعت کے مذہب کے اتباع کی تاکید ہے جس سے تمام بدعات کا قلع وقمع ہوتا ہے۔

مجلس پانزدھم...۱۲ ذیقعدہ ۶۵۵ھ (قول ۲۲)

پھر آپ نے اسی کے متعلق یہ حکایت فرمائی کہ کوئی ذکر کلام اللہ سے بڑھ کر نہیں۔ مناسب ہے کہ اس کی تلاوت کیا کریں کہ اس کا نتیجہ کل طاعتوں سے بڑھ کر ہے۔

ف: یہ عین اتباع ہے شریعت کا ورنہ تارکان شریعت ذکر متعارف کو علماً و عملاً قرآن پر ترجیح دیتے ہیں۔

مجلس نوزدہم ...۲۷ ذیقعدہ ۶۵۵ھ (قول ۲۳)

دوسری شرط (دعا قبول ہونے کی) یہ ہے کہ اپنی بیوی کو ایسا زیور پہنا دے کہ جس میں باجے کی سی بلند آواز نہ پائی جائے جیسا کہ پازیب وجھانجن وغیرہ میں رونے ڈال لیتے ہیں اس سے منع کر دے۔

ف: جو بزرگ باجہ کے مشابہ آواز کو مذموم سمجھتے ہیں وہ باجہ کو کیسے جائز سمجھیں گے۔

مجلس بست ویکم۔۱۰ محرم ۶۵۶ھ (قول ۲۴) پھر آپ نے اس موقع پر فرمایا کہ ایک دفعہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یزید پلید کو کندھے پر بٹھائے ہوئے لے جا رہے تھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم کیا اور فرمایا سبحان اللہ دوزخی بہشتی کے کندھے پر سوار ہوئے جا رہا ہے۔

ف: خواہ یہ روایت ثابت نہ ہو جس کا عذر باب سوم نمبر ے میں مذکور ہے مگر اس سے یہ تو ثابت ہوا کہ حضرت شیخ فریدؒ کا عقیدہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق وہی تھا جو حضرات اہل سنت وجماعت کا ہے۔

ازراحة المحبين

یعنی ملفوظات حضرت سلطان نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ

جمع فرمودہ حضرت امیر خسرو رحمہ اللہ

مجلس اول...(قول ۲۵)

پھر آپ نے (یعنی حضرت شبلیؒ نے) اس سے (یعنی شیطان سے) کئی سوال کئے منجملہ ان کے ایک یہ تھا کہ اولیاء خدا پر تجھے کب قابو ملتا ہے اس نے کہا کہ سماع کے وقت جبکہ وہ غیر حق کے لئے سماع سنتے ہیں اور ان کے دل یاد الٰہی سے غافل اور بے ہوش ہو جاتے ہیں تو اسوقت مجھے خوب موقع ملتا ہے۔

ف: حضرت سلطان جیؒ کا حضرت شبلیؒ کے قصہ کو بلانکیر نقل فرمانا اس کو قبول فرمانا اور اپنی طرف منسوب کرنا ہے پس اس سے ثابت ہو گیا کہ حضرت سلطان جی سماع لغیر الحق کو کیسا سمجھتے ہیں تو سماع متعارف کو بزرگوں کا مشرب بتلانا کس قدر جلی تہمت ہے۔

از اسرار الاولیاء

یعنی ملفوظات حضرت شیخ فریدالدین رحمہ اللہ

جمع کردہ بدر اسحٰق رحمہ اللہ

دوسری فصل۔ (قول ۲۶)

پھر شیخ الاسلام نے فرمایا کہ اے درویش دوسرا طائفہ کہ جن کا باطن آراستہ اور ظاہر خراب ہے وہ طائفہ مجانین ہیں کہ باطن ان کا حق تعالیٰ سے مشغول ہے اور ظاہر میں کوئی سروسامان نہیں رکھتے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اے درویش مجانین وہ طائفہ ہیں کہ حق تعالیٰ کے ساتھ ایسے مشغول ہیں کہ کسی بات سے بھی خبر نہیں رکھتے اس لئے ظاہر ان کا خراب ہوتا ہے۔

ف: اس میں تصریح فرمادی کہ ان کا ظاہر جو خراب یعنی خلاف شرع ہوتا ہے اس کا سبب جنون ہے معلوم ہوا کہ غیر مجنون معذور نہیں ہے اس مقام پر ایک نکتہ قابل سمجھنے کے ہے وہ یہ کہ جنون کی حقیقت اختلال عقل ہے اختلال حواس نہیں۔ پس بعض مجانین ومجاذیب کی ایسی حالت ہوتی ہے کہ کھاتے پیتے ہنستے بولتے ہیں اور احکام شرعیہ کے پابند نہیں اور یہ سخت محل ہے اشتباہ کا دیکھنے والوں کو یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ کیسے مجنون ہیں کہ سب کام کرتے ہیں حقیقت اس کی یہ ہے کہ ان افعال کے لئے سلامت عقل شرط نہیں سلامت حواس کافی ہے۔ چنانچہ بہائم جو کہ اس عقل سے معرا ہیں جو مدار ہے تکلیف کا کھاتے پیتے ہیں اپنے دوست دشمن کو پہچانتے ہیں اسی طرح یہ لوگ بھی ہیں اس لئے محض سلامت حواس پر نظر کر کے کسی کے متعلق فیصلہ کر لینا نہ چاہئے ممکن ہے کہ

اس میں عقل نہ ہو باقی یہ بھی ضروری نہیں کہ محض اس احتمال پر نکیر واحتساب ترک کردے اس کا معیار یہ ہے کہ اس زمانہ کے بزرگان اہل بصیرت کو دیکھنا چاہئے کہ اس کے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہیں پس وہی معاملہ اس کے ساتھ کرنا چاہئے۔

چوتھی فصل۔ (قول ۲۷)

پھر آپ نے فرمایا کہ اے درویش اسے جو شنوائی دی ہے تو اسی لئے دی ہے کہ خدا کا ذکر سنے۔ جہاں کلام اللہ پڑھا جاتا ہو وہاں کان لگائے کہ کیا فرمان الٰہی ہے نہ اس لئے کہ ہر ایک کی برائی اور تمسخر اور راگ باجہ اور نوحہ کی آواز سنے کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو اس قسم کی آوازوں پر کان لگائے گا قیامت کو سیسہ پگھلا کر اس کے کانوں میں بھرا جائے گا۔ **ف**: دیکھئے راگ باجا سننے کو کس سختی سے منع فرماتے ہیں اور کسی فرد کا استثنا نہیں فرماتے۔

اٹھارہویں فصل (قول ۲۸)

پھر آپ نے فرمایا کہ اے درویش حدیث شریف میں آیا ہے کہ فقیہ عالم ہزار ایسے ایسے عابدوں سے بہتر ہے کہ جو شب کو قیام کریں اور دن کو روزہ رکھیں اور عالم کی ایک دن کی عبادت عابد بے علم کی چالیس دن کی عبادت کے برابر ہے۔

ف: دیکھئے علماء کی کیسی فضیلت بیان فرما رہے ہیں اور عابدوں پر ترجیح دے رہے ہیں کیا آج کل کے مدعی یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔

از فوائد الفواد

یعنی ملفوظات حضرت سلطان نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ

جمع کردہ حضرت علاء سنجری رحمہ اللہ

مجلس ۲۵ جمادی الاولیٰ ۷۰۸ھ (قول ۲۹)

پھر کچھ ذکر فرقہ حیدریہ کا ہونے لگا آپ نے زبان مبارک سے فرمایا کہ وہ

ترک بچہ تھا اور درویش صاحب حال تھا جب چنگیز خان نے چڑھائی کی اور ہندوستان کا اس نے رخ کیا تو ان دونوں یاروں کے پاس آیا اور کہنے لگا اے یارو کیا کر رہے ہو بھاگو وہ لوگ غالب آئیں گے۔ انہوں نے پوچھا بات تو کہو کیونکر جانا کہ وہ لوگ غالب آئیں گے۔ کہا ایک درویش کو اپنے ساتھ لا رہے ہیں اور اس کی پناہ میں آ رہے ہیں میں نے اس سے کشتی لڑی اس نے مجھ کو دے مارا اس سے مجھ کو معلوم ہوگیا کہ وہ یقینی غالب آئیں گے تم سب بھاگ جاؤ اس کے بعد وہ ایک غار میں گیا اور جاتے ہی گم ہوگیا پھر اس کا پتہ نہ چلا مگر وہ بات اس کے کہنے ہی کے مطابق ہوئی۔

اس کے بعد بندہ نے یہ عرض کی کہ یہ حیدریہ گروہ والے طوق و زنجیر وغیرہ لوہے کی چیزیں کیوں ہاتھ و گردن میں ڈالتے ہیں یہ اسی کی متابعت کرتے ہیں؟ فرمایا ہاں یہ اسی کی متابعت کرتے ہیں لیکن اس کو ایک ایسا حال واقع ہوا تھا کہ وہ لوہا گرم کر کے پکڑا کرتا تھا اور اپنے ہاتھ سے طوق وغیرہ بنالیا کرتا تھا کبھی ہاتھ میں پہنتا تھا کبھی گلے میں ڈال لیتا تھا غرضیکہ لوہا اس کے ہاتھ میں موم تھا یہ لوگ خالی لوہا ہاتھ گلے میں ڈال لیتے ہیں ان کو وہ بات کہاں نصیب۔

ف: دیکھئے یہ حضرات جس طرح اہل حال کو معذور سمجھتے ہیں اسی طرح بدون حال کے محض رسم پر کتنا نکیر فرماتے ہیں دونوں امر میں شریعت کے کس قدر متبع ہیں۔

مجلس ۱۵ محرم ۱۰۷ھ (قول ۳۰)

پھر آپ نے اولیاء کی موت کی حکایت بیان فرمائی کہ میرا ایک دوست بدایوں میں تھا اس کا نام احمد تھا وہ شخص بہت ہی نیک اور ابدال صفت تھا اگرچہ وہ بے پڑھا تھا مگر ہر روز شرعی مسائل کی تحقیق اور اس کے احکام کی بجا آوری میں مشغول رہتا تھا اور ہر کسی سے پوچھا کرتا تھا۔

ف: دیکھئے مسائل شرعیہ کی تحقیق اور احکام پر عمل کرنے کی کیسی مدح فرمائی اس سے شریعت کے احترام اور اس کے اہتمام کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

مجلس ۷ ربیع الاول ۱۰۷ھ (قول ۳۱)

پھر آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی کہ جب شیخ کی بیماری بڑھ گئی اور ماہ رمضان آیا تو آپ افطار کرتے تھے۔ ایک دن خربوزہ لایا گیا اور تراشا گیا میں شیخ کے آگے رکھا تھا شیخ تناول فرماتے تھے اس اثناء میں ایک پھانک خربوزہ کی حضرت شیخ نے مجھے عطا فرمائی میں نے جی میں کہا کہ اس روزہ کے کفارہ میں متصل دو مہینہ کے روزے رکھ لوں گا یہ پھانک کھائے لیتا ہوں یہ دولت جو حضرت شیخ کے ہاتھ سے مجھے پہنچی ہے کہاں نصیب ہوگی قریب تھا کہ میں اسے کھاؤں کہ حضرت شیخ نے منع کر دیا اور فرمایا مجھے تو بیماری کے سبب شریعت سے رخصت ہے تمہیں اجازت نہیں ہے تم نہ کھاؤ۔

ف: حضرت سلطان الاولیاء کا عزم افطار بقصد کفارہ تو حال تھا مگر حضرت شیخ فرید نے شریعت کی بناء پر اس حال پر عمل کرنے سے ممانعت فرما دی اس سے اندازہ ان حضرات کے اتباع شرع کا معلوم ہوتا ہے اور شیخ فرید کا عذر غلبۂ حال ہے۔

مجلس ۲ صفر ۱۱۷ھ (قول ۲۳)

اتنے میں ایک شخص آیا اور ایک جماعت کی کیفیت بیان کی کہ اب فلاں موضع میں آپ کے یاروں میں سے مزامیر کی جماعت مرتب کر رکھی ہے حضرت خواجہ نے یہ بات پسند نہ فرمائی اور کہا کہ میں نے تو بالکل منع کر دیا ہے کہ مجلس میں مزامیر اور محرمات نہ ہوں انہوں نے جو کچھ کیا اچھا نہیں کیا اس بارے میں بہت غلو فرمایا اور سخت تاکید کی اور فرمایا کہ اگر امام نماز میں ہو اور مقتدی اس کے پیچھے ہوں اور اس جماعت میں عورتیں بھی ہوں اور امام کو سہو ہو تو مرد سبحان اللہ کہیں اور اگر کوئی عورت اس خطا پر واقف ہو تو ہاتھ پر ہاتھ مارے مگر ہتھیلی پر ہتھیلی نہ مارے کہ وہ لہو ہے چاہئے کہ ہاتھ کی پشت ہتھیلی پر مارے غرضیکہ لہو ولعب اور اسطرح کی اور سب چیزوں سے احتراز کرنے کا حکم ہے پس سماع میں بطریق اولی جبکہ دستک میں اتنی احتیاط ہے تو مزامیر کی ممانعت بدرجہ اولی ہے پھر آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی کسی مقام سے گرے گا تو شرع

میں رہے گا اور جو وہاں سے بھی گر گیا تو پھر وہ کہاں کا رہا پھر آپ نے فرمایا کہ مشائخ کبار نے سماع سنا ہے اور ان لوگوں نے جو اس کام کے اہل اور صاحب ذوق ہیں جسے کچھ درد ہے وہ تو کہنے والے کے ایک ہی بیت کے سننے میں رقت لے آتا ہے خواہ مزامیر ہوں یا نہ ہوں یا جو شخص عالم ذوق سے بالکل خبر ہی نہ رکھے اگر اس کے آگے کتنے ہی قوال اور کتنے ہی قسم کے مزامیر ہوں جب بھی کچھ فائدہ نہیں کیونکہ وہ اہل درد ہی نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ یہ کام درد سے تعلق رکھتا ہے نہ مزامیر وغیرہ سے۔

ف: دیکھئے اس میں مزامیر و محرمات پر کس درجہ ناراضی ظاہر فرمائی اور احکام شرعیہ کو کتنا مہتم بالشان فرمایا۔

ف: جس طرح اس ملفوظ میں حضرت سلطان جی رحمہ اللہ سے مزامیر پر نکیر منقول ہے اسی طرح اقتباس الانوار میں بذیل تذکرہ حضرت شیخ داؤد گنگوہی رحمہ اللہ بسلسلۂ مناظرہ ملا عبدالقوی حضرت شیخ موصوف کا قول نقل کیا ہے جس میں اباحت مزامیر کا مرجوح ہونا اور ہمارے تمام مشائخ سے مزامیر سننے کی نفی اور دلالۃ النص سے اس کا عدم جواز مصرح ہے اس کی یہ عبارت ہے۔ وبر اباحت (مزامیر کی اباحت پر صاحب امتاع نے بعض مرجوحہ روایتیں نقل کی ہیں مزامیر سننے کی وجہ بھی ان سے ظاہر ہوتی ہے۔ اگرچہ ہمارے پیروں نے مزامیر نہیں سنے بلکہ تالی بجانے کو بھی جائز نہ سمجھتے تھے۔۱۲ مترجم) مزامیر صاحب امتاع بعضے روایات مرجوحہ نقل کردہ است برائے استماع آنہا نیز وجہے پیدا می شود اگرچہ پیران با مزامیر نشنیدہ اند بلکہ تصفیق ہم روا نداشتہ اھ اور اس کی کافی تحقیق باب سوم اشکال نمبر ا کے ذیل میں اور کچھ اسی باب کے ۱۴۱ و ۸۰ میں آتی ہے۔

مجلس ۴ جمادی الاخریٰ ۷۱۳ھ (قول ۳۴)

پھر آپ نے زبان مبارک سے فرمایا کہ ایمان جب بھی کامل ہوتا ہے جبکہ کل جہان اس کے آگے پشک شتر معلوم ہو۔

ف: ذرا اس قول کو آج کل کے دعوے وحدۃ الوجود سے موازنہ کیا جائے۔

مجلس ۱۴ رجب ۱۳۱۷ھ (قول ۳۴)

آپ نے فرمایا کہ کفر ہے اور بدعت ہے اور معصیت ہے بدعت معصیت سے بڑھ کر ہے اور کفر بدعت سے بڑھ کر اور بدعت کفر کے نزدیک ہے۔

ف: دیکھئے اس میں بدعت کی کیسی صریح مذمت ہے کہ اس کو کفر کے قریب فرمایا۔

مجلس ۲۷ صفر ۱۴۱۷ھ (قول ۳۵)

دولت پابوسی حاصل ہوئی ایک دن پہلے بندہ عزیز نصیر الدین محمود سلمہ اللہ تعالیٰ سے جو مریدان با اعتقاد میں سے تھا مشورہ کرنے لگا کہ کل آخری چہار شنبہ ہے اور خلق اسے نحس بتاتی ہے آؤ کل خواجہ کی خدمت میں چلیں ان کی برکت سے ساری نحوست جاتی رہے گی القصہ جب چار شنبہ ہوا تو میں اور وہ خواجہ کی خدمت میں آئے اور عرض حال کیا آپ نے تبسم کیا اور فرمایا ہاں لوگ تو اس دن کو نحس کہتے ہیں مگر یہ نہیں جانتے کہ یہ دن بڑی ہی سعادت کا دن ہے اگر اس دن کوئی فرزند بھی پیدا ہو تو وہ بھی بزرگ پیدا ہو۔

ف: دیکھئے عقیدۂ نحوست کی کیسی سختی سے نفی فرمائی۔

مجلس ۲۷ صفر ۱۴۱۷ھ (قول ۳۶)

پھر آپ نے فرمایا کہ بعض لوگوں کا یہ مذہب ہے کہ اولیاء انبیاء پر فضیلت رکھتے ہیں اور سبب یہ بتلاتے ہیں کہ انبیاء اکثر خلق کے ساتھ مشغول ہیں یہ مذہب باطل ہے اور اس کے بطلان کا سبب یہ ہے کہ انبیاء اگر چہ خلق کے ساتھ مشغول ہیں مگر جس دم حق کے ساتھ مشغول ہوتے ہیں ان کا ایک لحظہ جملہ اوقات اولیاء سے زیادہ شرف رکھتا ہے۔

ف: دیکھئے اس عقیدۂ بدعت کا کیسا ابطال فرمایا۔

مجلس ۱۲ شعبان ۱۷ ۱۷ھ (قول ۳۷)

پھر میں نے عرض کیا کہ معاویہؓ کی نسبت کیا اعتقاد رکھنا چاہئے۔ فرمایا وہ مسلمان تھے صحابی تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سالے ان کی بہن ام حبیبہؓ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ تھیں۔

ف: دیکھئے اس سے عقائد میں بدعت سے مبرا ہونے کا صاف ثبوت ہوتا ہے۔

مجلس ۱۸ ربیع الاول ۷۱۸ھ (قول ۳۸)

پھر یہاں سے ترک دنیا اور درویشی کا ذکر ہونے لگا کہ کیتھل اور کڑھام کی طرف ایک شیخ صوفی رہا کرتے تھے کہ انہیں لوگ صوفی بڈھن کہا کرتے تھے وہ بڑے تارکین میں سے تھے اور ان کی یہ کیفیت تھی کہ کپڑا تک نہیں پہنتے تھے بندہ نے عرض کیا کہ وہ کسی کے مرید تھے فرمایا نہیں پھر آپ نے فرمایا اگر وہ کسی کے مرید ہوتے تو اپنے ستر کو ڈھانکتے اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ان کا کوئی پیر نہ تھا پھر آپ نے فرمایا کہ وہ نماز بہت پڑھا کرتے تھے اور فرمایا کرتے کہ بہشت اچھی جگہ ہے مگر افسوس ہے کہ وہاں نماز نہیں۔

ف: دیکھئے باوجودیکہ یہ صوفی بزرگ تھے جیسا ان کے نماز کے اہتمام و احترام سے معلوم ہوتا ہے اور غلبۂ حال سے معذور تھے لیکن پھر بھی ان کو ناقص فرمایا جس کا سبب کسی پیر کامل سے تعلق نہ رکھنا تھا اس سے ثابت ہوا کہ خلاف شرع حالت کو اگرچہ عذر ہی سے ہو ناقص سمجھتے تھے۔

مجلس ۲۳ رجب ۷۱۹ھ (قول ۳۹)

بندہ کے دل میں ایک بات تھی کہ اسے پوچھنا چاہتا تھا اس روز موقع پا کر حضرت خواجہ سے عرض کیا کہ حضرت جو قبر ٹوٹ جائے اس کو بنوانا چاہئے یا نہ بنوانا چاہئے فرمایا نہیں جس قدر اس میں شکستگی ہوگی رحمت الٰہی زیادہ ہوگی۔

ف: دیکھئے قبر کو پختہ بنانے کی ممانعت فرمائی اور کچی رکھنے کی حکمت بیان فرمائی اسی کے مناسب مع شی زائد آپ کا ایک قول مجلس ۵ رمضان ۷۲۰ھ میں اس عبارت سے منقول ہے کہ پھر قبروں کا ذکر ہوا کہ لوگ پکی قبریں بنواتے ہیں اور پتھر لگوا کر اس پر آیتیں کندہ کراتے ہیں اور دعائیں لکھتے ہیں آیا یہ جائز ہے یا نہیں آپ نے

فرمایا بالکل ناجائز ہے بلکہ کفن وغیرہ پر بھی نہ لکھنا چاہیے۔

مجلس ۹ رمضان ۱۹۷ھ (قول ۴۰)

پھر اور آپ نے حکایت فرمائی کہ ایک شخص سلیمان نامی ملتان میں بڑا عبادت گزار رہتا تھا شیخ کے سامنے اس کا ذکر کثرت سے ہوا شیخ بہاؤ الدین اس کے پاس گئے اور کہا اٹھ نماز پڑھ میں دیکھوں تو کس طرح نماز پڑھتا ہے وہ شخص کھڑا ہوا اور دوگانہ پڑھا مگر دونوں قدم جس طرح رکھنے چاہئیں ویسے نہ رکھے بلکہ خوب چھدرا کر رکھے یا دونوں پاؤں جوڑ کر کھڑا ہوا شیخ نے کہا دونوں پاؤں کے بیچ میں اتنا فرق رکھ اس سے کم و بیش نہ کر پھر دوسری دفعہ اس سے کہا کہ اس طرح رکھ اس سے نہ ہوسکا شیخ نے فرمایا تو یہاں سے چلا جا۔

ف: اس سے مستحبات تک کا اہتمام کس قدر ثابت ہوتا ہے۔

مجلس ۸ شوال ۱۹۷ھ (قول ۴۱)

پھر کچھ سماع کا ذکر ہوا حاضرین میں سے ایک نے کہا کہ آپ کو حکم ہوا ہے کہ آپ جس وقت چاہیں سماع سنیں۔ آپ کے لئے حلال ہے حضرت خواجہ نے فرمایا کہ جو شے حرام ہے وہ کسی کے حکم سے حلال نہیں ہوتی اور جو شئے حلال ہے وہ کسی کے حکم سے حرام نہیں ہوتی یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ حضرت امام شافعیؒ مع دف سماع کو مباح فرماتے ہیں اور ہمارے علماء اس کے برخلاف ہیں اب اس اختلاف میں حاکم جو حکم کرے۔ حاضرین میں سے ایک نے کہا کہ انہیں دنوں بعض درویشوں نے آستانے پر مجمع کیا اور چنگ و رباب اور مزامیر اور رقص بھی تھا حضرت خواجہ نے فرمایا کہ انہوں نے اچھا نہ کیا جو نامشروع ہو وہ ناپسندیدہ ہے اس کے بعد ایک شخص نے کہا کہ جب وہ طائفہ اس مقام سے چلا آیا تو ان سے لوگوں نے کہا کہ آپ کیا کرتے ہیں وہ تو مجلس مزامیر تھی تم نے یہ سماع کس طرح سنا اور رقص کیا انہوں نے جواب دیا کہ ہم تو سماع

میں ایسے مستغرق تھے کہ ہمیں یہ نہ معلوم ہوا کہ مزامیر ہے یا نہیں حضرت خواجہ نے یہ بات سن کر فرمایا کہ یہ جواب بھی کچھ نہیں ہے وہ سب معصیت ہی میں لکھنا چاہئے۔

ف: غور کیجئے حضرت سلطان الاولیاء نے سماع کے متعلق حلت کا کیسی سختی سے انکار فرمایا اپنے لئے بھی اس کو حلال نہیں فرمایا اور آلات پر تو اور زیادہ نکیر فرمایا اور باوجود ان مستمعین کے استغراق کی خبر سننے کے پھر بھی اس کو معصیت فرمایا۔

مجلس ۲۶ ذی الحجہ ۱۹ے ھ (قول ۴۳)

اس وقت حضرت خواجہ نے فرمایا کہ اس موقع پر تکبیر بجائے حمد ہے اور یہ جو بعض درویش ہر بار ہر مصلحت کے لئے تکبیر کہتے ہیں یہ کہیں نہیں آیا پھر بندہ نے عرض کیا کہ جو ذکر پکار کر کیا جاتا ہے اگر آہستہ کیا جائے تو یہ کیسا ہے۔ آپ نے فرمایا اگر آہستہ کیا جائے بہتر۔

ف: دیکھئے جہاں جو ذکر وارد نہیں ہوا اس پر کیسا نکیر فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو بدعت سے کیسی نفرت تھی اور ذکر جہر پر ذکر خفی کو کیسی ترجیح دی۔ اس سے اختلافات میں احتیاط کس قدر معلوم ہوتی ہے۔

مجلس ۲۶ ذی الحجہ ۱۹ے ھ (قول ۴۳)

اس وقت آپ نے یہ حکایت فرمائی کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آنے والا آیا اور اس نے اس طرح سلام کیا۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ حاضرین میں سے ایک نے اس طرح جواب دیا۔ وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ومغفرتہ۔ ابن عباسؓ موجود تھے انہوں نے کہا اس طرح نہیں کہنا چاہئے۔ سلام کا جواب برکاتہ سے آگے نہیں۔

ف: یہاں بھی وہی تقریر ہے جو اوپر گزری۔

مجلس ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۹ے ھ (قول ۴۴)

دولت پابوسی حاصل ہوئی اس بات کا ذکر ہونے لگا کہ بعض توبہ کرنے والوں

سے توبہ کے بعد لغزش ہو جاتی ہے۔ اگر سعادت باقی ہے تو وہ پھر دولت توبہ سے مشرف ہو جاتا ہے آپ نے اس کے مناسب یہ حکایت فرمائی کہ ایک مطربہ قمر نامی نہایت حسین وجمیل تھی آخر عمر میں اس نے توبہ کی شیخ بہاؤ الدین سہروردی رحمہ اللہ کی مرید ہوئی پھر وہ خانہ کعبہ کی زیارت کو گئی وہاں سے ہمدان پہنچی، والی شہر کو جب اس کے آنے کی خبر ہوئی تو اس نے آدمی بھیجے کہ یہاں آ کر مجرا کر، اس نے کہا میں نے توبہ کر لی ہے اور اب میں خانہ کعبہ کی زیارت سے واپس آئی ہوں میں اب یہ کام نہیں کروں گی۔ والی ہمدان نے ایک نہ سنی اور اسے مجبور کیا وہ عورت عاجز ہو کر شیخ یوسف ہمدانی رحمہ اللہ کی خدمت میں گئی اور ساری کیفیت بیان کی شیخ نے فرمایا اچھا آج کی رات اور صبر کر کل صبح میرے پاس آئیو میں تیرے کام میں مشغول ہوتا ہوں۔

جب صبح ہوئی تو وہ عورت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئی شیخ نے فرمایا خزانہ تقدیر میں ایک معصیت تیرے نام اور لکھی ہے وہ عورت لاچار ہوگئی، ادھر حاکم شہر کو لوگوں نے تنگ کر ڈالا۔ آخر بادشاہ کے پاس گئی چنگ وغیرہ لایا گیا اور اس عورت نے سماع شروع کیا ابھی ایک ہی بیت کہی تھی کہ سب کے سب گر گئے اوّل ملک ہمدان تائب ہوا پھر اور لوگ سب کے سب تائب ہوئے۔ واللہ اعلم

ف: اس سماع کو معصیت کہا گیا نیز یہ معلوم ہوا کہ اگر اپنے یا اپنے معتقد فیہ کے کشف سے بھی معلوم ہو جائے کہ فلاں معصیت مجھ سے صادر ہوگی تب بھی وہ معصیت ہی ہے مباح نہ ہو جائے گی اور جنہوں نے اس کے خلاف کہا ہے اس کا ماخذ گو علماء ظاہر کے بعض اقوال ہو سکتے ہیں اور اس لئے نکیر کے ساتھ صوفیہ کو خاص کرنا بعد از انصاف ہے اور یہ بعض اقوال مسلم الثبوت باب ثالث مسئلہ اولیٰ کے اخر میں مع رد بایں عبارت مذکور ہیں

وما قیل لو علم لسقط منه التکلیف ممنوع ا ه قلت وهذا القائل هو شارح المختصر وعبارته فکذالک لوعلموا لسقط منهم التکلیف کذا فی الحاشیة

مگر یہ حکم خلاف تحقیق ہے اسی لئے ما قیل کو ممنوع کہا گیا۔ نیز خود یہ اخذ بھی اس وجہ سے مخدوش ہے کہ وحی جس سے ابوجہل وغیرہ کا کفر معلوم ہوا جس کی بحث مسلم الثبوت میں ہے حجت ہے اور کشف جس سے کسی کی معصیت معلوم ہوئی حجت نہیں تو ایک کے اثر پر دوسرے کے اثر کو قیاس نہیں کر سکتے اور اگر اس پر کسی کو شبہ ہو کہ بعض اکابر نے تصریح کی ہے کہ بعض اوقات کشف بھی تلبیس سے بالکل خالی ہوتا ہے اور مدار عدم حجیت کا یہی احتمال تلبیس تھا تو ایسا کشف حجت ہوگا۔

جواب اس کا یہ ہے کہ عدم تلبیس مستلزم حجیت کو نہیں دیکھئے اگر انتیسویں رمضان کو حالت ابر میں صرف ایک شخص چاند دیکھ لے تو باوجود عدم تلبیس کے وہ شرعاً حجت نہیں خود اس پر بھی اگلے دن روزہ رکھنا فرض ہے تو مدار اس کا دلیل شرعی پر ہے نہ کہ احتمال یا عدم احتمال تلبیس پر باقی یوسف ہمدانیؒ کا صرف کشف کی خبر دے دینا اور منع نہ فرمانا ممکن ہے کہ اس بناء پر ہو کہ حکم سلطانی کے سبب یہ مطربہ مکرہہ تھی۔ (کما صرح بہ الفقہاء) اور اکراہ میں ایسی معصیت معصیت نہیں رہتی چنانچہ اس کی کراہۃ بالقلب کی یہ برکت ہوئی کہ جنہوں نے مجبور کیا تھا وہی تائب ہوئے۔

مجلس ۲۶ ربیع الآخر ۱۲۷ھ (قول ۴۵)

یہاں سے شعر کا ذکر ہونے لگا بندہ نے عرض کیا کہ میں نے زبان مخدوم سے سنا ہے کہ شعر پڑھنے سے قرآن پڑھنا اچھا ہے تو بندہ آپ کی برکت سے ہر روز قرآن مجید پڑھتا ہے اور امید ہے کہ جو تھوڑی بہت عادت شعر کہنے کی ہے وہ بھی جاتی رہے گی اور توبہ کر لی جائے گی آپ نے یہ عرضداشت پسند فرمائی۔

ف: کیا اس وقت کے مدعیان سنت اپنے کو ان حضرات کا موافق یا ان کو اپنا موافق کہہ سکتے ہیں کہ اشعار کے انہماک میں قرآن مجید کا نام تک نہیں لیتے۔

از روضۂ اقطاب

مصنفہ سید محمد بلاق

یکے از ہمشیر زادگان حضرت سلطان نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ

باب پنجم: ذکر حضرت خواجہ قطب الدین رحمہ اللہ (قول ۴۶)

چوں خواجہ ایں را شنید فرمود سماع بر کسے کہ بیداد محض است حرام باشد و بر ما کہ اہل ایں کاریم حلال است۔ (جب کہ خواجہ نے اس کو سنا فرمایا کہ جو شخص اعتدال پر نہ ہو اس پر سمع حرام ہے اور چونکہ ہم اس کے اہل ہیں اس لئے ہم کو یہ کلام حلال ہے۔ ۱۲ مترجم)

ف: اس سے احتیاط ان حضرات کی معلوم ہوتی ہے کہ بدون شرائط کے سماع کو حلال نہ سمجھتے تھے۔

از ریاض العارفین

چمن سوم۔ ذکر حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ (قول ۴۷)

فرمایا کہ سالک منزل قرب تک نہیں پہنچتا مگر صلاۃ باخشوع وخضوع سے۔

ف: دیکھئے نماز اور اس میں خشوع کی کتنی تاکید ہے کیا آج کل کے مدعی نماز کو ایسا اہم سمجھتے ہیں۔

از درر نظامی

یعنی حالات ومقالات حضرت نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ

جمع کردہ مولانا علی بن محمود

باب اوّل۔ (قول ۴۸)

آپ کے مریدوں میں سے ایک مرید ایک ہاتھ دھویا کرتے تھے آپ نے فرمایا دونوں

ہاتھ کیوں نہیں دھوتے عرض کیا کہ مقصود تو ایک ہی ہاتھ کے دھونے سے حاصل ہو گیا آپ نے فرمایا ادب یہی ہے کہ دونوں ہاتھ دھوئے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔الخ

ف: مقصود حدیث نقل کرنے سے اس فعل کا سنت ثابت کرنا ہے دیکھئے اتباع سنت کا کتنا اہتمام ہے کہ ادب غیر موکد بھی متروک نہ ہو اور اس کے سامنے عقلی مصالح کو ہیچ قرار دیا۔

باب ۸۔(قول ۴۹)

فرمایا کہ مقتدی کو ہر رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھنی چاہئے اور جب سورہ فاتحہ پڑھے تو بسم اللہ بھی پڑھے بندہ نے عرض کیا کہ حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے قرآن پڑھے گا اس کے منہ میں کنکر بھرے جائیں گے۔فرمایا ہاں اگر اس حدیث میں نظر کی جائے تو وعید لازم آتی ہے اور اگر حدیث **لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب** (نماز نہیں ہوتی اس شخص کی جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے۔۱۲مترجم) پر نظر کی جائے تو عدم جواز لازم آتا ہے لہٰذا وعید کا تحمل کر کے فاتحہ پڑھ لینی چاہئے تا کہ بالاجماع نماز ہو۔**للاخذ بالاحوط والخروج من الخلاف**.

ف: میرا مقصود اس نقل سے ترجیح دینا قرأت خلف الامام کو نہیں مجتہد مطلق امام ابوحنیفہؒ کی تحقیق پر مقلد امام کے قول کو ترجیح نہیں ہو سکتی مقصود صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ ان حضرات کو اتباع سنت کا کس قدر اہتمام تھا کہ اپنے اجتہاد سے جس امر کا اوفق بالسنۃ ہونا معلوم ہو گیا وہاں وعید کا بھی تحمل کر لیا اور اس تحمل وعید کی دو تفسیریں ہیں ایک لسان علم میں دوسری لسان عشق میں اول تفسیر یہ ہے کہ جب دلیل شرعی سے ایک فعل وجوب ثابت ہو گیا تو اس پر جو وعید وارد ہے وہ ماؤل یعنی منصرف عن الظاہر ہو گی مثلاً یہاں قاری سورت پر اس وعید کو محمول کر سکتے ہیں پس اس واجب پر واقع میں وعید ہی نہ ہو گی محض اس کا احتمال ہی نہایت ضعیف درجہ میں ہو گا جو کالمعدوم ہے تو اس کا تحمل ضرر واقع کا تحمل نہیں بلکہ غیر واقع کا تحمل ہے جو محض مجازاً تحمل ہے جس کو گوارا کرنا

مشروع ہے اور دوسری تفسیر یعنی بلسان عشق یہ ہے کہ رضا و امتثال امر محبوب میں اگر کوئی کلفت وضرر عظیم بھی پیش آئے اس کو برداشت کرنا چاہئے۔ کما قیل۔

با تو دوزخ جنت است اے جانفزا

بے تو جنت دوزخ ست اے دل ربا

(اے دلربا تیری معیت میں دوزخ بھی جنت ہے۔ اور بے تیرے جنت بھی دوزخ ہے۔ ۱۲ مترجم)

اور حضرت نظام الاولیاء رحمہ اللہ کی شان عشقی سے اسی معنے کے مراد ہونے کو ترجیح ہے اور اسی بناء پر اس سے آپ کی حب اتباع سنت پر استدلال کیا گیا ہے ورنہ اگر دو دوسرے معنی مراد ہوتے تو اس عنوان تکلف کی ضرورت نہ تھی سہل عنوان سے یہ فرمادیتے کہ اس صورت میں وعید ہی نہیں اور لسان علم کی تقریر کا جواب لسان علم ہی میں دوسری جماعت کے پاس یہ ہے کہ ہم کو دلیل سے ثابت ہو گیا کہ وعید محکم ہے اور دلیل وجوب ماؤل ہے مثلاً منفرد پر محمول کی جاسکتی ہے غرض یہ تو ایک اجتہادی بحث ہے مگر حضرت کے اس جواب سے مقصود مقام تو ثابت ہو گیا اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جہاں کوئی قول یا فعل مرجوح ان حضرات سے منقول ہے وہ ان کے اجتہاد میں موافقت للسنۃ سے راجح ہی ہے چنانچہ اسی ملفوظ کے بعد ایک ملفوظ یہ بھی ہے کہ نفل نماز جماعت سے بھی پڑھنی آئی ہے مشائخ اور بزرگان چشتیہ نے ادا کی ہے اور اس کے بعد شب برأت میں جماعت کا خود بھی اہتمام فرمایا اور جواز کی دلیل میں حضرت ابن عباسؓ کی حدیث ارشاد فرمائی جس میں انہوں نے تہجد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اقتدا کیا خواہ یہ استدلال تام نہ ہو کیونکہ ایک کے اقتداء میں کلام نہیں بڑی جماعت کا اس پر قیاس کرنا مسلم نہیں لیکن اس سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ قصد اس میں بھی اتباع سنت کا تھا۔

باب ۱۲۔ (قول ۵۰)

فرمایا سکون و اطمینان کے ساتھ ایک ایک حرف کر کے سپارہ پڑھنے میں

تلاوت کا ثواب ہے اور بغیر حضور قلب کے پڑھنا ٹھیک نہیں قرآن شریف کے پڑھنے میں تمام خیالات وخطرات کو دل سے دور کردے اور اگر قرآن شریف کے معنی جانتا ہے تو دل میں ان کا دھیان کرے اگر اس کے ساتھ دل میں خطرات آئیں اور حضوری قائم نہ رہے تو چنداں حرج نہیں ہے مگر جو شخص معنی نہیں جانتا اس کو خیالات سے ضرور پرہیز کرنا چاہئے خشوع وخضوع سے پڑھے گا تو مؤثر ہوگا۔ قرآن خوانی کے وقت دل خدا کے ساتھ مشغول ہو اور سمجھے کہ میں خدا کے ساتھ ہم کلام ہوں میں اس لائق کہاں تھا کہ یہ دولت میسر ہوتی اور جس کو یہ حالت میسر نہ ہو تو وہ تصور کرے کہ خدا کے سامنے پڑھ رہا ہوں کہ ضرور مجھ کو اس کا ثواب ملے گا۔ قرآن شریف ترتیل وتردید کے ساتھ پڑھنا چاہئے۔ ترتیل یہ ہے کہ تمام حروف اور مد وغیرہ ٹھیک ادا ہوں اور تردید یہ ہے کہ جس آیت میں ذوق وحلاوت حاصل ہو اس کو مکرر پڑھے۔

ف: کیا آج کل کے مدعی قرآن مجید کا اتنا احترام واہتمام کرتے ہیں بجز خاص اوراد واذکار کے قرآن مجید کو آنکھ سے بھی نہیں دیکھتے۔

باب ۱۵۔ (قول ۵۱)

حضرت کے مریدان سے ایک شخص فخر الدین صالونگتری حاضر ہوا اور قدمبوسی بجالا کر ہدیہ پیش کیا اور کھڑا ہوگیا اور حضرت نے اس کو بیٹھنے کا حکم دیا وہ یاران کے پاس پشت بیٹھنے کے واسطے الٹے قدموں ہٹنے لگا۔

حضرت نے فرمایا ہوش رکھو گر نہ پڑنا۔ بعد ازاں میری طرف مخاطب ہوکر فرمایا کہ حضرت شیخ فرید الدین قدس اللہ سرہ کبھی کبھی ڈولہ میں سوار ہوکر صحرا میں تشریف لے جاتے اور درخت کے سایہ میں بیٹھ کر یاد حق میں مشغول ہوتے عصاء اور نعلین چوبیں مجھ کو مرحمت فرمایا کرتے میں ڈولہ کے سامنے سے الٹے پیروں واپس ہوتا اور گر پڑتا حضرت فرماتے سیدھے جاؤ سیدھے۔

ف: صاف معلوم ہوا کہ یہ حضرات ایسے تکلفات ورسوم کو پسند نہ کرتے

تھے اور اگر کوئی ایسا امر ہوتا تھا تو وہ رسم و تصنع سے نہ ہوتا تھا اس لئے بعض اوقات اس پر سکوت بھی فرماتے تھے۔

باب ۱۵۔ (قول ۵۲)

فرمایا مرید کو وہی کرنا چاہئے جو پیر حکم فرمائے اور پیر ایسا ہونا چاہئے جو احکام شریعت وطریقت کا عالم ہوتا کہ مرید کو کسی غیر مشروع چیز کا حکم نہ دے اور اگر کسی مختلف فیہ چیز کا پیر حکم دے تو مرید بجالائے کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے **اختلاف امتی رحمة** یعنی میری امت کا اختلاف رحمت ہے مرید اپنے شیخ کو مجتہد سمجھ کر اس کا فرمان بجالائے۔

ف: اطاعت کو اختلاف کے ساتھ مقید کرنے میں تصریح ہے کہ اگر وہ فعل بالاتفاق خلاف شرع ہے تو اس میں پیر کی اطاعت نہیں البتہ قواعد سے اس میں دوسری تفصیل ہے کہ اگر احیاناً ایسا ہوتا ہے تو ادب کے ساتھ عذر کردے اور تعلق قطع نہ کرے اور اگر بکثرت ایسا ہوتا ہے تو تعلق قطع کردے مگر گستاخی نہ کرے۔

باب ۱۵۔ (قول ۵۳)

فرمایا شیخ فریدالدین رحمہ اللہ جب زیادہ بیمار ہوئے اور ماہِ رمضان آیا تو آپ افطار فرماتے تھے ایک روز یاران آپ کو خربوزہ کی پھانکیں کر کے کھلا رہے تھے کہ ایک قاش آپ نے مجھ کو عنایت کی میں نے دل میں خیال کیا کہ حضرت کی عنایت کی ہوئی نعمت مجھ کو کہاں نصیب ہے اس کو کھالوں اور قریب تھا کہ اس کو کھا جاؤں جو حضرت نے فرمایا کہ نہیں تم نہ کھاؤ تم کو شرعی رخصت نہیں ہے۔

ف: کھالینے کی نیت یہ سکر اور حال تھا مگر حضرت فریدالدین رحمۃ اللہ علیہ نے شریعت کو حال پر مقدم رکھنے کا حکم فرمایا اور یہی حکایت نمبر ۳۱ میں بھی گزر چکی ہے مگر تعدد ماخذ کی وجہ سے اس تکرار کو گوارا رکھا گیا۔ (اور اتفاق سے تتمہ نمبر ۱۶ بلا نمبر لکھا گیا تھا اس مکرر کے نمبر کو اس کا نمبر سمجھ لیا جائے۔ ۱۲ منہ)

باب ۱۹۔ (قول ۵۴)

فرمایا کوئی شخص کسی کو سید سمجھ کر اس کے شانوں پر گیسو دیکھ کر نذر دیتا ہے پھر اگر وہ سید نہیں ہے تو یہ نذر اس کو لینی حرام ہے۔ فرمایا جو درویش طاعت وعبادت میں مصروف ہے بیت المال میں اس کا کچھ حق نہیں ہے جو درویش کہ تعلیم وتعلم یا درس وتدریس کا سلسلہ نہیں رکھتے جس میں مسلمانوں کا نفع ہے ان کو بیت المال سے کیا تعلق۔

ف: احکام شرعیہ کی کس قدر دقیق رعایت ہے بعض ظاہری علماء کی بھی نظر وہاں تک نہیں جاتی۔

باب ۱۹۔ (قول ۵۵)

دعاء رضا کے مناقض نہیں ہے نہ دعاء کرنے والا رضا سے باہر ہوتا ہے اور نیز دشمن و معصیت کو برا سمجھنا اور اسباب کی نگہداشت اور امر معروف ونہی منکر بھی رضاء کے منافی نہیں ہیں۔ بعض مغرورین نے یہاں سخت غلطی کھائی ہے۔ کہتے ہیں کہ کفر اور گناہ وغیرہ سب قضا وقدر سے ہیں بندہ کو ان کے ساتھ راضی رہنا چاہئے یہ باتیں اسرار شریعت سے ناواقف اور تاویل سے جاہل ہونے کی ہیں ہمارے پیغمبر اور دیگر پیغمبروں کی (صلوات اللہ علیہم) بہت سی دعائیں آئی ہیں حالانکہ یہ رضاء کے اعلیٰ مقام میں تھے اسی طرح معاصی کے انکار اور ان کو برا سمجھنے کے متعلق بھی بہت سی حدیثیں وارد ہیں۔.... ف: غیر محق وغیر محقق صوفیہ پر کیسا بلیغ رد ہے اور عقائد واحکام شرعیہ کی کس قدر تقویت ہے۔

از خیر المجالس

یعنی ملفوظات خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی رحمہ اللہ

جمع کردہ مولانا حمید قلندر احد الخلفاء

مجلس پنجم۔ (قول ۵۶)

پھر حضرت خواجہ ذکرہ اللہ تعالیٰ بالخیر نے ذکر میں اولیاء اللہ کے فرمایا کہ

متابعت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرور ہے قولاً وفعلاً وارادۃً ہر طرح سے تا محبت حق تعالیٰ کی دل میں قرار پکڑے اس واسطے کہ محبت خدا بے متابعت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حاصل نہیں ہوتی اور یہ آیت پڑھی۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ.

(کہہ دیجئے اگر تم لوگ خدا سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو خدا (تعالیٰ) تم سے محبت کریں گے۔ ۱۲ مترجم)..... **ف** دیکھئے اس میں کیسی تصریح ہے کہ بدون اتباع شریعت کے دولت باطنی بھی حاصل نہیں ہوتی۔

مجلس ششم۔ (قول ۵۷)

ایک واعظ کی حکایت بیان فرمائی کہ جس کے وعظ میں بہت اثر تھا مگر حج سے آنے کے بعد وہ اثر نہ رہا لوگوں نے جو وجہ پوچھی اس نے بیان کیا کہ یارو خداوند عالم الغیب خوب جانتا ہے کہ اس عرصہ میں کہ میں گیا اور آیا ہوں کوئی جرم وگناہ مجھ سے نہیں ہوا ہے سوائے ایک قصور کے اور میں نے جبھی جان لیا تھا کہ عمدہ نعمت مجھ سے چھین لی جائے گی اور ویسا ہی ہوا اور وہ خطا یہ تھی کہ ایک نماز باجماعت مجھ سے راہ میں فوت ہوئی کہ امام کے ساتھ ہو کر بھی جماعت سے محروم رہا یہ بے لطفی اس کی شامت سے ہے یہ کہہ کر حضرت خواجہ پر گریہ طاری ہوا اور حاضرین بھی رونے لگے کہ بسبب فوت ایک نماز باجماعت کے کہ وہ بھی وقت پر پڑھی مگر تنہا پڑھی یہ خرابی واقع ہوئی اور قبولیت عام جاتی رہی جو لوگ بیچارے بالکل جماعت میں نہیں جاتے اور اکثر ان کی نمازیں قضا ہو جاتی ہیں ان کا کیا حال ہوگا اور کتنی نعمتوں اور فوائد سے محروم رہتے ہوں گے۔

ف: دیکھئے نماز اور جماعت کا کیسا مہتم بالشان ہونا بیان فرمایا۔

مجلس بست وہشتم۔ (قول ۵۸)

اسے (یعنی ایک سید زادہ کو) ارشاد کیا کہ متابعت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر

امر میں کرنا چاہئے اور تم سے زیبا تر ہے کہ تم فرزند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہو اور متابعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم دو چیز میں ہے کہ جو کچھ خدا اور رسول نے کہا وہ کرنا چاہئے اور جس سے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا اس سے بچنا چاہئے اور خرید و فروخت میں ہرگز جھوٹی بات زبان پر نہ آئے۔

ف:۔ دیکھئے کس شدومد سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی تاکید فرماتے ہیں۔

مجلس سی و نہم (قول ۵۹)

پھر کہا لوگوں نے قرآن وحدیث کو چھوڑ دیا لہٰذا خراب و پریشان ہیں۔

ف: قرآن وحدیث کے ترک کا کیسا وبال فرماتے ہیں۔

مجلس چہل و ہشتم (قول ۶۰)

پھر فرمایا مخلوق کے روبرو سر زمین پر رکھنا بطور سجدہ روا نہیں مگر لب سے زمین چومنا آیا ہے اور تعظیم قبر کی بھی روا نہیں مگر طواف کرنا تربت کسی بزرگ کا بزرگان دین سے آیا ہے۔

ف: دیکھئے سجدہ تحیت و تعظیم قبر کی کیسی ممانعت فرمائی باقی تقبیل ارض وطواف کی جو اجازت دی ہے یہ تقبیل محبت ہے نہ کہ تقبیل تعظیم کیونکہ وہ تو مشابہ سجدہ کے ہے جس کی ممانعت فرمائی ہے اور یہ طواف بھی طواف تعظیم نہیں ورنہ وہ تو تعظیم قبر میں داخل ہے۔ جس کی ممانعت فرمائی ہے بلکہ استفاضہ عن صاحب القبر کے لئے ہے کہ اس سے مناسبت اس کی روح کے ساتھ پیدا ہو جاتی ہے اور یہ تجربہ کی بات ہے۔

مجلس پنجاہ و ہفتم۔ (قول ۶۱)

مجھے اس وقت ایک اور حدیث یاد آئی لہٰذا میں نے اسے بھی عرض کیا کہ عین القضاۃ ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث نقل کی ہے کہ فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رایت، **ربی علی صورۃ امرد جعد قطط**۔ (دیکھا میں نے اپنے رب کو ایک امرد بہت گھونگر بالوں والے کی شکل پر۔۱۲ مترجم)

جناب خواجہ نے فرمایا یہ حدیث اول تو کتب مشہورہ میں نہیں اور اگر حدیث ہے تو حمل اس کا تشابہات پر کیا جائے گا اور تشابہات پر ایمان لانا چاہئے اور بحث اور تاویل اس میں نہ کرے۔ **ف**: دیکھئے نقل حدیث میں کیسی احتیاط ہے اور عقائد کے باب میں کیسی سنت کے موافق تحقیق ہے۔

مجلس ہفتاد و ششم (قول ۶۲)

ایک شخص نے سوال کیا کہ خواجہ بایزید قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا ہے لوائی اعظم من لواء محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ بات کیونکر ہے جناب خواجہ نے فرمایا بعضے کلمات مشائخ از قسم حال و کیفیت ہوتے ہیں کہ ان کو ہفوات کہتے ہیں جیسے یہ قول ان کا کہ **لیس فی حبتی سوی اللہ تعالیٰ** اور یہ کہنا کہ **سبحانی ما اعظم شانی** سوان سب کو ہفوات عشاق کہتے ہیں یہ باتیں غلبات احوال میں ان سے سرزد ہوتی ہیں کہ ہمارے فہم سے خارج ہیں۔ **ف**: کیسا عقیدہ سنت کے موافق ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان حضرات میں افراط و تفریط نہ تھا۔

مجلس نود و ہفتم (قول ۶۳)

جس نے سنن رسول علیہ السلام کو ترک کیا اس پر مواظبت نہیں کی اس نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا خصم (یعنی مدعی) کیا ہے۔

ف: دیکھئے خلاف سنت پر کیسی وعید فرمائی۔

از انوار العارفین

تذکرہ حضرت خواجہ معین الدین رحمہ اللہ (قول ۶۴)

فرمودہ علامت شقاوت آنست کہ معصیت کند و امید دارد کہ مقبول خواہم بود۔

فرمایا بدبختی کی علامت یہ ہے کہ معصیت کرے اور امید رکھے مقبول ہونے کی۔

ف۔اس میں صاف رد ہے فرقہ اباحیہ کا جس میں بعض غلاۃ صوفیہ بھی شامل ہو گئے کہ حلال وحرام سے اپنے کو آزاد رکھ کر بھی اپنے کو واصل سمجھتے ہیں۔

تذکرہ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ...

ارشاد حضرت شیخ فرید شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ (قول ۶۵)

درویش را قدرے علم باید

(درویش کو بقدر ضرورت علم سیکھنا چاہیے۔)

ف: علم دین کی ضرورت کی تصریح فرمائی اور قدرے سے مراد قدر ضروری ہے جس پر عمل موقوف ہے اور مقصود فنون زائدہ کی ضرورت کی نفی ہے جبکہ دوسرے اہل تبحر موجود ہوں۔

تذکرہ حضرت شیخ فرید الدین رحمہ اللہ...

ارشاد حضرت قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ (قول ۶۶)

بابا فرید الدین ہمیں نمط در ترک وتجرید تحصیل علوم ظاہری مشغول می باش بعد ازاں در دہلی پیش ما بیا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ مرا آنجا خواہی یافت ازاں منزل بازگشت از آنجا بقندھار رفتہ پنج سال تحصیل علوم نمود۔......(بابا فرید الدین اسی طرح ترک اور تجرید کے ساتھ علوم ظاہری کے حاصل کرنے میں مشغول رہنا چاہیے اس کے بعد ہمارے پاس شہر دہلی میں آنا ان شاء اللہ وہاں ملاقات ہوگی۔وہ اس منزل سے واپس ہوئے وہاں سے قندھار جا کر پانچ سال تک علم کی تحصیل کی۔۱۲مترجم)

ف: اس سے تائید ہوتی ہے قول بالا کی تفسیر کی کیونکہ جو شخص پہلے سے مشغول تحصیل علوم ہو چنانچہ اس کے قبل کتاب نافع کی تحصیل کا ذکر ہے اور وہ شخص ہو بھی ذہین جیسے یہ بزرگ تھے۔پھر پانچ برس تحصیل میں اور صرف ہوں تو ظاہر ہے کہ ضروری کی وہی تفسیر ہوگی جو اوپر مذکور ہوئی نہ کہ صرف راہ نجات اور مالا بدمنہ۔

تذکرہ شیخ جلال الدین تھانیسری رحمۃ اللہ علیہ۔ (قول ٦٧)

اینجاے اکثر مدعیان اہل سلوک و جہال صوفیہ راہ خطا کردند گمراہ شدند العیاذ باللہ من ذلک. روی عن السلف رضی اللہ عنهم اجمعین انما حرموا الوصول لتضییعهم الاصول.

والاصول رعایة الشریعة والطریقة وآنچه گفته اندتلاوة القران والاشتغال بالامور الشرعیة امور حسنة لکن شان الطلب شان اٰخر.

نسبت بزوائد نوافل گفتہ اند کہ کار طالب حق بعد از ادائے فرائض وسنن رواتب منحصر بشغل باطن است نہ بکثرت نوافل واعمال جوارح۔ انتہیٰ۔

(اس جگہ اکثر سلوک کے مدعی اور جاہل صوفیہ صحیح راستہ سے ہٹ گئے گمراہ ہوگئے اللہ اس سے محفوظ رکھے اگلے بزرگوں سے منقول ہے کہ اس قسم کے لوگ وصول سے صرف اس وجہ سے محروم رہے کہ انہوں نے صحیح اصول کو ضائع کردیا اور وہ اصول یہ ہیں کہ شریعت اور طریقت دونوں کی رعایت کی جائے اور بزرگوں کا جو یہ ارشاد ہے کہ قرآن شریف کی تلاوت اور دیگر شرعی امور میں مشغول ہونا (اگرچہ) عمدہ بات ہے لیکن (عشق) اور طلب کی شان ہی دوسری ہے (جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت کی چنداں حاجت نہیں) سو یہ ارشاد عبادت نافلہ کے متعلق ہے اس لئے کہ طالب حق کا کام فرائض اور سنن موکدہ ادا کرنے کے بعد باطن میں مشغول ہونا ہے نوافل اور ظاہری اعمال یہ اس کا کام نہیں ہے۔ ۱۲مترجم)

ف: اعمال شریعت و علوم شریعت کے حقوق ادا نہ کرنے کو کس قدر مضر و موجب حرمان بتلارہے ہیں۔

از اقتباس الانوار مؤلفہ مولانا شیخ محمد اکرم رحمہ اللہ

تذکرہ حضرت شیخ جلال الدین پانی پتی رحمہ اللہ (قول ٦٨)

ایک جوگی کے قصہ میں (جس نے آپ کو ایک پارس کی پتھری دی تھی آپ کی

برکت سے بے شمار پارس کی پتھریاں پیدا ہوگئیں) یہ عبارت ہے۔

جوگی پشیمان و شرمندہ از آنجا برآمدہ وآں ہر دو سنگ در پیش آں حضرت نہاد و سرور پائے وے قدس سرہ افگند و گفت یا حضرت علم معرفتے کہ ترا ایں ہمہ استغنا میدارد چیزے ازاں نصیب من ہم کن آنحضرت گفت کہ ایں نعمت بے اسلام حاصل نمی شود جوگی برفور کلمہ توحید برزبان راند و مسلمان شد بتوجہ آنحضرت از اولیاء وقت گشت۔

(جوگی پشیمان اور شرمندہ ہو کر اس جگہ سے نکلا اور وہ دونوں پتھریاں آنحضرت کے روبرو رکھ دیں اور سر کو قدموں پر ڈال دیا اور عرض کیا کہ حضرت مجھ کو بھی کچھ اپنے علوم اور معارف میں سے عطا فرما دیجئے کہ جن کی وجہ سے آپ ایسی چیزوں سے مستغنی ہیں حضرت نے فرمایا کہ یہ دولت بدون مسلمان ہوئے نہیں مل سکتی یہ سن کر جوگی فوراً کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا حضرت کی توجہ سے اس زمانے کے اولیاء میں سے ہو گیا۔۱۲ مترجم)

ف: دیکھئے کمالات حقیقہ کے لئے اسلام کو شرط قرار دیا گیا بخلاف اس وقت کے مدعیوں کے کہ کمالات باطنیہ کا کفر کے ساتھ اجتماع ممکن سمجھتے ہیں۔

ایضاً تذکرہ حضرت موصوف (قول ٦٩)

(سلطان فیروز شاہ) برائے ملاقات شیخ جلال الحق متوجہ پانی پت گشت چوں شرف ملازمت آنحضرت دریافت عرض نمود بندہ میخواہد کہ چیزے پرسد آنحضرت گفت بپرس سلطان عرض کرد کہ شما خدا را دیدہ آید آنحضرت گفت کہ دیدن خدا عزوجل بدین چشم سرور شریعت، روا نیست اما سایہ وے سبحانہ را دیدہ ام۔

(سلطان فیروز شاہ جلال الحق کی زیارت کے واسطے پانی پت میں آیا جب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کیا کہ بندہ ایک بات دریافت کرنے کی اجازت چاہتا ہے حضرت نے فرمایا کہ دریافت کیجئے سلطان نے عرض کیا کہ کیا آپ نے خدا تعالیٰ کو دیکھا ہے حضرت نے جواب دیا کہ خدا تعالیٰ کو اس آنکھ سے دیکھنا شریعت کی رو سے جائز نہیں ہے لیکن خدا تعالیٰ کے سایہ کو میں نے دیکھا ہے۔۱۲)

ف: دیکھئے ذات وصفات کے متعلق کیسا صحیح عقیدہ اہلسنت و جماعت کے موافق ہے۔

از لطائف قدوسی

مولفہ مولانا رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ

درحالات شیخ عبدالقدوس آخر رسالہ قصہ شیخ حسام الدین محتسب

قول ۷۰

بخدمت حضرت قطب عالم اعلام شرعی فرستاد بہ ترک سرود و وجد حضرت قطب العالم قبول فرمودند چوں دو سہ روز بریں حال گذشت حضرت قطب العالم دریں مدت نہ سرود شنیدند نہ تواجد فرمودند مردمان قصبہ زبان طعن و تشنیع دراز کردند و گفتند کہ شیخ از خوف سیاست شیخ اوجہر شنیدن سرود و وجد ترک کرد واستغفار نمود چوں بعضے آمدہ درخدمت حضرت قطب العالم بزبانی مردمان اظہار کردند کہ مردم ہمچوں میگویند حضرت قطب العالم فرمودند کہ ما مسلمانیم و مسلمان زادہ ایم حکم شرع بجا آوردیم وقبول نمودیم۔

(حضرت قطب العالم شیخ عبدالقدوس رحمہ اللہ کی خدمت میں (ملام حسام الدین محتسب) نے سماع اور وجد چھوڑنے کے بابت ایک فرمان شرعی بھیجا حضرت قطب العالم نے قبول فرمالیا جب دو تین روز اسی طرح گزر گئے کہ حضرت قطب العالم نے اس زمانہ میں نہ گانا سنا اور نہ آپ کو وجد ہوا اہل قصبہ نے طعنہ زنی شروع کی اور کہا کہ حضرت نے شیخ اوجہر کی سزا کے خوف سے گانا بجانا اور وجد چھوڑ دیا اور توبہ کرلی بعض لوگوں نے حضرت کی خدمت میں یہ ماجرا عرض کیا کہ لوگ ایسا ایسا کہتے ہیں حضرت نے فرمایا کہ ہم مسلمان ہیں اور مسلمان کی اولاد ہیں شریعت کے حکم کو ہم نے مان لیا اور قبول کیا۔۱۲ مترجم)...... **ف** حضرت قطب العالم کے جواب سے جس درجہ الۃ فتہ ے شرعی کے سامنے معلوم ہوتا ہے ظاہر ہے۔

از منتخب مکتوبات قدوسیہ للشیخ عبدالقدوس رحمہ اللہ

مکتوب ہفتدہم (قول ۱۷)

دریں مقام اگر چہ وقتے بود کہ باصلوۃ ظاہر کارے نماند حسنات الابرار سیئات المقربین داند اما اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم دامن نگذارد و ترک صلوۃ ہیچ وجہ برخود روا ندارد تا اگر یک صلوۃ را بعمد تارک بود کافر و مردود گردد العیاذ باللہ من ذالک از اینجا است کہ باجماع گویند تا علم و عقل باقیست شرع و تکلیفات باقی است ہر چند مقام عالی بود و در وصول حق تعالیٰ متعالی شود ترک ادب شرع عمداً و اعتقاداً بروئے روا نبود و آنچہ ارتفاع تکالیف وارد است آن ارتفاع کلفت است از وے در عمل نہ ارتفاع اوامر و نواہی تا ہر چند عاملے بود متکلف نبود ما انا من المتکلفین ذوق حال وے بود یسبحون اللیل والنہار لایفترون۔ حال وے وکمال وے بود۔

(سالک کو اس مقام پر پہنچ کر اگر چہ ظاہری نماز کے ساتھ ایسا کچھ تعلق نہیں رہتا ہے۔ ابرار کی حسنات کو مقربین معاصی سمجھتا ہے لیکن اتباع رسول کا دامن نہیں چھوڑتا ہے اور نماز کے ترک کو کسی طرح اپنے لئے جائز نہیں رکھتا ہے حتیٰ کہ اگر ایک نماز کو قصداً ترک کرے تو کافر ہو جائے اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے۔ اسی جگہ سے سب کے سب بالاجماع کہتے ہیں جب تک ہوش اور عقل باقی ہے شریعت کی پابندی بھی باقی ہے اگر چہ (سالک کا) مقام کتنا ہی عالی ہو جائے اور وصول الی اللہ میں کتنا ہی بلند مرتبہ حاصل ہو (لیکن) شریعت کے آداب کو ترک کرنا نہ عملاً اس کے لئے جائز ہے اور نہ اعتقاداً۔ اور یہ جو تکالیف کے مرتفع ہونے کی بابت (بزرگوں سے منقول ہے تو (مراد) اس سے حسی کلفت کا عمل میں مرتفع ہو جانا ہے نہ کہ شریعت کے اوامر اور نواہی کا مرتفع ہو جانا پس وہ شخص جو کچھ عمل کرتا ہے بے تکلف کرتا ہے (ترجمہ آیت) میں تکلف کرنے والوں میں سے نہیں ہوں (یہ) اس کا ذوق حال ہوتا ہے۔ (ترجمہ آیت) رات دن عبادت کرتے

رہتے ہیں تھکتے نہیں۔" (یہ) اس کا حال اور کمال ہوتا ہے۔ ۱۲ مترجم)

ف: اس میں کتنی بڑی غلطی کا رفع ہے اور یہ جو فرمایا ہے کہ باصلوۃ ظاہری کا رہے نماند اس میں فرضیت کا انکار نہیں کیونکہ اس کے بعد ہی ترک صلوۃ کو کفر فرماتے ہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ اعظم ثمرات صلوٰۃ کا مشاہدہ ہے اس کا مشاہدہ نماز پر موقوف نہیں رہتا بلکہ بوجہ توجہ الی الافعال المختلفہ کے نماز میں یہ مشاہدہ ضعیف ہو جاتا ہے لیکن ایک غایت کے انتفاء سے دوسری غایات کا انتفاء لازم نہیں آتا۔

چنانچہ مشاہدہ سے بھی بڑی غایت رضا ہے وہ اب بھی موقوف رہتی ہے نماز پر جیسے محبوب مجلس مشاہدہ میں کسی عاشق کو ایسی خدمت بتلا دے جو نافی ہو مشاہدہ کی یا منافی ہو کامل مشاہدہ کی تو اس وقت مشاہدہ مقدم ہوگا یا رضاء۔

مکتوب ہژدہم (قول ۲۷)

برادر دیدار در آخرت بود و در دار دنیا نبود کہ وقوع دیدار پاک و باقی در کون فساد و فانی خلاف حکمت و خلاف وعدہ است ہر چند جائز است کہ ہر چہ جائز است در وجہ جواز مختص بمکانے دون مکانے و بزمانے دون زمانے نبود مخصوص دیدار خداوند پاک منزہ و مقدس از جہت و جائے و مکان و زمان است مخصوص بمکان و زمان نبود و اجماع اہلسنت و اہل حق ہم برین است کہ دیدار خدا تعالیٰ در دار دنیا واقع نشود نہ بچشم سر و نہ بدیدۂ دل برفع حجاب و عیان و آنچہ بزرگان گفتہ اند۔ بیت

ہر کرا آں آفتاب اینجا بتافت ہر چہ آنجا وعدہ بود اینجا بیافت

بیت

دیگر آنرا وعدہ گر فردا بود لیک مارا نقد ہم اینجا بود

وقول ہر بزرگے کہ دریں باب ازیں جنس اُفتادہ است معنی او آنست کہ انچہ آنجا وعدہ برویۃ بود اینجا بچشم یقین مشاہدہ حاصل گشت و در مرتبۂ رویت در مشاہدہ بلند رفت کما قال علی رضی اللہ عنہ لو کشف الغطاء ما ازددت یقیناً یعنی

یقین من در مشاہدہ رب جائے رسیدہ است کہ معائنہ و رویت ہماں شد کہ مشاہدہ یقین است و ایں را دیدار سر گویند و دریں مقام در عروج از کون در کشف حق و مشاہدہ رب بلند میروند و زمان و مکان را دروقت شان در پیچند نہ آنکہ در خارج زمان و مکان را پیچیدہ اند و دنیا را برداشتہ اند و تحقیقت در آخرت بردہ اند و ایں اعتقاد باطل است و مردان حق دریں مقام در مراتب اند کافر را ایں مرتبہ ہرگز نبود و جز مومن را نبود۔

(اے بھائی دیدار آخرت میں ہوگا دار دنیا میں نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ پاک اور باقی کے دیدار کا وقوع عالم فانی میں ہونا حکمت کے خلاف اور وعدہ کے خلاف ہے۔ ہاں عقلاً ممکن ہے اس لئے کہ جو چیز ممکن ہوتی ہے تو اس کا ممکن ہونا کسی ایک مکان اور ایک زمانے کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتا ہے خصوصاً خدا تعالیٰ جو جہت اور مکان اور زمانہ سب سے پاک ہے اس کا دیدار کسی مکان یا زمان کے ساتھ مخصوص نہ ہوگا۔ اور اہل سنت اور اہل حق کا اجماع بھی اس پر ہے کہ خدا تعالیٰ کا دیدار دنیا میں واقع نہ ہوگا نہ تو سر کی آنکھ سے اور نہ دیدۂ دل سے اس طرح کہ موجودات کا پردہ دل سے اٹھا دیا جائے اور یہ جو بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جس کسی کے لئے (حق کا) آفتاب اس جہان میں ظاہر ہوا جو کچھ وعدہ ہوا تھا یہاں سب پالیا۔ یا یہ فرمایا ہے کہ دوسروں سے تو کل کا وعدہ ہے لیکن ہمارے لئے تو اس جگہ بھی نقد موجود ہے۔

اور جو قول بزرگوں کا اس معاملہ میں ایسا ہی ہو تو ان سب کی مراد یہ ہے کہ جو کچھ وعدۂ رویت دار آخرت کے متعلق ہے اس جگہ یقین کی آنکھ سے مشاہدہ ہوا۔ اور جو کچھ رویت کے وقت حاصل ہوگا مشاہدہ میں اس سے زائد حاصل ہوا چنانچہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں اگر حجاب اٹھا دیا جائے تو میرے یقین میں کچھ اضافہ نہ ہوگا یعنی میرا یقین مشاہدۂ خداوندی میں اس کو پہنچا ہوا ہے کہ (سر کی آنکھ سے) معائنہ کرتے اور دیکھنے میں وہی بات ہوگی جو مشاہدہ کے یقین میں ہے اور اس کو (اصطلاح میں) دیدار سَر کہتے ہیں (سالکین) اس مقام میں عروج کے وقت حق کے انکشاف اور

مشاہدۂ رب کی حالت میں بہت بلند مقام پر پہنچ جاتے ہیں اور زمان اور مکان کو اس وقت لپیٹ دیتے ہیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ ظاہر میں زمان اور مکان کو لپیٹ ڈالتے ہیں اور دنیا کو (بالائے طاق) اٹھا کر رکھ دیتے ہیں اور درحقیقت آخرت میں چلے جاتے ہیں یہ اعتقاد تو باطل ہے (بلکہ مراد یہ ہے کہ نظر قلبی سے عالم دنیا محجوب ہو جاتا ہے اور اس میں محبوب حقیقی سما جاتا ہے مردانِ حق) اس مقام میں مختلف مرتبوں میں ہوتے ہیں۔ کافر کو یہ مرتبہ ہرگز حاصل نہیں ہوتا بجز مومن کے کسی کو نہیں ملتا۔ ۱۲ مترجم)

ف: اس میں کتنے عقائد خلاف شرع کو رد فرمایا ہے۔

مکتوب بست و دوم۔ (قول ۳۷)

ے آرند کہ شیخ الاسلام شیخ فتح اودھی سہ روز پیوستہ در سماع بودند و نماز پنجوقت ادامی کردند بعد چوں فرو داشت شریاراں عرض کردند کہ سہ روز گذشتہ پرسیدند نماز ادا گشت گفتند ادا گشت بعدہ شیخ محمد عیسیٰ را کہ خلیفۂ شیخ فتح اللہ بودند پرسیدہ فرستادند ایں نماز جائز است یا نہ۔ شیخ محمد عیسیٰ جواب بنشستند کہ نماز ہماں نماز است کہ حضرت مخدوم گذاردند اما از جہت رعایت شرع باز باید گردانید۔

(بیان کرتے ہیں کہ شیخ الاسلام شیخ فتح اودھی تین روز متواتر سماع میں مشغول رہے اور پانچوں وقت نمازیں ادا کرتے رہے تین دن کے بعد جب سکون ہوا تو احباب نے عرض کیا کہ تین دن گزرے ہیں انہوں نے کہا کہ نماز ادا ہوئی عرض کیا ادا ہوئی اس کے بعد شیخ محمد عیسیٰ جو کہ خلیفہ ہیں شیخ فتح اللہ کے ان کے پاس یہ بات دریافت کرنے کے لئے بھیجا کہ یہ نماز صحیح ہوئی یا نہیں شیخ محمد عیسیٰ نے جواب لکھا کہ (حقیقت میں) نماز تو وہی ہوئی جو حضرت مخدوم نے ادا کی۔ لیکن شریعت کی رعایت کی وجہ سے دوبارہ پڑھ لیں۔ ۱۲)

ف: چونکہ حضرت قطب العالم رحمہ اللہ نے اس حکایت کے اجزاء کے ساتھ توافق فرمایا اس لئے اس کو ان کا قول قرار دیا گیا اس میں جس قدر دقیق رعایت ہے شرع کی ظاہر ہے۔

(چونکہ یہ حالت ایسی تھی کہ جس میں ہوش ہونا مشکوک ہے اس واسطے غالباً خلیفہ صاحب نے احتیاطاً وجوب صلوٰۃ میں تو شیخ کو باہوش قرار دے کر نماز کو واجب فرمایا اور اعادہ میں بے ہوش قرار دے کر نماز کو صحیح نہ سمجھا ہر دو جانب احتیاط سے کام لیکر اعادہ کا فتویٰ دیا ورنہ بظاہر اعادہ کی حاجت نہ تھی۔۱۲)

مکتوب بست و ہشتم (قول ۴۷)

باز پرسیدند (یعنی از حضرت یحییٰ) رویت در خواب جائز بود یا نہ گفتند جائز بود پرسیدند کسے کہ خدائے تعالیٰ را در خواب بیند مامون العاقبہ شود یا نہ گفتند در خواب خدائے تعالیٰ را بیند اما از خوف مکر و استدراج خالی نبود مگر ہمیں سر است کہ در خواب است نہ در بیداری کہ در بیداری ہماں عاقبت بود و آں در جنت بود کہ آنجا خواب نبود ہماں بیداری بود اینجا خواب و بیداری بود و ایں حجاب است و عاقبت نبود پس ہر چند بود خوف و خطر بود۔

(پھر دریافت کیا (یعنی حضرت یحییٰ سے) (خدا تعالیٰ) کا دیدار خواب میں ممکن ہے یا نہیں انہوں نے کہا کہ ممکن ہے (لوگوں نے) عرض کیا کہ جو شخص خدا تعالیٰ کو خواب میں دیکھے کیا وہ خاتمہ سے بے خوف ہو سکتا ہے یا نہیں۔ انہوں نے کہا کہ خدا تعالیٰ کو خواب میں دیکھ سکتا ہے لیکن استدراج کے اندیشہ سے۔ یہ امر خالی نہیں یہی راز ہے کہ یہ رویت خواب میں ہے بیداری میں نہیں کیونکہ بیداری میں (جو دیدار ہوگا) اس کا محل آخرت ہوگا) اور وہ جنت میں ہوگا کیونکہ وہاں خواب نہ ہوگا۔ سراسر بیداری ہی ہوگی اور یہاں (دنیا میں) خواب اور بیداری (دونوں حالتیں) ہیں اور یہ (دنیا) حجاب ہے روز آخرت نہیں (جہاں حجاب نہ ہوگا) پس (یہاں) کتنا ہی دیدار ہو (مگر خوف و خطرہ رہے گا (مامون العاقبۃ نہ ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ دنیا کے بعد تو عاقبت ہے اس کا خوف ہوگا اور عاقبت کے بعد کوئی عاقبت نہیں اس لئے وہاں خوف عاقبت کا تحقق نہ ہوگا۔)

ف: حالت خاصہ میں کس قدر رعایت ہے حدود شرعیہ کی اور ان احوال کو کمال سمجھنے کی کیسی جڑ قطع کی ہے۔

مکتوب سی و پنجم (قول ۷۵)

بجواب مریدے کہ ملہم شدہ بود صرمومنا او کافرا کافر خواہی شد پس جواب نوشت کہ ایں راشتم محبت خوانند ورسم مودت دانند۔ اوراس کے بعد یہ قول ہے تو درکار باش و درشریعت استوار باش و ہیچ باک مدار

ایک ایسے مرید کے جواب میں کہ جس کو یہ الہام ہوا تھا کہ مومن رہو یا کافر، انجام میں کافر ہوگا تحریر فرمایا کہ یہ دشنام محبت ہے اور دوستی کا طرز، تم اپنے کام میں لگے رہو اور شریعت میں مضبوط رہو اور کچھ اندیشہ نہ کرو۔

خاک اوباش بادشاہی کن آن اوباش ہرچہ خواہی کن

(بیت کا ترجمہ) اس کی خاک پا ہو جا پھر بادشاہت کر اس کی ملک (اور غلام) بن جا جو چاہے کر۔ **ف**: اس میں بھی حالت خاصہ میں کس قدر رعایت ہے حدود شرعیہ کی اور جو چیز شرع سے موجب یاس نہ ہو اس کی کیسی جڑ قطع کی ہے جیسے قول بالا میں بلا اذن شرع عجب کی جڑ قطع کی تھی۔

مکتوب سی و ششم (قول ۷۶)

ہوش دار و درکار مستقیم باش و در شرع متدیم ہر چند کہ استقامت شرع است و درکار است انوار انوار است و اسرار اسرار می آرند مریدے نورے مید ید پیش پیر عرض داشت کہ من چنیں نورے بینم پیر دانائے روزگار بود فرمود بر و یک مشت کاہ از حق غیر بے اذن بگیر مرید ہمچناں کرد نور در پردہ شد مرید پیش پیر آمد ازیں حال عرض داشت پیر بحق رسیدہ فرمود خاطر جمع دار کہ آں نور حق است کہ اگر بارتکاب خلاف شرع آں نور مکشوف بودی نور نہ بودی بلکہ ظلمت بودی حق نہ بودی باطل بودے۔

ہرچہ در وداعیہٗ شرع نیست وسوسہٗ دیو بود بے نزاع

وآنکہ یکمشت کاہ از حق غیر گرفتن فرمودہ بود از جہت آنکہ آں از صغائر است

و در و رخصت شرع است بجہت قلت و امتحان صحت حال است وگرنہ پیر مرشد خلاف شرع ہرگز نہ فرماید وچوں ارتکاب ایں قدر زیان کرد معلوم است کہ در ارتکاب معاصی چہ زیان است و چہ حرمان پس در طاعت مستقیم باش و در شرع مستدیم کہ صفای باطن راونجات آنجہاں راامروز ماراجز شرع حجت نیست ہر چند ولی بعالم تحقیق رسد و بداند کہ ایں نور حق است و ایں سر حق و فعل او فعل حق و قول او قول حق اما متابع نبی باشد و در بیان شرع او نتواند کہ از خود حکم بگرداند و در خلاف اتباع دے سری بداند امروز روز ابتلا است نہ روز جزا ہر چہ امروز مینمایند ومیکشایند در میدان ابتلا مینمایند ومیکشایند پر خدر باید بود **والمخلصون علی خطر عظیم** در کار است مردان جان باختہ اند وجہاں تاختہ اند و بانوار واسرار حق رسیدہ اند الحمد للہ علی ذالک۔

(ہوشیار رہو اور کام میں استقامت رکھو اور شریعت پر قائم اور جے رہو جب تک شریعت میں استقامت ہے اور کام میں لگا ہوا ہے انوار انوار ہیں اور اسرار اسرار ہیں۔(حکایت) کوئی مرید نور دیکھتا تھا پیر کی خدمت میں عرض کیا کہ میں ایسا نور دیکھتا ہوں۔ پیر عاقل تھا فرمایا کہ جاؤ ایک مٹھی گھاس دوسرے کی ملک سے بدون اجازت کے لے لو مرید نے ایسا ہی کیا نور چھپ گیا مرید نے پیر کے پاس آ کر اس واقعہ کو عرض کیا پیر نے اس کی حقیقت سمجھ کر کہا کہ خاطر جمع رکھ کہ وہ نور نور حق ہے کیونکہ اگر خلاف شرع ارتکاب کرنے سے وہ نور ظاہر ہوتا تو (حقیقت میں) وہ نور نہ ہوتا بلکہ ظلمت ہوتی حق نہ ہوتا باطل ہوتا (ترجمہ بیت) ''جس میں شریعت کا داعیہ نہ ہو وہ بلانزاع شیطانی وسوسہ ہے۔'' اور یہ جو انہوں نے ایک مٹھی گھاس دوسرے کے حق میں سے لے لینے کو کہا تھا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ فعل گناہ صغیرہ ہے اور اس میں شریعت کی طرف سے رُخصت ہے بوجہ قلت شے اور صحت حال کا امتحان کرنے کے ورنہ پیر و مرشد خلاف شرع کام کرنے کو ہرگز نہ کہتے اور جبکہ اس معمولی معصیت سے اس قدر نقصان ہوتا ہے تو معلوم ہے کہ بڑی بڑی معصیت کے ارتکاب میں کس قدر نقصان ہے اور کیسی محرومی،

پس طاعت میں ثابت قدم رہو اور شریعت پر قائم رہو کیونکہ باطن کی صفائی اور اس جہان کی نجات کے لئے اس وقت بجز شریعت کے کوئی شے صحت اور سبب نہیں۔ ہر چند ولی محقق ہو جائے اور جانے کہ یہ نور حق ہے اور یہ سر حق ہے اور اس کا فعل فعل حق ہے اور اس کا قول قول حق ہے مگر تابعدار نبی کا رہتا ہے اور شریعت کے بیان کے وقت اس کو یہ حق نہیں کہ اپنی طرف سے کوئی حکم محقق کرے اور (اگر) نبی کے خلاف کرنے کی حالت میں کوئی بھید کی بات معلوم کرے (تو جان لینا چاہئے) کہ یہ وقت امتحان کا وقت ہے جزا اور سزا کا وقت نہیں ہے (اس کا وقت آخرت میں ہے) اس وقت جو کچھ معلوم ہوتا ہے اور ظاہر ہوتا ہے امتحان کے لئے معلوم ہوتا ہے اور ظاہر ہوتا ہے خائف رہنا چاہئے اہل خلوص بڑے خطرہ میں ہیں اس کا خیال رہے (اس میدان کے) مردوں نے جان کی پرواہ نہیں کی اور جہان سے پار ہو گئے اور حق کے انوار اور اسرار تک پہنچ گئے۔۱۲)

ف: شریعت کے خلاف اہل طریق کے دھوکوں پر کیسی تنبیہ ہے اور مشت کاہ لینے کو جو صغائر میں سے فرمایا یہ تورع ہے ورنہ غیر منقول چیز کا لے لینا تو کسی درجہ کی بھی معصیت نہیں مگر عبث تھا اس کا یہ ظلمت ظاہر ہوئی۔

مکتوب سی و ہفتم (قول ۷۷)

چوں بہ عالم تحقیق رسد ولی شود و نبی نبی گردد و مابہ الامتیاز بینھما سر بین اللہ وعبدہ و ولی ہر چند ولی بود و بعالم تحقیق رسد نتواند کہ نبی گردد و ذرہ از متابعت نبی خلاف نماید و مقصود کلی اینجا توحید مطلق است خواہ نبی بود و خواہ ولی کہ آں سر حق است و سر مقربان بداں خوش است و مطلوب ایشان ہماں است وھو الحق ذوالقوۃ المتین درآں توحید ہمہ روے است ہیچ پشت نہ ہمہ حق است ہیچ غیر نہ وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربھا ناظرہ خبر ازیں سرّ است۔ بیت

ہر چہ بینی ذات پاک حق بیں ایں چنیں دیدن ترا نیکو بود

وآں توحید کہ مومنان عام دارند و خدائے را ایمان بغیب آوردہ اند و مقید ثواب و عقاب

انجہاں گشتہ اند ایں را توحید مقید خوانند و نردبان توحید مطلق دانند بے ایں توحید آں توحید دست ندہد و ہر گز بداں راہ نیابد کہ لاتوحید بدون الایمان اینجا گفتہ اند کہ دریں راہ کہ رود ایمان رود و ایں بادیۂ خونخوار کہ قطع کند و بدیں دولت کہ رسد ایمان رسد۔ بیت

ہر کہ در راہ محمد رہ نیافت تا ابد گردے ازیں درگہ نیافت

(جب محقق ہو جاتا ہے تو ولی ولی ہو جاتا ہے اور نبی نبی بن جاتا ہے اور مابہ الامتیاز ان دونوں کے درمیان ایک بھید ہے اللہ اور بندے کے درمیان میں اور ولی ہر چند ولی ہو جاتا ہے اور محقق بن جاتا ہے مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ نبی بن جائے اور ذرہ برابر نبی کی اتباع کے خلاف کر سکے اور اصل مقصود اس مقام پر توحید مطلق ہے خواہ نبی ہو اور خواہ ولی کہ وہ سرحق ہے اور سر (یعنی مقربین کا دل) اس سے خوش ہے اور ان کا مطلوب وہی ہے (ترجمہ آیت) اور وہی حق زور آور نہایت قوت والا ہے اس توحید (کے مرتبہ) میں ہر شے مشاہدہ میں ہوتی ہے غیبت میں کوئی نہیں ہر شے حق ہے غیر حق کوئی نہیں (ترجمہ) اس روز (قیامت میں) بارونق ہوں گے اپنے پروردگار کی طرف دیکھتے ہوں گے (اس آیت میں اس راز کی خبر دی ہے) (ترجمہ بیت) جو کچھ دیکھو تم ذات پاک حق کا مشاہدہ کرو۔ (اس سے) کہ تمہارا اس قسم کا مشاہدہ نہایت اچھا ہے اور وہ توحید (کی قسم) کہ جو عام مسلمانوں کو حاصل ہے اور خدا تعالیٰ پر ایمان بالغیب لائے ہیں اور صرف آخرت کا عذاب و ثواب ان کی غرض ہے (اس قسم کی) توحید کو توحید مقید کہتے ہیں اور توحید مطلق کا زینہ اس کو جانتے ہیں بدون اس توحید کے وہ توحید کسی طرح میسر نہیں آ سکتی اور اس کا راستہ نہیں مل سکتا اس لئے کہ توحید کا حصول بدون ایمان کے ممکن نہیں۔ اسی جگہ سے ان حضرات نے کہا ہے کہ اس راہ (سلوک) میں کون چلتا ہے ایمان چلتا ہے اس خونخوار جنگل کو کون قطع کرتا ہے ایمان قطع کرتا ہے اس دولت کو کون حاصل کرتا ہے ایمان حاصل کرتا ہے (ترجمہ بیت) جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق کو نہیں اپنایا قیامت تک اس درگاہ کی گرد میسر نہیں آئے گی۔۱۲)

ف: جو لوگ اس دھوکہ میں ہیں کہ کمالات باطنہ میں اسلام بھی شرط نہیں ان پر کس قدر بلیغ رد ہے۔

مکتوب چہل و دوم (قول ۷۸)

متعلق بعض اہل اغلاط: از احکام شرع رفتہ اند و حلال و حرام را یکسو نہادہ اند و در ضلالت اُفتادہ اند فردا با کفار در جہنم بودند تا اگر توحید با صحت دین و باستقامت احکام شرع متین و عقائد دینی بودے در ہر مرتبہ کہ بودے بکشف یا بمقال بلسان یا بحال ہیچ زیان نہ کردی بلکہ مطلوب راہ بودے و مقصود درگاہ۔

(بعض اہل اغلاط کے متعلق: وہ لوگ شریعت کے احکام سے ہٹ گئے حلال و حرام کو چھوڑ دیا گمراہی میں پڑ گئے کل کے دن کفار کے ساتھ دوزخ میں ہوں گے حتیٰ کہ اگر توحید دین کی درستی اور احکام شرع کی استقامت اور دینی عقیدوں کے ساتھ ہوتی جس مرتبہ کی ہوتی کشف سے یا مقال سے زبان سے یا حال سے کچھ نقصان نہ کرتی بلکہ سلوک کی مطلوب ہوتی اور درگاہ کی مقصود۔۱۲مترجم)

ف: مدلول ظاہر ہے۔

مکتوب چہل و پنجم (قول ۷۹)

بدانند کہ **رضیت باللہ ربا وبالاسلام دینا وبالمصطفٰی علیہ السلام** نبیا حق ست جمیع اہل اسلام بریں مقرر اند و ہر کہ یکے ازیں راہ منکر شود کافر است بالاجماع آنچہ اختلاف اہل ملۃ اسلام در احکام اسلام کردہ اند بعضے ایشاں را اہل ضلالۃ گویند و اہل سنت و جماعت ندانند و اہل حق ندانند چنانچہ فرقۂ معتزلہ و روافضہ و خوارجہ و کرامیہ و غیر ذلک واں اجتہاد ایشاں را باطل و مردود خوانند آں مسائل معین و مذکورند در کتب کہ بداں نسبت ایشاں را اہل ضلال گویند چنانچہ انکار صفات و انکار مسئلہ رویت وآں معتزلہ است و اصل در اعتزال انکار صفات و انکار رویت است اشعریہ ہر چند تکوین را حادث گوید و در بعضے مسائل دیگر خلاف جوید اہل حق ست و اہلسنت و جماعت کہ منکر

صفات ومنکر رویت نیست ہر چند مطعون ست وصفائے مذہب سنت ندارد و چنانچہ انکار از فعل اختیاری وآں جبریہ است واثبات فعل اختیاری کہ خالق آں خدا راندانند وآں قدریہ است وعلی را بر جملہ اصحاب فضل دہند وآں روافضہ است ومسح بر موزہ جائز ندارد وبر پائے مسح کند وآں شیعہ است وقرآن رامخلوق گوید وآں معتزلہ وزیدیہ اند وغیر ذلک کہ اہل سنت وجماعت ایشاں را بہ نسبت آں مسائل اہل حق نہ دانند وبیرون از اہل سنت وجماعت بخوانند کہ دریں از حضرت علیہ السلام الیٰ یومنا باجماع اہل حق بر خلاف آں اقوال جملہ اہل ضلال قرار گرفتہ است ہر کہ ازیں قاعدہ تجاوز کند ودر قولے از اقوال ایشاں مائل شود از اہل ضلال باشد وقول وفعل او مردود ومطرود بود وطائفہ اہل ضلالت اباحتیاں اند ایشاں خود راموحد خوانند وترک شرائع جائز دانند وندانند کہ توحید مطلق توحید عارفاں وسر ایشاں مخصوص با ایشاں است واباحۃ بلیہ عام است وگمراہی تمام **عصمنا الله وجميع المؤمنين من هذه البليلة** وآنچہ از مشائخ اقوال واشارات ظہور یافتہ است آں تعلق بمرتبہ ایشاں دارد وبعضے از اہل ظاہر شطحیات گویند بداں معنی کہ خلاف ظاہر است چنانچہ **ليس فى الدارين غير الله وانا الحق وسبحانى** رد آں جائز نیست کہ اقوال اہل حق واہل سنت وجماعت اند وقبول آں لازم نیست کہ معصوم نیند روا باشد کہ لغزیدہ باشند انبیاء معصوم اند اقوال ایشاں راشطحیات نہ گویند مجمل ومتشابہ خوانند ہر یکے از اولیا بر قدر علو درجہ خویش در متابعت سید المرسلین دمے وقدمے دارد کہ یکے بدیگرے نرسد وفہم آں او را نبود چنانکہ قرآن ناطق ست **وكيف تصبر على مالم تحط به خبرا** (اگر آنجا انکار بود حرمان عظیم باشد کہ منکر بجائے نرسد جز مخذول ومطرود نبود صاحب عوارف مے گوید **من انكرهم ضل واعتدى** ومصدق اگرچہ بدرجۂ ایشاں نرسیدہ است امید است کہ تصدیق را در صحبت وخدمت ایشاں آرد واو را بکمال مرداں رساند وعارف سبحان گرداند۔

(جاننا چاہئے کہ حدیث رضیت باللہ الخ حق ہے ترجمہ۔ اس پر میں راضی ہوں کہ میرا رب اللہ ہے اور دین میرا اسلام ہے اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں

تمام اہل اسلام اس کا اقرار کرتے ہیں جو کوئی اس کا انکار کرے بالاجماع کافر ہے سوائے فرقوں نے احکام اسلام میں جو کچھ اختلاف کیا ہے ان میں سے بعض کو گمراہ کہتے ہیں اور ان کو اہل سنت و جماعت نہیں جانتے اور اہل حق نہیں سمجھتے جیسے فرقہ معتزلہ اور شیعہ اور خوارج اور کرامیہ وغیرہ اور ان کے مجتہد مسئلوں کو باطل اور مردود کہتے ہیں وہ ایسے مسئلے ہیں جو مذکور ہیں کہ جن کی وجہ سے ان کو گمراہ کہتے ہیں جیسے صفات کا انکار اور مسئلہ رویت کا انکار اور ان کا منکر فرقہ معتزلہ ہے اور اصل اعتزال صفات اور رویت کا انکار ہے اگرچہ معتزلہ اور مسائل میں بھی اہل حق کے مخالف ہیں (اشعریہ اگرچہ صفت تکوین کو حادث کہتے ہیں اور بعض دوسرے مسائل میں ان کا اختلاف ہے اہل حق ہیں اور اہل سنت و جماعت ہیں کیونکہ صفات کے اور رویت کے منکر نہیں ہیں اگرچہ قول بحدوث اور اختلاف مسائل کی وجہ سے) مطعون ہیں اور صاف طور سے مذہب اہل سنت کا نہیں رکھتے اور جیسے بعض کا (بندے کے) محض قدرت کا انکار کرنا اور وہ لوگ فرقہ جبریہ ہیں (اور جیسے بعض کا بندے کے لئے) محض قدرت کو ہی ثابت کرنا کہ اس کا پیدا کرنے والا خدا تعالیٰ نہیں ہے اور وہ لوگ قدریہ ہیں (اور جیسے) حضرت علیؓ کو تمام صحابہؓ پر فضیلت دیتے ہیں اور وہ لوگ تفضیلیہ ہیں اور بعض موزوں پر مسح کرنا جائز نہیں سمجھتے اور پاؤں پر مسح کرتے ہیں اور وہ لوگ شیعہ ہیں اور بعض قرآن کو مخلوق کہتے ہیں اور وہ لوگ معتزلہ اور زیدیہ ہیں وغیرہ وغیرہ کہ اہل سنت و جماعت ان لوگوں کو ان مسائل کی وجہ سے اہل حق نہیں سمجھتے اور اہل سنت و جماعت سے خارج کہتے ہیں کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے اس وقت تک جمہور اہل حق ان گروہوں کے قول کے خلاف ثابت اور قرار پائے ہیں جو کوئی اس متفق علیہ قاعدے سے تجاوز کرے گا اور ان گروہوں کے سے قول کی جانب مائل ہوگا وہ گمراہ ہوگا اور اس کا قول اور فعل مردود اور غیر مقبول ہوگا گروہوں میں سے ایک گروہ باطنیان کا ہے یہ لوگ اپنے کو صوفی کہتے ہیں اور ترک شریعت کو جائز بتاتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ

وسیلہ معرفت عارفوں کی توحید ہے اور انکا راز ان کے ہی ساتھ مخصوص ہے (تارک شریعت کو کس طرح یہ مرتبہ حاصل ہوسکتا ہے) اور اباحت یعنی ترک شریعت کو جو بڑا جرم کہا جاتا ہے اور پوری گمراہی ہے جو اللہ تعالی ہم کو اور تمام مسلمانوں کو اس بلا سے محفوظ رکھے اور شطحیات سے جو اقوال و ارشادات (غلبۂ حال میں) ظاہر ہوئے ہیں ان کا تعلق ان کے مرتبہ کے ساتھ ہے (دوسروں کے فہم سے بالا ہیں) اور بعض اہل ظاہر ان اقوال کو شطحیات کہتے ہیں اس لئے کہ ظاہر شریعت کے خلاف ہیں چنانچہ یہ قول لیس فی ردائی غیر الله اور انا الحق اور سبحانی (ان کے حق تحقیق یہ ہے) کہ ان کا انکار اور رد جائز نہیں کیونکہ اہل حق اور اہل سنت و جماعت کے اقوال ہیں اور قبول کرنا بھی لازم نہیں اس لئے کہ وہ معصوم نہیں ہیں ممکن ہے کہ ان کو لغزش ہوگئی ہو انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں ان کے اقوال کو (جو کہ خلاف ظاہر ہیں) شطحیات نہیں کہتے بلکہ مجمل اور متشابہ کہتے ہیں ہر ولی کو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا ایک خاص درجہ حاصل ہوتا ہے کہ دوسرا وہاں تک نہیں پہنچ سکتا اور اس کو نہیں سمجھ سکتا چنانچہ قرآن پاک میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے قصہ میں خضر علیہ السلام کا قول نقل کیا گیا ہے جس سے اس تحقیق کی تائید ہوتی ہے) ارشاد ہے (ترجمہ آیت) کیسے صبر کرو گے ایسے امور پر جن کی حقیقت سے تم واقف نہیں تو ایسے مشائخ پر انکار کرنے سے محرومی ہوتی ہے کیونکہ منکر کو کوئی مرتبہ نہیں حاصل ہوتا بجز رسوائی اور ذلیل ہونے کے کچھ نہیں ہوتا صاحب عوارف فرماتے ہیں جس نے انکار کیا محروم ہوا اور حد سے آگے نکل گیا اور تصدیق کرنے والا اگرچہ (ابھی تک) ان کے درجہ تک نہیں پہنچا (لیکن) امید ہے کہ تصدیق کی وجہ سے ان کی صحبت اور خدمت میں حاضر ہو کر بزرگوں کے حالات معلوم کرے اور اس کو خدا تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو۔)

فائدہ: اہل بدعت و اہل اباحت پر کس قدر رد ہے اور شطحیات کے متعلق اور ان کے مرتبہ سے صدور کا جو ہے اس کا کیا اچھا فیصلہ ہے

ازاخبارالاخیار للشیخ عبدالحق المحدث الدہلوی

تذکرہ حضرت شیخ نصیرالدین چراغ دہلی اعظم خلفاء

حضرت سلطان نظام الدین اولیاء

(قول ۸۰)

نقل ست کہ روزے بعضے از مریدان شیخ نظام الدین اولیاء مجلسے داشتند و ازدف زنان سرودے مے شنیدند شیخ نصیرالدین محمود در مجلس بود برخاست تابرآید یاران تکلیف نشستن کردند گفت خلاف سنت است گفتند از سماع منکر شدی واز مشرب پیر بر گشتی گفت حجت نمی شود دلیل از کتاب وحدیث مے باید بعضے ازغرض گویاں ایں سخن بخدمت شیخ رسانیدند کہ شیخ محمود چنیں میگویند شیخ راصدق معاملہ او معلوم بود فرمود راست می کوید حق آنست کہ او میگوید در سیر الاولیاء می نوسد کہ در مجلس شیخ نظام الدین مزامیر نبودے و تصفیق نہ کردندے واگر کسی از یاران چیزے بخدمت او میرسانید کہ مزامیر می شنود منع می کردوے گفت خوب نمی کند و در خیر المجالس میگوید عزیزے بخدمت شیخ نصیرالدین محمود درآمد آغاز کرد کہ کجا رواباشد کہ مزامیر در جمع باشد دف ونائے ورباب وصوفیان رقص کنند خواجہ فرمودند کہ مزامیر باجماع مباح نیست اگر یکے از طریقت بیفتد بارے در شریعت باشد اگر از شریعت ہم بیفتد کجا رود واوّل در سماع اختلاف است نزدیک علماء باچندین شرائط مباح اہل آں را اما مزامیر باجماع حرام است۔

(نقل ہے کہ ایک روز سلطان نظام الدین اولیاء کے بعض مرید کسی مجلس میں جمع تھے اور عورتوں کا دف سے گانا سنتے تھے شیخ نصیرالدین محمود مجلس میں تھے اٹھ کھڑے ہوئے تا کہ باہر چلے جائیں۔ یاران طریقت نے بیٹھنے پر زور ڈالا تو کہا کہ یہ سنت کے خلاف ہے لوگوں نے کہا کہ سماع کا انکار کرتے ہو اور پیر کے طریقہ کو چھوڑتے ہو کہا کہ پیر کا طریقہ دلیل اور حجت نہیں قرآن اور حدیث سے دلیل بیان

کرنی چاہئے بعض مخالفوں نے اس واقع کی خبر شیخ کو کردی کہ شیخ محمود ایسا کہہ رہے ہیں شیخ کو ان کا صدق معاملہ معلوم تھا فرمایا (شیخ محمود) درست کہتے ہیں حق وہی ہے جو وہ کہتے ہیں۔ (کتاب سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ شیخ نظام الدینؒ کی مجلس میں مزامیر نہ ہوتے تھے اور تالی نہ بجاتے تھے اور اگر کوئی شخص احباب کی طرف سے ان کی خدمت میں عرض کرتا کہ مزامیر سننے ہیں تو ان کو منع کرتے اور فرماتے کہ یہ کام اچھا نہیں خیر المجالس میں لکھا ہے ایک عزیز شیخ نصیر الدین کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ کہاں جائز ہے یہ بات کہ مزامیر، اور دف، اور بانسری اور رباب یہ سب موجود ہوں اور صوفی لوگ رقص کریں خواجہؒ نے فرمایا کہ مزامیر بالاجماع جائز نہیں اگر کوئی طریقت سے نکل جائے تو اس کا شریعت میں ٹھکانا ہوسکتا ہے اگر شریعت سے بھی گر جائے تو پھر کہاں جائے (پس مزامیر کے پاس بھی نہ جانا چاہیے کہ شریعت کے خلاف ہے) رہا سماع تو اس میں اختلاف ہے (بعض) علماء کے نزدیک اہل کے لئے کچھ شرائط کے ساتھ جائز ہے لیکن مزامیر بالاجماع حرام ہے۔۱۲ مترجم)

ضمیمہ قصۂ بالا از رسالہ قروع السماع للشیخ المحمد وح

حضرت شیخ نصیر الدین محمود رحمہ اللہ در غایت تورع و احتیاط و مسلمانی ونگہداشت حدود ظاہر بودند ہمیشہ بدرس علوم دینی مشغول درگاہ گاہے کہ سماع می شنیدند قوالان ہم از جنس طالبعلمان ودرویشان مے بودند کہ درخدمت ایشاں کاری کردند چنیں شنیدہ میشود کہ یکبار درخانہ شیخ برہان الدینؒ غریب مجلس سماع بودو مزامیر نیز بود شیخ نصیر الدین محمودؒ از مجلس برخاستہ واعراض نمودہ بمنزل خود آمدند کسی گفت کہ از طریقہ پیر برگشتی گفت حجت نمی شود ایں خبر بسلطان المشائخ رسانیدند فرمودند خوب کردوحق بجانب اوست ومنتسبان سلسلہ مخدوم شیخ نصیر الدین محمود قدس اللہ تعالیٰ سرہ غایت اجتناب واحتراز از شنیدن مزامیر دارند وایشاں میگویند کہ شیخ فرمودند کہ ہر کہ سماع مزامیر کند از عقد بیعت ومریدے ما برآید واللہ اعلم بالصواب۔

(اور حضرت شیخ نصیر الدین محمود رحمہ اللہ غایت درجہ کا تقویٰ اور احتیاط اور دینداری اور ظاہری حدود کی رعایت رکھتے تھے ہمیشہ علوم دینی کی تعلیم میں مشغول رہتے کبھی کبھی سماع سنتے تھے قوال بھی طالب علموں اور درویشوں میں سے ہوتے تھے جو کہ ان کی خدمت میں رہ کر کام کرتے تھے ایسا سنا گیا ہے کہ ایک مرتبہ شیخ برہان الدین غریبؒ کے مکان میں سماع کی مجلس منعقد تھی اور مزامیر بھی موجود تھے۔ شیخ نصیر الدین محمود رحمہ اللہ مجلس سے اٹھ کر کھڑے ہوئے اور اپنے مکان پر آ گئے کسی نے کہا کہ آپ پیر کے طریقہ سے پھر گئے۔ فرمایا کہ یہ کوئی دلیل نہیں اس خبر کو سلطان المشائخ کی خدمت میں لوگوں نے پہنچا دیا تو فرمانے لگے کہ انہوں نے بہت اچھا کیا اور حق ان کی جانب ہے مخدوم شیخ نصیر الدین محمود قدس اللہ سرہ کے سلسلے کے مرید مزامیر سننے سے غایت درجہ پرہیز کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ شیخ نے فرمایا ہے کہ جو مزامیر سنے گا وہ ہماری بیعت اور مریدی سے خارج ہو جائے گا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ ۱۲ مترجم)

ف: سماع مع المزامیر کی جو مذمت فرمائی ہے ظاہر ہے۔

❋❋❋

باب دوم

جس میں ان حضرات کے وہ افعال ہیں جن سے خود ان کا شدید الاتباع ہونا ثابت ہے۔

از مختصر حالات خواجگان چشت رحمہ اللہ

حالات حضرت خواجہ معین الدین رحمہ اللہ۔ عمل (۱)

وہاں کا (یعنی ہرات کا) حاکم ایک شیعی محمد یادگار تھا کہ جو اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیا کرتا تھا اور جو کوئی اس کی قلمرو میں اپنی اولاد کا نام ابوبکر یا عثمان یا عمر رکھتا فوراً قتل کروا دیتا۔ حضرت خواجہ اسی کے باغ میں اترے اور لب حوض مقام کیا وہ جب اپنے باغ میں سیر کے لئے آیا تو ان کو دیکھ کر غضبناک ہوا اور چاہا کہ انہیں آزار دے کہ اس اثناء میں خواجہ کی نظر فیض اثر اس پر جا پڑی فوراً بے ہوش ہو کر گر پڑا خواجہ نے جب اس کی یہ کیفیت دیکھی حوض سے پانی لے کر اس پر چھڑکا جب اسے ہوش ہوا تو وہ اسی وقت اپنے عقیدہ سے پھر گیا اور قدموں میں آ پڑا پھر مع اپنے ارا کین کے حضرت خواجہ کا مرید ہوا اور بہت سا مال و متاع اور خزانے شیخ کے آگے لا رکھے۔ خواجہ نے فرمایا کہ یہ مال تیری ملک سے نہیں ہے بلکہ یہ مال ان کا ہے جن سے کہ بطریق ظلم لیا گیا ہے۔ تجھے چاہئے کہ جن جن سے یہ لیا ہے انہی کو پہنچا دے اس نے ایسا ہی کیا اور اپنے لونڈی غلاموں کو آزاد کر دیا۔

پھر پندرہ روز خدمت عالی میں رہ کر اپنے کام کی تکمیل کی اور خرقہ خلافت پایا پھر وہ ظاہری و باطنی دونوں خلافتیں حاصل کر کے ہرات ہی پر مامور کیا گیا۔

ف: دیکھئے حقوق العباد کا کتنا اہتمام فرمایا جس کا آج مدعیان علم و عمل کو بھی اتنا اہتمام نہیں۔

حالات خواجہ قطب الدینؒ (عمل ۲)

اصلاح الدین پسر کریم الدین ونصیر الدین غزلخواں نے یہ بیت شروع کر دی۔

کشتگان خنجرِ تسلیم را　　ہر زماں از غیب جانے دیگرست

(خنجر تسلیم ورضا کے قتل کئے ہوؤں کو ہر وقت ایک دوسری قسم کی جان غیب سے ملتی رہتی ہے۔۱۲ مترجم)......اس بیت کے سنتے ہی آپ پر وہ حالت طاری ہوئی کہ دس گز زمین سے اچھلنے لگے تین روز تک یہی حالت رہی سوائے نماز کے اور کسی وقت ہوش نہ ہوا جب نماز پڑھ لیتے پھر وجد کرنے لگتے۔

ف: دیکھئے نماز کا کتنا اہتمام تھا کہ ایسی حالت مغلوبیت میں بھی غفلت نہیں کی۔

حالات شیخ فریدالدین رحمہ اللہ (عمل ۳)

بی بی شریفہ جوانی ہی میں بیوہ ہوگئی تھیں اور کوئی اولاد نہ رکھتی تھیں مرتے دم تک خدا ہی کی یاد میں لگی رہیں بڑی ولیہ کاملہ تھیں چنانچہ آپ کے والد (یعنی حضرت شیخ فریدؒ) فرمایا کرتے تھے اگر خلافت وسجادہ عورت کے لئے جائز ہوتا تو بیشک بی بی شریفہ اس قابل تھیں کہ انہیں خلافت دی جاتی۔

ف: دیکھئے شریعت کا کس قدر دقیق اتباع ہے کہ باوجود کسی صریح قولی نہی کے وارد نہ ہونے کے متبعین سنت کے توارث پر کس اہتمام سے عمل فرمایا۔

از انیس الارواح

یعنی ملفوظات حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمہ اللہ

مرتبہ حضرت خواجہ معین الدین رحمہ اللہ

آٹھویں مجلس۔عمل (۴)

کھانا لایا گیا تو حضرت خواجہ نور اللہ مرقدہ نے فرمایا کہ کھانا دسترخوان پر لاؤ کیونکہ ہم اس پر کھائیں گے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوان (چوکی)

پر کھانا نہیں کھایا (یہ حدیث میں مصرح ہے) لیکن خوان پر کھانا کھانے سے منع بھی نہیں فرمایا ہے لہٰذا اگر کوئی کھائے تو روا ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سب صحابہ واہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین ہمیشہ دستر خوان ہی پر کھانا کھاتے تھے۔

ف: دیکھئے باوجودیکہ چوکی پر کھانا رکھ کر کھانے کو جائز سمجھتے تھے (اور یہ تو آپ کی رائے ہے) مگر سنت کے خلاف ہونے کے سبب اس کو پسند نہیں کیا کس درجہ اتباع سنت ہے۔

ازفوائدالسالکین

یعنی ملفوظات خواجہ قطب الدین کاکیؒ....جمع کردہ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ

مجلس دوم۔ عمل (۵)

قصہ سماع قطب صاحب و قاضی حمید الدین ناگوری رحمتہ اللہ علیہما میں مذکور ہے اس بیت نے (یعنی کشتگان خنجر تسلیم را + ہر زماں از غیب جانے دیگرست) ہم دونوں کو پکڑ لیا تین رات دن برابر مدہوش و متحیر رہے پھر ہم دونوں اپنی جگہ پر آ گئے اور یہی بیت پھر پڑھوائی پھر تین رات تک برابر متحیر رہے اور کچھ خبر نہ ہوئی مگر نماز کے وقت ہوش آ جاتا تھا بعد نماز پھر عالم سماع میں مشغول ہو جاتے پھر سات رات دن تک اور بھی عالم تحیر میں رہے۔

ف: دیکھئے ایسی سخت حالت میں نماز قضا نہیں کی اس سے زیادہ کیا اتباع شریعت ہوگا یہ قصہ پہلے بھی آیا ہے مگر ماخذ کے تعدد سے مکرر لایا گیا جس سے تقویت ہوگئی۔

مجلس چہارم۔ عمل (۶)

اتنے میں کھانا آ گیا خواجہ اور سب درویش کھانا کھانے لگے کہ اتنے میں شیخ نظام الدین ابوالموٴید آئے اور سلام کیا خواجہ نے نہ ان کے سلام کا جواب دیا اور نہ ان پر التفات فرمایا ابوالموٴید پر یہ امر نہایت شاق گزرا غرضیکہ جب کھانے سے فارغ ہوئے تو ابوالموٴید پر یہ سوال کیا کہ جب آپ کھانا کھا رہے تھے میں آیا اور سلام کیا

آپ نے سلام کا جواب کیوں نہ دیا۔ خواجہ قطب الاسلام ادام اللہ بقائہ نے فرمایا کہ ہم طاعت الٰہی میں تھے سلام کا جواب کس طرح دیا جاتا۔

درویش لوگوں کا کھانا محض عبادت عبادت کے لئے ہوتا ہے اور یہی ان کی نیت ہوتی ہے کھانا کھانا گویا ان کی عبادت ہے پس جب وہ عبادت وطاعت میں مشغول ہیں تو ان کو یہ روانہیں کہ وہ سلام کا جواب دیں اور آنے والے کو یہی چاہئے کہ وہ بیٹھ جائے اور کھانے میں شریک ہو جب طعام سے فارغ ہوا ُٹھے اور سلام کرے پھر اسی محل پر آپ نے فرمایا کہ ایک دفعہ شیخ ابوالقاسم نصیر آبادی (کہ شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس سرہٗ العزیز کے پیر تھے) اپنے یاروں کے ساتھ کھانے میں مشغول تھے امام الحرمین استاد امام غزالی آئے اور سلام کیا کسی نے ان پر التفات نہیں کیا جب کھانے سے فارغ ہوئے تو امام الحرمین کہنے لگے کہ میں آیا اور سلام کیا لیکن آپ لوگوں میں سے کسی نے سلام تک کا جواب نہ دیا یہ کیا نیک بات ہے۔ شیخ ابوالقاسم نے کہا کہ رسم یہی ہے کہ جو جماعت میں آئے اور وہ جماعت کو کھانے میں مشغول پائے تو آ کر بیٹھ جائے جب وہ فارغ ہوں تو اٹھ کر سلام کرے امام الحرمین بولے کہ یہ بات کہاں سے نکالی عقل سے یا نقل سے انہوں نے فرمایا عقل سے کیونکہ جب درویشوں کا کھانا محض قوت عبادت ہی کے لئے ہے اور یہی ان کی نیت ہے تو گویا وہ عین طاعت میں ہیں پس جب وہ طاعت میں ہوئے تو جواب کیونکر دے سکتے ہیں۔

ف: یہ وہی عمل ہے جس کی فقہاء نے تصریح کی ہے کہ کھانے کی حالت میں سلام کرنا مکروہ ہے۔ (درمختار) صرف دلیل میں فرق ہے۔ فقہاء کے نزدیک احتمال عجز عن الجواب بناء ہے اور شغل عبادت مستقل بناء ہے۔ اور خواجہ صاحب نے اکل للتقوی فی الدین کو عبادت میں داخل کر کے اس کو بناء قرار دیا اور اس کی بھی گنجائش ہے چنانچہ امام الحرمین نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اس حکایت سے کس قدر دقیق اتباع احکام شرعیہ کا معلوم ہوتا ہے کہ حکم شرعی کی رعایت کو مروت کی رعایت پر اور مخاطب کی وجاہت پر غالب رکھا۔

ازراحۃ القلوب

یعنی ملفوظات حضرت خواجہ بابا فرید گنج شکر رحمہ اللہ

جمع فرمودہ حضرت سلطان نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ

مجلس نہم۔عمل (۷)

پھر آپ نے اس محل پر فرمایا کہ شیخ عثمان ہارونی قدس اللہ سرہٗ العزیز ہر شب تراویح میں دو ختم قرآن شریف کرتے چنانچہ ماہ رمضان میں ساٹھ ختم ہوتے۔

ف: ظاہر ہے جو بزرگ شریعت کے اعمال غیر موکدہ کا اس قدر اہتمام کریں گے وہ اعمال موکدہ کا کس قدر کرتے ہوں گے۔

مجلس ہفتد ہم۔عمل (۸)

جس مذہب میں کہ ہم ہیں وہ امام اعظم ابوحنیفہؒ ہی کا مذہب ہے یہ مذہب صواب پر ہے اور خطا کا احتمال نہیں ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ چاروں مذاہب اہل سنت والجماعت ہیں۔ مجتہدین میں سے کسی کو بھی ہوائے نفس سے میل نہ تھا اور نہ بدعت کے پاس تھے وہ کیسے خدا کے بندے تھے کہ جنہوں نے سوائے متابعت خدا تعالیٰ وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی کام نہ کیا۔ **ف**: مذہب حنفی پر ہونا ظاہر ہے اور مذہب حنفی میں کبھی ترک شریعت کی اجازت نہیں پس یہ حضرات یقیناً شریعت کے متبع تھے اور یہ ارشاد کہ خطا کا احتمال نہیں اس سے مراد مطلق احتمال نہیں بلکہ وہ احتمال جو تشکیک مشکک سے پیدا ہو جائے جیسا ایک مذہب کے متبع کو دوسرے مذہب کے متعلق ہوتا ہے اس توجیہ پر اس کو مابعد کے قول سے تعارض نہیں۔

ازراحة المحبين

یعنی ملفوظات حضرت سلطان نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ

جمع فرمودہ حضرت امیر خسرو رحمہ اللہ

دوسری مجلس۔ عمل (۹)

حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق ایک روایت فرما کر فرمایا) یہ روایت بعض مفسرین نے اس طرح بیان کی ہے آگے اللہ جانے کہ اصل حقیقت سے وہی خوب واقف ہے۔

ف: اس سے ان حضرات کی نقل روایات میں نہایت احتیاط فرمانا ثابت ہوتا ہے کہ جہاں ماخذ پر وثوق نہ ہوتا تھا ظاہر فرما دیتے تھے اور جہاں ایسی احتیاط منقول نہ ہو وہاں شک نہ ہونے سے معذور تھے اور شک ہونے نہ ہونے کے اسباب اجتہادی ہیں۔

مجلس چہارم ۲۷ شعبان ۶۵۵ھ۔ عمل (۱۰)

فرمان ہوا کہ سماع شروع ہو۔ جب سماع شروع ہونے لگا تو شیخ الاسلام کھڑے ہو گئے اور رقص کرنے لگے۔ چنانچہ سات دن برابر رقص میں رہے جب نماز کا وقت آتا نماز پڑھتے پھر سماع میں مشغول ہو جاتے۔

ف: اس سے بڑھ کر کیا اہتمام ہوگا اتباع شریعت کا کہ ایسی مغلوبیت کی حالت میں بھی نماز سے غفلت نہیں ہوئی۔

مجلس نہم۔ ۵ رمضان ۶۵۵ھ۔ عمل (۱۱)

پھر آپ نے فرمایا کہ بزرگان وخواجگان ماہ مبارک کی راتوں میں ہر شب تراویح میں ختم قرآن کیا کرتے تھے پھر آپ نے اسی محل پر فرمایا کہ شیخ عثمان ہارونی قدس اللہ سرہٗ العزیز ہر شب تراویح میں دو ختم قرآن کرتے چنانچہ ماہ رمضان میں ساٹھ ختم ہوتے۔

ف: عمل نمبر ۷ کی تقریر یہاں بھی ہے اور اس ملفوظ میں دیگر بزرگان و

خواجگان کا معمول بھی مذکور ہے اس لئے یہ عمل نمبر ۷ کا تکرار نہیں ہے۔
نیز راوی کے تعدد سے بھی تکرار محض نہیں رہا۔

پانچویں مجلس ۷ رمضان ۶۸۹ھ۔ عمل (۱۲)

اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت خواجہ فریدالحق والدین قدس سرہ کی یہ عادت تھی کہ تراویح کے بعد ایک دوگانہ میں روزانہ قرآن مجید ختم کیا کرتے تھے اور اسی وضو سے فجر کی نماز پڑھا کرتے تھے بیس سال تک آپ کا یہی وردرہا۔

ف: یہاں بھی وہی تقریر ہے جو عمل نمبر ۷ کے تحت میں گزری۔

ازفوائدالفواد

یعنی ملفوظات حضرت سلطان نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ

جمع کردہ حضرت علاء سنجری رحمہ اللہ

مجلس ۷ ذیقعدہ ۷۱۵ھ۔ عمل (۱۳)

پھر آپ نے شیخ فریدالدین قدس سرہٗ کی حکایت فرمائی کہ انہیں سماع میں بڑا ذوق تھا ایک دفعہ انہیں سماع کا شوق ہوا قوال کوئی موجود نہ تھا آپ نے مولانا بدرالدین اسحٰق سے فرمایا کہ وہ جو قاضی حمیدالدین ناگوریؒ نے مکتوب بھیجا ہے اسے لاؤ انہوں نے بہت سے رقعے جمع کررکھے تھے اور ایک خریطے میں رکھ چھوڑے تھے بدرالدین اسحٰق نے جو خریطے میں ہاتھ ڈالا اول وہی مکتوب ہاتھ میں آیا۔

پھر وہ شیخ کی خدمت میں لائے آپ نے فرمایا کھڑے ہوجاؤ اور پڑھو انہوں نے بموجب ارشاد پڑھنا شروع کیا۔ اس میں لکھا ہوا تھا کہ فقیر حقیر ضعیف حیف محمد عطا کہ بندہ درویشان ست واز سرو دیدہ خاک قدم ایشاں۔ (کہ فقیر حقیر ضعیف نحیف محمد عطا کہ درویشوں کا غلام ہے اور سراور آنکھ سے ان کے قدم کی خاک) شیخ نے فقط اتنا ہی سنا تھا کہ آپ پر ایک حال اور ذوق پیدا ہوا۔

ف: دیکھئے ان حضرات کا سماع یہ تھا کہ نثر سے بھی وہی اثر لیتے تھے جو نظم سے لیتے تھے ان رسوم معروفہ منکرہ سے مبرا تھے۔

مجلس ۱۵ رمضان ۷۱۶ھ۔ عمل (۱۴)

ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ تم دھوپ میں نہ بیٹھا کرو کہ اس سے چہرہ کی طراوت جاتی رہتی ہے۔ میرے دل میں یہ بات تھی کہ میں آپ سے دریافت کروں کہ یہ حدیث کیونکر ہے اتنے میں آپ نے زبان مبارک سے فرمایا کہ میں نے اس حدیث کو کسی کتاب میں نہیں دیکھا ہاں مولانا علاؤ الدین اصولی رحمہ اللہ سے کہ وہ میرے استاد تھے بدایوں میں میں نے سنا تھا اور وہ بڑے بزرگ اور کامل آدمی تھے۔

ف: معلوم ہوا کہ نقل احادیث میں احتیاط بلیغ فرماتے تھے اس احتیاط پر بھی اگر کچھ تسامح ہو جاتا اس میں معذور تھے۔

مجلس ۱۰ ذیقعدہ ۷۱۶ھ۔ عمل (۱۵)

مولانا سراج الدین حافظ بدایونی حاضر تھے عرض کیا کہ **من لیس له شیخ فشیخه الشیطان** (جس کا کوئی پیر نہ ہو تو شیطان اس کا پیر ہے) کیا یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے آپ نے فرمایا نہیں یہ تو مشائخ کا قول ہے۔

پھر مولانا سراج الدین نے پوچھا **من لم یر مفلحًا لایفلح ابداً** (جس نے کسی کامیاب (یعنی خدارسیدہ) کو نہیں دیکھا تو کبھی کامیاب نہ ہوگا۔ ۱۲ مترجم) حدیث ہے فرمایا نہیں یہ بھی مشائخ رحمہم اللہ کا قول ہے۔

ف: مثل عمل بالا۔

مجلس ۲۹ جمادی الآخر ۷۱۸ھ۔ عمل (۱۶)

دولت دست بوسی حاصل ہوئی چونکہ رجب قریب تھا بندہ نے عرض کیا کہ حضرت خواجہ اویس قرنی رحمہ اللہ نے ایک نماز فرمائی ہے کہ وہ تین اور چار اور پانچ کو

پڑھی جاتی ہے میرے جی میں یہ خطرہ گزر رہا ہے کہ جو دعائیں وغیرہ اور بزرگی اس نماز کی فرمائی ہے آیا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی گئیں ہیں یا صحابہ کبار سے یا خواجہ اویس قرنی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے غرضیکہ متعینہ سورتیں اور دعائیں کہاں سے ہیں اوران کا کیا ثبوت ہے حضرت خواجہ نے فرمایا کہ یہ معنی الہام سے بھی ہیں۔

ف: کسی امر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے میں کس قدر احتیاط فرمائی اور کس قدر اعتدال سے کام لیا کہ نہ منقولات کا انکار کیا اور نہ اس کو حد سے بڑھایا بلکہ حقیقت بیان کردی جس سے افراط وتفریط کی اصلاح ہوگئی اور جو حدیث نہ ثابت ہو اور نہ دلائل صحیحہ کے معارض ہو اور کسی بزرگ سے منقول ہو اس میں بھی الہامی وکشفی ہونے کا احتمال ہوسکتا ہے جیسا علماء ظاہر احادیث منامیہ کو نقل کرتے ہیں اور اس کو حدیث کہتے ہیں۔ جیسے صاحب مشارق الانوار نے خواب میں بارہ ذیقعدہ ۶۱۱ھ میں فجر کے قریب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث **اذا وضع العشاء واقیمت الصلوٰۃ** کے متعلق تحقیق کیا کہ یا رسول اللہ! **ھذا الحدیث صحیح** حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا **نعم** اور اس کو ایک درجہ کی حدیث قرار دیا گیا البتہ وہ منامی ہونے کی تصریح فرمادیتے ہیں اور صوفیہ اس تصریح کا التزام نہیں کرتے ممکن ہے کہ اصل راوی اس کا التزام کرتے ہوں پھر اہتمام نہ رہتا ہو۔

مجلس ۲۹ جمادی الآخر ۱۸ھ۔ عمل (۱۷)

اس کے بعد مشائخ کے احوال کا ذکر ہونے لگا بندہ نے عرض کیا کہ میں نے ایک بات سنی ہے کہ لوگ ایسا کہتے ہیں تو یہ کلمات خواجہ بایزید بسطامیؒ کے ہیں اور مجھے ان کلمات کی کوئی تاویل نہیں آتی اور نہ کسی طرح میرے دل کو قرار ہوتا ہے آپ نے فرمایا وہ کیا کلمات ہیں بندہ نے عرض کیا کہ وہ کلمات یہ ہیں۔ **محمد ومن دونہ تحت لوائی یوم القیمۃ**. آپ نے فرمایا نہیں یہ ان کا قول نہیں ہے پھر آپ نے فرمایا کہ ایک دفعہ انہوں نے کہا تھا **سبحانی ماعظم شانی** پھر آخر عمر میں آپ

مستغفر ہوئے اور کہا میں نے یہ بات ٹھیک نہ کہی تھی میں اس وقت جھو دی تھا اب زنار توڑتا ہوں اور از سرِ نو مسلمان ہوتا ہوں اور کہتا ہوں:

اشهد ان لااله الا الله وحده لاشريک له

واشهد ان محمداً عبده ورسوله.

(دل سے گواہی دیتا ہوں کہ کوئی معبود نہیں مگر اللہ کوئی اس کا شریک نہیں۔اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں۔۱۲مترجم)

ف: شریعت اور ادب کو کیسا جمع فرمایا ہے اور نسبت کے اثبات ونفی میں کیسی احتیاط فرمائی ہے۔

مجلس ۲۷ ذی الحجہ ۷۱۸ھ۔عمل (۱۸)

پھر اس عزیز نے یہ سوال کیا کہ کیا قلب اور قالب اور روح تینوں کو معراج تھی اور اگر معراج تھی تو کیونکر تھی حضرت خواجہ نے یہ مصرع زبان مبارک سے فرمایا۔ع

تظن خير اولا تسأل عن الخبر

یعنی نیک گمان رکھنا چاہئے تحقیقات کرنے کی ضرورت نہیں پھر آپ نے فرمایا کہ اس پر ایمان رکھنا چاہئے اور تحقیق وتفتیش میں غلو نہ کرنا چاہئے۔

ف: کس قدر عمیق اتباع سنت ہے جس چیز کو شریعت نے مبہم رکھا اس میں کاوش کو پسند نہ فرماتے تھے۔

مجلس ۹ رمضان ۷۱۹ھ۔عمل (۱۹)

بندہ نے عرض کیا کہ وہ (شیخ سیف الدین رحمہ اللہ) سماع سنتے تھے فرمایا ہاں مگر اس طرح نہیں سنتے تھے کہ مجلس مرتب کریں اور برسم دعوت لوگوں کو بلائیں اور سماع سنیں بلکہ ان کی کیفیت یہ تھی کہ وہ حکایت وسخن فرماتے جب کوئی وقت خوش دیکھتے تو فرماتے کوئی ہے کچھ کہے اس وقت قوال آتا کچھ کہتا بس ان کا سماع اس طرح کا تھا۔

ف: ان بزرگوں کے سماع کا طرز اس سے معلوم ہوا کہ رسوم متعارفہ کے پابند نہ تھے۔

مجلس ۷ جمادی الاولیٰ ۱۹۷ھ۔ عمل (۲۰)

دولت پابوسی حاصل ہوئی بندہ نے عرض کیا ایک شخص پانی پئے اور دوسرے دعاء کے لئے ہاتھ بڑھائیں تو یہ سنت ہے حضرت خواجہ نے تھوڑا تامل کیا حاضرین میں سے ایک نے چند لفظ پڑھے اور کہا یہ حدیث ہے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا یہ حدیث حدیث کی مشہور و معتبر کتابوں میں تو ہے نہیں اور انکار کر نہیں سکتے شاید ہو جو حدیث لوگ سنیں تو یہ نہ کہیں کہ یہ حدیث نہیں ہے۔ ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ معتبر حدیث کی کتابوں میں نہیں پائی جاتی۔

ف: کس قدر حدود کی حفاظت ہے کہ حالت کذائیہ میں نہ ایسی حدیث کے حدیث ہونے کا جزم کیا جائے اور نہ اس کی نفی کا جزم کیا جائے کہ دونوں حکم تخمینی ہیں۔

از روضۂ اقطاب

باب پنجم۔ ذکر حضرت فضیل بن عیاضؒ۔ عمل (۲۱)

اور کتاب تذکرۃ الاولیاء می نویسد کہ خواجہ فضیل در ابتدائے حال مہتر گروہ راہ زناں بود و ہر چہ از راہ زنی حاصل مے نمود در ہر جائے ازاں مسجد عمارت مے فرمود روزے با یاران خود برائے غارت نزدیک کاروانے رسید یکے از کاروان خواندن ایں آیت آغاز گردانید۔ **الم یان للذین امنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ** یعنی آیات وقت آں نیامدہ است کہ ایں دل خفتہ شما بیدار شود خواجہ را معنی ایں آیت در گرفت وہماں زمان از رہزنی تائب گردید درخت و مال (از ہر کہ گرفتہ بود بدو رسانید پس ازاں بکوفہ رفت و با امام ابوحنیفہ کوفی صحبت داشت و اولیاء بسیار را دریافت۔

(تذکرۃ الاولیاء میں لکھتے ہیں کہ خواجہ فضیل رحمہ اللہ ابتدائے حال میں رہزنوں کے سردار تھے جو کچھ رہزنی سے ملتا ہر مقام پر اس سے مسجد بنوادیتے تھے ایک دن اپنے لوگوں کے ساتھ لوٹ مار کے لئے ایک قافلہ کے نزدیک گئے اہل قافلہ میں

سے کسی نے یہ آیت پڑھنی شروع کردی (حاصل ترجمہ آیت) کیا وہ وقت نہیں آیا کہ یہ سوتے ہوئے دل تمہارے بیدار ہوں خواجہ پر اس آیت کے مضمون کا اثر ہوا اور اسی وقت رہزنی وغارت گری سے توبہ کرلی اور مال وسامان جس کسی کا لیا تھا اس کو واپس کردیا اس کے بعد کوفہ میں چلے گئے اور امام ابوحنیفہ کوفی کی خدمت میں رہ پڑے اور بہت سے اولیاء سے ملاقات کی ہے۔۱۲ مترجم)

ف: آج کل کے اہل تقویٰ صرف توبہ کو کافی سمجھتے ہیں ان حضرات کی پابندی قابل ملاحظہ ہے کہ توبہ کے بعد اہل حقوق کو ان کے حقوق پہنچائے اور ان اموال کو تعمیر مساجد میں صرف کرنا یہ خود ایک دلیل ہے ان کے سلامت فطرت کی کیونکہ اگر ایسے اموال کے مستحقین تلاش سے نہ ملیں تو ایسے اموال کا مصرف ایسی ہی چیزیں ہیں ان کے قلب میں پہلے ہی سے یہ مصارف القاء ہوئے۔

باقی ایسی مساجد میں نماز بھی جائز ہے یا نہیں سو حکم یہ ہے کہ بعد ادائے ضمان اموال مغصوبہ ضامن کے ملک میں داخل ہوگئے پھر ان کو اموال مغصوبہ نہ کہا جائے گا اور اگر مالک نہ ملیں تو مساکین کو دینے سے بھی ضمان ادا ہو جائے گا۔

از انوار العارفین

تذکرہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ۔ عمل (۲۲)

آنگاہ فرمودہ من وخواجہ اجل تجدید وضوی کردیم باشد کہ بسہو خلال انگشتاں فراموش شد ہاتف آواز داد کہ اجل دعویٰ دوستی محمد صلی اللہ علیہ وسلم می کنی وازامت او باشی وسنت اوراترک دہی بعد ازاں خواجہ اجل سوگند خورد کہ ازاں باز ایں آواز شنیدم تا حد موت ہیچ سنت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ترک نہ کردم۔ آنگاہ فرمود ہر وقتی کہ خواجہ اجل شرے رابدیدے ازحد خاطر خراب دیدے پرسیدم کہ ماجرا چیست فرمود کہ ازاں روز بازتا کہ ازمن خلال انگشتان فوت شدہ درحیرتم کہ فردائے قیامت چگونہ ایں روئے خود راباداں خواجہ کائنات خواہم نمود۔

(اس وقت فرمایا کہ میں اور خواجہ اجل نے تازہ وضو کیا ممکن ہے کہ سہو سے انگلیوں کا خلال رہ گیا ہو ہاتف نے آواز دی کہ اے اجل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دوستی کا دعویٰ کرتے ہو اور ان کی امت میں سے ہو اور ان کی سنت کو ترک کرتے ہو اس کے بعد خواجہ اجل نے قسم کھائی کہ جس وقت سے میں نے یہ آواز سنی ہے اس وقت سے لے کر مرتے دم تک کوئی سنت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ترک نہ کروں گا۔ اسی مجلس میں فرمایا کہ جس وقت خواجہ اجل کوئی چنگاری دیکھتے تو دل بے حد خراب اور پریشان ہو جاتا میں نے دریافت کیا کہ ماجرا کیا ہے فرمایا کہ جس روز سے انگلیوں کی خلال مجھ سے رہ گئی ہے اس دن سے حیرت میں ہوں کہ کل قیامت کے دن اپنا منہ خواجہ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو کس طرح دکھلاؤں گا۔ ۱۲ مترجم)........ف: دیکھئے ان حضرات نے خلال کا کہ ایک امر مستحب شرعی ہے کس قدر اہتمام فرمایا اور اس میں کوتاہی ہو جانے پر کس قدر لرزاں اور ترساں تھے۔ یہ واقعہ باب اول نمبر ۱۳ میں بھی آیا ہے وہاں بحیثیت قول کے اور یہاں بحیثیت عمل کے اس لئے تکرار محض نہیں ہے۔

ایضاً۔ عمل (۲۴)

صاحب اقتباس الانوار از سیر السالکین می آرد کہ حال حضرت خواجہ بزرگ گاہے جمال و گاہے جلال می بود چوں جمال استیلاء نمودے چناں مستغرق بودے کہ ہیچ خبر ازیں عالم نداشتی چوں وقت نماز رسیدے حضرت خواجہ قطب و قاضی حمید الدین ناگوری پیش وی دست بستہ می ایستادندے و باآواز بلند الصلوٰۃ الصلوٰۃ میگفتندے خواجہ راہیچ خبر نمی شد بار دوم در گوش وے الصلوٰۃ الصلوٰۃ می گفتندے ہیچ آگاہی نمی شد بعدہ دوش مبارک را می جنبانیدند آنگاہ چشم باز می کردی گفت از شرع محمدی چارہ نیست سبحان اللہ از کجا بکجا آوردند پس وضومی ساخت و نماز می گذارد۔

(صاحب اقتباس الانوار نے سیر السالکین سے نقل کیا ہے کہ حال حضرت خواجہ کا کبھی جمال اور کبھی جلال ہوتا تھا جس وقت جمال کا غلبہ ہوتا تھا ایسے مستغرق اور

بے خبر ہو جاتے کہ اس عالم کا کچھ ہوش نہ رکھتے جب نماز کا وقت آتا حضرت خواجہ قطبؒ اور قاضی حمید الدین رحمہ اللہ ناگوری ان کے سامنے دست بستہ کھڑے ہوتے اور بآواز بلند الصلوٰۃ الصلوٰۃ (نماز نماز) کہتے دوبارہ ان کے کان میں الصلوٰۃ الصلوٰۃ کہتے (پھر بھی) کچھ خبر نہ ہوتی اسکے بعد شانہ مبارک پکڑ کر ہلاتے اس وقت آنکھیں کھول کر فرماتے شرع محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے چھٹکارا نہیں سبحان اللہ کہاں سے کہاں مجھ کو لے آئے پس وضو کرتے اور نماز ادا کرتے۔)

ف۔ دیکھئے ایسی مغلوبیت کی حالت میں بھی احکام شرعیہ میں کوتاہی نہیں کی۔

ایضاً۔عمل (۲۴)

المقصود خواجہ یک گاؤ خریدہ ذبح کردند و بہ راناساگر پختہ خوردند تا کفار ازیں واقعہ آگاہ شدہ بآتش غضب می سوختند ہمہ متفق شدہ مسلح گشتہ گرد خواجہ حلقہ نمودند وقصد کردند کہ آسیبی رسانند......... (الغرض خواجہ نے ایک گائے خرید کر ذبح کی اور گوشت پکا کر راناساگر کو کھلایا حتیٰ کہ کفار کو اس واقعہ کی خبر ہوئی آتش غضب سے جل گئے سب نے متفق ہو کر تیاری کر کے خواجہ کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور ارادہ کیا کہ کچھ تکلیف پہنچائیں۔۱۲ مترجم)

ف: شعائر عبادت کا تو کیوں نہ اہتمام فرماتے شعائر عادت کا بھی اہتمام فرماتے تھے اور غیظ کفار کی کچھ پروا نہ کرتے تھے اس وقت بعض جاہل گاؤ کشی و گاؤ خوری کو خلاف تصوف سمجھتے ہیں۔

تذکرہ حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ۔عمل (۲۵)

ہم از دوے (یعنی صاحب اخبار الاخیار) نقل ست کہ وقتے برائے شیخ خادم یک دانگ نمک دام کرد چوں بوقت افطار طعام پیش برد بنور باطن دریافت وفرمود دریں طعام بوئے تصرف می آید روا نباشد کہ ایں طعام بخورم۔

(نیز صاحب اخبار الاخیار سے منقول ہے کہ ایک دفعہ شیخ کیلئے خادم ایک

دانگ نمک قرض لایا جب افطار کے وقت کھانا پیش کیا تو شیخ نے نور باطن سے معلوم کرلیا اور فرمایا کہ اس کھانے میں بے جا تصرف کی بو آتی ہے مجھ کو یہ کھانا جائز نہیں)

ف: شریعت کا کس قدر دقیق پاس فرمایا کہ بے ضرورت قرض لینے کو کس قدر ناپسند فرمایا۔

ایضاً عمل (۲۶)

ہم ازو (یعنی شیخ سلطان نظام الدین اولیاء) نقل ست کہ شب پنجم محرم زحمت بروے غالب شد نماز خفتن بجماعت بگذارد و بعد ازاں بیہوش گشت ساعتی شد کہ بیہوش آمد پرسید کہ نماز خفتن گزاردہ ام گفتند آرے گفت یک بار دیگر گزاریم کہ داند چہ شود دوم کرت نماز گذارد باز بیہوش شد ایں بار بیہوشی بیشتر بود باز بہوش آمد و گفت کہ نماز خفتن گزاردہ ام گفتند دو بار بگزاردہ اید گفت یکبار دیگر گزاریم کہ داند چہ شود سوم کرت ہم گزارد بعد ازاں فرمود یا حی یا قیوم و جاں بحق تسلیم کرد۔

(نیز ان سے یعنی شیخ سلطان نظام الدین اولیاءؒ سے منقول ہے کہ محرم کی پانچویں شب کو ان پر تکلیف کی شدت ہوئی عشاء کی نماز جماعت سے پڑھی بعد اس کے بے ہوش ہو گئے ایک گھنٹہ کے بعد ہوش میں آئے دریافت کیا کہ میں نے عشاء کی نماز پڑھ لی ہے لوگوں نے کہا کہ ہاں فرمایا کہ ایک بار اور پڑھ لوں کہ جانے کیا ہو دوسری بار نماز ادا کی پھر بے ہوش ہو گئے اس مرتبہ بیہوشی زیادہ رہی پھر ہوش میں آئے اور فرمایا کہ نماز عشاء کی ادا کی ہے میں نے خادموں نے عرض کیا کہ آپ دو بار ادا کر چکے ہیں فرمایا کہ ایک دفعہ اور پڑھ لوں کہ خدا جانے کیا ہو تیسری مرتبہ نماز پڑھی اس کے بعد فرمایا یَاحَیُّ یَا قَیُّوْمُ اور انتقال فرما گئے۔۱۲ مترجم)

ف: اس سے زیادہ کیا اہتمام ہوگا نماز کا۔

ایضاً عمل (۲۷)

مردے بخدمت شیخ بدرالدین قدس سرہٗ عرضداشت کرد کہ بجانب سلطان غیاث الدین بلبن سفارش نامہ برائے من در قلم آرید شیخ نوشت رفعت قضیتہ الی

اللہ ثم الیک فان اعطیتہ شیئا فالمعطی ھو اللہ وانت المشکور وان لم تعطہ شیئاً فالمانع ھو اللہ وانت المعذور۔

(ایک شخص نے شیخ بدرالدین قدس سرہٗ کی خدمت میں عرض کیا کہ ایک خط سفارشی میرے لئے سلطان غیاث الدین کو تحریر فرمادیجئے۔ شیخ نے لکھا کہ اس شخص کے معاملہ کو خدا تعالیٰ کے روبرو پیش کرتا ہوں پھر تمہارے سامنے پس اگر تم نے اس کو کچھ عطا کیا تو عطا کرنے والا (حقیقت میں) خدا تعالیٰ ہے اور (چونکہ بظاہر تم بھی ہو اس لئے) تم قابل شکریہ کے ہو اور اگر تم نے اس کو کچھ نہ دیا تو (حقیقت میں) نہ دینے والا اللہ تعالیٰ ہے اور (اس لئے) تم معذور ہو۔)

ف: سفارش میں بھی کس قدر دقیق رعایت شریعت کی فرمائی۔

تذکرہ شیخ علی احمد صابرؒ۔ عمل (۲۸)

صاحب اقتباس از سیر الاقطاب ے آرد دراوائل حال بوے قسمت لنگر دوازدہ سال مقرر بود وخود صائم ماندہ نخورد حضرت گنج شکر بکشف دریافتہ پرسید کہ بابا علاؤ الدین شما قسمت می کنید وخود میخورید یا نہ گفت بندہ را بے اجازت پیر چہ مجال است کہ یک دانہ ازاں بخورد فرمود کہ شیخ علاؤ الدین علی احمد صابر است از آنروز بخطاب صابر مخاطب گشت۔

(صاحب اقتباس سیر الاقطاب سے نقل کرتے ہیں کہ ابتدائی حال میں فقراء کو لنگر تقسیم کرنے کی خدمت بارہ سال تک ان کے سپرد رہی اور خود روزہ دار رہ کر کچھ نہ کھایا حضرت گنج شکر کو اس کا کشف ہوا دریافت فرمایا کہ بابا علاؤ الدین تم (کھانا) تقسیم کرتے ہو اور خود بھی کھاتے ہو یا نہیں عرض کیا کہ بندہ کی کیا مجال ہے کہ بدون پیر کی اجازت کے ایک دانہ اس میں سے کھائے حضرت نے فرمایا کہ علی احمد صابر ہے اور اس روز سے ان کا لقب صابر ہو گیا۔ ۱۲ مترجم)

ف: دیکھئے کس قدر دقیق رعایت کی ہے احکام شرعیہ کی کہ باوجود دلالۃ

ماذون ہونے کے صراحۃً ماذون نہ ہونے کے سبب کھانے سے احتیاط فرمائی رہا یہ کہ پھر کہاں سے کھایا ممکن ہے کوئی کم وبیش اپنے حصہ میں بچا ہوا دے دیتا ہو۔

تذکرہ شیخ نصیر الدین محمودؒ چراغ دہلی۔ عمل (۲۹)

وقتی (سلطان) برائے وے طعام فرستاد در آوند ہائے زر ونقرہ وباعث ایں جز ایذا نہ بود یعنی اگر طعام من نخورد ہمیں را مادۂ ایذا اسازم واگر بخورد گویم در کاسۂ زریں خوردی نامشروع کردی۔ شیخ یعنی از کاسہ زریں برآوردہ بردست نہاد پس بر زبان بنہاد وبخورد بد اندیش خائب وخاسر ماند۔

(ایک دفعہ بادشاہ نے اُن کے پاس کھانا سونے اور چاندی کے برتنوں میں بھیجا اور سبب اس کا بجز ایذا دینے کے اور کچھ نہ تھا کہ اگر میرا کھانا نہ کھایا تو اس کو ہی تکلیف پہنچانے کا بہانہ بنادوں گا اور اگر کھالیا تو مجھ کو یہ کہنے کا موقعہ ملے گا کہ زریں پیالے میں کھایا شریعت کے خلاف کیا۔ شیخ نے یخنی کو زریں پیالے سے نکال کر ہاتھ پر رکھا (ہاتھ پر سے اٹھا کر) زبان پر رکھا اور کھالیا اس بد اندیش کی (اس طرح کھانے سے) مراد پوری نہ ہوئی۔۱۲ مترجم)

ف: ایسی حالت میں کہ مشابہ اکراہ کے تھی احکام شرعیہ کی کس قدر حفاظت فرمائی۔

تذکرہ حضرت شیخ عبدالقدوسؒ۔ عمل (۳۰)

باوجود کثرت جذبات وتوقیر غلبات در اتباع سنت سنیہ بغایت متقن بود ودر التزام عزائم امور دینیہ سخت متمکن۔ (باوجود جذبات کی کثرت اور غلبہ احوال کے اتباع سنت میں غایت درجہ مضبوط تھے اور دین کی عزیمتوں پر التزام کرنے میں بہت ثابت قدم)......... **ف**: اتباع سنت کا کس قدر غلبہ تھا کہ ایسے قوی حالات پر بھی اسی کو غالب رکھتے تھے۔

ایضاً۔ عمل (۳۱)

از زبان درفشاں حضرت ایشاں قدس سرہ شنودم کہ درآں ایام کہ فرزندان

شیخ در دہلی گرم تحصیل علوم بودند اگر ایشاں را اشتیاق دیدار پدر بزرگوار غلبہ کردی بخدمتش نوشتندے کہ اگر امر عالی ورود باید بتقبیل آستانہ مستعد گردیم شیخ گفتے آمدن ایشاناں نزد ما موجب تسویف و تعطیل تحصیل علوم است مارا نزد ایشاں باید شد و با ایں ہمہ کبرسن و ناتوانی خود بدہلی آمدی۔

(آنحضرت قدس سرہٗ کی زبان مبارک سے سنا کہ جس زمانے میں شیخ کے بچے دہلی میں پڑھتے تھے جب کبھی ان کو والد بزرگوار کی زیارت کا شوق اور امنگ ہوتی ان کی خدمت میں عریضہ لکھتے کہ اگر امر عالی اور اجازت ہو تو حاضری کی تیاری کریں۔ شیخ فرماتے کہ ان بچوں کے آنے سے ان کی تعلیم کا حرج ہوگا (اس لئے) ہم کو ہی ان کے پاس چلا جانا چاہئے اور باوجود اس کبرسنی اور ناتوانی کے خود دہلی تشریف لے جاتے۔۱۲مترجم)

ف: علم دین کی کس درجہ ضرورت آپ کی نظر میں تھی اس سے ظاہر ہے۔

ایضاً۔ عمل (۳۲)

وہم حضرت ایشاں قدس اللہ سرہٗ العزیز بدیں تقریب فرمود یکبار شیخ بدہلی آمدہ بود شیخ حاجی عبدالوہاب بخاری کہ از اولاد سید جلال الدین بخاری بود صاحب علم وحال تفسیرے نوشتہ بود نزد شیخ فرستاد شیخ بکشاد آیۃ تطہیر اہل بیت سرور کائنات علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتحیات برآمد کہ شیخ عبدالوہاب دریں مقام نوشتہ بود اولاد نبی ہمہ مامون الخاتمہ اند وعاقبت شان علی الیقین بالخیر شیخ عبدالقدوس بکنار آں نوشت کہ ہذا خلاف مذہب اہل السنۃ والجماعت وکتاب را باز فرستاد بریں سخن روزہا میاں علماء آں بلاد مذاکرات بوقوع پیوست بالآخر مقرر آں شد کہ شیخ عبدالقدوس گفت قدس اللہ سرہٗ۔ انتہی۔

(اور نیز آنحضرت قدس اللہ سرہٗ العزیز نے اس سلسلہ میں فرمایا کہ ایک بار شیخ دہلی میں آئے ہوئے تھے شیخ حاجی عبدالوہاب بخاری جو کہ سید جلال الدین بخاری کی اولاد میں سے تھے عالم اور صاحب حال تھے انہوں نے اپنی لکھی ہوئی تفسیر کو شیخ کے پاس بھیجا شیخ نے اس کو کھولا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اہل بیت کی طہارت کے

متعلق جو آیت ہے وہ نظر پڑی اس مقلم پر شیخ عبدالوہاب نے لکھا تھا کہ نبی کی تمام اولاد خاتمہ سے بے خوف ہے اور ان کا خاتمہ یقیناً بالخیر اور اچھا ہوتا ہے۔ شیخ عبدالقدوس رحمہ اللہ نے اس کے حاشیہ پر لکھا کہ یہ مضمون مذہب اہل سنت والجماعت کے خلاف ہے اور کتاب کو واپس کر دیا وہاں اس مسئلہ کے اندر بہت دنوں تک علماء میں گفتگو ہوتی رہی بالآخر جو کچھ شیخ عبدالقدوس رحمہ اللہ نے فرمایا تھا اس کو سب نے برقرار رکھا)

ف: عقائد میں بھی بدعت سے کس قدر بعد تھا۔

ایضاً عمل (۴۳)

نیز صاحب زبدۃ المقامات می نویسد دراکثر مکاتیبش از انکسار وافتقار وخاتمہ کارسخن کردہ جابجا می نویسد حضرت ایشاں قدس اللہ سرہ العالی از جناب او نقل کردند کہ باوجود غلبات احوال دررعایت عزائم امور دینیہ آں پایہ داشت کہ وقتی امام مسجد او پیدانہ بود و برادر زادۂ او شیخ عبدالنبی فراپیش آمد وامامت نمود میان الذین انعمت از ووقفہ ظاہر گردید شیخ نماز راباز گردانید وبخشم تمام گفت احداث رامنع نمایند کہ امامت نہ کنند ونماز مردم رافاسد ناسازند ندانستہ اند کہ موصول باصلہ حکم یک کلمہ دارد کہ قطع آن درست نیست ووقفہ میاں آں روا نہ انتہی۔

(نیز صاحب زبدۃ المقامات لکھتے ہیں کہ ان کے اکثر مکتوبات میں انکسار وافتقار وخوف خاتمہ کار کے متعلق تحریر کر کے جابجا لکھتے ہیں کہ آنحضرت قدس اللہ سرہٗ العالی نے آنجناب کا حال نقل فرمایا ہے کہ باوجود غلبہ احوال کے دینی احکام کے عزیمتوں کی رعایت اس قدر مہتم بالشان تھی کہ ایک دفعہ امام مسجد (وقت پر) نہ آئے اور ان کے بھتیجے شیخ عبدالنبی آگے بڑھے اور امامت کی الذین اور انعمت کے درمیان میں کچھ ان سے وقفہ ہو گیا۔ شیخ رحمہ اللہ نے دوبارہ نماز پڑھی اور بہت غصہ سے فرمایا کہ نوعمروں کو منع کرنا چاہئے کہ امامت نہ کریں۔ اور لوگوں کی نماز فاسد نہ کریں کیا اتنی بات بھی نہیں جانتے کہ موصول صلہ سے مل کر بمنزلہ ایک کلمہ کے ہوتا ہے کہ اس کے

درمیان میں قطع کرنا درست نہیں ہے اور وقفہ اس کے درمیان میں جائز نہیں)

ف: کس قدر دقیق احتیاط فرمائی ہے جس سے احکام و اعمال شرعیہ کا بے حد اہتمام معلوم ہوتا ہے۔

ایضاً۔ عمل (۳۴)

منقول ست کہ در مرض موت ہیچ تفاوت در عبادت ظاہر نشد با آنکہ محویت برکمال بود درشی بمقدار ہفتاد کرات تجدید وضو کرد تحیۃ الوضو ادا کرد در آخر کار وضو اشارت فرمود و تحریمہ دوگانہ بست در کوع وسجود باشارت کرد ہماں ساعت جاں بحق تسلیم کرد۔

(منقول ہے کہ مرض الموت کی حالت میں عبادت کے اندر کسی قسم کا تفاوت نہ پیدا ہوا باوجود اس کے کہ محویت کامل طور پر تھی۔ ایک رات ستر بار تازہ وضو کر کے نماز تحیۃ الوضو پڑھی اخیر میں وضو کے لئے اشارہ کیا اور دو رکعت نماز کی نیت باندھی اور رکوع وسجدہ اشارہ سے کیا اسی حالت میں انتقال فرمایا۔)

ف: احکام شرعیہ کا اتنا اہتمام بدون اس کے ہو نہیں سکتا کہ کسی کے رگ و پے میں شریعت کی اہمیت رچی ہوئی ہو۔

ایضاً۔ عمل (۳۵)

وہم وے گوید پدر بزرگوار من از اولیاء بودند تلاوت قرآن وظیفہ داشتند ومسائل شرعی ہمیشہ مطالعہ می کردند ونماز اشراق وچاشت وفی الزوال وتہجد فوت نہ کردندے ووقت وضو سخن دنیا نمی گفتند تا تمامی نماز فرض وسنت ونوافل ادا می نمودند

(اور نیز وہ فرماتے ہیں کہ والد بزرگوار اولیاء میں سے تھے تلاوت قرآن کا معمول رکھتے تھے اور مسائل شرعیہ کا ہمیشہ مطالعہ کرتے تھے اور اشراق و چاشت وفی الزوال اور تہجد کی نمازیں کبھی نہیں چھوڑتے تھے اور وضو کرتے وقت دنیا کی باتیں نہ کرتے تھے تاوقتیکہ فرض اور سنت اور نفل نماز سب نہ پڑھ لیں۔ ۱۲ مترجم)

ف: جو کچھ اس عبارت کا مفہوم ہے ظاہر ہے۔

تذکرہ حضرت شیخ جلال الدین کبیرالاولیاء پانی پتیؒ۔ عمل (۳۶)

دراخبار الاخیار نقل است از شیخ احمد عبدالحق (رودلویؒ) کہ مرید شیخ جلال الدین پانی پتی ست مریدی از مریدان شیخ مہمانی کرد شیخ احمد رانیز طلبید درآں مجلس بعضے ازمحظورات شرع نیز حاضر بودے وایشاں را معائنہ کرد فی الحال تبری کرد ہمدر آنساعت طاقیہ کہ از شیخ جلال یافتہ بود باز گردانیدہ داد وسر بادیہ نہاد وراہ گم کرد ودر آنجا درختی بودی بالای آن درخت برآمد دوکس رادید کہ جانب وے مے آیند از درخت فرود آمد وبجانب آندوکس رفت وپرسید کہ راہ کدام است ایشاں گفتند کہ راہ بردر شیخ جلال الدین گم کردی گفت ہمچنیں است گفتند ہمچنیں است دانست کہ ایشاں رسولان حق اند بازگشت واز اعتراض کہ کردہ بودتوبہ کرد واز سرانابت آورد۔

(کتاب الاخبار الاخیار میں شیخ احمد عبدالحق (ردولوی رحمہ اللہ) جو کہ شیخ جلال الدین پانی پتی کے مرید ہیں ان سے نقل کیا ہے کہ شیخ کے مریدوں میں سے کسی مرید نے دعوت کی شیخ احمد کو بھی مدعو کیا اس مجلس میں بعض امور خلاف شرع تھے انہوں نے جوان امور کو دیکھا فوراً بیعت فسخ کر دی اور اسی وقت طاقیہ (خاص ٹوپی) جو شیخ جلال سے ملی تھی واپس کر دی اور جنگل کی طرف چل دیئے اور راستہ بھول گئے اس جگہ ایک درخت تھا اس پر چڑھ گئے دو شخصوں کو اپنی طرف آتے دیکھا تو درخت سے اُترے اور ان دونوں کے پاس گئے اور دریافت کیا کہ راستہ کونسا ہے انہوں نے کہا کہ راستہ شیخ جلال الدین کے دروازے پر تم نے گم کر دیا کہا کیا ایسا ہی ہے انہوں نے کہا کہ ایسا ہی ہے (یہ سن کر) سمجھے کہ یہ دونوں حق تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہیں اور اعتراض سے توبہ کی اور تجدید بیعت کی۔۱۲مترجم)

ف: اپنے نزدیک جس امر کو خلاف شرع دیکھا اس سے اس قدر متاثر ہوئے کہ بیعت فسخ کر دی اور بیعت کی نشانی واپس کر دی مگر چونکہ واقع میں یا تو وہ امور خلاف شرع نہ تھے یا شیخ کو کچھ عذر ہوگا اس لئے غیب سے پھر اس طرف ان کو متوجہ کیا گیا مگر اس سے ان کا مذاق تو معلوم ہو گیا اور حضرت شیخ جلالؒ کا بھی یہی مذاق تھا ورنہ

غایت ناراضی سے ان کی دوبارہ درخواست کو قبول نہ فرماتے اور اس قصہ کی اور مسئلہ کی مزید تحقیق باب سوم (نمبر ۵۰) میں مذکور ہو گی۔

از اقتباس الانوار

مولفہ مولانا شیخ محمد اکرمؒ

تذکرہ حضرت شیخ فریدالدین گنج شکرؒ۔عمل (۴۷)

دراخبارالاخیار می نویسد کہ مردے بخدمت حضرت گنج شکر عرضداشت کرد کہ بجانب سلطان غیاث الدین بلبن سفارش نامہ برائے من در قلم آرید کہ آنحضرت نوشت رفعت قضیته الی الله ثم الیک فان اعطیته شیئا فالمعطی هو الله وانت المشکور وان لم تعطه شیئاً فالمانع هو الله وانت المعذور۔

(اس کا ترجمہ عمل (۲۷) میں دیکھ لیا جائے کیونکہ بجنسہ وہی عبارت ہے۔مترجم)

ف ۱: اس سفارش میں کس قدر دقیق رعایت حدود شرعیہ کی ہے نہ طالب کی مصلحت کو مہمل چھوڑا نہ مخاطب پر کسی قسم کی گرانی جائز رکھی جب تک شریعت کی عظمت واہمیت کسی کے قلب میں نہ ہو ایسی رعایت تک ذہن بھی نہیں پہنچتا۔

ف ۲: ایسا ہی واقعہ عمل نمبر ۲۷ میں شیخ بدرالدینؒ کی طرف منسوب ہو کر گزرا واللہ اعلم۔پس نام میں تو تصحیف نہیں ہو گئی۔

فائدہ استطرادیہ

حضرت شیخ گنج شکرؒ کا فاروقی ہونا اور فرخ شاہ کابلی کی اولاد میں ہونا اہل سیر میں متفق علیہ ہے لیکن بعض نے وسائط نسبی میں حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کو ذکر کیا ہے یہ محققین کے نزدیک غلط ہے اس تغلیط میں صاحب اقتباس بھی شریک ہیں ان کا یہ قول ہے بہ ثبوت پیوستہ کہ از اسحٰق پسر حضرت ابراہیم ادھمؒ عقبے نماندہ بمکہ لاولد رفتہ۔اھ

تذکرہ حضرت شیخ شمس الدین ترکؒ۔عمل (۳۸)

وہم وروے (یعنی درسیر الاقطاب) می نویسد کہ وقتے موئے شوارب شیخ شرف پانی پتی قدس سرہ بغایت دراز شدہ بودو ہیچ کس رامجال آں نہ بود کہ بوے امر بقص آنہا کند قاضی ضیاء الدین سنامی قدس سرہٗ کہ جوش شریعت در سرداشت مقراض برگرفت ومحاسن شریفش دردست گرفتہ قص شوارب کردگویند کہ بعدازاں شیخ ہمیشہ محاسن خودرا بوسیدے وگفتے کہ ایں درراہ شریعت محمدی گرفتہ شداست۔

(اور نیز اس میں (یعنی سیرۃ الاقطاب میں) لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ شرف الدین پانی پتی کے لبوں کے بال بہت بڑھ گئے تھے کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ ان کو کاٹنے کو کہیں۔ قاضی ضیاء الدین سنامی قدس سرہ چونکہ شریعت کا جوش دل میں رکھتے تھے قینچی لی اوران کی ریش مبارک ہاتھ میں پکڑکر مونچھیں کاٹ ڈالیں۔ کہتے ہیں کہ اس کے بعد شیخ ہمیشہ اپنی داڑھی کو بوسہ دیتے اور فرماتے کہ یہ شریعت محمدی کی راہ میں پکڑی گئی ہے، اس لئے بوسہ کے قابل ہوگئی)......**ف**: باوجود مجذوب ہونے کے شریعت کی کس قدر محبت وعظمت ان کے قلب میں تھی۔

تذکرہ حضرت شیخ جلال الدین پانی پتیؒ۔عمل (۳۹)

تامدتے ایں قسم مجاہدات می کشید واحوالات عجیب بروے واردمی شود روزے درعالم سکر برزبانش گذشت کہ واللہ محمد حجاب آمدورنہ ذات پاک حق راحجاب نہ بودے وبعضے الفاظ شطحیات دیگر ہم برزبان راند چوں بعالم صحو آمد خادمان گفتند کہ امروز برزبان مبارک چنیں مخالف شرع رفتہ است فرمودنعوذ باللہ منہا مرتکب گناہ کبیرہ شدم کفارتش ے بایدداد ہوائے سرمابودنصف شب برلب آب دریائے سندھ ے رفت و برف راشکستہ تاگلو بہ آب درمے آیدوبریک پاایستادہ پائے دوئیم رابرران نہادہ ایں ذکررامی گفت کہ دین محمد قائم دائم وازشدت سرماتمام بدن جابجاتر قیدہ خون رواں می

گشت وقت صبح باز غسل کردہ نماز فجر ادامی نمود تا مدت ششماہ دریں مجاہدہ بود تا آنکہ حق تعالیٰ تسکین بخشید باوجود آنکہ خلاف اصطلاح صوفیہ اہل صفا از زبان مبارکش نہ برآمدہ بود چرا کہ نزدیک ایں طائفہ سہ ۳ مرتبہ مقرر اند احدیت و وحدت و واحدیت احدیت یعنی مرتبہ ذات وحدت یعنی تعین اول مرتبہ صفات و حقیقت محمدی و واحدیت یعنی عالم کون پس مرتبہ وحدت برزخ و حجابست مابین احدیت و واحدیت کہ فیض از ذات احدیت می گیرد و بعالم واحدیت میرساند پس وحدت کہ حقیقت محمدی است اگر مابین حایل و برزخ نمی شد اہل کون ذات احدیت را بے پردہ مشاہدہ مے نمودند از ایں معنی بلسان ترجمان الٰہی آنحضرت گذشتہ بود کہ واللہ محمد حجاب آمد والا ذات پاک حق را حجاب نہ بودے لیکن بجہت حفظ شریعت آں قدر مبالغہ نمود کہ اہل عالم ازیں مقدمہ خبردار عیستند مبادا درضلالت افتند واولیاء اکمل راچنیں حفظ وبردباری لازم است از ینجا است کہ اولیا را محفوظ وانبیاء را معصوم مے نامند۔

(ایک مدت تک اس قسم کے مجاہدے اور چلے کھینچتے رہے اور عجیب عجیب حالتیں ان پر وارد ہوتی رہیں۔ ایک بار سکر کے عالم میں ان کی زبان سے نکلا کہ خدا کی قسم محمد حجاب ہوگئے ورنہ ذات پاک حق کے لئے کوئی شے حجاب نہ ہوتی اور بعض الفاظ شطحیات کے اور زبان سے نکلے جب صحو کے عالم میں آئے تو خادموں نے عرض کیا کہ زبان مبارک سے شریعت کے خلاف ایسی ایسی باتیں نکلی ہیں فرمایا کہ خدا کی پناہ میں تو گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوگیا۔ اس کا کفارہ دینا چاہئے۔ جاڑوں کی (ٹھنڈی) ہوا تھی آدھی رات میں دریائے سندھ کے کنارے پر تشریف لے جاتے تھے اور برف کو توڑ کر (جو کہ پانی پر جمی ہوئی تھی) گلے تک پانی کے اندر جاتے تھے اور ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر دوسرے کو ران پر رکھ کر یہ ذکر کرتے تھے کہ دین محمد قائم دائم (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین قائم اور دائمی ہے) اور جاڑے کی شدت سے تمام بدن پھٹ کر خون بہتا تھا۔ صبح کے وقت پھر غسل کر کے فجر کی نماز ادا کرتے تھے۔

چھ ماہ تک اس مجاہدہ میں رہے حتیٰ کہ حق تعالیٰ نے (دل کو) تسکین بخشی۔ باوجوداس کے کہ صوفیہ اہل صفا کی اصطلاح کے خلاف ان کی زبان مبارک سے وہ کلمہ نہ نکلا تھا کہ اس گروہ کے نزدیک تین مرتبہ مقرر ہیں۔ احدت ووحدت وواحدیت۔ احدیت سے مراد ذات ہے۔ وحدت سے مراد تعین اول ہے یعنی مرتبہ صفات وحقیقت محمدیؐ اور واحدیت سے مراد عالم کون ہے (حق تعالیٰ کی ذات اور صفات کے علاوہ جو موجودات ہیں ان کو عالم کون کہتے ہیں) پس درمیان احدیت اور واحدیت کے مرتبہ وحدت برزخ اور حجاب ہے کہ ذات احدیت سے فیض حاصل کرتا ہے اور عالم واحدیت (عالم کون) کو پہنچاتا ہے پس مرتبہ وحدت کہ (اصطلاح میں) حقیقت محمدی ہے اگر درمیان میں حائل اور برزخ نہ ہوتا تو اہل عالم کون ذات احدیت کو بے پردہ مشاہدہ کرتے اس معنی کے اعتبار سے آنحضرت کی زبان فیض ترجمان پر جاری ہوا کہ خدا کی قسم محمدؐ (یعنی مرتبہ صفات) حجاب ہے ورنہ حق تعالیٰ کی ذات پاک کیلئے کوئی شے حجاب نہ ہوتی لیکن شریعت کی حفاظت اور رعایت کے لئے (اس قول کے کفارہ میں) اس قدر مبالغہ فرمایا کیونکہ لوگ اس کی حقیقت سے واقف ہیں نہیں مبادا گمراہی میں پڑجاویں اولیاء کاملین پر اس طرح (شریعت کی) حفاظت اور مشقت لازم ہے اور اس جگہ سے (یعنی) چونکہ یہ حضرات شریعت کی بغایت درجہ حفاظت کرتے ہیں) اولیاء کو محفوظ اور انبیاء کو معصوم کہتے ہیں۔ ١٢مترجم)

ف: دیکھئے باوجود غلبہ حال کے جو کہ عذر شرعی ہے اور پھر امکان تاویل کے جیسا کہ اس واقعہ کے ساتھ ہی مذکور ہے پھر بھی شریعت کی کس قدر حفاظت فرمائی اور اپنی غلطی کا اعتراف فرمایا اور نفس کے ساتھ کس قدر سختی فرمائی۔

ایضاً تذکرہ حضرت موصوف۔ عمل (۴٠)

از اوّل عمر تا آخر حیات استقامت داشت روزے درایام مرض از خادمے ادویہ طلبید خادم حقہ ترکیب آوردہ وے قدس سرہ ازاں پارہ کشید وخواست کہ نوش

فرماید آں معجون در حقہ گذاشت واز چہار پائی فرود آمد وبکار برد چرا کہ بر چہار پائی خوردن شرعاً ممنوع است از ینجا معلوم باید کرد کہ آنحضرت راچہ قدر اہتمام در اتباع شرع بود کہ ایں قدر ادویہ راہم سوئے امر شریعت نخورد۔

(ابتدائی عمر سے آخر زندگی تک استقامت پر رہے ایک روز ایام مرض میں خادم سے دوائیں طلب کیں خادم نے معجون کا ڈبہ حاضر کیا آپ نے اس میں سے کچھ تھوڑی سی نکالی اور چاہا کہ نوش فرماویں (اچانک) آپ نے اس معجون کو ڈبہ میں ڈالا اور چارپائی سے نیچے تشریف لے آئے اور (پھر اس دوا کو) استعمال کیا اس لئے کہ چارپائی پر کھانا شرعاً ممنوع ہے اس واقعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آنحضرتؒ کو شریعت کی اتباع کا اہتمام کس قدر تھا کہ معمولی سی دواؤں کو بھی شریعت کے خلاف استعمال نہ کیا۔۱۲ مترجم)

ف: یہ جداگانہ امر قابل تحقیق ہے کہ چارپائی پر کھانا کیسا ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ حضرت کی یہی تحقیق تھی اس کی کس قدر رعایت فرمائی کہ دوا کھانے کو عرف میں کھانا نہیں کہا جاتا کہ وہ بھی چارپائی پر نہیں کھائی (تتمہ) اس کے بعد اس تحقیق کی اصل بھی مل گئی۔ **فی احیاء العلوم آداب الاکل کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اتی بطعام وضعہ علی الارض وقال العراقی فی تخریجہ رواہ احمد فی کتاب الزھد من روایۃ الحسن مرسلا ورواہ البزار من حدیث ابی ھریرۃ نحوہ وفیہ مجاعۃ وثقہ احمد وضعفہ الدارقطنی۔**

احیاء العلوم آداب الاکل میں (یہ روایت ہے) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت مبارک تھی کہ جب کھانا آپ کے سامنے لایا جاتا تو آپ اس کو زمین پر دسترخوان بچھا کر رکھتے۔

تذکرہ حضرت شیخ نظام تھانیسری رحمہ اللہ۔ عمل (۴۱)

حضرت ایشاں بحسب فرمان پیر در خلوت درآمدہ ودروے بخشت وگل مسدود ساختہ بکردن شغل سہ پایہ لیلاً ونہاراً مشغول گشت ورفتہ رفتہ در یکدم سہ صد وبہ روایتے چہار صد بار رسانید ودروقت اختیار کردن خلوت از حضرت شیخ جلال پرسید کہ چوں

چنیں خلوت اختیار کنم جماعت ازمن فوت خواہد شد آنحضرت بوے فرمود باید کہ دروقت ادائے ہر فرض تکبیر گفتہ بنماز اشتغال نمائی جماعت میسر خواہد آمد حضرت ایشاں بوقت ادائے فرض تکبیر گفتہ بنماز مشغول می گشت ملائکہ بصور انسانیہ متمثل گشتہ بوے اقتدا می کردند چنانچہ بوقت سلام حضرت ایشاں مرآنان رامعائنہ می کردو بعدازاں از نظر وے غائب می شدند۔

(یہ حضرت پیر کے حکم سے تنہائی میں تشریف لاکر اور اس کا دروازہ اینٹ گارے سے بند کر کے سہ پایہ کے شغل کرنے میں رات دن مشغول ہوئے۔ اور رفتہ رفتہ ایک سانس میں تین سو اور ایک روایت میں چار سو بار تک پہنچادیا اور خلوت اختیار کرتے وقت حضرت شیخ جلال سے پوچھا کہ میں جب ایسی خلوت اختیار کروں گا میری جماعت فوت ہوا کرے گی آنحضرت نے ان سے فرمایا کہ (اس کے لئے تم کو یہ چاہیئے) کہ ہر (نماز) فرض کے ادا کرنے کے وقت تکبیر کہہ کر نماز کو شروع کرو جماعت میسر ہوگی۔ یہ حضرت فرض پڑھنے کے وقت تکبیر کہہ کر نماز میں مشغول ہوجاتے فرشتے انسان کی صورت میں ہوکر ان کی اقتداء کرتے چنانچہ سلام کے وقت یہ حضرت ان کو دیکھتے اور اس کے بعد وہ ان کی نظر سے غائب ہوجاتے۔)

ف: دیکھئے جماعت کا کس قدر اہتمام تھا کہ باوجود اس قدر اشتیاق مجاہدہ کے جماعت کے فوت کو گوارا نہیں فرمایا اور شیخ نے جو صورت جماعت کی ارشاد فرمائی۔ یہ ان کی تسلی کے لئے تھی ورنہ اصل جواب یہ تھا کہ بعض اعذار سے جماعت معاف ہوجاتی ہے ان اعذار میں سے خوف علی مال بھی ہے۔ (کذافی الدرالمختار)

(درمختار میں ایسا مذکور ہے) اور اس پر قیاس کیا جائے گا خوف علی الدین کو بلکہ وہ (عذر میں خوف علی مال سے) اولیٰ ہے۔

ویقاس علیه الخوف علی الدین بل هوا ولی اور اس سے بھی سہل یہ ہے کہ دروازہ تیغا کرنے کے بعد خروج سے عجز ہوگیا اور غیر قادر پر جماعت لازم نہیں۔

از لطائف قدوسی مولفہ مولانا رکن الدین رحمہ اللہ

درحالات شیخ عبدالقدوسؒ۔ لطیفہ ۲۸۔ عمل (۴۲)

حضرت قطبی درمتابعت سیدالکونین درشرع محمدی صلی اللہ علیہ وسلم چناں راسخ بودند کہ ذرہ تجاوز از شرع دراحکام ظاہروباطن روانمی داشتند نہ برخودونہ برغیرخوداگراز کسے چیزے تجاوزشرعی معلوم ے شدی بیزاری وتبری می گرفتند ونزدیک خودآمدن نمی داند۔

(حضرت قطب الوقت حضرت سیدالکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی متابعت میں اس قدرمضبوط اورراسخ تھے کہ ایک ذرّہ برابرشرع سے تجاوز کرنے کو ظاہری وباطنی احکام میں جائز نہ سمجھتے تھے۔ نہ اپنے لئے اور نہ دوسرے کے لئے اور اگرکسی سے کوئی امرخلاف شرع معلوم ہوتا تو آپ اس سے بیزاری اورتبری اختیار فرماتے اوراپنے پاس نہ آنے دیتے)

لطیفہ ۸۹۔ عمل (۴۳)

حضرت قطبی دروقت پیری وآخرعمرنمازصدرکعت شب برأت ونمازتراویح ماہ مبارک رمضان وجملہ وظائف یومیہ ولیلیہ بقیام تمام می کردند ہیچ گاہ ناغہ نہ کردند وعمل برعزیمت می داشتند ورخصت راقدرے وقیمتے نمے نہادند علی الخصوص درروزے کہ غلبۂ باران بودے ویاسرمابودے ویابادی بودے زیادت شدۃ برنفس خودمے نہادندوازمعتاد عمل ووضوونمازوعبادت زیادت می کردند الغرض دراستقامت دین حضرت قطبی حیرت عقل بودکہ کہ کاروبارحضرت ایشاں خارج ازطاقت بشری بودچناں کہ گفت۔ بیت۔

می ندانم کایں چہ مرداں بودہ اند کز عمل یکدم نمے آسودہ اند

(حضرت قطب الوقت بڑھاپے اوراخیرعمرمیں سورکعت نمازشب برأت کی اورنمازتراویح اور ماہ مبارک رمضان کی اورتمام وظیفے رات دن کے (ان سب کو) پابندی سے پورا کرتے تھے کبھی ناغہ نہیں فرمایا اورعمل عزیمت پر کرتے تھے اوررخصت

کی کوئی قدر اور قیمت ان کے نزدیک نہ تھی بالخصوص جس دن بارش کی کثرت ہوتی یا جاڑہ شدت سے ہوتا یا ہوا تیز چلتی اپنے نفس پر سختی فرماتے اور وضو اور نماز اور دوسری عبادت کا عمل زیادہ کرتے۔ الغرض حضرتؒ کی استقامت دین میں عقل کو حیرت تھی کیونکہ معاملہ آنحضرت کا خارج از طاقت بشری تھا چنانچہ کسی نے کہا ہے (ترجمہ بیت) نہ معلوم کہ یہ کیسے مرد تھے کہ عمل میں مشغول رہتے تھے۔)

لطیفہ ۴۳۔ عمل (۴۴)

تمام مجلس در حیرت شدہ بعدہ بجہت وضو نماز عصر مستعد شدند در عین حالت عشق و مستی احتیاط در ادائے شرائع و آداب وضو کردند ہمہ را حیرت زیادت شد گفتند کہ سبحان اللہ با وجود چنیں عالم مستی چندیں استحکام شریعت تا غایت ایں نوع معاملہ دیدہ و شنیدہ نشدہ است۔

(تمام مجلس متحیر تھی اس کے بعد نماز عصر کی وضو کے لئے مستعد ہوئے عشق اور مستی کی عین حالت میں اعمال کی ادائیگی اور آداب وضو میں احتیاط فرمائی۔ (اس سے) تمام لوگوں کو اور زیادہ حیرت ہوئی سب نے کہا کہ سبحان اللہ باوجود اس عالم مستی کے شریعت پر اس طرح کا غایت درجہ استحکام نہ دیکھا گیا اور نہ سنا گیا۔۱۲ مترجم)

رفع شبہ

اعمال مذکورہ رسالہ کے عدد کی کمی سے شبہ نہ کیا جائے کیونکہ ذکر کی کمی وقوع کی کمی کو مستلزم نہیں واقع میں تو سب سے بڑا عدد اسی عمل کا ہے کیونکہ یہی وہ چیز ہے جس کا صدور ہر وقت ہوتا تھا اور اس لئے اس کا احصاء بھی عادۃً قریب بہ محال تھا ان میں سے صرف ان اعمال کا ذکر کیا گیا ہے جن میں کسی خاص جدید فائدہ پر دلالت تھی ورنہ وہاں تو ہر عمل کامل عادت تھی جو معتاد ہونے کے سبب محل التفات بھی نہ ہوتا تھا۔

باب سوم

جس میں بعض اقوال یا افعال موہمہ کی توجیہ ہے

ف: یہ توجیہ دو قسم کی ہیں ایک کلی اور وہ بعض واقعات میں تو یہ ہے کہ ان حضرات پر اکثر باطنی حالات کا غلبہ رہتا تھا اور اس غلبہ کے لوازم اور خواص میں سے ہے کہ بعض امور نظریہ بلکہ بدیہیہ بلکہ حسیہ کی طرف التفات نہیں ہوتا اور بعض واقعات میں یہ ہے کہ بعض احکام دقیق ہوتے ہیں۔ بدون مزاولت علوم ان کا استحضار وقت پر نہیں ہوتا اور یہ حضرات مزاولت کے لئے فارغ نہ تھے اور بعض واقعات میں یہ ہے کہ وہ کسی روایت غیر ثابتہ کو ثابت سمجھ کر یا اپنے بزرگوں کو مجتہد سمجھ کر عمل کر لیتے تھے اور وہ اس زعم میں معذور تھے اور بعض واقعات میں یہ ہے کہ جو اقوال یا افعال بناء اعتراض ہیں ان کا ان بزرگوں سے ثبوت ہی نہیں اور بعض واقعات میں یہ ہے کہ معترض اس واقعہ کی حقیقت ہی نہیں سمجھا اور بعض واقعات میں یہ ہے کہ ان کا صدور بلا شعور یا بلا اختیار ہو گیا اسی کو غلبۂ حال سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس کے لئے ایسا اشتداد یا امتداد ضروری نہیں کہ وہ سب کو محسوس ہو اس کی نظیر میں اپنا ایک واقعہ پیش کرتا ہوں جمعہ کا دن تھا قیلولہ کا وقت نہیں ملا تھا شب کو بھی کچھ بدخوابی رہی تھی اس لئے آنکھوں میں نیند بھر رہی تھی اس وقت مجمع بھی کثیر تھا اور وہی وقت ڈاک لکھنے کا بھی تھا میں باتیں بھی کر رہا تھا اور خطوط بھی لکھ رہا تھا بات کرنے میں تو نیند کا غلبہ نہ ہوتا تھا لیکن خطوط لکھنے میں بعض اوقات اتنا اثر ہوتا تھا کہ کچھ کا کچھ لکھ جاتا تھا مگر قلم برابر چل رہا تھا اور بیچ بیچ میں باتیں کرتا جاتا تھا اس میں کوئی لغزش نہ ہوتی تھی جس سے اس غلبہ کا کسی کو ادراک نہ ہوتا تھا پھر لکھ کر خود ہی افاقہ ہوتا تھا اور اس لکھے ہوئے کو دیکھ کر اس کی تصحیح کرتا تھا بڑی دیر تک یہی حالت رہی پس جبکہ نیند کے خفیف اثر سے یہ حالت ہو جاتی ہے کہ شعور و اختیار مختل ہو جاتا ہے اور بوجہ عدم اشتداد و عدم امتداد دوسروں کو

اس کا احساس نہیں ہوتا تو حالات باطنی تو اس سے بھی اشد واغمض ہیں وہاں ایسا ہو جانا کیا بعید ہے مگر صحو واطلاع کے بعد وہ حضرات اس کا کافی تدارک فرما دیتے ہیں اور اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ کاملین پر غلبۂ حال نہیں ہوتا۔

جواب یہ ہے کہ بکثرت نہیں ہوتا اور احیانا ہو جانے سے حضرات انبیاء وملائکہ علیہم السلام بھی خالی نہیں بدر کے روز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا

اللھم ان تھلک ھذا العصابۃ لم تعبد بعد الیوم فرمانا

(اے اللہ اگر آپ نے اس جماعت کو ہلاک فرما دیا تو اس دن کے بعد آپ کی عبادت نہ ہوگی۔۱۲ مترجم)

اور غرق کے وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام کا فرعون کے منہ میں کیچڑ ٹھونسنا اگر غلبۂ حال نہیں تو کیا ہے بس اتنا فرق ہے کہ معصوم سے اس حالت میں ظاہراً بھی خلاف شرع کا صدور نہیں ہو سکتا اور غیر معصوم سے ہو سکتا ہے مگر وہ معذور ہوتا ہے اور توجیہ جزئی وہ ہے جو ہر واقعہ میں جدا جدا ہے اس باب میں اسی کی تفصیل ہے۔

(اشکال ۔۱)

ان میں بکثرت اہل سماع ہوئے ہیں جس کو علماء شرع منع کرتے ہیں۔

حل اشکال

خود علماء میں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے چنانچہ اہل علم پر ظاہر ہے سو حضرات چشتیہ نے بھی علماء ہی کا ایک قول لے لیا ہے اور اس میں خاص قیود لگا دی ہیں جس سے اس میں کسی قسم کا مفسدہ نہیں رہا پھر باوجود اس کے کسی نے اس کو جزو طریق نہیں کہا اور طالبوں کو اس کا حکم نہیں دیا جس طرح ذکر وشغل کا حکم دیتے تھے البتہ بعض ضرورتوں یا مصلحتوں سے خود سنا ہے اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعض مختصر ملفوظات حضرت سلطان نظام الدینؒ کے نقل کر دیئے جائیں جو باب ۲۷ درر نظامی جمع کردہ مولانا علی بن محمود جاندار احد الخلفاء میں مذکور ہیں جس سے محققین اہل سماع کا مذاق واضح ہو جائے گا۔

(۱) فرمایا سماع کی چار قسمیں ہیں۔ حلال۔ حرام۔ مکروہ۔ مباح (یعنی خلاف اولیٰ) اگر صاحب وجد کا میل خاطر حقیقت کی طرف زیادہ ہو تب تو حلال (مباح ہے) اور اگر مجاز کی طرف زیادہ ہے تو مکروہ ہے اور اگر بالکل حقیقت ہی کی طرف ہے تب حلال ہے اور اگر بالکل مجاز ہی کا دھیان ہے تب حرام ہے۔

(۲) فرمایا کہ سماع کے واسطے تین باتیں درکار ہیں۔ زمان۔ مکان۔ اخوان (الی قولہ) سماع کے واسطے کئی باتیں درکار ہیں جب یہ موجود ہوں اس وقت سماع سنے۔ (مسمع۔ مستمع۔ مسموع۔ آلۂ سماع) مسمع یعنی گانے والا پورا مرد ہو لڑکا یا عورت نہ ہو۔ مستمع سننے والا یادِ حق میں مشغول ہو۔ مسموع یعنی گانا فحش اور کسی کی ہجو نہ ہو۔ آلۂ سماع یعنی مزامیر وغیرہ نہ ہوں۔ تب یہ سماع سننا مباح ہے۔

(۳) حضرت کے ایک مرید نے عرض کیا کہ مولانا رکن الدین ایسی مجلس میں شریک ہوتے ہیں جہاں مزامیر بھی ہوتا ہے۔ حضرت کو یہ بات ناپسند ہوئی جب مولانا حاضر ہوئے آپ نے دریافت فرمایا عرض کیا، اس مجلس میں بندہ کا کوئی دوست نہ تھا (جو میری تائید کرتا) اور گمان غالب تھا کہ میرے منع کرنے سے وہ لوگ باز نہ رہیں گے حضرت نے فرمایا تم منع کرو وہ لوگ باز آ جائیں فبہا ورنہ تم وہاں سے اُٹھ کھڑے ہو۔

تتمہ مبحث سماع

یہاں تک کی تقریر کا حاصل یہ ہوا کہ مزامیر تو مطلقاً ممنوع اور سماع محض اگر بلا شرائط ہو تو وہ بھی مطلقاً ممنوع اور اگر بشرائط ہو تو مختلف فیہ جس میں بعض صوفیہ نے اباحت کا قول لے لیا اب یہ سوال باقی رہا کہ مذہب حنفی میں تو وہ بھی ناجائز ہے۔ صوفیہ حنفیہ نے اپنے مذہب کے خلاف کیوں کیا ایک جواب تو یہ ہے کہ محقق اتنے اختلاف سے حنفیت سے نہیں نکلتا۔ دوسرا جواب یہ ہے جس کو اقتباس الانوار میں حضرت قطب صاحب کے تذکرہ میں سیر الاقطاب سے حضرت قاضی حمید الدین ناگوری رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا ہے اور گو خود صاحب اقتباس نے اس نسبت پر وجدانی جرح کی ہے لیکن قطع نظر نسبت

کے خود وہ تقریر مستقلاً بھی قواعد کے مطابق ہے اس لئے ان ہی الفاظ میں نقل کرتا ہوں۔

قاضی (حمید الدین) حاضر بود گفت منم حمید الدین کہ سماع می شنوم ومباح میگویم بروایت علماء کہ مریضم و درد دل دارم وسماع دارو ے آں در درست وامام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کوفی تداوی مریض بہ خمر نزد انعدام علاج بدوائے دیگر واتفاق حکما برصحت آں مریض بایں دواے مخصوص مباح داشتہ است بریں تقدیر دوائے مرض من کہ لادوا ست استماع سرود باشد پس شنیدن وے برمباح بود مابرشما حرام۔اھ

(قاضی (حمید الدین) موجود تھے انہوں نے کہا کہ میں ہوں حمید الدین کہ سماع سنتا ہوں اور مباح کہتا ہوں بوجہ علماء کی روایت کے اس لئے کہ میں درد دل کا مریض ہوں اور سماع اس کی دوا ہے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے شراب سے علاج کرنے کی ایسے وقت اجازت دے دی ہے جبکہ ازالۂ مرض کے لئے اور کوئی دوا ہی نہ ہو اور حکیموں کا اتفاق اس پر ہو گیا ہو کہ صحت بدون شراب کے ناممکن ہے اس تقدیر پر میرے مرض کی دوا جو کہ لاعلاج ہے سرود کا سننا ہے لہٰذا اس کا سننا ہمارے لئے مباح ہے اور تم پر حرام ہے۔۱۲مترجم)

اس سے بھی معلوم ہوا کہ اباحت کا حکم ایسی اضطرار کی حالت میں ہے جس حالت میں حرام وحلال ہو جائے کیا اس وقت ایسا اضطرار کسی میں مشاہد ہے مزید بصیرت کے لئے باب اوّل کا قول ۳۳ و نمبر ۴۱ و ۵۸ بھی ملاحظہ فرمالیا جائے۔

(اشکال نمبر ۲) بعض اکابرین کے کلام میں ترک عقبیٰ کی ضرورت پائی جاتی ہے اور شریعت حکم دیتی ہے اختیار عقبیٰ کا۔

حل اشکال۔ مراد اس ترک سے یہ ہے کہ اس کو رضائے حق کے درجہ میں مقصود بالذات نہ سمجھے سو یہ مضمون خود قرآن مجید کے موافق ہے سورہ توبہ میں نعیم جنت کا ذکر فرما کر ارشاد فرمایا ہے۔ ورضوان من اللہ اکبر ای من الجنۃ (اور اللہ کی خوشنودی بڑی ہے (یعنی جنت سے بھی) ۱۲مترجم) پس اسی فرق کو صوفیہ نے ظاہر کیا

ہے۔ البتہ ہر جگہ کلام میں قیود نہ ہونے سے اس کا وہم ہوسکتا ہے سو بعض اوقات غایت شہرت کے سبب قیود ترک کر دیئے جاتے ہیں اور اس سے کوئی کلام خالی نہیں۔

از مختصر حالات خواجگان چشت

(واقعہ نمبر ۳)

جب کئی سال اس طرح گزر گئے تو خواجہ بزرگ نے آپ کو بلا بھیجا اور اپنے روبرو بلا کر کلاہ اور دستار اپنے ہاتھ سے عطا فرمائی اور عصائے شیخ عثمان ہارونی اور مصحف اور مصلی اور خرقہ بھی مرحمت فرمایا اور کہا کہ یہ امانت مجھ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچی تھی سو میں نے تم کو دے دی میں حق ادا کر چکا تم بھی نیک حق ادا کرنا کہ قیامت کو شہنشاہ نبوت کے روبرو شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔

اشکال۔ ان چیزوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت کس سند سے کہا۔

حل اشکال: اقرب یہ ہے کہ اشیاء کا عطا کرنا شہادت تھی صلاح کی اور وصیت تھی اصلاح کی۔ جس طرح اب علماء طلبہ کی دستار بندی اسی مصلحت سے کرتے ہیں اور حقوق دین سب امانتیں ہیں اللہ و رسول کی اور ان حقوق کے ادا نہ کرنے کا متبوعین کی خجلت کا سبب بن جانا خود حدیث لاتسودوا وجھی یوم القیامۃ (تم لوگ مجھے شرمندہ نہ کرنا قیامت کے دن۔ ۱۲ مترجم) سے ثابت ہے۔

اور محتمل باحتمال بعید ہے کہ امانت سے یہ مراد ہو کہ یہ اشیاء حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلسل آ رہی ہیں پھر یا تو ان کے پاس سند کافی ہوگی یا کسی راوی پر حسن ظن کے سبب وثوق کر کے اس کو روایت کر دیا ہو اور یہی عذر ہے صوفیہ کی طرف سے بعض روایات کے نقل میں ان کے تسامح کرنے کا اور یہی احتمال ہے کہ انتساب کا مستند کشف والہام ہو جیسا باب دوم عمل ۱۶ کے تحت میں بعض اعمال کے انتساب میں یہی احتمال مع اس کی نظیر منقول فی کلام العلماء کے گزر چکا ہے۔

فائدہ استطرادیہ

بعض مقامات پر بعض تبرکات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب بلاسند پائے جاتے ہیں... جیسے موئے مبارک یا جبہ مبارک واقعہ بالا کی جو توجیہ اخیر میں کی گئی ہے یعنی (استناد الی الکشف والالهام الذی من افراده الذوق الصحیح والفراسته التی سببها النبی علیه الصلوة والسلام من نورالله العلام) ایسی ہی توجیہ ان میں بھی محتمل ہے بشرطیکہ تکذیب کی کچھ امارات قویہ نہ ہوں۔

تفریع علے الفائدۃ المذکورۃ

ہمارے قریب قصبہ جلال آباد ضلع مظفر نگر میں از منہ متطاولہ سے ایک ملبوس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جبہ مبارک کے نام سے مشہور ہے جو چند سال سے نواب صاحب رامپور کی رغبت پر وہاں منتقل ہو گیا مگر ہر سال ربیع الاول میں خدام جبہ عام زیارت کرانے کے لئے جلال آباد لے آتے ہیں اور چند روز کے بعد واپس چلے جاتے ہیں بمناسبت مقام وبضرورت تحقیق احکام اس کے متعلق چند سطریں لکھ کر بناء القبہ علی بناء الجبہ سے موسوم کر کے کتاب ہذا کا جز بناتا ہوں۔ وہی ہذا۔

بناء القبہ علی بناء الجبہ

(کہ جزویست از رسالہ السنۃ الجلیہ)

ایں زماں جان دامنم برتافتہ است　　بوے پیراہان یوسف یافتہ است

بعد الحمد والصلوٰۃ احقر اشرف علی عفی عنہ عاشقان ملت نبویہ ومشتاقان حضرت مصطفویہ علی صاجہا الف الف سلام وتحیہ کی خدمت میں عرض رسا ہے کہ کسی ذات کا عشق لزوماً مقتضی ہے اس ذات کے متعلقات وملابسات کی محبت کو اور تعلق وملابستہ کے تفاوت سے اس محبت کے تفاوت کو نیز ثبوت ملابست کے تفاوت درجات سے تفاوت محبت کو پس اس اصل پر عشاق محمدی کو ملابسات میں سب سے زیادہ محبت کا تعلق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام سے ہوگا پھر اپنے درجہ میں حضرات صحابہ و حضرات اہل بیت وذریت اور آپ کے نائبین ووارثین یعنی علماء واولیاء سے حتی کہ اپنے درجہ میں آپ کے ملبوس تک سے محبت ہوگی۔ ولنعم ماقیل ۔

درمنزلیکہ جاناں روزے رسیدہ باشد　　باخاک آستانش داریم مرحبا اے

اوراس کے تعلق یااس کے تفاوت کے نہ جاننے سے احیاناً اس میں افراط وتفریط ہو جاتی ہے، کبھی اعتقادی کبھی عملی۔ مثلاً افراط اعتقادی یہ کہ ثبوت مظنون یا مشکوک کو قطعی سمجھ لیا جائے اور تفریط اعتقادی یہ کہ ثبوت محتمل کے ہوتے ہوئے نفی کا جزم کرلیا جائے کہ ان دونوں اعتقادوں میں صریح مخالفت ہے نص ولا تقف مالیس لک بہ علم (جس بات کی تجھ کو تحقیق نہ ہو اس پر عملدرآمد مت کیا کر۔۱۲ مترجم) کی۔

البتہ جہاں امارات تکذیب کے موجود ہوں وہاں ان امارات کے درجہ تک نفی کا اعتقاد لازم ہے اور افراط عملی یہ کہ ملابس کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جائے جو احکام شرعیہ کے خلاف ہو اور تفریط عملی یہ کہ درجہ ثبوت کی بھی رعایت نہ کی جائے اس تمہید کے بعد مقصود مقام یہ ہے کہ منجملہ اشیاء محتملۃ الملابسۃ کے ہمارے قصبہ کے قریب مقام جلال آباد میں ایک جبہ ہے جو عام طور سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور اب بالاستقلال ریاست رامپور میں مقیم ہے اور سال میں ایک بار یعنی ربیع الاول میں جلال آباد اور اس کی نواح میں مشتاقین کی زیارت کی غرض سے لایا جاتا ہے چونکہ اس کے متعلق اکثر ثبوتاً ونفیاً سوال بھی ہوتا ہے اور معاملہ بھی اس کے ساتھ اعتناء واستغناء مختلف کیا جاتا ہے اس لئے مدت سے خیال تھا کہ اس کے متعلق ضروری تحقیق لکھ دی جائے تاکہ علماً وعملاً افراط وتفریط سے بچنا ممکن ہو لیکن اس تحقیق کے بعد شعب یعنی ثبوت کے کافی میسر نہ ہونے سے توقف ہو جاتا تھا مگر جب اس سے یاس ہو گیا تو خیال ہوا کہ آئندہ اس میں اور اشکال بڑھ جائے گا اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ جتنا اس وقت اس کے متعلق ذہن میں حاضر ہے اسی کو جمع کر دیا جائے کہ اصل غرض یعنی تحرز عن الافراط والتفریط کیلئے یہ بھی کافی ہے چنانچہ یہ مختصر مجموعہ حاضر کرتا ہوں اور نام اس کا بناء القبہ علی بناء الجبہ تجویز کرتا ہوں۔ (یعنی جبہ معہودہ کی خبر اور واقعہ پر روایات ثبوتیہ واحکامیہ کی مستحکم وحسین تعمیر) اور یہ چند اجزاء پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو حفاظت حدود شریعت ومحبت کا ذریعہ بنا دے۔ آمین!

جزو اوّل

اس میں بیان ہے اس کا کہ آثار مقبولین کے برکت کی چیزیں ہیں اور ان سے برکت کا حاصل کرنا بطریق مشروع جائز ہے۔

(۱) قال اللہ تعالیٰ. لهم نبيهم ان اية ملكه ان ياتيكم التابوت فيه سكينة من ربكم وبقية مماترک ال موسٰی وال هٰرون تحمله

الملئکۃ الآیۃ فی الجلالین فکانوا یستفتحون بہ علی عدوھم ویقدمونہ فی القتال ویسکنون الیہ (قال تعالٰی) فیہ سکینۃ طمانیۃ لقلوبکم من ربکم وبقیۃ مماترک ال موسٰی و ال ھٰرون اے ترکاہ وھو نعلا موسٰی علیہ السلام وعصاہ وعمامۃ ھٰرون الخ.

(**ترجمہ**: فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ اور کہا ان سے ان کے نبی نے کہ اس کی یعنی طالوت کی بادشاہت کی علامت تابوت کا آنا ہے تمہارے پاس کہ جس میں اطمینان کا سامان تمہارے رب کی جانب سے اور موسیٰ و ہارون کے ترکہ میں سے بقیہ ہوگا اس کو فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے جلالین میں ہے کہ وہ لوگ بذریعہ اس تابوت کے اپنے دشمنوں پر فتح ونصرت کی دعا کیا کرتے تھے اور جنگ میں سب سے آگے اس کو رکھتے تھے اور اس کے سبب مطمئن رہتے تھے (فرمایا اللہ تعالیٰ نے) اس میں (یعنی تابوت میں) تمہارے دلوں کے لئے تمہارے رب کی طرف سے سکون اور طمانیت کا سامان ہے اور آل موسیٰ اور آل ہارون کے ترکہ کا بقیہ ہے یعنی ان دونوں کا ترکہ ہے اور وہ موسیٰ علیہ السلام کی نعلین مبارک اور عصاء اور ہارون علیہ السلام کا عمامہ مبارک تھا۔۱۲مترجم)

(۲) عن عثمان بن عبداللہ بن وھب قال فارسلنی اھلی الی ام سلمۃ بقدح من ماء وکان اذا اصاب الانسان عین اوشیٔ بعث الیھا مخضبۃ فاخرجت من شعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکانت تمسکہ فی جلجل من فضۃ فخضخضتہ لہ فشرب منہ. (رواہ البخاری)

ترجمہ: عثمان بن عبداللہ بن وہب سے روایت ہے فرمایا انہوں نے کہ پس مجھ کو بھیجا میرے گھر والوں نے ایک پیالہ پانی کے ساتھ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں اور بات یہ تھی کہ جب کسی کو نظر لگتی یا اور کوئی بیماری تو ان کی خدمت میں ایک لگن بھیجا جاتا تھا پس وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارک نکالتیں جس کو انہوں نے چاندی کی نلکی میں رکھ چھوڑا تھا پس وہ موئے مبارک کو پانی میں ڈال کر

پلاتیں پھر وہ پانی پی لیتا۔۱۲مترجم (منصوب بتقدیر رایت کمانی النووی۔۱۲مترجم)

(۳) عن اسماء بنت ابی بکرانها اخرجت الی جبة طیالسة کسروانیة لها کنیة دیباج وفرجیها مکفوفین بالدیباج وقالت هذه جبة رسول الله صلی الله علیه وسلم یلبسها عند عائشة فلما قبضت قبضتها وکان النبی صلی الله علیه وسلم یلبسها فنحن تغسلها للمرضے نستشفی بهاروا ه مسلم.

ترجمہ: اسما بنت ابی بکر سے روایت ہے کہ انہوں نے میرے لیے ایک جبہ سادہ کسروانیہ نکالا جس کی گریبان کی پٹی ریشم کی تھی اور اس کے دونوں چاکوں کو ریشم کی گوٹ لگی ہوئی میں نے دیکھی اور انہوں نے کہا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ ہے جو کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا جب ان کی وفات ہوئی تو میں نے اس کو اپنے قبضہ میں کرلیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو زیب تن فرمایا کرتے تھے پس ہم اس کو بیماروں کے لیے دھوتے ہیں اس کے واسطے سے شفا چاہتے ہیں۔

(بعض جگہ اس کو پان کی پٹی اور صرف پان بھی کہتے ہیں۔مترجم)

(۴) وعن ام عطیة فی قصة غسل زینب بنت رسول الله صلی الله علیه وسلم و تکفینها انها قالت فالقی حقوه فقال اشعر نها ایاه رواه الستة قال الشیخ هذا الحدیث اصل فی البرکة بآ ثار الصالحین والباسهم

ترجمہ: اور اُم عطیہ سے زینب بنت رسول اللہ کے غسل اور تکفین کے معاملہ میں روایت ہے کہ انہوں نے کہا پس حضور نے اپنا تہبند پھینکا اور فرمایا کہ سب سے پہلے اس کو ان پر لپیٹ دو شیخ نے کہا کہ یہ حدیث اصل ہے صالحین کے آثار ولباس سے برکت حاصل کرنے میں۔مترجم۔۱۲

(۵) قال القاضی عیاض وحکے عن عبدالرحمٰن السلمی عن احمد بن فضلویه الزاهد وکان من الغزاة الرماة انه قال ما

مسست القوس بيدى الاعلى طهارة منذ بلغنى ان رسول الله صلى الله عليه وسلم . اخذ القوس بيده.

ترجمہ: روایت ہے احمد بن فضلویہ زاہد سے اور یہ مجاہدین تیراندازوں میں سے تھے کہا انہوں نے کہ نہیں ہاتھ لگایا میں نے کمان کو بھی باوضو جب سے مجھ کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک میں کمان پکڑی ہے۔۱۲ مترجم۔

(٦) قال القاضى انه رأى ابن عمرؓ واضعا يده على مقعد النبى صلى الله عليه وسلم ثم وضعها على جبهته وفى الباب روايات اُخرٰى ذكر بعضها فى الحصة الثانية من وعظ الحبور.

ترجمہ: کہا قاضی نے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنا ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نشست گاہ پر رکھا پھر اس کو اپنی پیشانی پر رکھا اور اس باب میں اور بھی روایتیں ہیں جن میں سے بعض وعظ الحبور کے دوسرے حصہ میں مذکور ہیں۔۱۲ مترجم۔

(۷) وفى نيل الشفاء عن بعض الرسائل الاستبراک بتمثال النعل الشريف.

ترجمہ: اور نیل الشفاء میں بعض رسائل سے نعل شریف کے نقش سے برکت حاصل کرنے کو نقل کیا ہے اور یہ سب معاملہ باب محبت وادب سے ہے مگر اس میں شرط یہ ہے کہ بوجہ مشروع ہو جس میں احکام کا ادب ضائع نہ ہو۔

جزودوم

اس میں شرح ہے اس مضمون کی جو جزاول کے اخیر میں مذکور ہے یعنی اس میں شرط یہ ہے کہ بوجہ مشروع ہو جس میں احکام کا ادب ضائع نہ ہو۔ اس شرط کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کا آثاروتبرکات کے ساتھ کوئی معاملہ خلاف شرع نہ کیا جائے یعنی

(نمبرا) ان کی عید نہ منائی جائے جس میں میلوں کی طرح مجمع ہوتا ہے تاریخ ، تعیین ہوتی ہے۔ دعوت ہوتی ہے دور دور سے آدمی آتے ہیں عورتوں کا اجتماع بھی

ہوتا ہے بلکہ نماز وروزہ سے زیادہ اس کا اہتمام ہوتا ہے۔

حدیث **لاتتخذوا قبری عیداً** (میری قبر پر عید نہ منانا۔۱۲ مترجم) میں اس کا ابطال ہے کیونکہ قبر کی عید سے صاحب قبر کی عید مقصود ہوتی ہے جب ذات بابرکات کی عید جائز نہیں تو ملابسات کی عید تو کس طرح جائز ہوگی۔

تفصیل المسئلة مذکور فی وعظ السرور وتحت الواقعه نمبر ۵۸ فی الباب الثالث میں رسالة السنة الجلية

اس مسئلہ کی تفصیل مذکور ہے وعظ السرور میں اور نمبر ۵۸ میں رسالہ السنۃ الجلیہ کے باب سوم میں۔۱۲

(نمبر۲) لکھی ہوئی چیزیں قبر میں نہ رکھی جائیں جیسے شجرہ یا عہد نامہ کو میت کی پیپ لہو کے تلوث سے ان کا احترام باطل ہوتا ہے۔

(نمبر۳) ان تبرکات کی نذر نہ مانی جائے کیونکہ نذر عبادت ہے اور عبادت مخلوق کے لئے نہیں ہوسکتی بحرالرائق میں اس کی حرمت کی تصریح ہے کما نقلہ الشامی قبیل باب الاعتکاف۔ تحت قول الدرالمختار باطل وحرام۔

(نمبر۴) اس کے لئے کچھ وقف نہ کیا جائے کیونکہ وقف میں شرط یہ ہے کہ مصرف قربت ہو اور یہ مصارف متعارفہ خود بدعت ہیں البتہ اگر اس نیت سے وقف کیا جائے کہ جو فقراء ومساکین اسکی زیارت کو آئیں ان پر صرف کیا جائے اور جو لوگ اس کے متولی وخادم ہوں وہ بھی بقدر حاجت اس میں سے لے لیا کریں تو یہ وقف صحیح ہے۔

(نمبر۵) نہ تعظیم میں غلو کیا جائے جس سے شرک وبدعت کی نوبت پہنچ جائے نہ کسی قسم کی اہانت کی جائے کہ منسوب کی اہانت میں عرفاً ایہام منسوب الیہ کی اہانت کا ہوتا ہے جس سے بچنا واجب ہے ہر حال میں اعتدال ملحوظ رہے علماً بھی عملاً بھی۔ اس اعتدال کی کیفیت بتانے کے لئے بطور نمونہ دو تحریریں نقل کرتا ہوں۔ ایک امداد الفتاویٰ جلد سوم مسائل شتے سے حضرت مولانا گنگوہیؒ کی بجواب سوال تقبیل ومسح

بالعینین نقشہ حرمین شریفین ونقشہ روضہ مطہرہ دوسری النور محرم ۱۳۴۲ھ سے اپنی بجواب سوال بعض معاملات غلو بتمثال نعل شریف۔

تحریر اول

بوسہ دادن وچشم مالیدن بریں نقشہا ثابت نیست واگر از غایت شوق سرزدشود ملامت وعتاب ہم برجا نباشد (دستخط حضرت رحمہ اللہ)

(ان نقشوں کو بوسہ دینا اور آنکھوں میں ملنا شرعاً ثابت نہیں اور اگر غایت شوق سے کوئی ایسا کرے تو ملامت اور نکیر بھی مناسب نہیں۔۱۲ مترجم)

تحریر دوم

اس مسئلہ میں دو مقام پر کلام ہے ایک یہ کہ فی نفسہ قطع نظر عوارض سے اس تمثال کے ساتھ ایسا معاملہ کرنے کا (یعنی سر پر رکھنا بوسہ دینا اس کے توسل سے دعا کرنا) کیا حکم ہے دوسرے یہ کہ عوام کے مفاسد حالیہ یا مآلیہ محتملہ باحتمال غالب کے اعتبار سے کیا حکم ہے سو امر اول میں تفصیل یہ ہے کہ اگر دین اور عبادت سمجھ کر ایسا کیا جائے تب تو بدعت ہے کیونکہ اس کی دلیل وارد نہیں اور اگر ادب اور شوق طبعی سے کیا جائے تو کچھ حرج نہیں ایسے امور طبعیہ کے جواز کے لئے دلیل جزئی کی ضرورت نہیں خلاف دلیل نہ ہونا کافی ہے جیسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ارشاد و لا مسست ذکری بیمینی مذبایعت بہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رواہ ابن ماجہ فی باب کراہۃ مس الذکر بالیمین ظاہر ہے کہ (اس بناء پر) یہ رعایت حکم شرعی نہیں ورنہ ثوب نجس کا دلک یا عصر بھی یمین سے جائز نہ ہوتا کیونکہ اس بنا پر اگر یہ حکم ہوتا تو اشتراک علت سے حکم متعدی ہوتا بخلاف نہی عن مس الذکر بالیمین فی الاستنجاء کہ وہ امر تعبدی ہے اس میں تعدیہ نہیں ہوتا اور جیسے قاضی عیاض نے عبدالرحمٰن سلمی سے احمد بن فضلویہ غازی کا قول نقل کیا ہے۔ مامسست القوس بیدی الاعلی طھارۃ منذ بلغنی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخذ القوس بیدہ من فتاوی العلامۃ عبدالحیٔ ص ۳۲۲)

اور امر دوم کی تحقیق یہ ہے کہ جہاں احتمال مفاسد کا غالب ہو وہاں روکا جائے گا اور واقعی اس وقت عوام کی حالت پر نظر کر کے احتیاط ہی مناسب ہے لیکن اس کے ساتھ ہی دوسری جانب میں بھی اصلاح ضروری ہے مثلاً اس تمثال کے ساتھ قصداً اہانت کا معاملہ کرنا اور ملخصاً (للایہام کما ذکر قبیل التحریر الاول ولایقاس علیہ الضرائح المعروفۃ المنکرۃ لان تصویر القبرفی نفسہ خلاف عمل الامۃ بل النھی عنہ منقول عند الشیعۃ فھو حجۃ علیھم کما فی رسالۃ النجم نمبر ۳ جلد ۳ ص ۱۲ من الدور الجدید عن کتاب من لایحضرہ الفقیہ باب النوادر عن علی امیرالمومنین من جدد قبرا اومثل مثالاً (ای للقبر دل علیہ اقترانہ بہ) فقد خرج من الاسلام)

(بوجہ ایہام مذکور کے اور اس پر ان کھموں کی قبروں کو جن کو بعض مقام میں تربت بھی کہتے ہیں) قیاس نہ کیا جائے کیونکہ قبر کی تصویر فی نفسہ عمل امت کے خلاف ہے بلکہ شیعوں کی کتاب میں اس سے نہی منقول ہے پس یہ نہی ان پر حجت ہے دور جدید کے رسالہ النجم نمبر ۳ ج ۳ ص ۱۱۲ میں کتاب من لاء یحضرہ الفقیہ باب النوادر سے حضرت علی رضی اللہ عنہ امیرالمومنین کا قول نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں جس نے تجدید کی قبر کی یا اس کی تصویر بنائی تو وہ اسلام سے باہر ہوگیا۔۱۲ مترجم)

اور قریب ہی کی عبارت میں چھ سات سطر پہلے جو کہا گیا ہے کہ جہاں احتمال مفاسد کا غالب ہو وہاں روکا جائے گا الخ یہ احتمال خواہ عوام کے فعل میں ہو یا خواص کے فعل میں یعنی اگر کسی مقتداء کے توسع سے عوام کے غلو وتجاوز عن الحدود کا خطرہ ہو وہاں خواص یعنی مقتداؤں کو بھی خواہ وہ دین کے اعتبار سے مقتداء ہوں خواہ اثر دنیوی کے سبب عوام ان کے قول وفعل کا اقتدا کرتے ہوں اس توسع سے رکنا ضروری ہے جس کی وجہ وہی ہے جو جزء اول کے اخیر میں اور جزء دوم کے اول میں مذکور ہے کہ احکام کا ادب ضائع نہ ہو اھ کیونکہ احکام کی حفاظت وحمایت تبرکات کی زیارت ورعایت سے زیادہ

ضروری ہے اور عوام کے دین کی حفاظت یہ بھی حکم شرعی ہے دیکھئے سید العاشقین حضرت خواجہ اویس قرنیؒ باوجود اس کے کہ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا مگر والدہ کی خدمت کے سبب کہ وہ حکم شرعی تھا کیونکہ وہ محتاج تھیں اور دوسرا کوئی خادم نہ تھا۔ عمر بھر آتش فراق میں جلتے رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہ کی۔ **کما فی الجلد الاول من جامع کرامات الاولیاء للشیخ یوسف البنھانیؒ وغیرہ ادرک زمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولم یرہ شغلہ برہ بامہ** اور عشق صادق کا حق کہ تقدیم رضائے محبوب ہے اپنی رضا پر ادا کر کے دکھلا دیا کما قیل۔

میل من سوئے وصال و میل اوسوئے فراق ترک کار خود گرفتم تا بر آید کام دوست

جب احکام زیارت ذات پر مقدم ہیں تو زیارت تبرکات پر تو کیوں مقدم نہ ہوں گے فقہاء نے تو مفسدہ عوام کے ایہام پر خواص کے لئے ترک مستحبات تک کا فتویٰ دیا ہے فتیقظ وتحفظ وتدبر وتبصر۔

جزو سوم

اس میں یہ تحقیق ہے کہ جس جبہ کا خطبہ میں ذکر ہے جو جلال آباد میں تھا اس کے ثبوت کا کیا درجہ ہے اس کے متعلق اول چند حکایات نقل کرتا ہوں پھر مقصود کے ساتھ ان کی ولادت کا تعلق ذکر کروں گا۔

حکایت اوّل

(بلا بیان ماخذ) منقول از تاریخ جلال آباد مسمیٰ باسم تاریخی واقعات جلال خانی تالیف محمد علی خان مرحوم رئیس جلال آباد معروف رانوٹی والے بن محمد روشن خاں۔ بن حیدر خاں جلال خیل بالفاظ روایت ہے کہ جبہ شریف حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خواجہ اویس قرنی علیہ الرحمۃ کو عطا ہوا اور بعد شہادت خواجہ صاحب موصوف ایک عرصہ تک توشہ خانہ دودمان حضرت علی کرم اللہ وجہہ میں محفوظ بحفاظت رہا بعد وفات حضرت موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کے ۱۸۱ء میں بعہد سلطان محمود غزنوی پادشاہ ملک

خراسان شہر طوس میں آ کر تا ۹۲۳ھ اسی جگہ مقیم رہا بعدازاں بعہد سلطان ابراہیم لودی بادشاہ دہلی ملک خراسان سے ہندوستان اور وقت تشریف آوری پیراہن پاک موصوف علمائے دین سکنائے ہند میں بہ تصدیق اصلیت اس جبہ شریف کے بحث ومباحثہ ہوا حالات مباحثہ میں ایک روز بحالت خواب مولانا شیخ عبدالقدوس گنگوہی علیہ الرحمۃ کو حضرت خاتون پاک فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی زیارت ہوئی اور حضرت خاتون پاک نے نشان اپنی سلائی کا گرد جائے مہر نبوت کے شیخ علیہ الرحمۃ کو بتلا کر فرمایا کہ بالتصدیق (یعنی بالتحقیق) اے برخوردار یہ میرے ہاتھ کی سلائی ہے تم ہرگز اس جبہ کے متعلق کلام مت کرو یہ جبہ شریف خاص ذات پاک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔

پس حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی علیہ الرحمۃ نے جو خواب سے بیدار ہوکر زیارت اس جبہ شریف کی کی تو بدستور حسب فرمان جناب خاتون پاک گرد جائے مہر نبوت اس جبہ شریف کے نشان سلائی حضرت خاتون پاک کا سیا ہوا دیکھا اور بصدق دل تصدیق جبہ شریف کی کر کے تمام عمر شیخ موصوف قربان جبہ مبارک موصوف رہے بعدازاں سلطان جلال الدین اکبر بادشاہ نے تصدیق اس جبہ شریف کی فرما کر بہت قریے بخرچ نان کاری مثل موضع براس وخوجگی پور وغیرہ ضلع کرنال علاقہ پانی پت شریف سے خدام جبہ شریف کو عطا فرمائے اور ایک عرصہ تک یہ جبہ شریف بہ تحویل سادات براس مقام براس میں مقیم رہا بعدازاں سید دیوان علی اکبر اس جبہ شریف کو سادات براس سے چھپا کر مع فرزندان خوجگی پور میں پنہاں ہوئے اور ادھر بحالت خواب درگاہ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس جبہ شریف کے لئے جلال آباد لانے کی محمد دلاور علی خان صاحب رئیس پٹی دویم جلال آباد کو بشارت ہوئی اور جس روز خان صاحب موصوف اس جبہ شریف کو جلال آباد لائے تو اسی روز عابد خاں و جہان خاں موسیٰ زئی افغان نے بمقام جلال آباد خواب میں دیکھا کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے گھر تشریف لا کر ہمارے مکانوں کو برائے سکونت خود پسند فرمایا ہے

اور جب اس خواب سے بیدار ہو کر برائے نماز فجر بیرون مکان آئے تو عین اپنے مکان کے سامنے صندوق جبہ شریف کو بہمراہی محمد دلاور علی خان صاحب موصوف قیام پذیر ہوئے دیکھا دریافت کیا یہ تو جبہ شریف آں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

پس بفور اُن ہر دو برادران نے اپنا مکان حوالہ خدام جبہ مبارک کو کیا اور خان صاحب محمد دلاور علی خان صاحب موصوف نے معقول جاگیر بخرچ نانکاری خدام مقرر فرما کر اس جبہ شریف کے قیام سے جلال آباد کو عزت بخشی بعدازاں بحالت خرابی خوانین جلال آباد اس جبہ شریف کو جلال آباد سے نواب ضابطہ خاں غوث گڑھ لے گیا چند عرصہ گزرا تھا کہ غوث گڑھ تباہ ہوا اور پھر یہ جبہ شریف واپس جلال آباد تشریف لا کر اسی مکان میں رونق افروز ہوا اھ۔

میں کہتا ہوں کہ اس حکایت کے شروع میں جو حضرت اویس رحمہ اللہ کو جبہ کا عطا ہونا مذکور ہے اگرچہ عام زبانوں پر مشہور ہے اور تذکرۃ الاولیاء شیخ فرید عطارؒ کے باب دوم میں مسطور ہے مگر سیر و تاریخ و اسماء الرجال کی کتابوں میں باوجود تتبع تام نہ پائے جانے کے سبب اصول روایت کی بناء پر یہ قول غیر منصوص ہے اگرچہ اس کا قائل قبل تحقیق کے بوجہ حسن ظن بالراوی کے معذور ہے لیکن بعد تحقیق اس نقل سے احتیاط کرنے والا ماجور ہے اور نقل پر جرأت کرنے والا احتمالاً معذور ہے۔ واللہ اعلم

(تتمہ)

ثم عثرت على عبارة منقولة من رسالة المنصوع فى الحديث الموضوع لعلى القارىؒ فى مكتوب ارسله الى المولوى ضياء احمد مفتى مظاهر العلوم فى سهارنپور وهى هذا وكذا ما اشتهر بينهم من ان النبى صلى الله عليه وسلم اوسى عمرؓ وعليا بخرقة لاويسؓ وانهما سلماها اليه وانها وصلت اليهم مع اويس وهم جرفلا اصل له ايضاً ص ۴۰

اس عبارت نے عدم ثبوت کا بالکل فیصلہ ہی کر دیا۔

حکایت دوم

اس کے متعلق حکیم عبدالحمید خاں زمیندار برسہ کا دوران تحقیق میں میرے نام ذیل کا رُقعہ آیا۔

جناب قبلہ مولانا صاحب دامت برکاتہم بعد تسلیم دست بستہ التماس ہے کہ اس حقیر کو جناب استاد مولوی حافظ حکیم معین الدین صاحب مرحوم نانوتوی سے معلوم ہوا کہ ان کے والد جناب حاجی حافظ حکیم مولانا مولوی محمد یعقوب صاحب قبلہ وکعبہ نے اس کی پوری جستجو کی وہ اس کی بے حد قدر فرماتے تھے۔ و نیز (کاتب رقعہ کو اپنے) جناب والد صاحب سے معلوم ہوا کہ جس وقت یہ جبہ شریف موضع براس سے جلال آباد تشریف لائے تو ہمارے دادا صاحب عابد خان صاحب موسیٰ زئی نے بوجہ دیکھنے خواب کے کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے مکان کو پسند فرمایا اپنا مکان خالی کر دیا اس روز سے جبہ مبارک اسی مکان میں قیام پذیر ہیں اور وہ مکان خاص (جلال آباد میں) ہم برسہ والوں کا ہے۔ والسلام احقر عبدالحمید خاں ساکن برسہ ضلع سہارنپور شاگرد حکیم مولوی معین الدین صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ۔ اھ مختصراً

حکایت سوم

احقر جب کانپور کا قیام چھوڑ کر وطن آیا تقریباً یہ زمانہ ۱۳۱۵ھ کا ہے اس وقت خدام جبہ مع جبہ یہاں آئے اور جابجا زیارت ہونے لگی میں نے احتیاطاً حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بذریعہ عریضہ زیارت کی نسبت مشورۃً استفسار کیا جواب میں یہ تحریر فرمایا کہ اگر منکرات سے خالی زیارت میسر ہو ہرگز دریغ نہ کریں (الفاظ ہرگز کو احتیاطاً مظنون کہتا ہوں بقیہ متیقن ہے) اس تحریر کے بعد میرے پاس حافظ محمد یعقوب صاحب نواسہ حضرت گنگوہی قدس سرہ کا ایک خط آیا اس میں لکھا تھا کہ کاتب الحروف نے والدہ صاحبہ معظّمہ سے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کا ارشاد پوچھا فرمایا۔ فرماتے تھے کہاں رکھی ہے جو تھی وہ

قسطنطنیہ میں چلی گئی۔ اھ اور ان دونوں ارشادوں میں تعارض نہیں کیونکہ کسی احتمال کا وجداناً قریب ہونا اور ظاہراً بعید ہونا دونوں جمع ہو سکتے ہیں۔

حکایت چہارم

ایک بار خدام جبہ نے ایک عظیم الشان اسلامی جلسہ میں ترغیب زیارت کے متعلق اشتہار شائع کرنے کے لئے ایک مسودہ لکھنے کی مجھے فرمائش کی تھی اشاعت کی نوبت نہیں آئی لیکن مضمون کا مقصود عام سے تعلق ہے اس لئے اس کا ملخص نقل کرتا ہوں۔ وہو ہذا۔

بخت اگر مدد کند دامنش آورم بکف　　گر بکشد زہے طرب ور بکشم زہے شرف

عاشقان آثار نبویہ ومشتاقان تبرکات مصطفویہ کی خدمت میں بشارت ہے کہ اتفاقات حسنہ سے آپ حضرات کی خوش بختی سے اس موقع پر ایک عجیب تبرک عظیم یعنی ملبوس خاص مشہور بہ جبہ شریفہ جناب رسول کریم علیہ الف الف تحیۃ وتسلیم وارد ہوا ہے اور گو اکثر جگہ اس نام کے تبرکات کی شہرت ہے مگر اس کو ان پر ایک خاص وجہ سے (کہ اہل فطرۃ سلیمہ کے نزدیک وہ اس کے صحیح ہونے کی علامات سے بھی ہے) یہ امتیاز ہے کہ ایام قدیمہ سے اس نواح کے علماء محققین ومشائخ معتبرین جن کو حق تعالیٰ نے تقویٰ وتحقیق میں خاص امتیاز عطا فرمایا ہے بلا نکیر ادب واحترام وشوق ورغبت کے ساتھ اس کی زیارت کرتے آئے ہیں۔ اھ

ف: اکثر جگہ سے وہ مقامات مراد ہیں جہاں ان تبرکات کی سند نہیں کیونکہ بعض مقامات میں سند ہونا بھی سنا گیا ہے سو اس کا امتیاز علمی اس کے امتیاز ذوقی سے یقیناً بڑھا ہوا ہے اس لئے اکثر کی قید لگا دی۔

حکایت پنجم

میں نے حضرت مولانا شیخ محمد صاحب محدث تھانوی قدس سرہ کے بڑے صاحبزادے مولوی محمد محمود صاحب سے حضرت مولانا کی شرکت زیارت جبہ شریف کے متعلق دریافت کیا انہوں نے بیان کیا کہ حضرت مولانا خدام جبہ شریف کو مہینہ مہینہ مہمان

رکھتے تھے اور زیارت بھی جبہ شریف کی کرتے تھے اور نظمیں وغیرہ پڑھنے کی اجازت نہ دیتے تھے کہ نامحرم عورتیں سنتی ہیں اور یہ بھی بیان کیا کہ چند عمائد نے اس کی اصل دریافت کی تو یہ فرمایا کہ اس جبہ شریف کی سند کی تو تحقیق نہیں ہوئی لیکن چونکہ اس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک آ گیا اس لئے ہم کو اس کی عظمت کرنا چاہئے۔اھ

میں کہتا ہوں کہ مولانا کے جواب میں قواعد سے ایک مقدمہ اور منضم ہوگا یعنی اس میں کوئی محذور شرعی یا امارات تکذیب بھی نہیں۔

حکایت ششم

(فی انوار العارفین) حاجی مولوی محمد قاسم صاحب با راقم نقل فرمودند کہ شخصے گفت کہ جبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ در جلال آباد ست حاجی امداد اللہ صاحب را پوشیدہ بخواب دیدم تعبیر آں پر ظاہر ست کہ ایشاں بلباس شریعت و آداب طریقت آراستہ و پیراستہ اند الخ اس سے کچھ آگے یہ عبارت لکھی ہے۔ تا اینجا نظر مولوی صاحب موصوف بر عبارت و بیان افتادہ است۔اھ

(انوار العارفین میں ہے: حاجی مولوی محمد قاسم صاحب نے راقم سے فرمایا کہ ایک شخص نے کہا کہ جو جبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جلال آباد میں ہے میں نے حاجی امداد اللہ صاحب رحمہ اللہ کو خواب میں پہنے ہوئے دیکھا ہے تعبیر اس کی بہت ظاہر ہے کہ یہ لباس شریعت و آداب طریقت سے آراستہ و پیراستہ ہیں (ترجمہ) اگلی عبارت کا اس جگہ تک مولوی صاحب موصوف اس عبارت کو دیکھ چکے ہیں۔۱۲ مترجم)

ان حکایات سے مستفاد ہوا کہ اس کی کوئی باقاعدہ سند تو نہیں لیکن حکایت اول سے ایک درجہ کی شہرت ظاہر ہے پھر محققین کا اس کے ساتھ حسن ظن رہا چنانچہ حکایت چہارم میں اجمالاً اسی طرف اشارہ ہے اور حکایت دوم وسوم و پنجم و ششم سے مفصلاً علی سبیل اللف والنشر المرتب حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ اور حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ اور حضرت مولانا شیخ محمد صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم

صاحب کا مذاق مشترک معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات اس کی تکذیب نہیں فرماتے۔
پس ان مجموعی آثار سے اس کا انتساب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایسا ہی ہے جیسے کسی ایسے سید کا جس کی سیادت مختلف فیہ ہو اور محض اُس کی روایت پر جس کو اس نے اپنے بزرگوں سے اور انہوں نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف انتساب کیا جاتا ہو جبکہ کوئی امارت تکذیب کی نہ ہو اس حالت میں اس کو ظناً سید کہنا بھی جائز ہے اس کا ادب واحترام کرنا یا احکام زکوٰۃ وغیرہ میں احتیاط کرنا بھی مناسب ہے کیونکہ رعایت ادب میں کوئی محذور شرعی نہیں مگر نہ جزم جائز ہے اور نہ نافی پر ملامت جائز ہے جبکہ وہ نفی بھی کسی قرینہ مجتہد فیہ سے ہو گستاخی سے نہ ہو حاصل اس دستور العمل کا یہ ہوا کہ احتمال کے ساتھ حقیقت کا سا معاملہ کرنا جبکہ وہ احتمال ناشی عن دلیل ہو اگرچہ دلیل ضعیف ہی ہو اور اس میں کوئی محذور شرعی نہ ہو اقرب الی الاحتیاط ہے۔

(یہ عبارت جلی اس لئے لکھی گئی کہ یہ گویا رسالہ کی روح ہے۔۱۲)

اس دستور العمل کی تائید اس حدیث صحیح سے ہوتی ہے۔

عن عائشة رضی الله عنها ان عتبة بن ابی وقاص عهد الی اخیه سعد ان ابن ولیدة زمعة منی فاقبضه الیک فلما کان عام الفتح اخذه سعد فقال ابن اخی عهد الی فیه فقال عبدبن زمعة اخی و ابن ولیدة ابی الی قوله فقال صلی الله علیه وسلم هو لک یاعبد بن زمعة الولد للفراش وللعاهر الحجر ثم قال لسودة (بنت زمعة) احتجبی منه الحدیث (للستة الا الترمذی)

(حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ عتبہ بن ابی وقاص نے اپنے بھائی سعد کو وصیت کی تھی کہ زمعہ کی باندی کا لڑکا مجھ سے ہے پس تم اس کو اپنے قبضہ میں لے لینا پس جبکہ مکہ فتح ہوا سعد نے اس کو لے لیا (باہمی اختلاف ہوا) تو سعد نے کہا کہ میرے

بھائی کا لڑکا ہے اس کے بارے میں اس نے مجھ کو وصیت کی تھی (یہ سن کر) عبد بن زمعہ نے کہا کہ یہ میرا بھائی ہے اور میرے والد کی باندی کا لڑکا ہے روایت یہاں تک ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ لڑکا اے عبد بن زمعہ تم کو ملے گا کیونکہ اولاد صاحب فراش کی ہوتی ہے اور زانی محروم رہتا ہے پھر سودہ بنت زمعہ سے (جو ازواج مطہرات میں سے ہیں) فرمایا کہ اس لڑکے سے پردہ کرنا چاہئے۔۱۲ مترجم)

دیکھئے اس لڑکے کا نسب عتبہ سے شرعاً ثابت نہیں بلکہ اس کے خلاف پر دلیل شرعی قائم ہے جس سے یہ احتمال جو کہ ناشی محض مشابہت صورت سے ہوا۔

جیسا روایات میں وارد ہے نہایت درجہ ضعیف کالعدم ہوگیا لیکن چونکہ حکم استحباب میں اس احتمال کی رعایت میں کوئی محذور نہ تھا بلکہ احتیاط تھی اس لئے آپ نے اس احتمال کے ساتھ حقیقت کا سا معاملہ فرمایا اسی طرح یہاں احتمال صحت انتساب کے ساتھ جو کہ ناشی ہے قرائن مستفادہ من الحکایات السابقہ سے جن میں واضح قرینہ تسامع کا براً عن کابر ہے گو ان قرائن میں قوت نہ ہو باب احترام میں حقیقت کا سا معاملہ کرنے میں کوئی محذور شرعی نہیں بلکہ احتیاط ہے کیونکہ غیر محترم کا احترام کرنے میں کوئی حرج نہیں جب کوئی مانع شرعی نہ ہو اس لئے یہاں بھی احترام کو ترجیح دی جائے گی۔ خصوص جبکہ اہل فراست (اور یہی ہے وہ توجیہ جس سے اس رسالہ کا اصل رسالہ السنۃ الجلیہ سے ارتباط ہے جیسا کہ قبیل رسالہ ہذا مذکور ہوا۔ ۱۲) ناظرین بنور اللہ کا بھی اس طرف رجحان ہو۔

اور ان کا قلب اس کو رد نہ کرتا ہو اور ایسے احتمال کے ساتھ حقیقت کا سا معاملہ کرنے میں کسی محذور شرعی کے نہ ہونے کی شرط اس لئے لگائی کہ ایسا معاملہ خود احکام کے ساتھ کرنا جائز نہیں نہ احکام کے دلائل میں مثلاً حدیث محتمل سے مثل حدیث ثابت کے احکام ثابت کرنے لگیں اور نہ احکام کے آثار میں مثلاً احتجاب مذکور قصۂ زمعہ کی نظیر میں میراث بھی جاری کردیں یہ جائز نہیں کیونکہ اس میں محذور شرعی ہے۔

جزو چہارم

اس میں بعض احکام فقہیہ متعلق تبرکات کے مذکور ہیں کچھ تو اجزاء بالا کے اثناء میں مذکور ہو چکے ہیں۔ مثلاً۔ (۱) اعتقاد و عمل میں افراط و تفریط نہ کرنا جیسے تعظیم مفرط یا اہانت جس میں منسوب الیہ کی اہانت کا ایہام ہو یا بلا دلیل انتساب کے اثبات کا یا اس کی نفی کا جزم کرنا۔ (۲) ان کا میلہ نہ لگانا جس کو عرف میں عرس کہتے ہیں اس عمل کی مفصل تحقیق رسالہ السنۃ الجلیہ کے باب ثالث واقعہ نمبر ۵۸ میں مذکور ہے۔ (۳) ان کی نذر نہ ماننا۔ (۴) ان کے مصارف غیر مشروعہ کے لئے وقف نہ کرنا۔

(۵) ان کی زیارت کے وقت نظمیں نہ پڑھنا۔ بعضے اب مذکور ہوتے ہیں۔

(۶) اگر وہ تبرکات اجزاء انسانیہ ہیں جیسے بال و ناخن وغیرہ خواہ انبیاءؑ کے یا غیر انبیاءؑ کے تو وہ کسی کی ملک نہیں بحکم وقف ہیں اور ان کے محافظ و نگراں بحکم متولی **نصباً و لاً و تصرفاً و منعاً للغیر عن التصرف بغیر اذنھم۔**

(۷) اور اگر وہ اموال ہیں تو اگر وہ انبیاء علیہم السلام کا ترکہ ہیں ان کا بھی یہی حکم ہے جو ابھی مذکور ہوا۔ (۸) اور اگر کسی کو انہوں نے عطا فرما دیا تھا تو موہوب لہ کا ترکہ ہے اس میں میراث جاری ہوگی۔

(۹) اور اگر وہ تبرکات اموال ہیں اور اصل ہی سے غیر انبیاء کے ہیں تو ان میں علی الاطلاق میراث جاری ہوگی خواہ خود ان کا ترکہ ہو خواہ موہوب لہ کا۔

(۱۰) جن صورتوں میں میراث جاری ہوگی درصورت شرکت ورثہ کے بلا تقسیم کسی ایک کو اس میں تصرف کرنا جائز نہیں جیسے اس وقت متعارف ہے کہ اہل سجادہ اس پر قابض ہو جاتے ہیں۔

(۱۱) اور جس صورت میں ایک کا قبضہ و تصرف جائز نہیں ان کی زیارت بھی جائز نہیں کیونکہ وہ انتفاع ہے بلا اذن مالکوں کے اور ظاہر ہے کہ اکثر صورتوں میں اذن معتبر کا حاصل کرنا سخت متعذر ہے کوئی غائب اور دور ہے کوئی نابالغ ہے کوئی

اس قبضہ پر دل سے ناخوش ہے۔

(۱۲) البتہ اگر ایسی چیز کا وقف کرنا جائز ہو اور کسی نے ملک صحیح حاصل کر کے وقف کر دیا ہو تو یہ اشکالات رفع ہو جائیں گے مگر اس وقف کی صحت میں مجھ کو شرح صدر نہیں ہے کیونکہ وقف منقولات میں تعامل شرط ہے اور اسمیں تعامل نہیں البتہ اگر کسی خاص طبقہ کا تعامل بھی معتبر ہو اور اہل طریق میں اس کا تعامل ہو جائے تو گنجائش ہے اس تعامل کی تحقیق اہل طریق سے اور ایسے تعامل کی صحت اہل علم سے کر لی جائے۔

(۱۳) جن صورتوں میں میراث جاری ہوتی ہو اور اس مورث کا کوئی شرعی وارث نہ رہے تو وہ بیت المال کا حق ہے اور مصرف اس کا درمختار کی روایت پر (مع اختلاف البعض) مسلمانوں کے منافع عامہ ہیں جن میں پل اور مسافر خانے اور مساجد وغیرہ بھی داخل ہیں اگر زیارت کو ان منافع میں داخل کرنے میں کسی کو شرح صدر ہو جائے تو یہ ایک گنجائش کی صورت ہے اس صورت میں بھی وہ ملحق بالوقف احکام میں ہو جائے گا۔ فیلحق (۱۴) اور جن تبرکات نبویہ کی سند موجود ہو متواتر ہو یا خبر واحد ان کا اعتقاد درجہ ثبوت میں اور احترام بھی واجب ہے اور اس میں اخلال معصیت ہے البتہ کسی کو سند ہی میں کلام ہو اس کا حکم مثل حدیث مجروح کے ہوگا علماً و عملاً۔

(۱۵) اگر کوئی تبرک غایت کہنگی سے عام تجار کے نزدیک متقوم نہ رہا ہو تو آیا اس کو اموال سے خارج کر کے ملحق بالوقف کیا جائے گا یا معتقدین کے نزدیک متقوم قرار دے کر مال میں داخل کر کے اموال کا حکم دیا جائے گا قابل تحقیق ہے۔

(۱۶) تبرکات کی زیارت پر معاوضہ لینا جائز نہیں یہی حکم ہے چندہ متعارفہ کا جس میں حدود سے تجاوز ہو جاتا ہے البتہ بلا شرط و بلا عرف و بلا جبر و بلا ذلت مضائقہ نہیں۔

(۱۷) اگر کسی تبرک کو خون سائل وغیرہ لگا ہو۔ جیسے کسی شہید کا ملبوس تو بدون دھوئے زیارت کرنا خصوص اس کو متبرک سمجھ کر انتفاع بالنجس ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔

كما فی رد المحتار فصل اللبس عن الذخيرة لايجوز لبسه

بلا ضرورة وبهذا القيد يجمع بين هذا القول وبين ما

فى الدر المختار شروط الصلوٰة له لبس ثوب بنحس . اه

اور اگر یادگار مقصود ہے تو صابن وغیرہ سے نہ دھوئیں خالی پانی سے پاک کردینے سے داغ زائل نہیں ہوتا یادگار بھی باقی رہے گی۔

البتہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سب رطوبات کو بہت سے علماء نے طاہر کہا ہے اس کا دھونا واجب نہیں (وليحقق هل سائر الانبياء عليهم السلام مشاركون له عليه الصلوٰة والسلام فى ذلك)

(۱۸) غیر مالک کو تبرکات کا بیچنا جائز نہیں۔(۱۹) تبرکات پر عطر وغیرہ ملنا مضائقہ نہیں البتہ پھول چڑھانا چونکہ شعار اہل بدعت کا ہوگیا ہے اچھا نہیں۔

(۲۰) تبرکات میں اگر نعلین یا خفین یا جوربین ہوں جو پاؤں کے ملبوسات ہیں ان کا قرآن مجید یا کتاب کے ساتھ رکھنا عرفاً خلاف ادب ہونے کے سبب نہ چاہیے۔ اسی طرح دوسری اشیاء کو قرآن وکتاب کے اوپر نہ رکھا جائے۔

(۲۱) اگر کسی مقتدا یا ذی اثر کی شرکت زیارت سے عوام کسی غلطی میں پڑجائیں تو وہ اس شرکت علانیہ سے احتراز کرے۔

ف: اگر جبہ جلال آباد کے متعلق حضرت اویس قرنی کی روایت کا بزعم خود کوئی قائل ہو تو اس میں نمبر ۸ ونمبر ۱۳ کا التزام کرنا ہوگا۔

وليكن هذا اختتام الرسالة وكان لمنتصف ربيع الاول ١٣٥١ ه موخرا عن ختم رسالة السنة الجلية بشهر وصلے الله علىٰ خير خلقه محمد صاحب السيف (فى ذكر هذه الاوصاف اشارة الى بعض مايصلح للتبرك به. ١٢) والتاج + وصاحب الشفاعة والمعراج + وصاحب الازار والرداء + وصاحب المغفر واللواء وعلى اله اصحابه اجمعين + تمت رسالة بناء القبة ونعود الى اصل الرسالة.

گذشتہ رسالہ السنۃ الجلیہ کا بقیہ حصہ

(واقعہ نمبر۴)

صاحب اخبار الاخیار لکھتے ہیں کہ اوائل مجاہدہ میں حضرت خواجہؒ نے شیخ فریدؒ کو طے کے روزہ کے لئے ارشاد فرمایا کہ تین دن کے بعد افطار کرنا انہوں نے ایسا ہی کیا۔

اشکال

یہ صوم وصال تھا جس کو فقہاء نے مکروہ لکھا ہے۔

حل اشکال

خود فقہاء میں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے چنانچہ نووی نے نقل کیا ہے۔

قال القاضی عیاض. اختلف العلماء فی احادیث الوصال فقیل النهی عنه رحمة وتخفیف فمن قدر فلا حرج وقد واصل جماعة من السلف الایام الی قوله واحتج الجمهور بعموم النهی الخ.

(قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ علماء نے صوم وصال کی حدیثوں میں اختلاف کیا ہے پس بعض نے کہا ہے کہ اس کی ممانعت شفقت اور تخفیف کی بناء پر ہے پس جو شخص قدرت رکھتا ہو اس کے لئے کچھ حرج نہیں اور سلف کی ایک جماعت نے کئی کئی دن کا صوم وصال رکھا ہے اور جمہور نے عموم نہی سے (ممانعت پر) استدلال کیا ہے)

پھر کراہت کے قول میں بھی درمختار میں تنزیہی ہونے کی تصریح ہے تو ایسے امر مختلف فیہ کو خلاف شرع نہیں کہہ سکتے۔

(واقعہ نمبر ۵)

اس گاؤں کے متصل ایک کنواں ہے کہ جس میں شیخ نے الٹے لٹک کر چلہ کشی کی ہے۔

اشکال

ایسی مشقت بدعت ہے حدیثوں میں اس سے کم مشقت پر نکیر آئی ہے۔

حل اشکال

تحقیق یہ ہے کہ بدعت اس وقت ہے جب اس مشقت کو قربت مقصودہ سمجھے یا بلاضرورت ہو جیسے صحابہ کو بعض مشاق کی ضرورت نہ تھی یا بوجہ عدم تحمل اس سے صحت بدنیہ کو کوئی ضرر پہنچے احادیث نہی کا یہی محمل ہے اور اگر معالجہ کے طور پر کرے اور اس کا تحمل بھی کر سکے تو کوئی وجہ نہی کی نہیں خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک طول قیام سے ورم کر جاتے تھے پھٹ جاتے تھے اور پوچھنے پر آپ نے اس کو اپنے خصائص میں سے نہیں فرمایا افلا اکون عبدا شکورا (کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ مترجم ۱۲) سے جواب دے کر عموم شکر میں داخل فرما دیا جس سے اذن کلی ثابت ہو گیا۔ یہ تو نفس مشقت کا جواب ہے باقی الٹا لٹکنا سوفی نفسہ یہ ایک فعل مباح ہے اور فعل مباح اگر کسی مباح مصلحت سے ہو مباح ہے۔

جیسے کسی غریق کو الٹا لٹکا دینا جس سے پیٹ کا پانی نکل جائے بالاجماع مباح ہے حضرت ابولبابہ انصاری رضی اللہ عنہ کا ایک غلطی پر اپنے کو ستون سے باندھ دینا اور چھ روز تک بندھا رہنا صرف نماز کے وقت ان کی بی بی کا ان کو کھول دینا پھر بعد نزول توبہ کے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو کھولنا جو جلالین میں اور بیہقی وغیرہ سے کمالین میں منقول ہے اس اباحت کا مؤید ہے اور یہ اُلٹا لٹکنا ممتد نہ تھا عشاء کے بعد سے تہجد کے قبل تک تھا بعض خدام سے اس لٹکنے میں اور نکلنے میں مدد لیتے تھے اب کوئی اشکال نہیں رہا اس کا تتمہ راحت القلوب مجلس چہارم واقعہ نمبر ۳۲ کے تحت میں بھی مذکور ہو گا۔

از انیس الارواح

یعنی ملفوظات حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمہ اللہ

مرتبہ حضرت خواجہ معین الدین رحمہ اللہ

(واقعہ نمبر ۶)

حضرت خواجہ معین الدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خواجہ عثمان ہارونی رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضری ہوئی اور اس فقیر نے پابوسی کے لئے زمین پر سر رکھا۔ اھ

اشکال

زمین پر سر رکھنا ظاہراً سجدہ ہے اور مخلوق کے آگے سجدہ کرنا گو تحیت ہی کا ہو حرام ہے۔

حل اشکال

ممکن ہے کہ مجاز ہو نیازمندی سے جیسا حضرت سعدیؒ کے اس شعر میں ہے۔

خدایت ثنا گفت و تبجیل کرد زمیں بوس قدر تو جبریل کرد

(خدا تعالیٰ نے آپ کی ثنا فرمائی اور عزت افزائی کی اور جبریل علیہ السلام نے زمین بوسی تعظیم کی۔ ۱۲ مترجم)

یقینی بات ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے کبھی آپ کے روبرو زمین بوسی نہیں کی اور اس کا قرینہ خود انیس الارواح کی چوتھی مجلس میں خواجہ عثمانؒ کا ارشاد ہے کہ حضرت عمرؓ نے اٹھ کر زمین بوسی کی الخ اور ظاہر ہے کہ اس وقت ہرگز اس کا معمول نہ تھا پس یہاں مجاز ہونا یقینی ہے اسی طرح حضرت خواجہ صاحب کے قصہ میں بھی سمجھ لیا جائے دوسرے اگر سجدہ کے حقیقی ہی معنی پر محمول ہو تب بھی اس کی کوئی دلیل نہیں کہ وہ بزرگ مسجود ہوں ممکن ہے مسجود حق تعالیٰ ہوں اور وہ بزرگ جہت سجدہ ہوں جیسے سجدہ الی الکعبہ میں مسجود حضرت حق ہیں اور کعبہ جہت سجدہ جیسا بعض مفسرین نے سجدہ ملائکہ لآدم

میں یہی کہا ہے کہ آدم علیہ السلام مسجود نہ تھے صرف جہت سجدہ تھے اور انہوں نے لام کو بمعنی الی لیا ہے اور حضرت حسانؓ کے قول سے استشہاد کیا ہے الیس اول من صلے بقبلتکم (کیا وہ ایسے نہیں کہ انہوں نے سب سے پہلے تمہارے قبلہ کی طرف نماز پڑھی ۱۲) اور اسی پر محمول ہے بعض عشاق کا قول۔

قسم بقبلۂ روئے تو یا رسول اللہ!　　رواست سجدہ بسوئے تو یا رسول اللہ!

(یارسول اللہ! آپ کے روئے مبارک کے قبلہ کی قسم ہے کہ سجدہ کرنا آپ کی طرف جائز ہے۔۱۲)

آپ کے روئے مبارک کو قبلہ کہنا اور بسوئے تو کہنا اس میں نص ہے لفظ ترا نہیں کہا۔ ایسا ہی جواب دیا ہے تصور شیخ کے معاملہ میں حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے جس کو انوار العارفین میں مکتوبات جلد ثانی مکتوب سی ام سے نقل کیا ہے ضروری عبارت اس کی یہ ہے کہ:

ورزش نسبت رابطہ را نوشتہ بودند کہ سجدے استیلا یافتہ است کہ در صلوات آں را مسجود خود میداند و می بیند و اگر فرضاً نفی کند منتفی نمی گردد الی قولہ رابطہ را چرا نفی کنند کہ او مسجود الیہ است نہ مسجود لہ چرا محاریب و مساجد را نفی و کنند اھ

(نسبت رابطہ کی ورزش کے متعلق لکھا تھا کہ اس قدر اس کا غلبہ ہو گیا ہے کہ نمازوں میں وہ مسجود معلوم ہوتا ہے اور نظر آتا ہے اور اگر بالفرض اس کی نفی کی جائے تو منتفی نہیں ہوتا الی قولہ رابطہ کی کیوں نفی کرتے ہیں کیونکہ وہ مسجود الیہ ہے نہ کہ مسجود لہ (اور اگر باوجود مسجود الیہ ہونے کے نفی کرنے کو ضرورت ہے تو) محرابوں اور مسجدوں کی نفی کیوں نہیں کرتے (حالانکہ یہ چیزیں بھی مسجود الیہ ہیں) ۱۲ مترجم)

باقی یہ سوال کہ سجدہ میں استقبال قبلہ تو ہونا ضروری ہے اور اس میں اس شرط کا التزام نہیں ہوسکتا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ شرط اجتہادی ہے اس میں اختلاف کی گنجائش ہے چنانچہ نیل الاوطار باب التکبیر للسجود میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کے

نزدیک سجدہ تلاوت میں وضو شرط نہیں اور ابوعبدالرحمٰن کے نزدیک استقبال قبلہ بھی شرط نہیں اھ اور ایک شبہ اس میں ایہام کا ہوسکتا ہے کہ دوسرے دیکھنے والے غلطی میں پڑ سکتے ہیں اور نیت کا علم ان کو نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ غلبہ تواضع سے اپنے مقتدا ہونے کی طرف التفات نہیں ہوا اور اس جواب میں اور اسی طرح اس کی اس فرع میں جو حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمائی ہے گو یہ خدشہ ہے کہ کسی سمت کا جہت سجدہ بنانا خود امر تعبدی ہے قیاسی نہیں اس لئے غیر کعبہ کو اس باب میں کعبہ پر قیاس نہیں کر سکتے اور نہ اس کی نظیر سلف میں کسی سے منقول ہے تو گویا غیر سمت کعبہ کو جہت سجدہ بنانے کی ممانعت پر اُمت کا اجماع ہے اور محاریب کی نفی اس سے لازم نہیں آتی کیونکہ وہ ساجد کی نیت میں جہت سجدہ نہیں بلکہ جہت سجدہ کے طریق میں واقع ہوگئی ہیں اور یہ وقوع فی الطریق محاریب کے جہت سجدہ ہونے کو مستلزم نہیں مگر اولاً اجماع میں کلام ہے ابوعبدالرحمٰن کا قول مذکور قادح اجماع ہے ثانیاً بعد تسلیم اجماع یہ خدشہ خود دقیق ہے اس لئے اگر کسی کی نظر اس تک نہ پہنچے اس کو خطاً اجتہادی میں داخل کر کے موجب معصیت نہ کہا جائے گا مگر یہ جواب باوجود اس خدشہ کے جو ایک درجہ میں ان حضرات سے دفع بھی کر دیا گیا ہے اس جواب سے اچھا ہے جو بعض نے اختیار کیا ہے یعنی سجدہ تحیت کی حرمت میں کلام کیا ہے وہ کلام یہ ہے کہ **شرائع من قبلنا** میں سجدہ تحیت کا جائز ہونا قرآن مجید سے ثابت ہے۔

چنانچہ آدم علیہ السلام کو ملائکہ نے سجدہ تحیۃ کیا یوسف علیہ السلام کو ان کے ابوین اور اخوان نے کیا اور ہماری شریعت میں اس کا نسخ ثابت نہیں کیونکہ جو حدیث نہی کی اس باب میں آئی ہے وہ خبر واحد ہے اور خبر واحد معارض خبر قطعی کی نہیں ہوسکتی اس لئے حسب قاعدہ حجیت شرائع من قبلنا وہ ہمارے لئے بھی جائز ہوگا سو یہ جواب چند وجوہ سے مخدوش ہے اول سجدہ ملائکہ یا اہل بیت یوسف علیہ السلام جو قرآن میں مذکور ہے یہی ثابت نہیں کہ وہ سجدہ تھا یا انحنا دوسرے اگر سجدہ ہی تھا تو آدم علیہ السلام یا

یوسف علیہ السلام مسجود تھے یا جہت سجدہ تیسرے یہ بھی مسلم نہیں کہ وہ حدیث خبر واحد ہے اس کی اسانید میں اتنا تعدد ہے کہ اس پر تواتر کا حکم کیا جا سکتا ہے۔

فان الحدیث رواہ ابوداؤد والطبرانی والحاکم والبیھقی عن قیس بن سعد والترمذی عن ابی ھریرۃ والدارمی والحاکم عن بریدۃ واحمد عن معاذ والطبرانی عن سراقۃ بن مالک وصھیب وعقبۃ بن مالک وغیلان بن مسلم ورواہ ابن ابی شیبۃ عن عائشۃ والبیھقی ایضاً عن ابی ھریرۃ کذا فی جمع الجوامع للسیوطی (ھکذا وجدتہ فی قرطاس عتیق بخطی لم یحضر الآن من این کنت اخذتہ فلیراجع)

(اس لئے کہ اس حدیث کو قیس بن سعد سے روایت کیا ابوداؤد اور طبرانی وحاکم و بیہقی نے اور ابو ہریرہ سے روایت کیا ترمذی نے اور حاکم ودارمی نے بریدہ رضی اللہ عنہ سے اور احمد نے معاذ سے اور طبرانی نے سراقہ بن مالک وصہیب وعقبہ بن مالک وغیلان بن مسلم سے اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ابن ابی شیبہ نے اور نیز بیہقی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ کذا فی جمع الجوامع للسیوطی۔۱۲مترجم)

چوتھے اگر وہ سجدہ تحیت ہی تھا اور مسجود جہت سجدہ نہ تھے اور وہ خبر خبر واحد ہی ہے تب بھی جب اس کی حرمت پر اجماع ہو گیا تو حکم قطعی ہو گیا اور گو اجماع خود ناسخ نہیں ہوتا مگر دلیل قطعی ہوتی ہے کسی ناسخ کے وجود کی گو وہ ناسخ ہم کو معلوم نہ ہو یا معلوم ہو اور ظنی ہو اہل علم کو یہ سب مقدمات معلوم ہیں اور بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ سجدہ تحیت تو حسب فتوے فقہاء حرام ہی ہے لیکن یہ حضرات بھی مجتہد تھے گو مجتہد مطلق نہ ہوں مگر ایک دو مسئلہ میں اجتہاد کے امتناع کی بھی کوئی دلیل نہیں پس ممکن ہے کہ ان کے نزدیک سجدہ منصوصہ سجدہ متعارفہ ہو اور وہ حدیث خبر واحد ہو یا معلل علت کے ساتھ ہو کہ جب اندیشہ افضاء الی الشرک کا ہو اور یہاں علت منتفی ہو کیونکہ فاعلین اہل فہم تھے اس لئے نکیر نہ کیا ہو اور یہ جواب تجویز سجدہ تحیت کا اس لئے بھی

پسندیدہ نہیں کہ خود انیس الارواح چوتھی مجلس میں حضرت خواجہ صاحب سے حدیث منقول ہے کہ اگر سوائے خدا کے دوسرے کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں حکم کرتا عورتوں کو کہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کریں اور ظاہر ہے کہ یہ سجدہ تحیت ہی ہوتا تو حضرت خواجہ صاحب بھی اس کے ناجائز ہونے کے قائل ہیں۔

ف: بعد تحریر ان سطور کے اس باب میں بعض ملفوظات حضرت سلطان نظام الدین رحمہ اللہ تعالیٰ کی نظر سے گزرے مزید بصیرت کے لئے وہ بھی نقل کرتا ہوں۔

(نمبر۱) از فوائد الفواد جلد چہارم مجلس ۷ رجب ۷۱۹ھ اس کے بعد اس بات کا ذکر چھڑ گیا کہ مریدین حضرت خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے فرمایا میں تو یہ چاہتا تھا کہ لوگوں کو منع کردوں چونکہ میرے شیخ کے سامنے لوگوں نے اس طرح کیا ہے اس لئے میں نے منع نہیں کیا۔

(نمبر۲) از فوائد الفواد جلد چہارم مجلس ۲۸ جمادی الاولیٰ ۷۱۶ھ

آپ نے فرمایا کہ میرے پاس خلق آتی ہے اور زمین بوسی کرتی ہے چونکہ شیخ الاسلام فرید الدین و شیخ قطب الدین قدس اللہ روحہما العزیز منع نہیں کرتے تھے میں بھی منع نہیں کرتا۔ (الی قولہ خطاباً لبعض المشاغبین) سنو جس فرض کی فرضیت اٹھادی جاتی ہے تو اس کا درجہ استحبابی باقی رہا کرتا ہے جیسا ایام بیض اور عاشوراء کے روزے (الی قولہ) سجدہ پہلی امتوں پر مستحب تھا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ آیا تو وہ استحباب جاتا رہا اباحت باقی رہی اب اگر مستحب نہیں ہے تو مباح ہے اور امر مباح پر نفی و منع کہیں آیا نہیں۔

(نمبر۳) از درر نظامی باب ۱۵۔ جمع کردۂ مولانا علی بن جاندار احد الخلفاءؒ

اس میں مضمون بالا پر اتنی زیادت ہے فرمایا میرے سامنے لوگ سر زمین پر رکھتے ہیں میں اس کو اچھا نہیں سمجھتا مگر چونکہ میرے مشائخ کے سامنے ایسا ہی کرتے

چلے آتے ہیں لہٰذا منع بھی نہیں کرسکتا کیونکہ منع کرنے سے یا تجہیل مشائخ لازم آتی ہے یا ان کی تفسیق لازم آتی ہے۔ اھ گو اس استدلال میں یہ کلام ہے کہ یہ اس وقت ہوسکتا ہے جب نہی وارد نہ ہو اور یہاں نہی موجود ہے جو شاید مشائخ کے نزدیک معلل ہو علت کے ساتھ جیسا عنقریب گزرا ہے۔ نیز یہ بھی کلام ہے کہ اگر منع کے ساتھ ان کے فعل کو ماؤل کہا جائے تو تجہیل و تفسیق بھی لازم نہیں آتی مگر تاہم ان ملفوظات سے یہ امور مستفاد ہوتے ہیں۔

اوّل: حضرت اس سجدہ کو سجدہ تحیت فرماتے ہیں اور گو میرے جواب سے اس کو اس لئے تنافی نہیں کہ شاید یہ تقریر علی سبیل التنزل ہو کہ اگر سجدۂ تحیت بھی مان لیا جائے تو پھر یہ جواب ہے لیکن اس کا تنزل پر محمول کرنا ظاہر کے خلاف ہے۔

دوم: حضرت اس کو اچھا نہیں سمجھتے تھے اور منع فرمانا بھی چاہتے تھے مگر منع کرنے کو ان مشائخ کے ساتھ صورۂ مزاحمت سمجھ کر خلاف ادب سمجھتے تھے

سوم: غلبہ ادب کے سبب اس استدلال کے جواب کی طرف ان حضرات کا ذہن عالی ملتفت نہیں ہوا اب اس پر یہ تفریع لازم ہوگی کہ اگر کسی کی یہ حالت نہ ہو یعنی ایسا مغلوب الحال بھی نہ ہو اور اس استدلال کا جواب بھی اس کو معلوم ہو گیا ہو جیسا میں نے درمیان ظاہر کردیا ہے تو وہ شخص معذور نہ ہوگا خصوص جبکہ حامل اس کا ترفع و جاہ ہو تب تو دین کا سالم رہنا نہایت مشکل ہے۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ط (اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں جس امر کو (تم لوگ) ظاہر کرتے ہو اور جس بات کو پوشیدہ رکھتے ہو۔۱۲ مترجم)

اشکال نمبر ۷

حضرات صوفیہ کے کلام میں کثرت سے روایات بے اصل پائی جاتی ہیں اور ظاہر ہے کہ ایسی روایات کا نقل کرنا خلاف شریعت ہے۔

حل اشکال

یہ حضرات اس میں اس لئے معذور ہیں کہ ان کو تحقیق احادیث کے لئے فراغ میسر نہیں ہوا جس راوی پر اس کی ظاہری علمی وعملی حالت سے حسن ظن ہوا اس سے روایت نقل کردی اور اس سے علماء ظاہر بھی خالی نہیں ایک کی روایت کو دوسرا بے اصل یا موضوع بتلاتا ہے اور دونوں معذور ہیں اسی طرح یہاں بھی سمجھ لیجئے اور اس میں کچھ چشتیہ ہی کی خصوصیت نہیں سب صوفیہ بلکہ فقہاء ومفسرین کے کلام میں بھی ایسی روایتیں پائی جاتی ہیں غنیۃ اور احیاء العلوم اور بیضاوی وہدایہ ملاحظہ ہوں۔ مکتوبات مجددیہ میں ذکر بطریقہ حبس دم اصل کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے منقول فرمایا ہے (کذافی انوار العارفین ذکر تصور الشیخ) مگر یہ تساہل اصل مقصود کو مضر نہیں کیونکہ اس مقصود پر دوسرے دلائل صحیحہ قائم ہیں اس مخدوش دلیل پر اس کا مدار نہیں پھر اس مقصود میں تفصیل ہے وہ یہ کہ یہ مقصود اگر صرف فن میں مقصود ہے دین میں مقصود نہیں تو اس دلیل صحیح کا دلیل سمعی حدیث وغیرہ ہونا ضروری نہیں۔ دوسری دلیل بھی اس کے لئے کافی ہے بشرطیکہ وہ شرعاً باطل نہ ہو جیسے حبس دم کہ مقصود فی الدین نہیں تو گو یہ حدیث وغیرہ سے ثابت نہیں مگر قواعد طبیہ سے ثابت ہے اور ان قواعد پر شریعت نے نکیر نہیں کیا اور اگر وہ مقصود دین میں بھی مقصود ہے تو اس دلیل صحیح کا سمعی ہونا بھی ضروری ہے جیسے اعمال مامور بہا یا منہی عنہا کی مطلوبیت ومتروکیت کہ ان کے متعلق اگر کوئی خاص روایت ثابت بھی نہ ہو مگر دوسری صحیح روایات تو بکثرت ثابت ہیں اور اس نمبر کی کچھ بحث باب دوم نمبر ۱۶ میں گزری ہے۔

ایضاً از انیس الارواح

(اشکال نمبر ۸)

حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمہ اللہ کا ملفوظ نقل کیا گیا ہے جس میں ہر ماہ کے چاند گہن کے خواص حوادث وواقعات کی تفصیل ہے اور یہ مشابہ ہے احکام نجوم کے۔

حل اشکال

اس سے اعتقادِ تاثیر لازم نہیں آتا جو کہ شرعاً مذموم ہے ممکن ہے اس اقتران کا عادۃ اللہ ہونا مقصود ہو جو فی نفسہ مذموم نہیں اس سے وہ اشکال تو جاتا رہا البتہ دو سوال باقی ہیں ایک یہ کہ اس اقتران کی کیا دلیل اس کا جواب تو وہی ہے جو اوپر کے اشکال کا مذکور ہوا ہے یعنی حسن ظن بالراوی وعدم فراغ للتحقیق دوسرا سوال یہ ہے کہ عوام تو اس اقتران عادی اور تاثیر میں فرق نہیں سمجھتے پس یہ حکم ان کے مفسدہ کا سبب ہو جائے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حسن ظن بالعوام کے سبب اس کا احتمال نہیں ہوا اس لئے معذور ہیں۔

(اشکال نمبر ۹)

حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام چوتھے آسمان سے نزول فرمائیں گے اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دوسرے آسمان پر ہیں جواب یہ ہے کہ یہ بنابر شہرت وحسن ظن بالرواۃ کے فرمادیا اور شہرت یا تو بے بنیاد ہے یا اس کی یہ توجیہ ہے کہ آسمان سے مراد فلک یعنی مطلق کرہ ہے ہم سے اوپر کرہ ہوا کا ہے اس کے اوپر کرہ آگ کا تو اس طرح دوسرا آسمان چوتھا کرہ ہے قالہ بحر العلوم۔

(اشکال نمبر ۱۰)

چوتھی مجلس میں حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ کا ملفوظ ہے کہ جب حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ تعالیٰ خانہ کعبہ تک پہنچے تو اس مقام پر خانہ کعبہ کو نہ پایا اور آواز آئی کہ خانہ کعبہ ایک ضعیفہ کی زیارت کو گیا ہے اور ان کے گرد طواف کر رہا ہے اور یہ ضعیفہ رابعہ بصریہ تھیں اھ۔ سو اگر ایسا ہوتا تو تمام تاریخوں میں متواتر ہو جاتا کیا ایسا خلاف واقعہ قصہ نقل کرنا خلاف شریعت نہیں ہے۔

حل اشکال

کعبہ سے مراد عمارت نہیں ہے بلکہ تجلیات خاص ہیں اور زیارت وطواف سے

مرادان تجلیات کا خصوصیت کے ساتھ کسی طرف متوجہ ہونا سواس میں کیا اشکال ہے۔

(اشکال نمبر ۱۱)

چوتھی مجلس میں حضرت خواجہ عثمان رحمہ اللہ کا ملفوظ ہے کہ چونکہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم مِلک حق ہو گئے تو حق خود مِلک آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہو گیا۔ اھ کیا اللہ تعالیٰ کسی کی ملک ہو سکتے ہیں۔

حل اشکال

ملک مجاز ہے خصوصیت سے مشاکلۃً لفظ ملک سے تعبیر کیا گیا اور اسی مشاکلت سے تاویل کی ہے مولانا جامیؒ نے نصوص میں شیخ اکبر رحمہ اللہ کے قول کی یعبدنی و اعبدہ یعنی یطیعنی (بمعنی یجیبنی)

(اشکال نمبر ۱۲)

ساتویں مجلس میں بعض نوافل کے متعلق حضرت خواجہ عثمانؒ کا ملفوظ ہے کہ بعد ہر فریضہ کے یہ نماز ادا کی جاتی ہے اھ سو بعض فرائض کے بعد تو نوافل پڑھنا ناجائز ہے۔

حل اشکال

ہر نماز سے مراد وہ ہر نماز ہے جس کے بعد نوافل جائز ہیں اور اگر ہر نماز ہی مراد ہو تو بعد سے مراد بعد متصل نہیں مثلاً فجر کے بعد اس وقت پڑھے جب آفتاب بلند ہو جائے اور عصر کے بعد جب کہ آفتاب غروب ہو جائے۔

(اشکال نمبر ۱۳)

ساتویں مجلس میں ہے کہ حضرت خواجہ ابو یوسف چشتی رحمۃ اللہ علیہ جس وقت نماز پڑھنے کھڑے ہوتے تو قبل شروع کرنے کے ہزار ہزار بار تکبیر کہتے اور پھر بیٹھ جاتے اور پھر اٹھتے یہاں تک کہ جب تک حضوری حاصل نہ ہوتی نماز شروع نہ کرتے

اھ اس میں اشکال یہ ہے کہ ان تکبیرات کہنے کے وقت اگر نیت شروع کی نہ ہوتی تو اول تو اخیر تکبیر سے بھی نماز شروع نہ ہوگی اور گر نیت ہوتی تھی تو اول ہی تکبیر سے نماز شروع ہوجاتی تھی (صرح به في الدر المختار) تو اس کو قطع کرنا کیسے جائز تھا۔ جواب یہ ہے کہ تکبیر ختم کرنے کے قبل حضوری نہ دیکھتے تو شروع کرنے کی نیت بدل دیتے تھے تو نیت کل تحریمہ کے ساتھ مقرون نہیں ہوئی تو شروع صحیح نہیں ہوا اس لئے قطع جائز ہوا اور اخیر تکبیر میں ختم سے پہلے حضوری دیکھتے تو نیت کو نہ بدلتے اس لئے شروع صحیح ہوجاتا۔

ساتویں مجلس (واقعہ نمبر ۱۴)

پھر فرمایا کہ ایک روز حضرت خواجہ جنید بغدادی اور حضرت خواجہ شبلی رحمۃ اللہ علیہما باہر شہر بغداد سے واسطے تفریح کے تشریف لے گئے جب نماز عصر کا وقت آیا تو ان دونوں بزرگوں نے تازہ وضو کیا اور تہیہ نماز کا کیا تھا کہ ایک شخص جنگل سے آیا اس کے سر پر ایک گٹھا لکڑیوں کا تھا اس کو رکھ کے اس نے بھی وضو کیا اور نماز پر کھڑا ہوا ان دونوں بزرگوں نے فراست سے معلوم کیا کہ یہ شخص واصلین کاملین سے ہے لہٰذا سب نے بالاتفاق ان کو امام بنایا ہر چند انہوں نے عذر کیا مگر پذیرا نہ کیا۔

الغرض وہ بزرگوار نماز پڑھانے لگے اور رکوع اور سجود میں اتنا توقف کرتے تھے کہ سب کو خوف ہوا کہ وقت نماز عصر کا فوت ہوجائے گا۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو سب نے ان بزرگوار سے زیادہ درازی رکوع و سجود کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ جب میں تسبیح کہتا ہوں تو جب تک جواب اس کا لبیک عبدی نہیں آجاتا اس وقت تک دوسری تسبیح نہیں کہتا ہوں اس وجہ سے مجھ کو رکوع اور سجود میں دیر ہوجاتی ہے ان بزرگوار کے یہ فرمانے سے سب کو ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی اور اپنی نماز کی حالت پر تاسف ہوا۔

اشکال

دو تسبیح کے درمیان سکوت طویل خلاف سنت ہے جس کو خواجہ صاحب نے بلا نکیر نقل کیا۔

حل

اگر عذر سے ہو جائز ہے جیسے کسی کو کھانسی ہونے لگے یا سانس رک جائے یا زبان ماؤف ہو جائے ان بزرگ کو غلبہ حال کا عذر تھا جو غلبہ سعال سے قوی تر عذر ہے۔

(واقعہ نمبر ۱۵)

اس جگہ فرمایا کہ اے درویش ایک بزرگ بغداد شریف میں تھے صاحب کشف و کرامات مگر وہ نماز نہیں پڑھتے تھے جب ان سے کہا گیا کہ نماز کیوں نہیں پڑھتے فرمایا کہ تم کو اس سے کچھ کام نہیں مگر میں جب تک جمال یار نہیں دیکھ لیتا اس وقت تک مجھ کو چین و قرار نہیں آتا۔

اشکال

اس قصہ کو جو خلاف شرع ہے نقل کر کے نکیر نہ فرمانا یہ موافقت ہے خلاف شرع امر میں۔

حل

یہ بزرگ خواجہ صاحب کی رائے میں دوام مشاہدہ سے مغلوب الحال تھے اس لئے غیر مکلّف تھے۔

آٹھویں مجلس (واقعہ نمبر ۱۶)

پھر فرمایا کہ یہ (یعنی احمد معشوق) نماز نہیں پڑھتے تھے چنانچہ لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ نماز کیوں نہیں پڑھتے فرمایا کہ نماز تو پڑھوں مگر سورہ فاتحہ نماز میں نہیں پڑھوں گا لوگوں نے کہا یہ کیا نماز ہے جو سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے۔ الغرض جب لوگوں نے بہت کہا تو فرمایا کہ اچھا سورۂ فاتحہ پڑھوں گا مگر اس میں ایاک نعبدو ایاک نستعین نہ پڑھوں گا۔ پھر لوگوں نے کہا نہیں وہ پڑھے لوگوں کے بہت کہنے سننے سے وہ نماز میں کھڑے ہوئے اور سورہ فاتحہ پڑھنی شروع کی جب ایاک نعبدو ایاک نستعین پر پہنچے تو ان کے کل اعضاء

کے ہر بن مو سے خون جاری ہوا اس وقت حاضرین کی طرف منہ کر کے فرمایا کہ مجھ کو نماز جائز نہ تھی مگر لوگوں نے کہہ کے مجھ سے نماز پڑھوائی ۔

اشکال ۔ مثل تقریر اشکال بالا ۔

حل

تکلیف شرعی کے لئے قدرت شرط ہے اور یہ قادر نہ تھے چنانچہ اس حالت میں عجز ظاہر ہے کہ اس میں ہلاکت یقینی تھی اگر کسی عبادت میں ہلاکت کا یقین ہو اس کی اجازت نہیں فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر روزہ میں جوع و عطش شدید کے سبب خوف ہلاک یا خوف زوال عقل ہو روزہ ساقط ہو جاتا ہے اور نماز میں تصریح فرمائی ہے کہ جب سر سے بھی ایماء کرنے سے عاجز ہو جائے تو نماز ساقط ہو جائے گی پھر یوم ولیلہ تک تو قضاء واجب ہے اور یوم ولیلہ سے زائد میں قضاء بھی ساقط ہے باقی یہ کہ عجز صرف اس آیت سے تھا وہی ساقط ہو جاتی بقیہ نماز کیسے ساقط ہوئی ۔

جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ ہر جزو کا یہی اثر ہو اور تخصیص ذکری بطور تمثیل کے ہو باقی یہ کہ اس وقت دوسرے اجزاء کا اثر کیوں نہیں ہوا ....جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ حدوث اثر ابتداہی سے ہو گیا ہو مگر ظہور اتنی دیر میں ہوا اگر یہ آیت نہ بھی پڑھتے تب بھی اتنی دیر میں ظہور ہوتا ۔

(واقعہ نمبر ۱۷) قصہ سری سقطی

چونکہ عصر کی نماز کا وقت تھا خواجہ نے پانی نہیں پیا ۔

اشکال ۔ وقت عصر کو کھانے پینے سے مانع سمجھنا بدعت ہے ۔

حل

باعتقاد منع بدعت ہے لیکن اگر اعتقاد جواز کے ساتھ مشغولی ذکر کے سبب ترک کی عادت اختیار کرے تو بدعت ہونے کی کوئی وجہ نہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ نماز کی تیاری اس کے تاخیر کا سبب ہوا ہو ۔

گیارہویں مجلس۔(واقعہ ۱۸)

جوکوئی چالیس گائے مارے توایک خون کبیرہ اس کے نامہ میں لکھا جائے گا اور جوکوئی شخص کوئی جانور نفس کی خواہش سے مارے گا اس شخص نے خانہ کعبہ کے ویران کرنے میں مدد کی ہے مگر جس جگہ اور جس طور اور جس محل میں مارنا روا ہے اس کے واسطے کوئی قباحت نہیں۔

اشکال

اس سے گاؤکشی بلکہ جانورکشی کی مذمت معلوم ہوتی ہے۔

حل

اخیر کا جملہ خود رفع اشکال کے لئے کافی ہے معلوم ہوا کہ قتل بغیر حق مراد ہے سو اس کی ممانعت خود حدیث میں ہے۔

کما فی المشکوۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من قتل عصفورا فما فوقھا بغیر حقھا سألہ اللہ عن قتل قیل یا رسول اللہ وما حقھا قال ان یذبحھا فیا کلھا ولایقطع راسھا فیرمی بھا.اھ

(جیسا کہ مشکوٰۃ میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے چڑیا یا اس سے بڑے جانور کو ناحق قتل کیا تو اللہ تعالیٰ اس سے اس قتل پر مواخذہ کریں گے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا یا رسول اللہ کیا حق ہے ان جانوروں کا۔فرمایا کہ ان کو ذبح کر کے کھالیا جائے نہ یہ کہ سر کاٹ کر پھینک دیا جائے)

اور ایک بڑی دلیل اس تقیید کی خود حضرت خواجہ صاحب اجمیری کا فعل ہے جو اقتباس الانوار تذکرہ خواجہ صاحب میں اس طرح مذکور ہے۔

چوں حضرت خواجہ درآنجا سکونت کرد ہر روز خادمان یک گاؤ خریدہ می آوردند و ذبح میکردند ومیخوردند تا کفار ازیں واقعہ آگاہ گشتند و بہ آتش غضب سوختند وجمع گشتہ

سلاح و چوب سنگ وفلاخن برداشتہ روانہ شدند الخ۔

(جس وقت حضرت خواجہ صاحب نے اس جگہ سکونت اختیار کی خدام ہر روز ایک گائے خرید کر لاتے تھے اور ذبح کرتے تھے اور کھا جاتے تھے حتیٰ کہ کفار اس واقعہ سے آگاہ ہوکر اور آتش غضب میں سوختہ ہوکر اور سب جمع ہوکر لکڑی پتھر گوپھن لے کر روانہ ہوئے۔۱۲ مترجم)

تیرہویں مجلس (واقعہ ۱۹)

ارشاد فرمایا کہ امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کسی کی نمازیں قضا ہوگئی ہوں اور اس کو یہ معلوم نہیں کہ کتنی نمازیں قضاء ہوئی ہیں سو اس کو چاہئے کہ دوشنبہ کی رات کو پچاس رکعت نماز پڑھے اور ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ ایک بار اور سورۂ اخلاص ایک بار پڑھے اور جب نماز سے فارغ ہو تو ایک سو بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درُود شریف بھیجے خدا تعالیٰ ان سب نمازوں کا کفارہ ادا کردیگا اگرچہ سو برس کی کیوں نہ ہوں۔

اشکال

اس میں دو سوال ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث کہاں ہے اس کا جواب اشکال نمبر ے کے حل میں گزر چکا ہے۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ صاحب اس کے معتقد تھے کہ نفل پڑھنے سے فرض نماز کی قضاء ساقط ہوجاتی ہے اور یہ اعتقاد خلاف شرع ہے۔

حل

یہ لزوم مسلم نہیں ممکن ہے کہ مراد یہ ہو کہ باوجود باقاعدہ قضاء پڑھ لینے کے قضا کا جو گناہ ہوا تھا وہ معاف ہوجاتا ہے چنانچہ لفظ کفارہ اس طرف مشیر ہے۔

سولہویں مجلس (واقعہ نمبر ۲۰)

پھر فرمایا کہ میں نے حضرت خواجہ محمد مرعشی رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ میں لکھا ہوا دیکھا

ہے کہ حضرت سفیان ثوریؒ نے ایک بار خانہ کعبہ میں بایاں پیر پہلے رکھا تو آواز آئی کہ بیل اس طرح خانہ خدا میں داخل ہوتے ہیں اسی وجہ سے انکا لقب ثوری ہو گیا اھ۔

اشکال

یہ تو بالکل تاریخ اور لغت کے خلاف ہے۔

حل

اول تو تاریخ اور لغت کا نہ جاننا کوئی نقص نہیں دوسرے اس سے تاریخ اور لغت کا نہ جاننا لازم نہیں ممکن ہے کہ یہ مراد ہو کہ الہامی خطاب بطور لطیفہ کے ہوا ہو اور صاحب واقعہ نے اس مسرت میں اس کو شہرت دی ہو تو اس تلقیب میں اس خطاب کو اتنا دخل ہو جیسے حضرت ابوذر غفاریؓ روایت کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ وان رغم انف ابی ذر سے لذت لیتے تھے۔

از دلیل العارفین

یعنی ملفوظات حضرت خواجہ معین الدینؒ

جمع فرمودہ حضرت خواجہ قطب الدین کاکیؒ

مجلس اول۔ (واقعہ ۲۱)

فرمایا کہ عارف اس کو کہتے ہیں کہ تمام عالم کے احوال جانتا ہو اور اپنی عقل سے سو ہزار رموز بیان کرے اور تمام دقائق محبت کا جواب دے سکے۔

اشکال: تمام عالم کا احوال جاننا تو حضرات انبیاء علیہم السلام کے لئے بھی ثابت نہیں چہ جائے اولیاء۔

حل: احوال سے مراد احوال دنیویہ نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ حالات قلبیہ کی معرفت میں ایسی مہارت ہو کہ ہر حالت کی تشخیص کر کے اس کا معالجہ کر سکے چنانچہ اسی

ملفوظ میں رموز کا بیان اور دقائق محبت کا جواب دے سکنا اس کا قرینہ ہے اور احیاناً کسی حالت کے متعلق شرح صدر نہ ہونا اس عموم عرفی کے منافی نہیں۔

مجلس چہارم۔(واقعہ نمبر ۲۲)

ارشاد فرمایا کہ اصل میں کھل کھلا کر ہنسنا گناہ کبیرہ ہے اہل سلوک کے نزدیک مسکرانا بھی کھل کھلا کر ہنسنے میں داخل ہے۔

اشکال: یہ دونوں مسئلے صحیح نہیں۔

حل: مراد وہ ہنسنا ہے جو غفلت سے ہو اور کبیرہ سے مراد معنی اصطلاحی نہیں بلکہ جو عمل اپنے کم درجہ کے عمل سے بڑا ہو اگرچہ صغیرہ اصطلاحی بھی نہ ہو۔

مجلس چہارم۔(واقعہ نمبر ۲۳)

فرمایا کہ خواہش نفس سے قصداً (جان بوجھ کر) قبرستان میں کھانا کھانا کبیرہ گناہ ہے اور کھانے والا ملعون و منافق ہے پھر یہ حکایت بیان فرمائی کہ میں نے امام ابوالخیر یحیٰ زندویؒ کے روضے میں لکھا ہوا دیکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

من اکل فی المقابر طعامًا اوشرابًا فھو ملعون ومنافق.

ترجمہ: یعنی جس شخص نے قبرستان میں کھانا کھایا یا پانی پیا وہ ملعون اور منافق ہے۔

اشکال وحل اشکال

مثل بالا اور اس ملفوظ میں ملعون و منافق اپنے معنی مشہور پر نہیں بلکہ جو شخص اس رحمت خاصہ سے بعید ہو جو اہل ذکر کے لئے ہے اور جو شخص ایمان کے اس درجہ فاضلہ سے بعید ہو جو اہل ذکر کو حاصل ہے۔

مجلس ششم۔(واقعہ نمبر ۲۴)

اول کوہ قاف کے کچھ عجائبات کا ذکر ہے جس میں بعض حاضرین کو شک ہوا تھا اور قوت تصرف سے انکو مشاہدہ کرادیا گیا تھا اس کے بعد حضرت خواجہ معین الدینؒ کا

قول منقول ہے کہ فقیر کو قوت باطنی ایسی ہی چاہئے کہ حکایات اولیاء میں جو کوئی سننے والا شک کرے وہ اس کو معائنہ کرادے۔

اشکال: کیا دلائل صحیحہ سے یہ دعوے صحیح ہے۔

حل: فقیر سے مراد مطلق فقیر نہیں بلکہ مراد خاص صاحب تصرف ہے تو معنے یہ ہوئے کہ متصرف کامل وہ ہے اور یہ صحیح ہے گو خود تصرف ہی فقر کے لوازم سے نہیں۔

مجلس ہفتم۔(واقعہ نمبر ۲۵)

فرمایا کہ تارک الورد ملعون۔

اشکال: ترک مستحب پر لعنت ہونا کیسے صحیح ہے۔

حل: وہی جواب ہے جو واقعہ نمبر ۲۳ میں گزرا۔

مجلس ہشتم (واقعہ نمبر ۲۶)

فرمایا نماز تہجد کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض تھی اور ہم پر واجب۔

اشکال: یہ اجماع کے خلاف ہے۔

حل: واجب سے مراد واجب اصطلاحی نہیں واجب لغوی ہے یعنی موکد اگر چہ سنت ہی ہو۔

مجلس دوازدھم۔(واقعہ نمبر ۲۷)

فرمایا کہ ارباب محبت کا ایسا مرتبہ ہے کہ اگر کوئی پوچھے کہ رات کو نماز پڑھی تھی تو جواب دے کہ مجھ کو اتنی فراغت طواف ملکوت سے نہ تھی میں وہاں گھوم رہا تھا اور جہاں کہیں کوئی افتادہ اور درماندہ پایا اور دستگیری کرتا تھا۔

اشکال: کیا اس شغل میں نماز معاف ہو جاتی ہے۔

حل: یا تو یہ مرتبہ خاص ہے مجاذیب کے ساتھ جن پر نماز فرض نہیں یا نماز سے مراد فرض نماز نہیں نوافل مراد ہیں اور اس سے بھی مراد کثرت ہے۔ سو خلق خدا کی

خدمت کثرت نوافل سے افضل ہے خواہ خدمت ظاہری ہو یا باطنی یعنی عقبات باطنی میں دستگیری کرنا خواہ تعلیم سے یا دعاء وہمت سے۔

ازفوائدالسالکین

یعنی ملفوظات خواجہ قطب الدین کاکی رحمۃ اللہ علیہ

جمع فرمودہ حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ

مجلس دوم۔(واقعہ نمبر ۳۸)

فرمایا کہ ایک مرتبہ ایک درویش کسی تہمت کے سبب سے بغداد میں پکڑا گیا اور معرض قتل میں لایا گیا چونکہ حکم تھا کہ قبلہ رو کھڑا کر کے گردن ماری جائے جب جلاد تلوار لے کر اس کے پاس آیا تو اس کی نظر اپنے پیر کی قبر پر جا پڑی اس نے فی الفور قبلہ سے منہ موڑ کر اپنے پیر کی قبر کی طرف منہ کر لیا۔ جلاد نے پوچھا کہ تو نے قبلہ سے کیوں منہ پھیرا اس نے کہا کہ میں نے اپنے قبلہ کی طرف منہ کر لیا ہے تو اپنا کام کر حجت سے کیا مطلب وہ پھر حجت کرنے لگا کہ اتنے میں والی ملک کا فرمان آیا کہ اس کو چھوڑ دو۔ یہ کہہ کر خواجہ قطب الاسلام آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمایا کہ دیکھو سچا عقیدہ یہ چیز ہے کہ اس کی بدولت وہ درویش قتل ہونے سے بچ گیا۔ پھر فرمایا کہ ایک دفعہ خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ اپنے یاروں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور سلوک کی ترغیب دے رہے تھے ہر بار وہ جب اپنے داہنی طرف دیکھتے فوراً کھڑے ہو جاتے تمام لوگ متحیر تھے مگر کسی کو مجال نہ تھی کہ کوئی دم مارے چنانچہ آپ نے کئی بار ایسا ہی کیا الغرض جب سب چلے گئے تو ایک یار نے جس کو آپ سے عرض کرنے کا موقع ملتا تھا عرض کیا کہ آپ ہر بار قیام کیوں فرماتے تھے۔ آپ نے فرمایا چونکہ اس طرف میرے پیر شیخ عثمان ہارونیؒ کی قبر مبارک تھی جب میری نظر اس پر پڑتی تھی تو مجھ پر قیام کرنا فرض ہو جاتا تھا اس لئے میں اس کو دیکھ کر قیام کرتا تھا۔ پھر فرمایا کہ مرید کو چاہئے کہ اپنے پیر

کو حاضر و غائب یکساں تصور کرے جیسا حالت زندگی میں جانتا تھا اور ادب کرتا تھا ویسا ہی وفات کے بعد بھی ادب کرے بلکہ اس سے زیادہ خیال رکھے۔

اشکال: قبلہ سے منہ موڑنے اور قبر کی طرف منہ کرنے کو خوش اعتقادی فرمانا چہ معنے۔

حل: قبلہ سے اعراض مقصود نہ تھا بلکہ شیخ کی طرف توجہ مقصود تھی اور گو وہ توجہ قبر کی طرف کرنے پر موقوف نہیں لیکن معنی کے ساتھ صورت کو جمع کرنا اجمع للحاظر ہوتا ہے اور اس توجہ الی المقصود سے عدم توجہ الی القبلہ بلا قصد لازم آئی اور اس میں کوئی محذور نہیں نہ شرعاً استقبال قبلہ وقت قتل کے واجب ہے اور مستحب کا ترک اس سے زیادہ اہم عمل کے لئے خلاف اولیٰ بھی نہیں اور یہ اس لئے اہم تھا کہ اس عمل سے جان کا بچنا مظنون تھا اور یہ عمل اپنی حقیقت کے اعتبار سے استغاثہ نہ تھا۔

اشکال دوم

قیام کو فرض سمجھنا چہ معنی اور حاضر و غائب یکساں تصور کرنا چہ معنے۔

حل: یہ فرض اصطلاحی نہیں ہے مطلق لازم کے معنے میں ہے خواہ لزوم اس کا طبعی ہو جس کا منشا عشق ہو اور یہ تو فقہاء نے بھی آداب قبر زیارت میں فرمایا ہے کہ قبر سے اتنی دور بیٹھے جتنی دور صاحب قبر سے حیات میں بیٹھتا تھا اور حاضر و غائب یکساں تصور کرنا علی الاطلاق مراد نہیں بلکہ صرف ادب و احترام میں چنانچہ اس کے متصل کی عبارت اس میں نص ہے جس میں تساوی فی الادب کی تعلیم ہے۔

مجلس چہارم (واقعہ ۲۹)

پھر اس بات کا ذکر ہونے لگا کہ اگر مرید نفل پڑھتا ہو اور پیر اس کو آواز دے تو کیا کرے آیا نماز نفل توڑ کر جواب دے یا نہیں۔ خواجہ قطب الاسلام ادام اللہ بقائہ نے زبان مبارک سے فرمایا کہ بہتر یہ ہے کہ نفل ترک کرے اور جواب دینے میں مشغول ہو کہ اس میں ثواب بہت ہے۔ فرمانے لگے کہ میں ایک مرتبہ نماز نفل میں مشغول تھا شیخ معین الدین ادام اللہ برکاتہ نے مجھ کو پکارا میں نے فوراً نیت توڑ دی اور

عرض کیا حاضر ہوں۔ فرمایا آؤ جب میں خدمت میں حاضر ہوا پوچھا کہ کیا مشغولی تھی عرض کیا نماز نفل میں مشغول تھا میں نے آپ کی آواز سن کر اسے ترک کر دیا اور آپ کو جواب دیا۔ فرمایا بہت اچھا یہ نماز نفل سے فاضل تر ہے کیونکہ پیر کے کام میں مستعد ہونا عین دین کے کاموں میں مستعد ہونا ہے۔

اشکال: کیا نماز نفل کا توڑ دینا اس عذر سے جائز ہے۔

حل: فقہاء نے احکام قطع صلاۃ میں اس جزئیہ کی تصریح کی ہے کہ نفل نماز میں اگر ماں باپ پکاریں تو اگر ان کو خبر ہے کہ نماز میں ہے تو جواب نہ دے اور اگر ان کو خبر نہیں تو نماز قطع کر کے جواب دے۔ (کذافی الدرمختار) آگے مسئلہ مجتہد فیہ ہے کہ شیخ کا حکم مثل باپ کے ہے یا نہیں سو فقہاء کے کلام میں اس کی تصریح نہیں پائی گئی مگر مشائخ شیخ کے لئے بھی یہ حکم ثابت کرتے ہیں اور مجتہد پر ملامت نہیں آئندہ رسالہ سراب الشراب کے واقعہ الف کے حل میں مجتہد فیہ پر ملامت نہ ہونے کی مزید تحقیق ہے اگرچہ اس اجتہاد پر عدم حجت کا حکم بھی کیا جائے اور اس قصہ میں حضرت خواجہ صاحب کا پوچھنا کہ کیا مشغولی تھی صریح دلیل ہے کہ خواجہ صاحب کو خبر نہ تھی اور جہاں حکم میں ظاہراً اطلاق ہے دلیل سے وہ بھی مقید ہے اور اگر اطلاق بھی ہو جیسا کہ فوائد الفواد مجلس ۲۶ ذی الحجہ ۷۱۹ھ میں حضرت شیخ فرید کا ارشاد ہے تو وہ ان کا اجتہاد ہے جس پر ملامت تو نہیں لیکن چونکہ ان بزرگوں کا مجتہد ہونا خود امر اجتہادی ہے عام طور پر مسلم نہیں اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ ایسے موقع پر نماز قطع نہ کرے چنانچہ ان ہی حضرات سے اس کی بھی تصریح منقول ہے فوائد الفواد مجلس ۲۶ ذی الحجہ ۷۱۹ھ میں مذکور ہے اس عبارت سے کہ پھر بندہ نے عرض کیا کہ حضرت اگر کوئی نفل نماز پڑھتا ہو اور کوئی بزرگ آ جائے تو وہ کیا کرے آپ نے فرمایا کہ اسے چاہئے کہ اپنی نماز تمام کرے پھر بندہ نے عرض کیا کہ اگر پیر آ جائے تو اس کی قدم بوسی اور سعادت بہت ہے اور مرید کا اعتقاد یہ ہے کہ نفل نماز سے سو حصہ زیادہ ثواب ہے فرمایا حکم شرع وہی ہے جو کہا گیا۔ اھ

ف: اوراس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ پیر غیب داں نہیں ہوتے چنانچہ حضرت خواجہ صاحب کو حضرت قطب صاحب کے نماز پڑھنے کی خبر نہیں ہوئی۔

مجلس چہارم۔(واقعہ ۳۰)

پھر فرمانے لگے کہ ایک مرتبہ میں شیخ معین الدین کی خدمت میں حاضر تھا اور اہل صفہ بھی موجود تھے اولیاء اللہ کا ذکر ہورہا تھا کہ اتنے میں ایک شخص آیا اور بیعت کے لئے پابوسی کی آپ نے اس کو بٹھالیا اس نے عرض کیا کہ میں مرید ہونے آیا ہوں فرمایا جو کچھ ہم کہیں گے کرے گا۔ اگر یہ شرط منظور ہے تو بیشک میں مرید کرلوں گا۔ اس نے کہا کہ جو کچھ آپ کہیں گے وہی کروں گا۔ آپ نے فرمایا کہ تو کلمہ اس طرح پڑھتا ہے **لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ**. ایک بار اس طرح پڑھ لا الٰہ الا اللہ چشتی رسول اللہ چونکہ راسخ العقیدہ تھا اس نے فوراً پڑھ دیا خواجہ نے اس سے بیعت لی اور بہت کچھ خلعت و نعمت عطا کی اور فرمایا میں نے فقط تیرا امتحان لیا تھا کہ تجھ کو مجھ سے کس قدر عقیدت ہے ورنہ میرا مقصود یہ نہ تھا کہ تجھ سے اس طرح کلمہ پڑھواؤں میں کون اور کیا چیز ہوں ایک ادنیٰ بندگان و غلامان محبّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوں حکم وہی ہے جو تو اول سے کہتا ہے **لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ** اس بات سے تیری صدق عقیدت معلوم ہوئی اب تو میرا مرید صادق ہوا مرید کو ایسا ہی چاہئے کہ اپنے پیر کی خدمت میں صادق و راسخ ہو۔

اشکال: کیا امتحان کے لئے کلمہ کفر کہلوانا جائز ہے۔

حل: کلمہ کفر جب ہے کہ ماؤل نہ ہو اور اگر تاویل کی جائے کہ رسول سے مراد معنی لغوی ہوں اور عام ہوں بواسطہ و بلا واسطہ کو اور اس بنا پر یہ معنی ہوں گے کہ چشتی اللہ تعالیٰ کا پیام رساں اور احکام کی تبلیغ کرنے والا ہے بواسطہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جیسا حدیث وارد فی المشکوۃ باب الوقوف بعرفۃ میں ابن مربع انصاری صحابی کا قول ہے **انی رسول اللہ الیکم** جس میں لفظ رسول اول بمعنی لغوی ہے اور جیسے قرآن مجید

میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرستادوں کو جو انبیاء نہ تھے سورہ یٰسین میں مرسل فرمایا ہے تو پھر کلمہ کفر نہیں رہتا اسی طرح اگر یہ حمل تشبیہ بلیغ پر مبنی ہو جیسے ابو یوسف؟ ابوحنیفہؒ سب کے نزدیک مسلم ہے تب بھی کلمہ کفر نہیں رہتا اور ظاہری و متبادر معنی مراد نہ لینے کی تصریح خود حضرت خواجہ صاحب کے اس قول میں ہے میں کون اور کیا چیز ہوں۔ البتہ یہ سوال باقی رہا کہ موہم کا استعمال بھی تو جائز نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ مجلس خاص تھی اور مخاطب و دیگر سامعین خوش فہم تھے اس لئے یہ مفسدہ محتمل نہ تھا۔ اب رہی یہ بات کہ آخر مصلحت ہی کیا تھی جواب ظاہر ہے کہ مصلحت امتحان کی تھی اس طرح اگر یہ راسخ العقیدہ ہے تو مجھ کو مخالفت شریعت کا نہ سمجھے گا کوئی تاویل کر لے گا ورنہ بھاگ جائے گا۔

از راحۃ القلوب

یعنی ملفوظات حضرت خواجہ بابا فرید شکر گنجؒ

جمع فرمودہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ

مجلس اوّل ماہ رجب ۶۵۵ھ (واقعہ نمبر ۱۳۱)

میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے بابا نظام الدین جس درویش میں یہ بات ہو کہ جو کچھ کہے اسی وقت ہو جائے وہ درویش ہے۔

اشکال

کیا درویشی اس پر موقوف ہے احادیث میں مصرح ہے کہ بعض دعائیں خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی قبول نہیں ہوئیں۔

حل

اس کہنے سے مراد نہ دُعا ہے اور نہ ہر پیشین گوئی ہے بلکہ صرف وہ پیشین گوئی ہے جو ارادہ الٰہیہ کے انکشاف صحیح کے بعد ہو چونکہ مراد کا تخلف ارادہ سے

جائز نہیں اور یہ پیشین گوئی ہوگی۔ مصارف ارادہ الٰہیہ کے اس لئے اس پیشین گوئی کا وقوع لازم ہے۔ البتہ انکشاف کے غلط ہونے سے عدم وقوع ممکن ہے اور یہ بھی مطلق درویشی کے لئے ضروری نہیں بلکہ خاص درویشی کے لئے ہے جس کے ساتھ انکشاف صحیح ہوتا ہو اور اصل مقصود یہ ہے کہ اپنے اختیار سے ارادہ الٰہیہ کے تابع رہے۔ باقی اضطراراً تو ساری مخلوق ہی تابع ہے۔

مجلس چہارم۔ ۲۷ ماہ شعبان ۶۵۵ھ (واقعہ نمبر۳۲)

یہ دعا گوان کا ملازم خدمت رہا عشاء کے بعد وہ صلوٰۃ معکوس پڑھا کرتے تھے اپنے دونوں پاؤں باندھ کر لٹکا لیتے تھے یہاں تک کہ صبح ہو جاتی تھی۔

اشکال: کیا شریعت میں کوئی صلوٰۃ معکوس ہے۔

حل

اس کو صلوٰۃ مجازاً و تشبیہاً کہہ دیا ہے وجہ جامع توجہ الی اللہ ہے یعنی جیسے نماز میں توجہ الی اللہ ہوتی ہے اس عمل میں بھی توجہ الی اللہ ہوتی ہے کیونکہ مقصود اس اتعاب سے نفس کو خوگر کرنا ہے تحمل تعب کا تاکہ توجہ الی اللہ کی تعب سے گریز نہ کرے باقی یہ سوال کہ ایسا مجاہدہ شریعت میں کب جائز ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی مشقتوں کو قربت مقصود سمجھنا بے شک بدعت ہے لیکن اگر صرف تدبیر کے درجہ میں سمجھا جائے اور تجربہ سے مفید بھی ہو تو کیا حرج ہے جیسے اطباء نے بعض مصالح بدنیہ کے لئے بعض ریاضات تجویز کی ہیں اہل طریق نے مصالح نفسانیہ کے لئے ایسی ریاضات تجویز کی ہیں لیکن جس کو تحمل نہ ہو اس کے لئے یہ جائز نہیں اب یہ سوال رہا کہ اگر صبح تک اس عمل میں مشغول رہتے تھے تو تہجد کس وقت پڑھتے تھے اس کا جواب یہ ہے کہ صبح سے مراد قرب صبح ہے یعنی قبل تہجد تک یا بقدر تہجد پڑھنے کے لئے کھول دیے جاتے ہوں پھر اسی طرح صبح تک باندھ دیئے جاتے ہوں۔

(تتمہ)

اس کے بعد فوائد الفواد؟ ۵ رمضان ۷۰۷ ہجری کے ملفوظ میں ایک روایت نظر سے گزری کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز معکوس بھی پڑھی ہے۔ اھ.... اس سے ایک اور جواب نکل آیا کہ انہوں نے اتباع سنت کے قصد سے ایسا کیا ہے۔ یہ دوسرا سوال رہا کہ روایت ثابت نہیں سو اس کا عذر اسی باب کے (نمبر ۷) میں مذکور ہو چکا ہے۔

مجلس چہارم۔ ۲۷ شعبان ۶۵۵ھ۔ (واقعہ ۳۳)

اس کے بعد سلوک کا ذکر ہونے لگا آپ فرمانے لگے کہ اہل سماع اس گروہ کے لوگ ہیں کہ جب وہ سماع و تحیر میں مستغرق ہوتے ہیں تو ایسے بے خبر ہو جاتے ہیں کہ اگر ان کے سروں پر لاکھ تلوار چلے تو انہیں ذرہ برابر خبر نہ ہو۔

اشکال: کیا سماع میں ایسی بے خبری لازم ہے۔

حل

مجموعہ سماع و تحیر کے لئے ایسی بے خبری لازم ہے مگر خود تحیر ہی سماع کے لئے لازم نہیں لیکن اس سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ سماع کی اہلیت اسی شخص میں ہے جس کو ایسا تحیر اکثر پیش آتا ہو۔ **یدل علیه قوله** (اس پر ان کا یہ قول دلالت کرتا ہے۔ مترجم۱۲) اہل سماع اس گروہ کے لوگ ہیں۔ الخ

مجلس ششم۔ ۱۱ شعبان ۶۵۵ھ (واقعہ نمبر ۳۴)

پھر میں نے ان سے حال پوچھا کہ اپنا کچھ حال فرمایئے انہوں نے کہا میری کیفیت یہ ہے کہ میں ستر برس سے اس غار میں کھڑا ہوں ایک دفعہ ایک عورت ادھر سے گزری میرے دل میں اس کی طرف سے رغبت پائی گئی چاہا کہ اس غار سے باہر نکلوں کہ اتنے میں ہاتف غیب نے آواز دی کہ اے مدعی تیرا عہد یہی تھا کہ ہمارے بغیر کسی سے عہد نہ کروں گا؟ بس یہ سنتے ہی چھری میرے پاس موجود تھی فوراً اس پاؤں

کو کاٹ کر باہر پھینک دیا کہ یہ کیوں اپنی خواہش نفسانی کا پابند ہوا اب تیس برس سے نہایت شرمندہ ہوں کہ قیامت کو کیا منہ دکھلاؤں گا۔

اشکال: کیا اس کوتاہی پر پاؤں کاٹنا جائز تھا۔

حل

غلبۂ حال میں جب ایک طرف التفات ہوتا ہے دوسری طرف نہیں ہوتا اس لئے معذور ہوتا ہے خصوصاً اگر یہ سن رکھا ہوگا کہ بنی اسرائیل میں اعضاء خاطۂ کا قطع کرنا متمم تھا توبہ کا اور اپنی شریعت کا حکم اس باب میں معلوم نہ ہوگا یا حاضر نہ رہا ہوگا۔ یا قطع ید پر قیاس کیا ہوگا اور فارق پر نظر نہ گئی ہوا ایسا ہی ایک واقعہ ہاتھ کاٹنے کا اسرار الاولیاء تیسری فصل میں ہے۔ پھر اگر غلطی ہوئی تو تشدد کی ہوئی جو خدا پرستی کی دلیل ہے تساہل کی تو نہیں ہوئی جس سے نفس پرستی کا شبہ ہو سکتا ہے۔

مجلس ششم۔ ۱۱ شعبان ۶۵۵ء (واقعہ نمبر ۳۵)

ایسے ہی ایک دفعہ خلیفہ بدخشاں شاہی نشان کے ساتھ آیا اور زمین خدمت کو بوسہ دیا اور کھڑا رہا اس بزرگ نے فرمایا کہ کیا مطلب ہے جو یہاں آنے کا قصد کیا۔ کہا والی سیوستان خراج نہیں دیتا اگر حکم ہو تو میں اس پر چڑھائی کروں انہوں نے تبسم کیا ایک لکڑی ان کے پاس رکھی تھی وہ اٹھا کر سیوستان کی طرف پھینک دی اور کہا میں نے والی سیوستان کو مار ڈالا جب خلیفہ نے یہ ماجرا دیکھا لوٹ آیا چند روز نہ گزرے تھے کہ وہاں کے آدمی بہت سا مال لے کر آئے اور حکایت بیان کی کہ والی سیوستان دربار عام میں تخت پر بیٹھا ہوا حکم کر رہا تھا کہ ایک لکڑی دیوار سے نکلی اور اس زور سے اس پر لگی کہ اس کی گردن دھڑ سے الگ ہوگئی اور زمین پر گرا اور مر گیا اور یہ آواز آئی کہ ہمارا شیخ عبدالواحد بدخشاں میں ہے یہ اس کا ہاتھ تھا جس نے اس کو مارا۔

اشکال: کیا یہ فعل جائز تھا۔

حل

ممکن ہے کہ والی سیوستان کافر ہو اور خراج کے انکار سے عہد اسلام توڑ دیا ہو اس لئے مباح الدم ہو گیا ہو ورنہ جس شخص کو آلات ظاہرہ سے قتل کرنا جائز نہیں اس کو ہمت وتصرف سے بھی قتل کرنا جائز نہیں۔

مجلس پانزدھم ۔۱۲ ذیقعدہ ۶۵۵ھ (واقعہ نمبر ۳۶)

پھر جماعت سے نماز پڑھنے کا ذکر ہونے لگا۔ اس باب میں آپ نے حد سے زیادہ تاکید فرمائی یہاں تک کہ اگر دو بھی ہوں تو بھی مل کر جماعت سے نماز پڑھو اگرچہ دو آدمیوں سے جماعت تو نہیں ہوتی مگر جماعت کا ثواب ضرور ہوتا ہے۔ اگر دو آدمی ہوں تو برابر کھڑے ہو جاؤ۔

اشکال: کیا دو آدمیوں کی جماعت نہیں ہوتی۔

حل: مراد نفی ثواب کی نہیں ثواب تو اس میں بھی جماعت کا ہوتا ہے اگر ثواب نہ ہوا تو آپ حد سے زیادہ تاکید نہ فرماتے جیسا اس واقعہ میں مذکور ہے نیز ان ہی کے قول میں جماعت کے ثواب کی بھی تصریح ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ اس میں سب احکام جماعت کے نہیں ہوتے چنانچہ منجملہ احکام جماعت کے ایک یہ بھی ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے کھڑا ہو اور یہاں برابر میں کھڑا ہوتا ہے۔

مجلس بست ویکم ۔۱۰ محرم ۶۵۶ھ۔ (واقعہ نمبر ۳۷)

اس کے بعد اسی موقع پر آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام سے یہ حکایت پوچھی کہ جب ہم میں کوئی بھی نہ ہوگا تو کون ان کی تعزیت کرے گا۔ یارسول اللہ! آپ کی امت آپ کے فرزندوں کی تعزیت کرے گی اور ایسی ماتم داری کرے گی کہ اس کی صفت بیان نہیں ہو سکتی۔

اشکال: کیا محرم کا یہ متعارف ماتم جائز ہے؟

حل: اس عبارت کی دلالت اس پر غیر مسلم ہے معنی یہ ہے کہ امت کو اس قدر

محبت ہوگی کہ وقوع کا وقت آنے سے واقعہ ان کو یاد آئے گا اور ان کو رنج شدید ہوگا یہ مطلب ہے اس کا کہ اس کی صفت بیان نہیں ہوسکتی نہ یہ کہ وہ شریعت کے خلاف افعال کا ارتکاب کریں گے کہ یہ تو تعزیت بھی نہیں کیونکہ تعزیت کے معنی تسلی بخشیدن ہیں نہ کہ غم انگیختن پھر خود محبت کے بھی خلاف ہے۔ چنانچہ موٹی بات ہے کہ غم کا سامان جمع ہونے سے تو دشمن کو بھی غم ہوجاتا ہے محبت تو یہی ہے کہ بدون سامان غم کے غم ہوجائے۔

ازراحۃ المحبین

یعنی ملفوظات حضرت سلطان نظام الدین رحمہ اللہ

جمع فرمودہ حضرت امیر خسرو

دوسری مجلس۔(واقعہ نمبر ۴۸)

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب کے بارے میں گفتگو ہونے لگی تو ایک نے عرض کیا کہ حضور میں نے سنا ہے کہ ابوطالب قیامت کے دن دوزخ میں نہ ہوں گے۔ آپ نے فرمایا ہاں دوزخ میں نہ ہوں گے شقیق بلخی سے منقول ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ میری ایک مرتبہ حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی میں نے کئی عجیب وغریب باتیں ان سے پوچھیں منجملہ ان کے ایک یہ بھی تھی کہ ابو طالب دوزخ میں ہوں گے یا بہشت میں تو انہوں نے فرمایا بہشت میں ہوں گے۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی سنا ہے کہ ابوطالب قیامت کے دن بہشت میں ہوں گے۔ جب میں نے ان سے دلیل پوچھی اور مکرر دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ایک دلیل تو یہ ہے کہ جب انکا انتقال ہوا تو وہ کفر کی حالت میں تھے بے ایمان گئے مگر کل ایمان لاکر بہشت میں داخل ہوں گے کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی بھی سنا تھا کہ وہ ایمان لاکر بہشت میں جائیں گے اور دوسری دلیل یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام جب آخر زمانہ میں دنیا پر آسمان سے تشریف

لائیں گے تو وہ اپنے معجزے سے ایک مردہ کو زندہ کریں گے اور وہ ابوطالب ہوں گے کہ جوان کی تلقین سے مسلمان ہوکر یہ کلمہ پڑھیں گے۔

اشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريک له واشهد ان محمداً عبدهٗ و رسوله.

پس وہ ایمان سے مشرف ہوکر بہشت میں جائیں گے۔ اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نوازشیں ان کے بارے میں بہت ہیں حق تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء کی برکت سے حضرت عیسیٰؑ کے ہاتھ سے پھر زندہ کرے گا کہ وہ ایمان لاکر بہشت میں جائیں گے۔

اشکال: یہ جواب تو حدیث صحیح کے خلاف ہے۔

حل: ممکن ہے وہ حدیث نہ پہنچی ہو تو یہ دلیل نہیں ہے عقیدہ بدعت کی اور یا یہ مراد ہو کہ وہ پورے دوزخ میں نہ ہوں گے جیسا حدیث میں ہے کہ ان کو صرف دو جوتیاں آگ کی پہنائی جائیں گی۔ باقی حضرت خضر علیہ السلام کی روایت اور دلیل اس کی حجیت پر موقوف دوامر پر ہے۔ ایک حضرت شقیق تک سند کا متصل ہونا اور دوسرا خضر کی معرفت ہونا اول شرط معدوم ہے دوسری شرط مکتوم ہے جو محض کشفی ہے اور کشف دلیل غیر معلوم ہے پھر حدیث صحیح کے معارض ہے مگر جس شخص کو اس تحقیق کا احاطہ نہ ہو وہ غیر ملوم ہے البتہ تحقیق کے بعد اس کا دعویٰ اصول شرعیہ سے مذموم ہے اس سے زیادہ حقیقت اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے کیونکہ اس تحقیق کا مبنیٰ بھی خبر واحد ہے پھر واقعہ بھی ضروریات دین میں سے نہیں البتہ اگر کسی کی رائے میں اس مسئلہ عدم ایمان میں تواتر ثابت ہو تو اس کو جزم کی بھی گنجائش ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

از فوائد الفواد

یعنی ملفوظات حضرت سلطان نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ

جمع کردہ حضرت علاء سنجری رحمہ اللہ

مجلس ۷ ذیقعدہ ۷۱۵ھ (واقعہ نمبر ۳۹)

پھر آپ نے فرمایا مرید کو چاہئے کہ جو پیر فرمائے وہی کرے اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ یہ بھی آیا ہے کہ پیر اگر کوئی امر نامشروع فرمائے تو مرید اس کام کو کرے یا نہ کرے پھر اس کی نسبت آپ نے بیان فرمایا کہ اول تو پیر ایسا ہونا چاہئے کہ جو احکام شریعت وطریقت وحقیقت کا عالم ہو اور جبکہ وہ ایسا ہوگا تو پھر وہ نامشروع حکم بھی نہیں فرمائے گا اگر وہ حکم فرمائے تو یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ بعض کے نزدیک اس فعل کا کرنا جائز اور بعض کے نزدیک ناجائز مگر بات یہ ہے کہ پیر جو حکم فرمائے مرید کو لازم ہے کہ ضرور تعمیل حکم کرے۔ اگرچہ بعض لوگ اس کے خلاف ہوں۔

اشکال: خلاف شرع امر میں پیر کی اطاعت کو کیسے جائز فرمایا۔

حل: یہ اختلاف نزاع لفظی ہے قرینہ اس کا یہ قول ہے کہ پیر ایسا ہونا چاہئے الخ جب پیر ایسا ہے تو اس کا حکم واقع میں خلاف شرع ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر خلاف معلوم ہوگا تو وہ واقع میں نہ ہوگا محض مرید کے علم میں ہوگا تو اس میں اتباع کا حکم ایسا ہوگا جیسے حدیث کے ہوتے ہوئے عامی کو بعض فقہا نے حکم دیا ہے کہ فقیہ کے فتوے پر عمل کرے حدیث پر عمل نہ کرے۔

(کما فی الهدایه فصل الاعذار المبیحة للافطار عن ابی یوسف رحمه الله)

لیکن یہ اس امر میں ہے جو یقیناً نص قطعی یا اجماع کے خلاف نہ ہو دلیل اس کی خود حضرت سلطان نظام الاولیاء کا ارشاد ہے جو باب اول نمبر ۵۲ میں گذرا ہے من قولہ اگر کسی

مختلف فیہ چیز کا پیر حکم دے اھ اور نص قطعی اجماع سے اقوی ہے کما ہو ظاہرٌ اور یہ سب اس وقت ہے جب پیر عالم بھی ہو ورنہ یہی شبہ قوی رہے گا کہ خود اس کو مسئلہ ہی معلوم نہ ہو۔

مجلس ۲۱ ذیقعدہ ۸۱۷ھ۔ (واقعہ نمبر ۴۰)

پھر آپ نے یہ حکایت فرمائی کہ خواجہ حمید سوانی خواجہ معین الدین چشتیؒ کے مرید تھے خواجہ قطب الدین رحمہ اللہ کے ہم خرقہ تھے جب تائب ہوئے تو خرقہ پایا ان کے ساتھی اور رفیق ان کے گرد ہوئے کہ آؤ خواجہ حمید بولے جاؤ چلے جاؤ مجھ سے بات نہ کرو میں نے اپنا ازار بند ایسا مضبوط کسا ہے کہ قیامت کو حوران بہشتی پر بھی نہ کھلے گا۔

اشکال: کیا ایسا دعویٰ مزاحمت نہیں ہے شرع کی۔

حل: مقصود مبالغہ ہے حقیقت مراد نہیں اور اگر حقیقت مقصود ہو تو یہ مراد ہو سکتی ہے کہ بلا اذن حق کسی حور کی طرف بھی باوجود اس کے غایت حسین ہونے کے التفات نہ کروں گا۔ اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حوروں سے تمتع مباح ہوگا واجب نہ ہوگا اور اس وقت مباح سے منتفع ہونے کا ارادہ نہ ہوگا اس لئے یہ سچے ہیں خواہ جنت میں یہ ارادہ بدل جائے۔

از انیس الارواح

مجلس بیسویں۔ (واقعہ نمبر ۴۱)

ایک حدیث نقل کی گئی ہے جس میں یہ جز و بھی ہے کہ جس کے ورثہ نہ ہوں اس کی میراث ہمسایہ کو پہنچتی ہے۔

اشکال: یہ حکم اجماعاً شریعت میں باطل ہے۔

حل: معلوم ہوتا ہے روایت میں خلط ہو گیا ہے۔ شیخین نے روایت کیا ہے۔ مازال جبرئیل یوصینی بالجار حتی ظننت انه سیورثه (پڑوسی کے بارے میں جبرئیلؑ مجھ کو ہمیشہ وصیت کرتے رہے حتیٰ کہ مجھ کو یہ گمان ہونے لگا کہ کہیں

اس کو وارث نہ بنادیں۔۱۲ مترجم) اور یہ تاویل بھی ہو سکتی ہے کہ جس شخص کا کوئی وارث نہ ہو اور اس کا ترکہ بیت المال میں داخل کیا جائے۔

پھر بیت المال سے جو مساکین کو دیا جائے گا امام کو مناسب ہے کہ ان میں مورث کے جوار کا بھی لحاظ رکھے سو اس میں کوئی اشکال نہیں۔

از درر نظامی

یعنی ملفوظات وحالات شیخ سلطان نظام الدین رحمہ اللہ

جمع کردہٗ مولانا علی بن محمود جاندار احد الخلفاء

باب ۱۶۔(واقعہ نمبر ۴۲)

میں نے (یعنی حضرت سلطان جی نے) حضرت شیخ شیوخ العالم کا نام نامی سنا تو خود بخود ایک محبت دل میں پیدا ہوئی اور ایسی بڑھی کہ ہر فرض کے بعد دس بار شیخ فرید الدینؒ اور دس بار مولانا فرید الدین رحمہ اللہ پڑھتا تھا اور پھر میرے یاروں کو بھی اس محبت کی خبر ہوئی تو جب وہ مجھ سے کوئی بات دریافت کرتے یا مجھ کو قسم دیتے تو مجھ سے کہتے کہ شیخ فرید کی محبت کی قسم کھاؤ۔ القصہ جب میں بدایوں سے دہلی کو روانہ ہوا تو ایک بوڑھا عزیز عوض نام میرے ساتھ ہولیا جہاں کہیں خوف وخطرہ کا موقع ہوتا وہ کہتا کہ اے پیر حاضر باش ما در پناہ توے رویم۔ میں نے پوچھا کہ تمہارے پیر کون ہیں کہا کہ شیخ الاسلام شیخ فرید الدین قدس اللہ سرہٗ فرمایا اس وقت میرا ذوق ایک گونہ موکد ہو گیا۔ **الحمدللہ علی نعمائہ**

اشکال: پیر کے نام کا وظیفہ پڑھنا اس کی محبت کی قسم کھانا اس سے استغاثہ کو جائز رکھنا کیسے جائز ہے۔......... حل: نام لینا مستلزم وظیفہ بنانے کو نہیں محض التذاذ کے لئے بھی تو لیا جا سکتا ہے کما قیل۔

گفت مشق نام لیلی میکنم خاطر خود را تسلی میکنم

(جیسا کہ مثنوی میں ہے کہ مجنوں نے کہا کہ نام لیلیٰ کی مشق کرر ہا ہوں اپنے دل کو تسلی دے رہا ہوں۔) وقال ابونواس۔

الا فاسقنی خمراً وقل لی هی الخمر ولا تسقنی سراً متی امکن الجهر

(اور کہا ابونواس نے ہوشیار ہوجاے ساقی پس مجھ کو شراب پلا اور کہو مجھ سے کہ یہ شراب ہے اور مت پلا چپکے چپکے جب تک علانیہ پلانا ممکن ہو۔۱۲مترجم)

اور قسم جو تعظیما کھائی جائے وہ ممنوع ہے اور اگر صرف صورت قسم ہو اور معنی یہ ہوں کہ اگر میں جھوٹ بولتا ہوں تو فلاں چیز سے مجھ کو انتفاع نصیب نہ ہو تو ایسی قسمیں خود احادیث میں وارد ہیں دوسرے اس قصہ میں عوام کا قسم کھانا مذکور ہے حضرت سلطان جی کا قسم کھانا تو مذکور نہیں اور اگر کوئی ندا بطور رقیہ کے ہو باعتقاد علم وقدرت نہ ہو تو اس میں فی نفسہ قبح نہیں ہاں عارض کے سبب منع کرنا واجب ہے سو اس منع کی نفی حضرت سلطان جی سے بھی منقول نہیں۔

باب ۲۸۔(واقعہ ۴۳)

فرمایا ہر مہینہ میں چھ روز ایسے ہیں جن کے اندر سفر کو جانا اور بڑے بڑے کاموں میں ہاتھ نہ ڈالنا چاہئے جن کی تفصیل یہ ہے۔تیسری۔آٹھویں۔تیرھویں۔ اٹھارویں تیئیسویں۔اٹھائیسویں۔

اشکال: نحوست کا اعتقاد کیا شریعت کے خلاف نہیں۔

حل: یہ امر نقل کے متعلق ہے عقلاً دونوں امر محتمل ہیں بعض روایات کو اس پر محمول کرلیا ہوگا اور نفی کی روایات میں تاویل کرلی ہوگی جیسے تعدیہ امراض میں روایات مختلفہ آئی ہیں مثبتین نے نفی کی روایات کو اور نافین نے اثبات کی روایات کو ماؤل کرلیا ہے۔باقی قول منصوص نفی نحوست ہی کا ہے مگر تمسک بالروایت پر ملامت نہیں ہوسکتی۔

از خیر المجالس

یعنی ملفوظات خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی رحمہ اللہ

جمع کردۂ مولانا حمید قلندر رحمہ اللہ

مجلس یازدہم۔ (واقعہ نمبر ۴۴)

اس میں ایک مشترک حل ہے بہت سے اشکالات کا ایک عزیز نے اہل محفل سے عرض کی کہ ملفوظ حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس اللہ سرہ العزیز میں لکھا ہوا ہے کہ درویشوں کا مقولہ ہے کہ جو دو گائیں ذبح کرے اس نے گویا دو خون کئے اور جو چار ذبح کرے گویا چار خون کئے اور جو چار گوسفند ذبح کرے اس نے گویا ایک خون کیا حضرت خواجہ نے فرمایا کہ یہ لفظ ہارونی نہیں ہے بلکہ ہرونی بلا الف کے ہے اور ہرون نام اس گاؤں کا ہے جہاں کے حضرت خواجہ عثمان قدس اللہ سرہ العزیز رہنے والے تھے پھر فرمایا کہ ایسے ہی بزرگوں کے حق میں آیا ہے۔

الرجال فی القریٰ یعنی مرد گاؤں میں ہوا کرتے ہیں اکثر مشائخ اور مردان خدا گاؤں میں ہوتے ہیں پھر فرمایا وہ ملفوظ ان کا نہیں ہے میری نظر میں بھی آیا ہے اس میں بہت سی ایسی باتیں ہیں کہ ان کے ارشاد اور علم کے مطابق نہیں۔

ف: اس نسبت کے غلط ہونے کی یہ ہی وجہ بیان کی کہ وہ ان کے شان علم وارشاد کے موافق نہیں اس سے دو امر معلوم ہوئے ایک یہ کہ یہ حضرات نہایت متبع شریعت تھے ایسی خلاف شرع بات ان سے صادر نہیں ہوسکتی۔

دوسرے یہ کہ بہت سی باتیں بزرگوں کی طرف غلط بھی منسوب ہوگئی ہیں اور ایک یہ بھی جواب ہے بعض اشکالات کا جیسا شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض اقوال منسوب الی الشیخ الاکبر کا الیواقیت والجواہر میں یہی جواب دیا ہے اور ایک جواب اس کا اسی باب کے واقعہ نمبر ۱۸ میں گزر چکا ہے۔

از انوار العارفین

تذکرہ شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمہ اللہ۔ (واقعہ نمبر ۴۵)

حضرت ایشاں قدس اللہ سرہٗ از والد ماجد خود روایت کردند فرمود کہ چوں شیخ ما عبدالقدوس قدس سرہ از وطن خود بدہلی آمدے وخبر باکابر آنجار سیدے بدیرۂ اوشدندے کذلک قوالان ومطربان نیز اورا استقبال نمودندے وشیخ کثیر السمع بود وسماعش درغایۃ شورش وسکرودرضمن سماع سخنان مستانہ ازوے سرمیزدوقتی دردہلی درمحفل عظیم کہ علماء نیز حاضر بودند بتواجد برخاست درمیان گفت منصور رانادانان کشتند چوں ایں کلمہ بکرات دررقص برزبان راند یکے ازفحول علماء حاضر بے آرام شدہ نام یکے ازاعاظم علمائے آں وقت رابردہ گفت چوں آں جماعت رانادان تواں گفت کہ چوں اوئے درمیان ایشاں بود وشیخ ہمچناں بشورش گفت من ہماں رامی گویم من ہماں رامی گویم بازآں عالم گفت شیخا چوں مثل روے رانادان تواں گفت کہ چوں باآں عالم خبررسید کہ ازقطرات خون منصور نقش اناالحق ظاہر شداں بزرگ دوات خودرابرزمین زد وگفت اگر حق است ایں چیست سیاہی کہ ازدوات اوریخت نقش اللہ ظاہر گشت شیخ بازگرم تراز پیشتر بجوشیدہ گفت کہ زہے نادان کہ سریان حق درجمادی ظاہر شودودرآں نہ۔

(آنحضرت قدس اللہ سرہ نے اپنے والد ماجد سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ہمارے شیخ عبدالقدوس قدس اللہ سرہ اپنے وطن سے دہلی تشریف لاتے اور وہاں کے اکابر کو خبر پہنچتی تو ان کی فرودگاہ پر حاضر ہوتے علیٰ ہذا قوال اور میراثی بھی ان کا استقبال کرتے اور شیخ کثیر السماع تھے ان کا سماع انتہائی شورش اور سکر میں تھا اور اثنائے سماع میں پرجوش کلمات ان کی زبان سے صادر ہوتے اور ایک دفعہ دہلی کے اندر ایک بڑی محفل میں کہ علماء بھی اس میں موجود تھے وجد میں کھڑے ہوگئے درمیان میں فرمایا کہ منصور کو نادانوں نے قتل کیا جب یہ کلمہ کئی بار رقص کی حالت میں زبان سے نکالا تو

اکابر علماء موجودین میں سے ایک عالم نے بے چین ہو کر اس زمانہ کے بڑے علماء میں سے ایک عالم کا نام لے کر کہا کیونکر اس جماعت کو (جس نے منصور کو قتل کیا تھا) نادان کہا جا سکتا ہے جبکہ ان میں ایسے موجود تھے شیخ نے اسی طرح شورش اور جوش کے ساتھ کہا کہ میں ان سب کو کہتا ہوں میں ان سب کو کہتا ہوں اس عالم نے پھر کہا کہ اے شیخ اس جیسے عالم کو کس طرح نادان کہا جا سکتا ہے کہ جب ان کے پاس یہ خبر پہنچی کہ منصور کے قطرات خون سے انا الحق کا نقشہ پیدا ہوا ان بزرگ نے اپنی دوات زمین پر پٹک دی اور کہا کہ اگر یہ حق ہے تو کیا ہے۔ سیاہی جو ان کی دوات سے گری اس سے اللہ کا نقش پیدا ہوا۔ شیخ نے پہلے سے زیادہ جوش میں آ کر فرمایا کہ عجب نادان ہیں تصرف حق کا اثر ایک غیر جاندار میں تو ظاہر ہو اور اس میں (یعنی منصور میں) نہ ہو۔ ۱۲ مترجم)

اشکال: کیا منصور کا یہ دعویٰ شریعت کے خلاف نہ تھا جو ان کے قاتلوں کو نادان بتلایا۔

حل: اگر منصور یہ قول اختیاراً کہتے اور معنی متبادر ہی مراد لیتے تو بے شک شریعت کے خلاف تھا ہنوز یہی دونوں مقدمات یقینی نہیں اور اگر اضطراراً اس کا صدور ہوا ہو جیسے نائم سے کوئی کلام صادر ہو تو اس حالت میں متکلم مرفوع القلم ہے اب یہ بات رہی کہ ان کی حالت اختیار کی تھی یا نہیں یہ امر اجتہادی ہے جس کا اصل معیار تو یہ تھا کہ جو حضرات ایسے احوال کے مبصر اور عارف ہیں ان سے رائے لی جاتی جیسے کوئی ایسا شخص جس کا جنون عام طور پر بین نہ ہو مگر اطباء حاذق علامات سے جنون تشخیص کریں اگر اپنی بی بی کو طلاق دے تو اہل فتویٰ کے ذمہ واجب ہے کہ اطباء کے قول کو حجت سمجھ کر طلاق کا فتویٰ نہ دیں مگر یہ وجوب اسی وقت ہے جب قرینہ سے اس جنون کا احتمال بھی ہو اور اگر احتمال ہی نہ ہو تو وہ طلاق کے فتوے میں معذور ہوں گے۔

پھر اگر اطباء یہ فتویٰ سن کر مفتی کو نادان یعنی فن تشخیص سے ناواقف کہیں مگر عاصی نہ کہیں تو ان پر بھی کوئی ملامت نہیں پس شیخ نے اپنی بصیرت سے منصور کے اس عذر کو سمجھا اور اہل فتوے کو اس عذر کا احتمال بھی نہ ہوا تو نہ اہل فتویٰ عاصی ہیں نہ شیخ پر ان کو

نادان یعنی حقیقت سے ناوقف کہنے میں کوئی اعتراض ہو سکتا ہے کیونکہ وہ انکو عاصی نہیں کہتے رہا یہ کہ شیخ کو غصہ کیوں آیا جواب یہ ہے کہ صورۃً غصہ ہے اور حقیقت میں رنج ہے جیسے مثال بالا میں طبیب اس پر رنج کرے کہ افسوس غریب کا گھر ویران ہو گیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ابتداء تو رنج سے ہوئی ہو مگر معترض نے جب بے اصول گفتگو شروع کی اس وقت شیخ کو غصہ آ گیا ہو مگر وہ غصہ معترض پر ہے اہل فتویٰ پر نہیں اب یہ بات رہ گئی کہ وہ عذر کیا تھا سو شیخ نے اس عذر کی طرف اپنے اس قول میں خود اشارہ فرمادیا ہے۔

زہے نادان کہ سریان حق در جمادی (یعنی سیاہی) ظاہر شود ودر آں (یعنی منصور) نہ (ظاہر شود) اور سریان سے مراد تصرف کا سریان ہے جیسے شجرہ طور بلا اختیار کلمہ انا الحق کا مظہر تصرف حق سے ہو گیا اسی طرح منصور بھی بلا اختیار کلمہ انا الحق کا مظہر تصرف حق سے ہو گیا اور اگر یہ جواب سمجھ میں نہ آئے تو دوسرے احتمال سے جواب ہو سکتا ہے کہ معنی متبادر مراد نہ تھے بلکہ وہی معنی تھے جو اس آیت میں ہیں۔

والوزن یومئذ ن الحق

(اور وزن (اعمال کا) اس دن حق ہے یعنی واقعی موجود ہے۔۱۲ مترجم)

یعنی الواقع الثابت اور اس میں ان سوفسطائیہ کا رد ہوگا جو حقائق اشیاء کو غیر ثابت کہتے ہیں چونکہ وحدۃ الوجود کے پردہ میں بعضے صوفیہ بھی حقائق کو غیر واقعی کہتے ہیں۔ پس منصور نے وحدۃ الوجود کی نفی کر دی اور جوش حق میں اس کی تفسیر نہ کی جس طرح حضرت احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے جان دے دی اور غیرت حق کے سبب اپنے قول کی تاویل نہیں فرمائی کہ میری مراد کلام سے درجہ قدیمہ ہے اور جو اس کا قائل ہوگا وہ اس کو مخلوق نہیں کہہ سکتا درجہ حادثہ مراد نہیں جس کے معتزلہ اس طرح سے قائل ہیں کہ درجہ قدیمہ کی نفی کرتے ہیں۔ پس منصور پر خودکشی کا الزام بھی نہ ہوگا۔

تذکرہ شیخ عبدالہادی رحمہ اللہ۔ (واقعہ نمبر ۴۶)

شخصے از ثقات باراقم نقل می کرد کہ روزے زنان پائے کوبی وے مے کردند

حضرت شاہ مکمل کہ ذکر شریفش عنقریب خواہد آمد درآنجا حاضر بودند خطرہ در دل شاہ مکمل۔ گزشت کہ زنان نامحرم پائے کوبے حضرت می کنند مجرد آں بنشستند وفرمودند کہ میاں مکمل اگر آتش بر بدن من نہند اثر نہ خواہد کرد ومن ہماں روز نگہبانی شما کردہ بودم وترا از آں واقعہ باز داشتم وہم آں ناقل زبانی شاہ مکمل می گفت کہ مے فرمودند کہ بعد بست سال آں واقعہ حضرت شاہ عبدالہادی بر من طعن زدند وہم آں ناقل می گفت کہ روزے بر شاہ مکمل دافعہ مانند واقعہ حضرت یوسف علیہ السلام گزشتہ بود۔

(ایک معتبر آدمی راقم سے نقل کرتا تھا کہ ایک دن عورتیں ان کے پاؤں دباتی تھیں حضرت شاہ مکمل کہ ان کا ذکر شریف عنقریب آئے گا اس جگہ موجود تھے شاہ مکمل کے دل میں خطرہ گزرا کہ نامحرم عورتیں پاؤں دبا رہی ہیں حضرت فوراً اٹھ بیٹھے اور فرمایا کہ میاں مکمل اگر آگ میرے بدن پر رکھیں تو اثر نہ ہوگا اور میں نے ہی اس دن تمہاری حفاظت کی تھی اور اس واقعہ سے بچایا تھا وہی ناقل شاہ مکمل کی زبانی یہ بھی کہتا تھا کہ وہ فرماتے تھے اس واقعہ کے بیس سال بعد حضرت شاہ عبدالہادی نے مجھ پر طعنہ کیا اور اور وہی ناقل کہتا تھا کہ ایک دن شاہ مکمل کے ساتھ ایسا واقعہ پیش آیا تھا جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ۔۱۲ مترجم)

اشکال: ظاہر ہے کہ عورتوں سے پاؤں دبوا رہے تھے۔

حل: اول تو راوی معلوم نہیں اور توثیق مجہول ایسے امر میں معتبر نہیں پھر یہ بھی احتمال ہے کہ وہ عورتیں عجائز غیر مشتہاۃ ہوں یا درمیان میں چادرہ وغیرہ حائل ہو باقی اس صورت میں نکیر بنا بر ایہام مفاسد کے ہو اور جو جواب دیا ہے وہ علی سبیل التنزل ہے کہ اگر تمام عذروں کا ارتفاع مسلم ہو تو پھر یہ جواب ہے کہ مس کف کی حرمت معلل ہے علت شہوت کے ساتھ چنانچہ اس بناء پر بتصریح عجائز سے مصافحہ جائز ہے اور یہاں علت معدوم ہے اور آتش کا اثر نہ کرنا اس کی سند ہے کہ جب آتش حقیقی مجھ پر اثر نہیں کرتی تو آتش خیالی یعنی شہوت کیا اثر کرتی رہا یہ کہ مدعی صادق بھی ہے یا نہیں اول تو

امارات صدق کا جمع ہونا کافی ہے دوسرے اپنے صدق پر ایک واقعہ سے استدلال کیا کہ کاذب ایسی کرامت سے مشرف نہیں ہوتا اور کرامت ہونا اس سے متاید ہوتا ہے کہ اس سے ایک مسلمان کی حفاظت خلاف شرع امر سے کی گئی اور وہ امر بھی متعلق شہوت کے ہے پس جو شخص دوسرے کو شہوت حرام سے دور رکھنے کی سعی کرے کیا وہ اپنے کو دور نہ رکھے گا اور گو یہ سب مقدمات ظنیہ ہیں مگر کسی مسلمان کو کسی اعتراض سے بری سمجھنے کے لئے احتمال صلاح بھی کافی ہے نہ کہ غلبہ صلاح اب رہ گیا ایہام تو جیسے لوگوں کو ایہام سے بچایا جاتا ہے ویسا کوئی شخص مجلس میں نہ ہوگا۔

از اقتباس الانوار

مولفہ مولانا شیخ محمد اکرم رحمہ اللہ

تذکرہ حضرت خواجہ معین الدین رحمہ اللہ۔ (واقعہ نمبر ۴۷)

چوں بروے حالت جلالی مستولی می شدے اندرون حجرہ در بستہ مشغول می بودے و حضرت خواجہ قطب الملۃ والدین بختیار اوشی و شیخ حمید الدین ناگوری مقابلِ درحجرہ وے تودہ از سنگہا ساختہ عقب آنہا پنہاں شدہ حاضرے بودند و چوں وقت نماز می شد بجز دکہ حضرت خواجہ بزرگ از حجرہ بروں ے آمد و نظر برآں سنگہا می افتاد سنگہا خاکستری کشتند پس خواجہ بزرگ قطب الملۃ والدین بختیار اوشی و شیخ حمید الدین ناگوری بہ خواجہ بزرگ اقتدا می کردند و در قعدہ آخیرہ تشہد تمام ناخواندہ (مراد بہ تشہد مجموعہ تشہد و درود دعا ہست اطلاقاً للجزء علی الکل ۱۲) پیش از آنکہ حضرت خواجہ بزرگ از نماز فارغ شود ایشاں سلام میدادند از آنجا گریختہ جائے پنہاں می شدند۔

(جب ان پر جلالی کیفیت غالب ہوتی تھی حجرہ کے اندر دروازہ بند کر کے مشغول ہوجاتے تھے اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی اور شیخ حمید الدین ناگوری ان کے حجرہ کے دروازہ کے مقابل پتھروں کا ڈھیر لگا کر اس کے پیچھے پوشیدہ

ہو کر موجود رہتے تھے اور جب نماز کا وقت آتا تھا فوراً حضرت خواجہ بزرگ حجرہ سے باہر تشریف لے آتے تھے اور نگاہ ان پتھروں پر پڑتی تھی وہ پتھر راکھ ہو جاتے تھے پس خواجہ قطب الدین بختیار اوشی اور شیخ حمید الدین ناگوری خواجہ بزرگ کے ساتھ (نماز میں) اقتداء کرتے تھے اور قعدہ اخیرہ میں تشہد کو ناتمام پڑھ کر (تشہد سے مراد تشہد و درود دعا کا مجموعہ ہے جز کو بول کر کل مراد لیا ہے) اس سے پہلے کہ حضرت خواجہ بزرگ نماز سے فارغ ہوں یہ دونوں سلام پھیر کر اس جگہ سے بھاگ کر کسی جگہ پوشیدہ ہو جاتے تھے (کہیں شیخ کی نگاہ سے ہلاک نہ ہو جائیں۔) ۱۲ مترجم)

اشکال: امام سے پہلے سلام پھیرنا کہاں جائز ہے۔

حل: بعذر قوی جائز ہے اور عذر واقعہ سے ظاہر ہے درمختار احکام مسبوق میں سلام امام کے قبل کھڑے ہو جانے کو بعض عذروں سے جائز کہا ہے اور ان میں سے مرور مار بین یدیہ کو بھی لکھا ہے سو یہ عذر تو مرور سے یقیناً قوی ہے اور اس واقعہ میں بڑی بات دیکھنے کی یہ ہے کہ ایسی سخت حالت میں نماز اور جماعت کا کتنا اہتمام کیا گیا ہے۔

تذکرہ حضرت قطب صاحبؒ (واقعہ نمبر ۴۸)

در سبع سنابل از قاضی حمید الدین ناگوری نقل می کند کہ گفت بعد دفن حضرت قطب الاقطاب بہ مرقد وے حاضر بودم دیدم کہ منکر و نکیر آمدند و پیش حضرت خواجہ بہ حسن ادب بہ نشستند ہمدریں میان دو فرشتہ دیگر رسیدند سلام حق حضرت خواجہ را رسانیدند و کاغذے بہ خط سبز بہشتہ کشیدند و بر دست حضرت خواجہ دادند در آں کاغذ مکتوب بود اے قطب الدین من از تو خوشنودم و از برکت تو عذاب از ہمہ قبور گنہ گاران امت حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم برداشتم زیرا کہ زندگان بسیار از تو نفع گرفتہ اند مردگان نیز از تو بگیرند و قدر تو بدانند باز دو فرشتہ دیگر رسیدند خواجہ را سلام حق تعالیٰ رسانیدند و منکر نکیر را گفتند کہ خدا تعالیٰ فرمودہ است قطب ما را سوال نکنید من قطب خود را سوال کردہ ام و جواب سوال ما دادہ است شما باز گردید۔

(سبع سنابل (کتاب) میں قاضی حمید الدین ناگوری سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں بعد دفن کرنے قطب الاقطاب کے ان کے مزار پر موجود تھا میں نے بطور کشف کے) دیکھا کہ منکر نکیر آئے اور حضرت خواجہ کے سامنے بہت ادب کے ساتھ بیٹھ گئے اسی اثناء میں اور دو فرشتے پہنچے اور حق تعالیٰ کا سلام حضرت خواجہ رحمہ اللہ کو پہنچایا اور ایک کاغذ سبز روشنائی کا لکھا ہوا نکالا اور حضرت خواجہ رحمہ اللہ کے ہاتھ میں دیا اس میں لکھا تھا کہ اے قطب الدین میں تم سے خوش ہوں اور میں نے تمہاری برکت سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے سب گناہگاروں کی قبروں سے عذاب اٹھالیا۔

اس لئے کہ جب زندوں نے تم سے بہت بڑا نفع اٹھایا ہے مردے بھی تم سے نفع حاصل کریں اور تمہاری قدر کو جانیں۔ دو فرشتے اور پہنچے خواجہ کو حق تعالیٰ کا سلام پہنچایا اور منکر نکیر سے کہا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے ہمارے قطب سے سوال مت کرو میں نے اپنے قطب سے خود سوال کرلیا ہے اور وہ سوال کا جواب ہم کو دے چکے ہیں تم لوگ واپس آجاؤ۔۱۲ مترجم)

اشکال: اس میں دو سوال ہیں ایک یہ کہ مردوں کے انتفاع کے کیا معنی دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا منکر نکیر کے سوال سے مستثنیٰ ہونا ممکن ہے۔

حل: پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ مردوں کو گو عملی نفع نہیں ہوسکتا کہ وہ مخصوص ہے عالم تکلیف وابتلاء کے ساتھ لیکن راحت ورحمت ورفع عذاب کا نفع ہوسکتا ہے جیسے جیران صالحین سے اموات کو اس قسم کا نفع پہنچنا روایات میں آیا ہے چنانچہ مقاصد حسنہ میں ابونعیم وخلیلی سے مرفوعاً یہ حدیث وارد ہے۔

ادفنوا موتاکم وسط قوم صالحین.

(اپنے مردوں کو صلحاء کے درمیان میں دفن کیا کرو۔۱۲ مترجم)

اور گو ایک راوی اس کا متکلم فیہ ہے لیکن صاحب مقاصد نے عمل

امت سے اس کی تقویت کی ہے اور دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ روایات میں بعض اموات کا اس سوال سے مستثنیٰ ہونا وارد ہے رسالہ شرح الصدور باب میں لایسائل فی القبر میں ایسی حدیثیں لائی گئی ہیں ان میں شہداء بھی ہیں یہ حضرات تو صدیق ہیں جن کا درجہ شہداء سے بھی بڑھا ہوا ہے۔

اس سے اتنا تو معلوم ہوا کہ سوال عام نہیں ہے پس اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے کسی اور کو بھی مستثنیٰ فرمادے تو عجیب کیا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جس طرح خواب کبھی محتاج تعبیر ہوتا ہے اسی طرح کشف بھی پس ممکن ہے کہ عدم سوال کی تعبیر سوال یسیر ہو جیسے حدیث میں حساب یسیر کو عدم حساب قرار دے کر اس کو عرض کہا گیا ہے۔ (رواہ البخاری فی کتاب التفسیر)

عرفان حافظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد الحمد والصلوٰۃ یہ خاکپائے طالبان خدا و سالکان راہ ہدیٰ مظہر مدعا ہے کہ کتاب لطیف دیوان حافظ کو جو اکثر عوام وخواص میں ایک خاص مقبولیت حاصل ہے ظاہر ہے میرے دل میں خود بھی خیال تھا اور بعض احباب کے اشارہ سے وہ خیال اور زیادہ مؤکد ہو گیا کہ اس کے جو اشعار متضمن تحقیقات یا حالات باطنی میں ان کی مختصر اور سہل طور پر توضیح کر دی جائے اور جو اشعار محض شاعرانہ نکات ولطائف پر مبنی ہیں ان کا حل غرض خاص کی تکمیل و تحصیل میں دخیل نہیں سمجھا گیا الا نادر الفائدۃ ما اور چونکہ حافظ قدس سرہ بوجہ صاحب حال ہونے کے ان اشعار خاصہ میں بیشتر حقائق و معارف بیان فرماتے ہیں اس لئے اس مجموعہ پریشان کا نام عرفان حافظ رکھنا زیادہ موزوں معلوم ہوا۔

یہ امر بھی پیش نظر رکھنے کے قابل ہے کہ چونکہ دیوان کے اشعار اجزاء غزل ہیں لہٰذا ان میں باہم ارتباط و تناسب مفہوماً ضروری نہیں فباللہ احول وثقتہ بہ اقول۔

قال الحافظؒ ۔

الایا ایہا الساقی ادرکا ساونا ولہا	کہ عشق آسان نمود اول ولے افتاد مشکلہا

ساقی شراب پلانے والا مراد محبوب حقیقی۔ کاس پیالہ شراب مراد جذب عشقی یعنی ادھر متوجہ ہو کر اے محبوب حقیقی دور دیجئے پیالہ (جذب عشقی) کو اور (اس دور میں) وہ پیالہ مجھ کو بھی دے دیجئے یعنی مجھ کو اپنی طرف منجذب کر لیجئے) کیونکہ (راہ) عشق (کا سلوک) اول اول آسان معلوم ہوا تھا (چونکہ اس کے عقبات نہ دیکھی تھیں) لیکن (سلوک کے وقت) بڑی بڑی مشکلیں واقع ہوئیں (جن سے راہ قطع ہونا دشوار ہو گیا سو آپ کے جذب سے یہ سب مشکلیں سہل ہو جائیں گی۔

توقف وصول بر جذب

اس شعر میں اس مسئلہ کی تحقیق ہے کہ سلوک محض بلا جذب کے وصول الی المقصود میں کافی نہیں ہوتا۔ اور سلوک اور جذب کے معنی کوئی شخص ہوش اور بیہوشی کے نہ سمجھ جائے بلکہ سلوک کہتے ہیں مقامات یعنی اخلاق باطنہ کی اصلاح کو مع پابندی اعمال ظاہرہ کے اس سے نسبت باطنی کے حاصل ہو جانے کی استعداد اور قابلیت پیدا ہو جاتی ہے لیکن نسبت باطنی کا بالفعل حاصل ہو جانا یہ باختیار سالک نہیں ہے محض فضل الٰہی پر موقوف ہے پس وہ فیض غیبی وعنایت حق جس سے یہ نسبت حاصل ہو جائے جذب کہلاتا ہے اور اسی نسبت کو وصول الی اللہ بھی کہتے ہیں۔ غرض سلوک اختیاری ہے اور جذب غیر اختیاری خوب سمجھ لو اسی مضمون کو کسی نے اس طرح تعبیر کیا ہے ۔

نگردد قطع ہرگز جادۂ عشق از دویدنہا	کہ می بالد بخود این راہ چون تاک از بریدنہا

قالؒ ۔

بوئے نافۂ کاخر صبا زان طرہ بکشاید	ز تاب جعد مشکش چہ خون افتاد در دلہا

(بوے امید۔ طرہ کھلے ہوئے بال۔ جعد گندھے ہوئے بال۔ لفظی مدلول یہ ہے کہ) بامید اس نافہ (یعنی خوشبو) کے جس کو آخر (کبھی نہ کبھی تو) بادصبا اس طرہ سے کھولے (اور پھیلائے) گی (اس امید پر) محبوب کے جعد مشکین کے پیچ وتاب کی وجہ سے کیسے کیسے خون قلوب میں پڑ رہے ہیں (اور عشاق ان کو اسی خوشبو کی امید پر کہ وہ بھی ایک گونہ قرب ووصال ہے جھیل رہے ہیں)

قبض وبسط

اور بلسان اشارہ جعد سے مراد واردات سالک کا بند ہونا جس کو قبض کہتے ہیں اور نافہ سے مراد ان واردات کا نازل ہونا جس کو بسط کہتے ہیں اور ان واردات کو مرتبہ قبض میں جعد سے اور مرتبہ بسط میں طرہ سے تعبیر کرنا نہایت لطافت ورعایت شاعرانہ بھی ہے۔ اور صبا سے مراد فیض مرشد ہے جو واسطہ ہے ایصال واردات وبرکات الٰہیہ کا پس اس میں تعلیم ہے اس مسئلہ کی کہ قبض میں سالک کو ناامید ودل شکستہ نہ ہونا چاہئے کیونکہ اس میں ہزاروں حکمتیں اور مصلحتیں ہوتی ہیں ایک ظاہر مصلحت جو ہر قبض میں مشترک ہے یہ ہے کہ قبض

سے سالک کو ایک خاص انکسار اور شکستگی اور اپنے کو محض ہیچ اور ناچیز اور ذلیل اور حقیر سمجھنا اور عجب و پندار کمال کا قطعاً نظر اور التفات سے اٹھ جانا یہ امور بلا مجاہدہ حاصل ہو جاتے ہیں سو یہ خود کتنی بڑی دولت ہے اسی لئے بعض محققین کا قول ہے کہ قبض ارفع ہے بسط سے یعنی اس وجہ خاص سے پس اس حالت میں ناامید اور پریشان نہ ہو بلکہ اس پر صبر کرے اور راضی رہے اور امید رکھے کہ جب میرے لئے مصلحت ہوگی بسط ہو جائے گا کہ وہ بھی قرب کی ایک خاص صورت ہے جیسا کہ قبض بھی من وجہ قرب ہے۔ اور نسبت الی الصبا میں اشارہ ہے کہ قبض میں مرشد کی طرف رجوع کرے کیونکہ قبض کے علل وآثار و مصالح و طرق بسط یا اس قبض کا عین بسط یعنی حکمت میں مثل بسط ہونا یہ سب مراتب مرشد سے حل ہوتے ہیں۔ نیز اس سے لازم آ گیا کہ سالک قبض میں اپنی رائے پر ہرگز عمل نہ کرے ورنہ بہت سے اسمیں صورۃً یا معنیً ہلاک ہو چکے ہیں۔ قبض کے باب میں یہ مضمون مولانا کے کلام میں زیادہ مصرح ہے۔

چونکہ قبضے آیدت اے راہ رو	آن صلاح تست آلیس دل مشو
چونکہ قبض آمد تو دروے بسط بین	تازہ باش و چین میفگن برجبین

قالؒ

بمے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید	کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

(مے شراب مراد وہ امر مباح جو طریقت کے خلاف معلوم ہو اور قابل احتراز ہو باوجود مباح شرعی ہونے کے طریقۃً محترز عنہ ہونے کے وصف کے سبب شراب سے تشبیہ دے دی مطلب یہ ہے کہ) مے میں سجادہ رنگین کرنا گو سخت امر منکر ہے لیکن) اگر تجھ کو پیر مغان (یعنی مرشد) بتلاوے تو عمل کیجیو کیونکہ جو شخص راہ چلا ہوا (اور راہ دیکھا ہوا) ہے وہ منازل کے طرق اور آثار سے بے خبر نہیں ہوتا (طریق رستہ اور رسم جو راہ پر نشان بنے ہوتے ہیں جن کو دیکھ کر راستہ چلتے ہیں)

اطاعت شیخ در سلوک

اسی طرح اگر مرشد مسترشد کو کوئی ایسا امر بتلادیں جو شرعاً تو جائز تھا لیکن بظاہر طریقت کے خلاف ہونے سے منکر معلوم ہوتا ہے تو سالک کو چاہئے کہ اس کو مضر سلوک نہ سمجھے بلکہ اس

پر عمل کر لے کہ وہ واقع میں مضر نہ ہوگا بلکہ مفید ہوگا کیونکہ شیخ کو اس کے نشیب وفراز کا زیادہ تجربہ ہے۔ تفہیم کے لئے ایک مثال عرض کرتا ہوں مثلاً کسی سالک کو قبض ہوا اور شیخ نے اپنی بصیرت وتجربہ سے پہچان لیا کہ تکثیر اشغال اور ضعف وملال طبیعت کا اس کا سبب ہوا ہے شیخ نے امر فرمایا کہ برائے چندے شغل بالکل چھوڑ دو اور طبیعت کو راحت دو اور احباب میں بیٹھ کر مزاح ومطالبہ سے فرحت حاصل کرو اور اکثر حصہ شب کا سوؤ اور خوب لذیذ کھانے کھاؤ تو بظاہر یہ امور خلاف طریقت معلوم ہوتے ہیں لیکن واقع میں عین طریقت ہیں کیونکہ علت قبض کا اس میں علاج بالضد ہے کہ ملال اور ضعف کا علاج نشاط وتقویت ہے اس علاج سے بسط ہو جائے گا اور ذکر وشغل اطمینان سے ہوگا تو درحقیقت شیخ نے شغل ترک نہیں کرایا بلکہ شغل کے دوام کا سامان کیا ہے۔ تنبیہ۔ یاد رکھو کہ بمی سجادہ رنگین کن میں تشبیہ المفرد بالمرکب ہے اجزاء مرکب کے جدا جدا مشبہ بہ نہیں۔ اور مغان لغت میں آتش پرستوں کو کہتے ہیں چونکہ اہل فارس اصل میں آتش پرست تھے اس لئے فارسی زبان میں وہی محاورے آئیں گے لیکن مراد محض معنی مجازی ہوں گے اور سالک جو شیخ کو کہہ دیا ہے اس کے معنی آنکہ سلوک میکند نہیں بلکہ آنکہ سلوک کردہ وفارغ شدہ باشد ہیں۔ اور احقر نے جو تفسیر بمی سجادہ رنگین کن کی کی ہے قرینہ اس کا ظاہر ہے کہ جس فن کا یہ مضمون ہے اسی فن کے اعتبار سے جوامر منکر ہو وہ متعین الارادہ ہے معنی لغوی لینا بالکل فن سے خارج ہو جانا ہے خوب سمجھ لو۔ قال ''

مرا در منزل جاناں چہ امن وعیش چوں ہردم	جرس فریاد میدارد کہ بربندید محملہا

(منزل جاناں مقام وحال باطن۔ جرس اثر ارشاد عرفاء اور شوق قلب مراد یہ کہ) مجھ کو کسی مقام یا حال باطنی میں امن وعیش (یعنی استقرار وسکون) کیونکر حاصل ہو جبکہ ہر وقت قلب میں جو عارفین کے (اس) ارشاد کا اثر ہے (کہ سالک کو کہیں توقف نہ کرنا چاہئے) اور شوق قلب بھی تقاضا کرتا ہے کہ ہاں محمل (کجاوہ) لا دو اور سفر کرو۔

طلب ترقی در باطن

اس میں تعلیم ہے کہ کسی خاص حالت باطنی پر قناعت نہ کرے بلکہ ہر دم طالب مزید ہو عمل وسعی سے بھی توجہ اور ارادہ سے بھی اور دعا والتجا سے بھی مولانا نے بھی اسی مضمون کو ارشاد فرمایا ہے۔

اے برادر بے نہایت در گہی است	ہر چہ بروے میرسی بروے مایست

تنبیہ۔ عادت تھی کہ کوچ کے وقت جرس بجاتے تھے جیسے اسٹیشن پر گھنٹی بجتے دیکھی ہوگی۔ قال"

شب تاریک وبیم موج وگردابے چنیں ہائل	کجادا نند حال ماسبکساران ساحلہا

(اس میں بیان ہے حال حیرت کا اور شکایت ہے مع ایک گونہ عذر معترضین اور ملامت گروں کے) یعنی ہماری حالت (حیرت میں) ایسی ہے جیسے اندھیری رات ہو اور موج کا خوف ہو اور ورطہ ہولناک (میں کشتی آ گئی) ہو تو ہمارے (اس) حال کی ان لوگوں کو کب خبر ہوسکتی ہے جو ہلکے پھلکے کنارہ پر کھڑے ہیں (جنہوں نے دریا میں قدم بھی نہیں رکھا)

حالت حیرت

مقصود یہ ہے کہ اگر کوئی صاحب حال کسی عقبۂ باطنی میں گرفتار ہو کر حیرت میں پڑ جائے تو اس کے افعال واقوال پر ناواقف لوگ اعتراض اور ملامت کیا کرتے ہیں مگر یہ اعتراض خود دلیل اس کی ہوتی ہے کہ ان لوگوں پر کبھی ایسی حالت نہیں گزری پس ان کے ناواقف ہونے کا اور مبتلائے حیرت کو ایسے اعتراضوں سے دلگیر نہ ہونے کا بتلانا مقصود ہے۔ رہے واقف اور عارف لوگ وہ اس پر رحم کرتے ہیں اور اس کی دستگیری کرتے ہیں۔

تنبیہ اس میں تشبیہ مرکب بالمرکب ہے۔ قال"

ہمہ کارم زخود کامی بہ بدنامی کشید آخر	نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا

(خود کامی استعجال وصل) یعنی جلدی کامیاب ہو جانے کے تقاضے کی بدولت میرے کام کا انجام یہ ہوا کہ تمام میں رسوا ہو گیا (کیونکہ اس جلدی میں ہر کسی سے تدبیریں پوچھنے لگا جس میں اظہار راز محبت کرنا پڑا سب کو میرا حال معلوم ہو گیا) اور بھلا ایسا راز کب پوشیدہ رہ سکتا ہے جس کے لئے مجمع کیا جائے (جیسے میں نے مجمع کر لیا)

ضرر استعجال در حصول مقصود

اس میں یہ بتلا دیا کہ سالک کو استعجال اور جلدی ثمرہ حاصل ہو جانے کا تقاضا مضر ہے

کیونکہ ایسا شخص اپنے رہبر پر قناعت وطمانیت نہیں رکھتا بلکہ اہل کی تخصیص بھی نہیں رکھتا ہر کس وناکس سے چارہ جوئی کرتا ہے اور سب کو اس کا مخفی حال معلوم ہو جاتا ہے اور مخفی حال کا اظہار بجز مرشد کے کسی سے مذموم ہے اس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ ہر جائی ہونے کی وجہ سے پوری توجہ وشفقت اس شخص پر کسی کو بھی نہیں ہوتی اور شیخ کی عنایت ولطف بھی جاتا رہتا ہے اور مزید برآں یہ کہ جس چیز کو جلدی چاہتا ہے اس کا حصول خارج از اختیار ہوتا ہے اس سے پریشانی اور بڑھتی ہے غرض ظاہراً اور باطناً ہر طرح سے برائی ہی برائی ہاتھ آتی ہے پس اس میں اشارہ ہے کہ سالک ہرگز تقاضا اور جلدی نہ مچائے اور غیر مرشد سے اپنا حال نہ کہے۔ قالؒ

حضوری گرہمی خواہی ازو غائب مشو حافظ	متی ماتلق من تہوی دع الدنیا واہملہا

یعنی اگر تم (محبوب حقیقی کے دربار میں) حضوری (اور قرب وقبول) چاہتے ہو تو اس سے غائب (یعنی دل سے غافل) مت ہو (بلکہ اس کی طرف متوجہ رہو) اور جب ملاقات کروا پنے محبوب سے (یعنی اس کے طرق لقاء میں کہ عبارت ہے عبادت سے مشغول ہو) تو دنیا کو چھوڑ دیا کرو (یعنی قصداً دنیا و مافیہا کی طرف اس وقت التفات مت کیا کرو)

طریق وشرط نفع ذکر وعبادت

اس میں تعلیم ہے ذکر وعبادت پر دوام کرنے کی اور اس ذکر وعبادت کے نفع کی شرط کی کہ اس وقت قصداً غیر اللہ کو مستحضر نہ کرے کہ مفوت نفع ہے اور بلا قصد اگر آئے تو اصلا مضر نہیں اور مکرر ذکر کی طرف متوجہ ہو جانے سے وہ آیا ہوا خیال از خود دفع ہو جاتا ہے قصداً دفع کرنے کی ضرورت نہیں اور دفع بھی نہیں ہوتا اور اگر توجہ ذکر سے بھی دفع نہ ہو تو اصلا پروا نہ کرے کیونکہ امر غیر مضر قابل اہتمام نہیں ہوتا ورنہ اس کے درپے ہو جانے سے پھر وہ پورا وبال جان ہو جاتا ہے۔

غزل-قالؒ

ای فروغ ماہ حسن ازروی رخشان شما	۰آبروی خوبی از چاہ زنخدان شما

فروغ وآبرو بمعنی رونق متقارب۔ حسن وخوبی مترادف۔ روی رخشان وچاہ زنخدان عبارت از ذات باعتبار اتصافش بکمالات۔ ماہ حسن باضافۃ مشبہ بہ سوی مشبہ مثل لجین الماء۔

مطلب ظاہر ہے کہ حسن جو مشابہ چاند کے ہے اور خوبصورتی ان کی رونق اے محبوب تمہارے روے رخشاں اور چاہ زنخدان کی بدولت ہے یعنی تمہارا رخ اور زنخ حسن کا محتاج نہیں بلکہ خود حسن تمہارے رخ اور زنخ کا محتاج ہے۔

تحقیق ارتباط بین الذات والصفات

احقر کے ذوق میں یہ شعر اشارہ ہے ایک مسئلہ متعلقہ ذات وصفات کی تحقیق کی طرف اس کی تقریر سے پہلے ایک مقدمہ سمجھ لینا چاہئے وہ یہ کہ ذات وصفات کے درمیان وجہ ارتباط کے باب میں چند اقوال ہیں۔ عینیت محضہ کل میں اور عینیت بعض میں اور غیریت بعض میں۔ اور لاعینیت۔ اور لاغیریت کل میں اور یہی مذہب اخیر منسوب ہے عامہ اہل سنت کی طرف جس کا حاصل یہ ہے کہ صفات کا قیام ذات کے ساتھ اس طور پر ہے کہ وہ زائد علی الذات ہیں لیکن لازم وممتنع الانفکاک ہیں زیادۃ علی الذات کو لاعینیۃ سے تعبیر کیا گیا اور لزوم کو اصطلاحاً لاغیریت کہہ دیا گیا اور ظاہر صیغ واردہ فی النصوص سے زیادہ ہی مفہوم ہوتی ہے اور لزوم خود امر عقلی ہے لہٰذا مذہب منصور یہی ہے اور صوفیہ کا عین کہہ دینا چونکہ مبنی بر اصطلاح ہے اس قول کے منافی نہیں۔ جب یہ مقدمہ سمجھ میں آ گیا تو اب سمجھو کہ اس قول پر ظاہراً ایک اشکال واقع ہوتا ہے وہ یہ کہ اس قول پر دو امر لازم آتے ہیں ایک یہ کہ صفات محتاج ہوں ذات کی طرف اپنے قیام میں سو اس کا تو کوئی مضائقہ نہیں اور دوسرے یہ کہ ذات محتاج ہو صفات کی طرف اپنے متصف بالکمال ہونے میں مثلاً **لولا صفة العلم لما كان الذات عالما موصوفا بالكمال العلمی** وقس علیہ سائر الکمالات اور احتیاج ذات کی کسی دوسری شیء کی طرف محال ہے کیونکہ احتیاج مستلزم ہے امکان وحدوث کو جو کہ واجب میں محال ہے جب قول بزیادۃ الصفات مستلزم ہوئی احتیاج ذات الی غیرہا کو اور مستلزم محال کو محال ہے پس قول بالزیادۃ محال ہے اس اشکال کا بعض اکابر نے یہ جواب دیا ہے کہ مطلق احتیاج کا استحالہ غیر مسلم ہے البتہ احتیاج الذات الی غیر صفاتہا محال ہے سو وہ لازم نہیں آیا اور جو لازم آیا وہ محال نہیں لیکن اس سے اقرب اور اصوب جواب وہ ہے جس

کی طرف اس شعر میں اشارہ ہے حاصل اس کا یہ ہے کہ ہم اسی کو نہیں مانتے کہ اس سے ذات میں احتیاج لازم آتی ہے جیسا کہ تقریر مطلب میں لکھا گیا ہے کہ تمہارا رخ اور زنخ (یعنی ذات) حسن کا (یعنی صفات کا) محتاج نہیں بلکہ خود حسن تمہارے رخ اور زنخ کا محتاج ہے یعنی صفات کو تو ذات کی طرف اپنے قیام میں احتیاج ہے لیکن ذات کو صفات کی طرف احتیاج نہیں اور اس کی دلیل میں یہ کہنا کہ لولا صفة العلم الخ سو اس سے احتیاج لازم نہیں آتی کیونکہ احتیاج کے لئے تقدم محتاج الیہ کا لازم ہے اور یہاں تحقق صفت علم کا تقدم اتصاف بالکمال العلمی پر غیر مسلم ہے کیونکہ تقدم و تاخر کے لئے متقدم و متاخر کا متغائر بالمفہوم ہونا لازم ہے اور یہاں تغائر نہیں ہے کیونکہ تحقق صفۃ علم خود اتصاف بالکمال العلمی ہی ہے جیسا کہ بدیہی ہے پس دونوں عین ہوئے اور عینیت کے بعد تقدم کے قائل ہونے سے تقدم الشیء علی نفسہ لازم آئے گا جو کہ محال ہے پس تقدم تحقق صفۃ علم کا اتصاف بالکمال العلمی پر محال ہوا جو بناء تھی احتیاج کی پس احتیاج لازم نہ آئی وھو المطلوب بلکہ خود یہ کہنا لولا صفة العلم الخ اگر بناء علی الاطلاق العرفی توسعاً و تاولاً ہے تو اصطلاح میں مناقشہ نہیں اور اگر تحقیقاً ہے تو غلط ہے کیونکہ ایک شئے اور اس کے عین میں لولاہ لامتنع کا حکم باطل ہے بخلاف کمالات ممکنات کے کہ وہاں گو احتیاج کی حقیقت یہ نہیں ہے لیکن خود اصل صفات ان کی مستفاد ہیں غیر سے اور حق تعالیٰ کی صفات میں یہ احتمال ہی نہیں اور اگر اس اطلاق عرفی ہی کے مرتبہ میں صحت حکم کو احتیاج کہا جائے تو اس اصطلاح میں کوئی ضرر و محذور لازم نہیں آتا مقصود تو نفی کرنا ہے احتیاج کی حقیقت میں اور نفی حقیقتاً اور اثبات اصطلاحاً میں کوئی تعارض نہیں۔ اور بعض اکابر کے جواب مذکور کو اگر اسی جواب کی طرف محلل و مفصل کیا جائے تو بعد توجیہ ممکن ہے۔ نکتہ ماہ کے مقابلہ میں رخشان جو اکثر خورشید میں مستعمل ہوتا ہے اور چاہ کے مقابلہ میں آپ لانے میں لطافت شعری ظاہر ہے۔ التماس چونکہ مضمون ہی مشکل تھا اس لئے میں اس کو آسان نہ کرسکا۔ قالؒ

عزم دیدار تو دارد جان برلب آمدہ	باز گردد یا برآید چیست فرمان شما

اے محبوب یہ عاشق تیرے دیدار کا عزم رکھتا ہے اور (اس اشتیاق میں) لبوں تک جان آچکی ہے سواب کہو تمہارا کیا حکم ہے وہ جان واپس ہوجائے یا نکل آئے یعنی واپس ہونے میں تو اور چند روز مصیبت کے بھگتنے پڑیں گے اور نکل جانے میں اس سے نجات ہوجائے گی سو جس میں تمہاری رضا ہو اس پر راضی ہوں۔

حکمت عروج ونزول سالک

اور بلسان اشارۃ اس کی شرح یہ ہے کہ جان برلب آمدن کنایہ ہے فناء سے جو آخر سلوک میں پیش آتا ہے اور منتہاء عروج ہے اور دیدار عبارت ہے مشاہدہ تجلیات مکشوفہ طریق سے اور باز گردد سے مراد ہے حصول بقاء بعد الفناء جو منتہا نزول ہے اور برآید سے مراد ہے ترقی احوال فنا کی اور انشاء استفہامی بمعنی اخبار ہے پس مقصود مقام یہ مسئلہ بتانا ہے کہ سالک جب مراتب سلوک میں عروج کرتا ہوا مرتبہ فنا تک پہنچتا ہے اور ہر مرتبہ میں تجلیات اسمائی و صفاتی کا انکشاف ومشاہدہ غلبہ کے ساتھ ہوتا ہے جو اصطلاح میں عروج کہلاتا ہے تو غایت سکر سے متمنی ترقی احوال فنا کا ہوتا ہے لیکن محبوب حقیقی کا معاملہ اس مرتبہ کے بعد ہر سالک کے ساتھ جداگانہ ہوتا ہے بعض کو تو حسب تمنا ان کے ان ہی احوال فنا میں ترقی ہوتی رہتی ہے اور ان کو مستغرق کردیتے ہیں اور ان لوگوں سے آئندہ سلسلہ افاضہ کا جاری نہیں ہوتا اور بعض کو اس سکر وفنا سے افاقہ بخشتے ہیں اور یہ بقاء ونزول کہلاتا ہے اور ایسے لوگ مسند ارشاد پر متمکن ہوکر خلق اللہ کو فیض پہنچاتے ہیں اور وہ تجلیات اسمائی وصفاتی ان سے بھی منقطع و مختفی نہیں ہوتیں بلکہ ان کی معرفت ان اہل فنا سے اقوی ہوتی ہے لیکن یہ حضرات ان تجلیات میں مغلوب نہیں ہوتے اور چونکہ اشتیاق ان کا مقتضی ہوتا ہے تجرد توجہ الی الحق کو اور شان ارشاد کے لوازم سے ہے توجہ الی الخلق بھی گو ان کے لئے یہ توجہ اس توجہ سے مانع نہیں بلکہ معین بلکہ عین ہے لیکن تاہم تجرد تو نہیں لہٰذا ایک گونہ کلفت برداشت کرنا پڑتی ہے جس کو تقریر ترجمہ میں مصیبت بھگتنے سے تعبیر کیا گیا ہے پس حافظ گویہ بات بتانا مقصود ہے کہ اس عروج ونزول کا مدار سالک کی تمنا پر نہیں ہے بلکہ مرضی حق پر ہے کما قال ایضاً

درکار گلاب و گل حکم ازلی این بود	کان شاہد بازاری وین پردہ نشین باشد

اور جاننا چاہئے کہ فنا کی کئی قسمیں ہیں یہاں فناء علمی مراد ہے جس میں فانی واقع میں منفی الوجود نہیں ہوتا البتہ غیر ملتفت الیہ بحسب العلم ہو جاتا ہے اور بقاء اسی کا مقابلہ ہے یعنی ملتفت الیہ بحسب العلم ہو جانا۔ اور مشاہدہ سے مراد رویت نہیں بلکہ غلبہ استحضار علمی مراد ہے۔ قالؒ

کے دہد دست این غرض یارب کہ ہمدستان شوند	خاطر مجموع ما زلف پریشان شما

ہمدستان موافق۔ مطلب یہ کہ خدا جانے یہ مقصود کب حاصل ہوگا کہ تمہارے زلف پریشان کا وصال اس طرح حاصل ہو کہ ہمارے دل کو اس وقت جمعیت نصیب ہو (یعنی اطمینان خاطر سے وصال میسر ہو اور مجموع اور پریشان کے تقابل میں جو لطافت شاعری ہے ظاہر ہے۔

حجاب نبودن خلق منتہی را از حق

اور بلسان اشارت زلف سے مراد عالم کثرت وجہ تشبیہ چار امر ہیں اول زلف میں بھی بالوں کی کثرت ہوتی ہے۔ دوم زلف ساتر ہوتی ہے روئے محبوب کی اسی طرح عالم کثرت حجاب ہے مشاہدہ وحدت سے۔ سوم زلف مظہر جمال محبوب ہوتی ہے اور عین محبوب نہیں اسی طرح عالم کثرت مظہر صفات الٰہیہ ہے اور عین ذات وصفات نہیں۔ چہارم زلف محبوب سیاہ ہوتی ہے اسی طرح عالم کثرت بہ نسبت انوار الٰہیہ کے مظلم ہے اور وجہ دوم وسوم میں ظاہرا تعارض کا توہم نہ کیا جائے کہ ساتر ہونا اور مظہر ہونا کیسے جمع ہوسکتا ہے۔ دفع اس توہم کا یہ ہے کہ ساتر ہونا باعتبار محجوبین کے ہے اور مظہر ہونا باعتبار عارفین کے یا عارف ہی کے حق میں ساتر بھی ہے اور مظہر بھی ساتر تو ذات ہے اور مظہر صفات کا پس بعنوان آرزو اس میں یہ مسئلہ بتانا منظور ہے کہ سالک کو بالخصوص منتہی کو جو توجہ عالم کثرت کی طرف ہوتی ہے اس کی توجہ اور عوام کی توجہ میں فرق ہے وہ یہ کہ عوام کی نظر میں تو وہ محدثات کثیرہ ہی خود مقصود ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے ہمیشہ پریشان رہتے ہیں کیونکہ اکثر حصول میں کہ وہ بھی غیر اختیاری ہے باہم متزاحم ہوتے ہیں بخلاف خواص کے کہ ان کو ان محدثات کثیرہ سے بھی مقصود توجہ الی الحق ہوتی ہے اور اس کثرت کو وہ آئینہ مشاہدہ وحدت سمجھتے ہیں اور اسی وجہ سے ان کو ہمیشہ جمعیت رہتی

ہے کیونکہ علاوہ اس توجہ مقصود کی اختیاریت کے خود اس توجہ میں کوئی جزو عالم مزاحم نہیں ہو سکتا بلکہ مرأت و معین ہے اور چونکہ اس توجہ میں عالم کثرت کا واسطہ ہونا متضمن ہوتا ہے بہت سی حکمتوں اور مصلحتوں کو اس لئے اس کو توجہ مذکور کا مرأۃ بنایا جاتا ہے۔ پس حاصل کلام یہ ہوا کہ عالم کثرت کی طرف مطلقاً توجہ کرنے کو مذموم مت سمجھو بلکہ جب یہ توجہ جمعیت قلب کے ساتھ ہو جو فرع ہے ملاحظہ وحدت کی تو مضر نہیں پس تمنا کے طور پر کہتے ہیں کہ یااللہ وہ کونسا وقت ہوگا کہ عالم کثرت کی طرف جو مجھ کو پریشانی کے ساتھ اور من حیث الکثرۃ توجہ ہے وہ زائل ہو جائے اور اگر توجہ رہے تو جمعیت خاطر اور ملاحظہ وحدت کے ساتھ ہو اور محط فائدہ یہی قید ہے پس اگر مصلحت الٰہیہ اصلاً عدم توجہ الی الخلق کو مقتضی ہو تو یہ آرزو اس کی نافی نہیں کیونکہ نفس توجہ الی الخلق محط فائدہ نہیں بلکہ قید ملاحظہ وحدت بر تقدیر توجہ مطمح قصد ہے واللہ اعلم۔ قال

کس بدورِ نرگست طرفے نہ بست از عافیت	بہ کہ بفروشند مستوری بمستان شما

دور نوبت نرگس چشم و نجیں مستان اے چشمان مست۔ طرف بستن حاصل نمودن بفروشند حوالہ کنند۔ مستوری گوشہ نشینی متقارب عافیت۔ مطلب یہ کہ اے محبوب تمہارے چشمان مست کے دورے اور زمانہ میں کوئی شخص آج تک عافیت حاصل نہیں کر سکا (کیونکہ سب اس سے گھائل اور زخمی رہے اس لئے) بہتر یہی ہے کہ عشاق اپنی عافیت (کی فکر جانے دیں اور اس کو) تمہارے چشمان مست کے حوالہ کر دیں (کہ وہ چشمان مست جو تصرف ان کے بارے میں کریں اس پر راضی رہیں اور اس کو تسلیم کریں)

منع طلب سالک حالت خاصہ را

اس میں تعلیم ہے سالک کو کہ طریق سلوک میں اپنے لئے کسی خاص حالت کو جو اس کے مذاق کے موافق ہو اور اس میں اپنی منفعت بالذت سمجھتا ہو مثل شوق یا انس یا وجد یا اور کوئی تجلی خاص ہرگز تجویز نہ کرے اور اسماء متقابلہ کی تجلیات سے جو اس کی حالت میں تلوین ہو کہ بعض اس میں سے اس کی مراد اور مذاق کے خلاف بھی ہے اس سے دل تنگ نہ ہو کیونکہ مقصود اس سب سے اس کی تربیت ہوتی ہے اور تربیت کا طریق خود مربی زیادہ جانتا ہے

پس حافظؒ اس تجویز مراد کی لم بتلا کر اس کی اصلاح کرتے ہیں یعنی اصل سبب اس تجویز کا طلب عافیت اور راحت ہے جس میں نفس کا ایک کید خفی ہے کہ طلب حق میں بھی اپنے مرغوبات و مشتہیات کو نہیں چھوڑتا اور مشقت سے بھاگتا ہے اس لئے سالک کو چاہئے کہ سمجھ لے کہ عافیت کہ مقتضائے نفس ہے طریق میں مطلوب نہیں بلکہ باقتضائے حکمت الٰہیہ حاصل بھی نہیں ہوا کرتی اس لئے اپنے کو ان تجلیات وواردات کے تابع کر دینا چاہئے حتی کہ جس حالت پر قرار دینا حسب استعداد طالب مرضی محبوب ہوگا اس پر تمکین عطا فرمائیں گے۔

چونکہ برمیخت بہ بندد بستہ باش	چونکہ بکشاید چابک برجستہ باش

قالؒ

بختِ خواب آلودِ ما بیدار خواہد شد مگر	زانکہ زد بر دیدہ آبے روے رخشان شما

(یعنی اب امید ہے کہ) شاید ہمارا بخت خفتہ (جس سے ہم فراق میں مبتلا ہیں) بیدار ہوجائے (اور ہم کو وصال میسر ہوجائے) کیونکہ تمہارے روے رخشان نے اب (ہماری) آنکھوں پر پانی کا چھینٹا دیا ہے (یعنی تمہارے روے رخشان کی شعاع حسن کو دیکھ کر آنکھوں سے پانی بہنے لگا جیسا آفتاب کی طرف نظر کرنے سے واقع ہوتا ہے اور قاعدہ ہے کہ سوتے کی آنکھوں پر پانی چھڑکنے سے وہ جاگ اٹھتا ہے یہ کنایہ ہے رونے سے کہ اکثر محبوب کو اس سے رحم آجاتا ہے رعایت شاعرانہ سے اس عنوان خاص سے تعبیر کیا)

ف۔ بلسان اشارت تعلیم ہے اس مسئلہ کی جب طالب کی بیقراری اور گریہ وزاری بڑھتی ہے تو محبوب حقیقی کا فضل اس کے حال پر متوجہ ہوتا ہے۔

تانہ گرید ابر کے خندد چمن	تانہ گرید طفل کے جوشد لبن

اور وجہ اس بیقراری کی تنگی اور حیرت ہوتی ہے اور یہ علامات کامیابی سے ہے لہٰذا تنگی کو گراں نہ سمجھے اپنے کام میں لگا رہے اور جب یہ کیفیت پیش آئے امید کو قوی کرے۔ قالؒ

باصبا ہمراہ بفرست از رخت گلدستہ	بوکہ بوے بشنویم از خاک بستان شما

یعنی اپنے رخ سے ایک گلدستہ باد صبا کے ہمراہ بھیج دیجئے تاکہ ہم آپ کے خاک

بوستان کی ایک خوشبو سونگھ لیں ف صبا سے مراد ذکر وشغل بوجہ واسطۂ فیض ہونے کے۔گلدستہ سے مراد فیوض غیبیہ جو قلب پر وارد ہوتے ہیں۔بستان سے مراد ذات وصفات۔حاصل مضمون یہ کہ اے محبوب ذکر وشغل کے واسطہ سے فیوض غیبیہ قلب پر نازل فرمایئے تاکہ قدرے ذات و صفات کی معرفت نصیب ہو جس سے آگے طلب اور شوق میں زیادتی ہو۔اشارہ ہے واردات غیبیہ کی حکمت کی طرف کہ اس سے ذوق وشوق بڑھتا ہے تو وہ ثمرۂ اصلی ذکر وشغل کا نہیں بلکہ طریقہ تربیت کا ہے جس سے طالب کو آسانی ہوتی ہے سو اگر یہ واردات قلب پر نہ آئیں تو اصلی ثمرہ سے کہ وہ رضاء وقرب ہے اپنے کو محروم نہ سمجھنا چاہئے اور ہمت سے کام میں لگا رہنا چاہئے بلکہ بعض اوقات واردات کے منکشف نہ ہونے سے یا بعد انکشاف کے بند ہو جانے سے قلب میں ضیق ہوتا ہے اور یہی ضیق سبب توجہ رحمت کا ہو جاتا ہے جیسا اوپر کے شعر میں مذکور ہوا۔غرض بسط میں بھی حکمت ہے اور قبض میں بھی مصلحت ہے۔قالؒ

دل خرابی میکند دلدار را آگہ کنید	زینہار ای دوستان جان من وجان شما

یعنی (میرا) دل خرابی کر رہا ہے (کسی طرح درست نہیں ہوتا) دلدار کو آگاہ کر دو (کہ مجھ پر عنایت کرے) ضرور اے دوستو (ایسا کرو) میری جان اور تمہاری جان تو ایک ہی ہے (میرے ساتھ ہمدردی کرنا چاہئے)

ف:بلسان اشارت تعلیم ہے اس امر کی کہ مجاہدہ وریاضت حصول مقصود کی علت تامہ نہیں بعض اوقات اس سے کشود کار نہیں ہوتا اس وقت اہل اللہ کی دعا سے استعانت کرنا چاہئے کہ وہ حق تعالیٰ سے عرض کریں جس سے باطن کی درستی ہو پس دلدار کو آگاہ کرنا مجازاً کنایہ ہے حق تعالیٰ کی جناب میں عرض کرنے سے اگرچہ وہ پہلے سے بھی آگاہ ہیں اور جان من وجان شما میں اثبات ہے اتحاد کا طالبان حق کے درمیان میں کہ ان میں طالبان دنیا کی طرح تنازع نہیں ہوتا۔اور اس جملہ اخیرہ کی ترکیب یہ بھی ہو سکتی ہے کہ پس میری جان ہے اور تمہاری جان ہے یعنی اب میں ہوں اور تم ہو میں تم کو چھوڑوں گا نہیں۔ قالؒ

عمرتان بادا درازای ساقیان بزم جم	گرچہ جام ما نشد پرمے بدوران شما

یعنی اے بزم جم کے ساقیو تم تادیر سلامت رہیو اگرچہ تمہارے دور میں ہمارا جام

شراب سے نہیں ہوا (اور ہم کو شراب نہیں ملی) ف یہ تتمہ ہے ماسبق کا اور اشارہ ہے اس طرف کہ بستگی مقصود کے وقت جب اہل اللہ سے استعانت اور طلب ہمت کی جائے اور اس کے بعد بھی دیر ہو تو ان سے بداعتقاد نہ ہو اور ان کے کمال سے بدگمان نہ ہو ان سے ویسی ہی محبت اور عقیدت رکھے اول تو اس وجہ سے کہ وہ محبوبان حق ہیں دوسرے اس لئے کہ ان سے دوسروں کو نفع ہو رہا ہے۔ تیسرے تحقیق یہ ہے کہ اس کو بھی نفع ہوا ہے گو سر دست محسوس نہیں ہوا جیسا کسی کو ایک قیمتی جوہر مل جائے مگر اس کی ماہیت سے بے خبر ہو تو باوجود حصول کے محرومی کا گمان کرتا ہے بعد چندے خود یا کسی کامل کی تنبیہ سے اطلاع ہوتی ہے تو شکر کرتا ہے۔ قالؒ

اے صبا باساکنان شہر یزد ازما بگو	کاے سرحق ناشناسان گوی میدانِ شما
گرچہ دوریم از بساط قرب ہمت دور نیست	بندۂ شاہ شمائیم وثنا خوان شما

شعر ثانی کے مصرع اولیٰ میں ہمت بحذف مضاف مبتدا ہے یعنی ہمت مادور نیست اور پورا شعر ثانی جواب ہے ندا کا۔ مطلب یہ کہ اے صبا شہر یزد کے رہنے والوں سے ہماری طرف سے یوں کہنا کہ اے بزرگو جن کی شان یہ ہے کہ ناحق شناس مخالف لوگوں کا سر تمہارے میدان میں گیند کی طرح خدا کرے ہمیشہ مارا مارا پھرا کرے (یعنی فشر کما لخیر کما فداء) اور وہ بات کہنے کی یہ ہے کہ ہم اگرچہ آپ لوگوں کے بساط قرب ظاہری سے دور ومہجور ہیں لیکن ہماری ہمت یعنی توجہ تام دور نہیں ہے (بلکہ سراسر دل آپ ہی کی طرف مصروف ہے اور ہم آپ کے بادشاہ (یعنی حق تعالیٰ) کے غلام ہیں اور آپ لوگوں کے بھی ثنا خوان ہیں ف اس میں بھی مثل سابق کے خطاب ہے اہل اللہ کو اور اشارہ ہے دو مسئلوں کی طرف اول یہ کہ اولیاء اللہ سے اگرچہ ظاہر میں دور ہو لیکن غیبت میں بھی ان سے محبت و عقیدت کامل رکھے اور ان کے اقوال وافعال کا خیال رکھے تاکہ اتباع کی توفیق ہو۔ ویمکن حملہ علی مسئلۃ تصور الشیخ للخواص بشرائط لا للعوام فانہ کما قیل۔

درحق اونور ودر حق تونار	در حق او درد حق تو خار

دوسرے یہ کہ حق تعالیٰ کے احسان ماننے کے بعد ان حضرات کا بھی احسان مانے اور یہی معنی ہیں اس حدیث کے من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ۔ اور ان دونوں مسئلوں

میں یہ امر قابل سمجھنے کے ہے کہ مقبولین کے ساتھ محبت اوران کا ممنون ہونا منافی کمال توحید واخلاص کے نہیں کیونکہ توحید واخلاص جس کا حق ہے یہ اسی کے امر سے ہے اوراسی کے واسطے ہے اوراسی کی توحید کی تکمیل کے لئے ہے کیونکہ تعلیم اس کی ان ہی حضرات کے وسائط سے ہے بخلاف قول اہل شرک کے **مانعبد هم الا ليقربونا الى الله زلفى** کیونکہ عبادات حق میں عبادت غیر کے واسطہ کی تو حاجت نہیں پس وہ اشراک ہے اور تعلیم غیر کی حاجت ہے پس وہ آلہ ادراک ہے فافہم۔ قالؒ

کاندرین رہ گشتہ بسیارند قربان شما	دور دار از خاک وخون دامن چو بر ما بگذری

یعنی اے محبوب جب تمہارا ہم پر گزر ہو تو اپنا دامن (ہمارے) خاک وخون سے بچانا (کبھی آلودہ نہ ہو جائے) کیونکہ اس راہ میں بہت لوگ تم پر قربان ہو چکے ہیں (اور خاک و خون میں آغشتہ ہو رہے ہیں اپنا دامن سب سے دور رکھنا چاہئے۔

عدم مواخذہ بر اہل شکر

بلسان اشارت خاک وخون سے مراد وہ امور ہیں جو غلبۂ حالت سکر وفنا میں خلاف ظاہر شرع صادر ہو جاتے ہیں کہ باوجودیکہ ان میں عذر مسموع ہے لیکن فی نفسہ تو ان میں آلودگی ونقصان ہے اس لئے خاک وخون سے تشبیہ دی گئی اور دامن سے مراد نظر والتفات ہے مطلب یہ کہ ایسے امور پر نظر نہ فرمائیے بلکہ ان کو معاف کر دیجئے کیونکہ اوروں پر بھی ایسی حالت گزری ہے اوران کے ساتھ معاملہ عفو کا کیا گیا ہے مجھ کو بھی امید ہے۔ خطاب کے پیرایہ میں یہ مسئلہ بتلانا منظور ہے کہ مغلوب الحال کی لغزشیں معاف ہوتی ہیں جیسا کہ مجنون شرعاً غیر مکلف ہے پس اہل ظاہر کو ان پر اعتراض کرنے میں مبادرۃ نہ چاہئے۔ قالؒ

تا ببوسم ہمچو گردون خاک ایوان شما	ای شہنشاہ بلند اختر خدارا ہمتے

یعنی اے بادشاہ بلند اقبال خدا کے لئے ایک توجہ فرمائیے تاکہ (اس کی برکت سے) آپ کے ایوان کی خاک کو بوسہ دوں جس طرح آسمان اس کو بوسہ دیتا ہے ف شہنشاہ سے مراد یا محبوب حقیقی ہے اور بلند اختر مجازاً بمعنی عالی صفات لے لیا اور خدارا میں وضع مظہر موضع مضمر ہے یعنی برای خود۔ اور یا مراد مرشد ہے مجموعہ ہر دو توجیہ کا حاصل یہ تعلیم ہے کہ

مجاہدہ محضہ وصول الی المطلوب کے لئے کافی نہیں بلکہ عنایت حق وتوجہ اہل اللہ اس میں زیادہ موثر ودخیل ہے سو مجاہدہ پر مغرور نہ ہو۔

بے عنایات حق و خاصان حق	گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

قالؒ

میکند حافظ دعائے بشنو و آمین بگو	روزی ما با دلعل شکر افشان شما

یعنی حافظ ایک دعا کرتا ہے تم آمین کہنا وہ دعا یہ ہے کہ خدا کرے ہم کو تمہارا لب شکر افشان نصیب ہو ف خطاب ہے مطلوب حقیقی کی طرف اور آمین کہنا کہ کلمہ استجابت ہے کنایہ ہے استجابت سے مطلب یہ کہ آپ کا وصل میری تمنا و دعا ہے آپ اس کو مستجاب فرمالیں۔ اس میں بھی تعلیم ہے کہ اپنے مجاہدہ پر مغرور نہ ہو بلکہ جناب باری تعالیٰ سے التجا وتضرع کرتا رہے فقط۔ غزل۔ قالؒ

دل میرودز دستم صاحبدلان خدارا	دردا کہ راز پنہان خواہد شد آشکارا

یعنی میرے ہاتھ سے دل نکلا جاتا ہے اے صاحبدلو خدا کے واسطے (سنبھالو) ہائے افسوس کہ (اب راز نہانی (دل کا) ظاہر ہو جائے گا (حالانکہ اس کا پوشیدہ کرنا مصلحت ہے)

ف: اس میں اشارہ ہے کہ احوال باطنی کا ضبط و اخفا زیادہ بہتر ہے اس میں چند مصلحتیں ہیں اول اس صورت میں ترقی زیادہ ہوتی ہے دوم اظہار میں احتمال ہے کہ مدح و اعتقاد عوام سے عجب و پندار پیدا ہو جائے۔ سوم بعض امور کا اظہار موجب فتنہ عوام بوجہ ان کی بے علمی کے ہو جاتا ہے اور نیز اس سے لازم آیا کہ مغلوب الحال ہونے سے غالب علی الحال ہونا زیادہ افضل واکمل ہے وجہ لزوم ظاہر ہے کہ مغلوب الحال اخفا پر کم قادر ہے۔ نیز اس میں اشارہ ہے کہ اگر کوئی حالت غالب ہو جس کے سبب ضبط سے عاجز ہو جائے تو شیوخ کاملین کی توجہ سے ضبط آسان ہو جاتا ہے جیسا کہ مشاہدہ ہوتا ہے پس اس سے اس کی تعلیم بھی لازم آئی کہ ایسے وقت اس کی خدمت میں رجوع اور عرض کرے۔ قالؒ

دہ روزہ مہر گردون افسانہ ایست وافسون	نیکی بجائے یاران فرصت شمار یارا

یعنی یہ چند روزہ مہربانی آسمان کی...... (یعنی مساعدت زمانہ کی جس سے تم صاحب

نعمت و حشمت ہو رہے ہو) ایک خواب وخیال (یعنی فنا ہو جانے والی چیز) ہے تو اے یار اپنے یاروں (اور رفیقوں) سے نیکی اور احسان کرنے کو غنیمت سمجھو...... (اور جو نفع کسی کو پہنچا سکو اس میں دریغ نہ کرو) اس میں تعلیم ہے......خدمت خلق اللہ کی کہ سالک کے لئے ازبس نافع ہے......دو وجہ سے اول اس میں خوگر ہوتا ہے تواضع کا......جس کی صفا باطن کے لئے سخت ضرورت ہے......کیونکہ کبر اور خودی اعلیٰ درجہ کا حجاب ہے......دوسرے جن لوگوں کی خدمت کرے گا ان کو راحت پہنچے گی......اور وہ دل سے اس کے لئے دعا کریں گے ......اگر کسی اخلاص مند کی دعا کارگر ہوگئی......اس کا کام بن گیا......شیخ نے اسی کو فرمایا ہے۔

طریقت بجز خدمت خلق نیست	بہ تسبیح وسجادہ و دلق نیست

مگر یہ یاد رہے کہ ضرورت خدمت سے زیادہ اختلاط نہ کرے کہ وہ منافی عزلت کے اور مضرات باطن سے ہے اور سالک کے لئے عزلت ضروری ہے۔اور یہ توجیہ بعید ممکن ہے کہ شیوخ کو خطاب ہو کہ تم کو کمال کا ناز نہ چاہئے طالبین کے ساتھ ملاطفت و توجہ رکھو۔قالؒ

کشتی شکستگانیم ای باد شرط برخیز	باشد کہ باز بینیم آن یار آشنارا

یعنی ہماری کشتی (مثل) شکستہ (کے) ہوگئی...... (کہ جس طرح اس کے سوار چاروں طرف متحیر ہوتے ہیں......اسی طرح ہم ہیں گو واقع میں کشتی شکستہ نہ ہوئی ہو......کیونکہ آگے کہتے ہیں کہ) اے باد موافق اٹھ (اور چل سو یہ قرینہ اس مجاز مذکور کا ہے......ورنہ ظاہر ہے کہ باد موافق کشتی شکستہ کو کیونکر چلا سکتی ہے) شاید کہ ہم (کشتی کے پار لگنے سے منزل مقصود تک پہنچ جائیں......اور) اس یار آشنا یعنی محبوب کو دیکھ لیں......اور بعض نسخوں میں ہے کشتی نشستگانیم......اس کی دو توجیہیں ہو سکتی ہیں......ایک یہ کہ کشتی مانشستہ است یعنی مثل اس کشتی کے ہے جو دھنس گئی ہو کہ چلتی نہیں......اسی طرح ہوائے موافق نہ ہونے سے وہ نہیں چلتی گو واقع میں دھنسی نہیں اس مجاز کا قرینہ بھی وہی ہے کہ دھنسی ہوئی کشتی کو ہوا کیسے چلائے گی......دوسری توجیہ یہ کہ در کشتی نشستہ ایم یعنی سفر کیلئے تیار ہیں......اب اسباب موصلہ کی ضرورت ہے۔ف ہر تقدیر پر باد شرط سے اشارہ ہے توجہ و تعلیم مرشد کامل کی طرف کہ عقبات سلوک سے اس کی بدولت گزرتا ہے......اور باز بینیم میں اشارہ ہے اس طرف کہ

اصلی حالت روح کی مشاہدہ حق تھا ......مگر تعلقات کی ظلمت حجاب شہود ہوگیا تھا ......ریاضت اور سلوک سے پھر مشاہدہ اصلیہ عود کرآ تا ہے......مگر اتنا فرق ہے کہ مشاہدہ اولی ناقص اور نا قابل ترتب اجر وقرب ہے۔لیکن نفس مشاہدہ امر مشترک ہے......اس لئے باز کہہ دیا......اور یہ بھی ایک محمل ہے منجملہ محامل قول مشہور کے......النہایۃ ہوالرجوع الی البدایۃ اور دوسرا محمل باعتبار ظاہری حالت کے ہے کہ منتہی کا حال بوجہ تمکن کے ظاہراً مثل مبتدی خالی عن الاحوال کے ہوجاتا ہے......تیسرا محمل باعتبار کیفیت معرفت کے ہے کہ جس طرح ابتداء میں معرفت ساذج ہوتی ہے......الوان وقیود سے اسی طرح انتہا میں بوجہ کمال تحقیق وحذف قیود خیالیہ کے ہوجاتی ہے......البتہ توسط میں بسبب تلوین کے ہمیشہ خیالات وتصورات بدلتے رہتے ہیں من لم یذق لم یدر والعاقل تکفیہ الاشارۃ۔قالؒ

درحلقۂ گل ومل خوش خواند دوش بلبل	ہات الصبوح حیوایا ایہا السکارا

یعنی گل اور شراب کے مجمع میں (مراد یہ کہ محبوب اور محبت کی مجلس میں) شب گزشتہ میں بلبل نے (مراد یہ کہ عاشق نے) خوب بات کہی کہ (اے ساقی) صبوحی (یعنی شراب صبح یا مطلق شراب) دے (اور) اے مستو آؤ (اور جو شراب ملے پیو)

طلب مزید۔ اشارہ اس طرف ہے کہ سالک کو چاہئے کہ ہمیشہ مزید کا طالب رہے ......اور جو حال باطنی بھی حاصل ہو اس پر قناعت نہ کرے......چنانچہ ہات الصبوح اس طرف مشیر ہے......اور نیز یہ اشعار ہے کہ دوسرے سالکوں کی حالت محمودہ دیکھ کر خوش ہو اور ان کی مزید نعمت میں راغب ہو۔

مسرت بردولت طالبان۔ حیوایا ایہا السکارا اس کا مشعر ہے ایسا نہ کرے......جیسے بعض نوآموز جاہل ہوتے ہیں......کہ اگر کسی کی اچھی حالت دیکھ لیتے ہیں......تو حسد کرنے لگتے ہیں یا خود ذرا قلب میں گداز پاتے ہیں......تو مغرور ہوکر اسی کو انتہائی کمال سمجھنے لگتے ہیں ......پس حیوایا ایہا السکارا بلسان حال ہے اور یہ مراد نہیں کہ لسان قال سے لوگوں کو اس کی ترغیب دیتا پھرے......کیونکہ یہ عمل مبتدی کے لئے موجب شہرت ومضر ہے......خوب یاد رکھو۔قالؒ

ای صاحب کرامت شکرانہ سلامت روزی تفقدی کن ...... درویش بینوا را قولہ شکرانہ

اے بشکرانہ......یعنی اے صاحب اعزاز (اپنی) صحت سلامتی کے شکرانہ میں کسی دن تو درویش بینوا کی خبر لے لو۔ توجہ

برحال طالبین۔ مطلب یہ ہے کہ صاحب کمال کو طالبین سے استغنا مناسب نہیں ......جیسا کہ بعض کی عادت ہے......بلکہ اس شکریہ میں کہ خدا تعالیٰ نے سب کدورات وظلمات نفسانیہ سے سالم وناجی کر دیا......دوسرے حاجت مندوں کی تربیت کی طرف توجہ بلیغ کرنا چاہئے......جیسا کسی زمانہ میں خود بھی چاہا ہوگا کہ کاملین میرے حال پر توجہ فرمائیں۔ قالؒ

آسایش دوگیتی تفسیر این دوحرف است	با دوستان تلطف با دشمنان مدارا

الفاظ کا ترجمہ ظاہر ہے کہ......دوستوں کے ساتھ تلطف اور دشمنوں سے مداراة ......کرنے سے دونوں جہان کی آسایش نصیب ہوتی ہے (دنیا کی تو ظاہر ہے......اور آخرت کی اس لئے کہ یہ خوش اخلاقی ہے......اور خوش اخلاقی آخرت میں نافع اور موجب ثواب ہے)

قطع تعلقات مشوشہ

تلطف سے اختلاط مراد نہیں......بلکہ اگر مل جائیں تو ان سے رفق وترحم برتنا......اور مداراة کہتے ہیں دفع الوقتی کو......مراد یہ ہے کہ سالک کو تعلقات بڑھانا نہ چاہئے ......نہ دوستی کے نہ دشمنی کے کہ دونوں وقت اور قلب کے مشغول کرنے والے ہیں ......پس نہ دوستوں سے اختلاط نہ دشمنوں سے مخالفت کا برتاؤ کرے......کہ یہ بجائے خود ایک مستقل شغل ہو جائے گا......جو جان کو وبال لگ جائے گا اور ذکر اللہ میں خلل انداز ہوگا......بلکہ دوست مل جائیں تو ان سے صرف جان بچانا ثابت نہ ہو......ورنہ پھر وہ اس کی تحقیق وتفتیش میں لگیں گے اور دشمن مل جائے......تو اس سے ظاہری اخلاق برتے......تا کہ اس کا ہیجان نہ بڑھے......ورنہ وہ اس کی ایذا کے درپے ہوگا......اور یہ اپنی حفاظت میں لگے گا......غرض ہر طرح وقت ضائع جائے گا......مولانا نے خوب فرمایا ہے۔

خود چہ جائے جنگ وجدل نیک وبد	کاین دلم از صلحہا ہم میرمد

قالؒ

درکوی نیک نامی مارا گذر ندادند	گر تو نمی پسندی تغییر کن قضارا

عدم اعتراض بر طبق ترتیب

ترجمہ ظاہر ہے اور اشکال بھی ظاہری معنی پر قوی ہے......لیکن حقیقت کلام سمجھنے کے بعد کچھ اشکال نہیں...... حاصل اس کا یہ ہے کہ طالبین میں ہر ایک کی استعداد فطری جدا ہوتی ہے......اور اسی استعداد کے موافق ہر ایک کی تربیت علیحدہ علیحدہ طور پر کی جاتی ہے مثلاً کسی پر بےخودی غالب کرتے ہیں...... کسی کو افاقہ دیتے ہیں......اور ان ہی احوال کے اختلاف سے ہر ایک سے بعضے افعال بھی مختلف صادر ہوتے ہیں......اور گو وہ افعال سب ہوتے ہیں دائرہ اباحت شرعیہ کے اندر......لیکن ان میں بعض شان اہل تکمیل کے خلاف ہوتے ہیں ......جن کا غیر مقتدا سے صادر ہونا مضر عامہ خلق بھی نہیں ہوتا......اس لئے وہ ان کے لئے نہ بالذات ممنوع ہیں نہ بالغیر مثلاً نماز کے اندر غلبہ حال سے آواز گریہ کی نکل جانا کہ بے اختیاری کی حالت میں مباح ہے......لیکن نماز کی ہیئت جس ادب کو مقتضی ہے اس کے خلاف ہونے کی وجہ سے ظاہر نظر میں قابل ملامت ہے......سو ممکن ہے کہ کسی شخص کی استعداد اسی کو مقتضی ہو کہ ملامت سے اس کو باطنی نفع ہوگا...... بوجہ اس کے کہ تذلل معالجہ ہے کبر نفس کا......مثلاً پس جو شخص فن تربیت کے اصول سے ناواقف ہے وہ بعض اوقات ان امور پر...... باوجود ان کے انطباق علی الشرع کے اعتراض کرنے لگتا ہے......اس شعر میں اس شخص کی تعلیم ہے کہ قضائے الٰہی جو ہماری تربیت باطنی کے ساتھ متعلق ہوئی ہے......اس میں ہمارے لئے بدنامی کے افعال مقدر ہیں......گو بددینی کے نہیں سوائے معترض......اگر تو اس کو پسند نہیں کرتا تو اس قضا کو مبدل کر دے......جس سے تو محض عاجز ہے...... جب عاجز ہے تو اعتراض ترک کر دے......پس اس شعر میں جبر کا ہرگز کوئی شائبہ نہیں ...... کیونکہ قضا سے مراد ہر قضا نہیں......باقی مطلق قضا کے اعتبار سے اگر کوئی شخص خود اپنی طرف سے ایسی تقریر کرے......تو وہ ایک مسئلہ مستقلہ ہے......جس کے حل کا یہ مقام نہیں۔قالؒ

آئینۂ سکندر جام جم است بنگر	تا بر تو عرضہ دارد احوال ملک دارا

منقول ہے کہ دارا دو شخص ہوئے ہیں......ایک دارائے اکبر جو جمشید کا مقابل تھا

......دوسرا دارائے اصغر جو سکندر واضع آئینہ کا مقابل تھا جمشید نے ایک جام طلسمی بنایا تھا ......جس میں دور کی چیزیں منکشف ہوتی تھیں ......اور غرض اس سے دارائے اکبر کی تدبیرات و سامان وغیرہ کا دریافت کرنا تھا......تاکہ ہر تدبیر کے مقابل مناسب تدبیر کرلے......پس ظاہری معنی تو یہ ہیں کہ آئینہ سکندری بمنزلہ جام جم کے ہے......اس کو دیکھا کروتا کہ تم کو دارا کے ملک کا سارا حال بتلا دیا کرے......اور بلسان اشارت آئینۂ سکندر سے مراد سالک کا قلب جو باعتبار انکشاف علوم و معارف کے......آئینۂ سکندر جام جم کے مشابہ ہے......اور دارا سے مراد سلطان عشق جو بوجہ تسلط و استیلاء کے ایک بادشاہ سے تشبیہ دیا گیا......اور بوجہ عافیت سوز ہونے کے اس تشبیہ میں خصوصیت دارا کا لحاظ کیا گیا......وجہ شبہ مطلق ضرر رسانی ہے......قطع نظر حقیقی و صوری ضرر سے......اور اس دارا کا ملک خود اس عشق کے افعال اور تصرفات اور احوال سے مراد جو ان افعال سے آثار و ثمرات پیدا ہوتے ہیں......خلاصہ یہ کہ قلب میں دو شعبے ہیں......ایک معرفت کا دوسرا عشق کا......پس فرماتے ہیں کہ ذکر اللہ کی برکت و اثر سے قلب پر جو علوم و معارف وارد ہوتے ہیں......ان میں مراقب ہوا کرو تا کہ عشق کے تصرفات سے قلب میں جو ثمرات حالیہ پیدا ہوتے ہیں......وہ تم کو مشاہد ہوں تا کہ ان نعمتوں کا شکر موجب ترقی ہو......ف اس میں یہ بتلا دیا کہ واردات علمیہ کا مشاہدہ واردات حالیہ کی تقویت کا سبب ہوتا ہے۔ قالؒ

سرکش مشو کہ چون شمع از غیرتت بسوزد	دلبر کہ درکف او موم ست سنگ خارا

دلبر فاعل ہے بسوزد کا......اور جملہ درکف او الخ صفت ہے دلبر کی......مطلب یہ کہ سرکشی اور کبر مت کرو......کبھی تم کو محبوب حقیقی (جس کی یہ صفت ہے کہ......اس کی ہیبت سے سنگ خارا بھی موم ہو جاتا ہے) غیرت کی وجہ سے......جو کہ معاصی عباد پر ظاہر ہوتی ہے سوختہ کردے......جس طرح شمع سرکشی کرتی ہے......اور سوختہ ہوتی ہے......غرض کبر کی مذمت ظاہر ہوئی......اور شمع کی مثال محض تنظیر ہے تمثیل نہیں......کیونکہ شمع کا جلنا کسی معصیت سے نہیں......اور بلسان معنوی سالک کو عجب و پندار سے منع فرماتے ہیں......یا واصل کو ناز بیجا سے کہ طالبین کے ساتھ کیا جائے روکتے ہیں......اور اس معنی میں بسوزد سے

اشارہ ہوگا......اختلال یا سلب احوال کی طرف......نعوذ باللہ۔ اور جو اعراض یا انکار یا تشدد طالب کی اصلاح یا امتحان کی غرض سے بقدر ضرورت ہو......وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ قالؒ

گر مطرب حریفان این پارسی بخواند	در وجد و حالت آرد پیران پارسارا

حریفان یاران......این پارسی یعنی کلام حافظ کہ مشتملبر مضامین عشق است......مراد مطلق مضامین عشقیہ......مطلب ظاہر ہے کہ اگر مطرب اس کلام عشقی کو پڑھ کر سنائے......تو بڑے بڑے پارساؤں کو جو بڑے خوددار ہیں......وجد میں لے آئے بوجہ اپنے موثر ہونے کے......اور معنی مقصود اشارہ کرنا ہے......مضامین عشق کے موثر ہونے کی طرف......جو کہ مرشد کے منہ سے نکلتے ہیں......کہ اس سے زہد خشک جس میں دعویٰ و پندار ہو جاتا رہتا ہے......اس ضمن میں تعلیم ہے اہل عرفان کے پاس آنے جانے......اور ان کے کلام سننے کی تاکہ اپنے اندر بھی جذبہ عشق پیدا ہو جائے۔ قالؒ

آن تلخوش کہ صوفی ام الخبائثش خواند	اشہیٰ لنا واحلیٰ من قبلۃ العزاری

ترجمہ لفظی تو یہ ہے کہ وہ شراب تیز کہ صوفی اس کو ام الخبائث کہتا ہے......ہم کو دوشیزہ لڑکیوں کے بوسہ سے بھی زیادہ مرغوب اور شیرین معلوم ہوتی ہے......اور بلسان معنوی تلخوش سے مراد مجاہدہ و نفس کشی ہے......جو نفس پر گران و تلخ گزرتا ہے......اور صوفی سے مراد زاہد خشک مدعی تقوی......اور ام الخبائث سے مراد مطلق معصیت......مطلب یہ کہ مجاہدہ و نفس کشی کو زاہد اہل ظاہر معصیت کہتا ہے بوجہ اس کے کہ ظاہرا تہلکہ ہے......جس کی ممانعت آئی ہے......ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ الآیہ......لیکن ہم کو اس میں بوجہ غلبہ محبت کے یا بامید وصول الی المقصود کے لذت آتی ہے......اس عنوان میں ظاہر پرست کے استدلال کا جواب بھی ہو گیا......کہ ممنوع ہونے کی علت تہلکہ ہے......اور جس کو اس میں لذت آتی ہو......اس کے لئے تہلکہ کیوں ہوگا......پس ممنوع بھی نہ ہوگا......تحقیق اس میں یہ ہے کہ مجاہدہ بمعنی تکثیر عبادات و تقلیل لذات......اگر اس مرتبہ تک ہے کہ حقوق واجبہ نفس کے بھی فوت ہو جائیں......یا ترک لذات کو قربت مقصودہ سمجھنے لگے......تب تو معصیت و بدعت ہے......جیسا حدیث میں ہے......ان لجسدک علیک حقا وان لعینک

علیک حقا الحدیث اور قرآن میں ہے...... لاتعتدوا الآیہ اور یہ واقعی تہلکہ میں داخل ہے......اور جس میں صرف حظوظ فوت ہوں......اور اس کو معالجہ سمجھے وہ خود مقاصد شرع سے ہے......اور اس میں لذت آنا اور زیادہ سلامت قلب و انشراح صدر و نورانیت روح کی دلیل ہے......کہ سنن شرعیہ مثل مرغوبات طبعیہ کے ہو گئے......کم فہم دونوں میں خلط کر دیتا ہے......اس شعر میں اس کی اصلاح ہے۔قالؒ

ہنگام تنگدستی درعیش کوش و مستی	کاین کیمیای ہستی قارون کند گدارا

ترجمہ لفظی تو ظاہر ہے کہ تنگدستی کے وقت مغموم مت ہو...... بلکہ عیش و مستی میں کوشش کرو یعنی خوش رہو...... کیونکہ یہ خوشدلی جس کو کیمیائے ہستی تشبیہاً کہہ دیا گدا و مفلس کو بھی غنی کر دیتی ہے...... کیونکہ اصل غنا غنائے قلب ہے......اگر یہ فقر میں بھی حاصل ہے تو غنا ہے اور اگر غنائے ظاہری میں یہ نہ ہو تو وہ فقر ہے......اور بلسان معنوی تنگدستی سے اشارہ ہے ......قلت واردات قلبیہ کی طرف......جس کو قبض کہتے ہیں......اور عیش و مستی سے مراد بسط

اس کا وہ مطلب ہے جیسا مولانا فرماتے ہیں۔

چونکہ قبض آمد تو دروے بسط بین	تازہ باش و چین میفگن برجبین
چونکہ قبضے آیدت اے راہ رو	آن صلاح تست آلیس دل مشو

آگے اس کی علت فرماتے ہیں کہ یہ عیش و مستی......یعنی حالت قبض میں بھی خوش رہنا ......اور دلگیر نہ ہونا غیر صاحب واردات کو قرب الٰہی میں مثل صاحب واردات کے بنا دیتا ہے ......یعنی اصل مقصود قرب الٰہی ہے......اور وہ واردات پر موقوف نہیں...... بلکہ صاحب واردات کا قرب بوجہ تعلق و نسبت مع اللہ کے ہے......پس اگر صاحب قبض اپنی حالت پر صابر شاکر رہا......اور اس میں مصلحت و حکمت سمجھ کر راضی رہا......اور اللہ تعالیٰ کی قضا سے تنگ نہ ہوا......تو اس کو بھی قرب حاصل رہا......بخلاف اس کے کہ راضی بقضا نہ ہوا......اور اس سے بڑھ کر یہ کہ شکوہ شکایت کرنے لگا تو بعید ہو جائے گا......جیسا کہ صاحب بسط اگر عجب میں مبتلا ہو گیا......تو وہ بھی بعید ہو جائے گا...... بلکہ بوجہ اس کے کہ قبض میں انکسار و اضمحلال وجود زیادہ ہے......اور یہ خود مقاصد طریق سے ہے......من وجہ بسط سے بھی ارفع وانفع ہے۔قالؒ

خوبان پارسی گو بخشندگان عمرند	ساقی بدہ بشارت پیران پارسا را

مطلب ظاہری تو یہ کہ فارس کے معشوقوں کو بخشندگان عمر کہنا چاہئے...... کیونکہ ان کے دیکھنے سے فرحت ہوتی ہے...... اور فرحت سے عمر کا لطف بڑھتا ہے...... اے ساقی فارس کے بوڑھوں کو جن کی عمر ظاہرا قریب ختم ہے...... بشارت دو کہ تمہارے پاس ہر وقت دیکھنے کے واسطے ایسے محبوب موجود ہیں...... ان کو دیکھنے سے تمہاری عمر بھی بڑھ جائے گی...... اور پیران فارس کی تخصیص اسی قرب کی وجہ سے کی گئی...... اور بلسان اشارت خوبان سے مراد تجلیات جو سالک کے قلب پر ہوتی ہے...... اور پیران فارس سے مراد سالکین اور عمر بخشی انشراح و سرور اور ساقی سے مراد مطلق مبشر...... مطلب یہ کہ تجلیات سے سالک کو بڑی فرحت ہوتی ہے...... اور اس سے قلب کو تقویت ہوتی ہے...... بالخصوص غیر واصل کو کہ اس سے مجاہدہ میں سرگرم ہو کر مشرف بہ ترقی ہوتا ہے...... **کما قال الجنیدؒ فی بعض هذه الواردات تلک خیالات تربی بها المفال الطریقة**...... گو وہ مقصود نہ ہوں ...... جیسا اس کے قبل شعر میں بیان ہوا ہے...... لیکن محمود ضرور ہیں اگر خلاف کتاب و سنت نہ ہوں گویا اس شعر میں بسط کی حکمت کا بیان ہے...... جیسا اوپر قبض کے متعلق بیان تھا پس مجموعہ میں تعلیم ہوگئی کہ...... اگر بسط ہو اس میں بھی خوش رہو...... کہ اس میں خاص حکمتیں ہیں...... اور اگر قبض ہو اس میں بھی راضی رہو کہ وہ بھی حکمت سے خالی نہیں ...... اور جاننا چاہئے کہ اوپر بھی ایک شعر کے قافیہ میں پارسا آیا ہے...... لزوم تکرار قافیہ سے بچنے کے لئے بعض نے وہاں فارس کے اور یہاں پارسا کے معنی لئے ہیں...... لیکن میں نے عکس مناسب سمجھا...... کیونکہ مضمون عشق سب کو عام ہے...... اور یہاں قرب مخصص ہے۔ قالؒ

حافظ بخود نپوشید این خرقہ می آلود	ای شیخ پاک دامن معذور دار ما را

مطلب ظاہری یہ کہ یہ شراب آلودہ خرقہ میں نے خود نہیں پہنا...... بلکہ مقدر یہی تھا ہم کو معذور سمجھو...... یعنی مثل معذور کے ہمارے ساتھ معاملہ کرو...... اس باب میں کہ اپنا ترفع اور تقویٰ جتلا کر ہم کو براہ کبر حقیر مت سمجھو...... اس تقریر سے شبہ جبر رفع ہوگیا...... اور جو انکار بطور اصلاح ہو وہ (اس سے خارج ہوگیا...... کہ وہ ضروری اور سنت انبیاء علیہم السلام

ہے۔ اور بلسان معنوی خرقہ می آلود اشارہ ہے مشرب ملامتی کی طرف نہ باین معنی کہ خلاف شرع امور کے مرتکب ہوں ...... بلکہ خلاف وضع اور خلاف شان امور اختیار کریں بعض کے لئے شیخ کامل اس کو بعض مصالح سے تجویز کرتا ہے۔ ...مثلاً ایک شخص میں کبر دیکھا اس کے لئے یہ تجویز کیا ...... یا ایک شخص کو ہجوم خلق سے ضرر ہوگا ...... یا تنگ مزاجی کی وجہ سے ہجوم میں خلق کو اس سے ضرر ہوگا ...... یا کسی کی استعداد نور بصیرت سے معلوم ہوگئی کہ تذلل سے وہ واصل الی المقصود ہوگا ...... یا ایسی ہی اور کوئی حکمت ہو ...... اس لئے اس کے واسطے یہ مشرب تجویز کیا جاتا ہے ...... پس فرماتے ہیں کہ یہ طریق میں نے اپنی رائے سے اختیار نہیں کیا ...... بلکہ میری استعداد کا مقتضا یہی ہے کہ میری یہ حالت رہے ...... اس لئے ہم کو معذور رکھو ...... کوئی یوں نہ سمجھے کہ ملامت سے تو خوش ہونا چاہئے ...... معذور رکھنے کی درخواست کیوں کرتے ہیں ...... اصل یہ ہے کہ یہاں معترض کی غلطی کا بتلانا ہے ...... اور یہ تو یہ بھی جانتے ہیں کہ معترض کبھی معذور نہ رکھے گا ...... اس غلطی بتلانے سے طالبان حق کو نفع علم حقیقت کا ہوجاتا ہے ...... اور پاکدامن باعتبار دعویٰ اس شخص کے کہہ دیا جو مشیخت اور تقدس کا مدعی ہے ...... گو واقع میں نہ ہو۔ قالؒ

غزل

ساقی بنور بادہ برافروز جام ما	مطرب بگو کہ کار جہان شد بکام ما

مطلب ظاہری ظاہر ہے کہ ...... اے ساقی نور شراب سے ہمارا پیالہ روشن کردے ...... یعنی شراب تابان بھردے کہ پیالہ روشن ہوجائے ...... اور اے مطرب (خوشی کا یہ نغمہ) کہہ دے ...... کہ دہر کا تصرف ہمارے مقصود کے موافق ہوگیا ...... یعنی ہم کامیاب ہوگئے۔ اور بلسان اشارت مصرع اولی میں مرشد سے درخواست کرتے ہیں ...... کہ شراب محبت و عشق سے ہمارا قلب لبریز کردے ...... یعنی عشق حقیقی عطا فرما ...... اور مصرع ثانیہ میں اس طلب کی کامیابی پر خوشی ظاہر کرتے ہیں ...... خلاصہ یہ کہ ہدایت کے مرتبہ ابتدائی کے حصول پر مسرور ہیں ...... اور اس کے مرتبہ انتہائی کے وصول کے متمنی ہیں ...... واللہ اعلم مقصود ترغیب ہے ...... دوام طلب پر اور تعلیم شکر ہے حصول مقصود پر۔ قالؒ

ما در پیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم	ای بے خبر ز لذت شرب مدام ما

مطلب ظاہری ظاہر ہے...... کہ شراب خواری پر ملامت کرنے والے کو جواب ہے ...... کہ پیالہ شراب میں روئے محبوب کا عکس ہم کو نظر آیا تھا...... اس لئے شراب پیتے ہیں تو کیا جانے...... اور بلسان اشارت پیالہ سے مراد قلب جیسا شعر بالا میں تھا...... حاصل یہ کہ اے وہ شخص جو آثار عشق سے بے خبر ہے...... ہم کو جو غلبہ سکر کی حالت میں بعض امور غیر قابل اظہار کے اظہار پر ملامت کرتا ہے...... تجھ کو اس کی خبر نہیں کہ ہمارے قلب پر ...... بعض تجلیات الٰہیہ وواردات غیبیہ کا غلبہ ہوا...... اس نے ہم کو مغلوب کر دیا...... اور اظہار راز ہو گیا اگر تجھ کو خبر ہوتی تو ہم کو معذور سمجھتا...... مقصود ارشاد ہے کہ اہل حال کے ایسے اقوال وافعال کی...... جو گاہے صادر ہو جائیں...... تاویل مناسب ہے۔ قالؒ

چندان بود کرشمۂ وناز سہی قدان	کاید بجلوہ سرو صنوبر خرام ما

مطلب لفظی تو یہ ہے کہ...... اور محبوبوں کا کرشمہ وناز ہمارے محبوب کے جلوہ گری شروع کرنے تک ہے...... جس وقت وہ جلوہ افروز ہو جائے گا...... سب کے ناز وکرشمہ ختم اور بیقدر اور گم ہو جائیں گے...... اور مطلب معنوی یہ ہے کہ محبوبان مجازی اسی وقت تک محبوب اور دلربا معلوم ہوتے ہیں...... کہ محبوب حقیقی کا جمال کسی کے قلب پر متجلی نہیں ہوتا...... اور جس وقت اس کا مشاہدہ ہو جاتا ہے...... پھر سب کا حسن وجمال لاشی معلوم ہونے لگتا ہے...... پس اس میں تعلیم ہے کہ عشق حقیقی حاصل کرو...... تاکہ مجاز کی طرف التفات نہ رہے۔ قالؒ

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق	ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

مطلب لفظی تو بہت ظاہر ہے کہ...... عاشق کا ذکر خیر مرور دہور تک قائم رہتا ہے...... اور مطلب معنوی بھی زیادہ خفی نہیں...... یعنی جس کو عشق حقیقی سے روحانی حیات حاصل ہو گئی ...... وہ اگر مر بھی جائے تو واقع میں بوجہ اس کے کہ لذت قرب علی وجہ الکمال...... اس کو حاصل ہو جاتی ہے...... اس لئے اس کو زندہ کہنا چاہئے...... اور یوں تو مرنے کے بعد عوام مومنین بھی بایں معنی زندہ ہوتے ہیں...... لیکن زیادہ تقرب کی وجہ سے اس عاشق کو ترجیح ہے ...... اس مرتبہ میں تخصیص کی گئی اور کفار بھی زندہ رہتے ہیں...... لیکن چونکہ وہ حیات مقرون

بالعذاب موت سے بھی بدتر ہے..... لہٰذا قابل شمار نہیں..... مقصود ترغیب ہے..... محبوب حقیقی کی محبت کی تحصیل کی۔ قالؒ

مستی بچشم شاہد دلبند ماخوش ست	زان روسپردہ اند بمستی زمام ما

مراد لفظی تو یہ ہے کہ مستی ہمارے محبوب کی چشم کے لئے زیبا ہے..... اس لئے ہم کو اس مستی کے حوالہ اور اس کا مسخر کیا گیا..... کہ وہ مست و مستغنی رہے..... اور ہم پست اور اسکے محتاج رہیں..... اور مراد معنوی میں مستی سے اشارہ صفت غنا کی طرف..... اور چشم سے اشارہ ذات کی طرف..... اطلاقاً للجزء علی الکل مراد یہ کہ غنا محبوب حقیقی کو زیبا ہے..... اور عبد کے لئے تو احتیاج اس کے لوازم ذات سے ہے..... اس لئے ہم اس کی صفت غنا کے محتاج اور اس کے ساتھ وابستہ کئے گئے..... مقصود تعلیم ہے کہ عبد کو گا ہے آثار عبدیت کا چھوڑنا اور خواص الوہیۃ کا دعویٰ کرنا..... جیسا کہ مدعیان کاذب یا صوفیان خام کا شیوہ ہے طریق وصول کے موانع سے ہے..... اور جاننا چاہئے کہ غنائے ذات کے معنی بعضے یہ سمجھتے ہیں..... کہ حق تعالیٰ کو نعوذ باللہ خلق کی طرف توجہ اور ان پر نظر نہیں..... اس معنی کو آیات و احادیث رحمت و رافت تصریحاً رد کرتی ہیں..... نعوذ باللہ منہ بلکہ غنا مقابل احتیاج کے ہے..... حاصل اس کا یہ ہے کہ وہ کسی کے محتاج نہیں..... پس اس صفت سے تو عنایت کی زیادہ امید ہوتی ہے..... کیونکہ وہ جب کسی کے محتاج نہیں تو ہمارے اعمال سے نہ ان کا نفع..... نہ ان کا ضرر اور رحمت ان کی ثابت..... پس امید ہے کہ ہماری تقصیرات زیادہ معاف ہو جائیں..... بخلاف اس شخص کے جو کہ متضرر ہوتا ہو..... وہاں احتمال ہوتا ہے کہ ہمارے افعال سے اس کو مضرت پہنچے..... اس لئے معافی کی امید نہیں..... اسی طرح طاعات کے قبول ہونے کی زیادہ امید ہے..... گو وہ زیادہ خالص نہ ہوں..... بخلاف اس شخص کے جو ہماری خدمت سے منتفع ہوتا ہو..... چونکہ اعمال غیر کاملہ سے اس کو کم نفع پہنچتا..... اس لئے عوض بھی ہم کو کم ملتا۔ قالؒ

ترسم کہ صرفۂ نہ بردروز باز خواست	نان حلال شیخ ز آب حرام ما

صرفہ بردن بصلہ از بمعنی غلبہ بردن..... روز باز خواست..... قیامت کہ دران از اعمال پرسش..... وسوال واقع شود..... معنی یہ ہیں کہ گو ہم گنہگار ہیں..... اور شیخ یعنی عابد اہل

ظاہر متقی ہے......لیکن ہم میں چونکہ عجز و مسکنت اور اعتراف بالتقصیر......اور اس عابد میں ریا و دعویٰ و تکبر اور دوسروں کی تحقیر پائی جاتی ہے......اس لئے مجھ کو یہ اندیشہ ہے کہ شاید شیخ کا تقویٰ......ہماری معصیت پر ذریعہ نجات ہونے میں غالب نہ آسکے......بلکہ مغلوب ہوجائے اور اس پر داروگیر ہونے لگے......اور ہماری تقصیرات سے درگزر ہوجائے ......مقصود منع ہے پندار سے نہ کہ گناہ پر جرأت دلانا......قالؒ

ای باد اگر بگلشن احباب بگذری	زنہار عرضہ دہ برجانان پیام ما
گو نام مازیاد بعمدا چہ می بری	خود آید انکہ یا دنیاری زنام ما

مدلول لفظی تو یہ ہے کہ ہوا کو خطاب فرضی کر کے کہتے ہیں......کہ اگر تیرا گزر گلشن احباب تک ہوجائے......جس کا سر مجلس محبوب ہے تو ضرور محبوب سے میرا پیام کہہ دینا......کہ میرا نام قصداً اپنی یاد سے کیوں دور کرتے ہو......یعنی مجھ کو قصداً کیوں فراموش کرتے ہو خود وہ وقت عنقریب آجائے گا......کہ میں مرجاؤں گا اس وقت میرا نام کبھی یاد نہ کروگے......پھر ابھی سے کیوں بھلادیا......اور مدلول معنوی یہ ہوسکتا ہے کہ قائل پر حالت قبض غالب ہے ......اور وہ توجہ مرشد سے احیاناً اور تعلیم مرشد سے اکثر......بلکہ دواماً دفع ہوجاتا ہے اس لئے حالت قبض میں تنگ ہوکر......مضطربانہ مرشد سے بعنوان شکایت عرض ہے......کہ حضرت میرے حال پر توجہ اور میری خبر گیری کیجئے......کیونکہ ابھی تک تو مرا نہیں جب مرجاؤں گا ......جب ہی رخ پھیر لیجئے......چونکہ قبض شدید میں گونہ معذور ہوتا ہے......اس لئے ایسے امور معاف ہیں......اور اس میں تعلیم بھی ہے......قبض میں رجوع الی المرشد کی۔قالؒ

بگرفت ہمچو لالہ دلم درہوای سرد	ای مرغ بخت کے شوی آخر تورام ما

مطلب لفظی تو ظاہر ہے......کہ جیسا لالہ خون ہوتا ہے اسی طرح میرا دل ایک سرو قامت کے عشق اور فراق میں......منقبض اور گرفتہ ہو گیا......اے طالع تو میرے موافق کب ہوگا......یعنی وصل محبوب کب میسر ہوگا......اور مدلول معنوی یہ ہے کہ حالت قبض میں تنگ ہوکر کہہ رہے ہیں کہ محبوب کے عشق میں بالکل خون درخون ہو گیا......خدا جانے وصول کب میسر ہوگا۔قالؒ

دریای اخضر فلک و کشتی ہلال	ہستند غرق نعمت حاجی قوام ما

شراح نے لکھا ہے کہ حاجی قوام کوئی وزیر تھا...... اس کے یہاں خواجہ حافظ کی دعوت تھی ...... کسی شوربا وغیرہ کے پیالہ میں آسمان اور ہلال کا عکس نظر آیا...... تو بر طریق مطایبہ کے خواجہ نے یہ مضمون فرمایا...... جو ترجمہ سے ظاہر ہے...... اور میرے نزدیک اس میں معنوی مراد ڈھونڈنا تکلف ہے...... گو یہ کہہ سکتے ہیں کہ حاجی قوام کنایہ مرشد سے ہے ...... اور مطلب یہ ہے کہ ہمارے مرشد کے فیوض باطنہ کے سامنے ظاہر عالم کے بڑے بڑے اجرام ہیچ ہیں...... کیونکہ یہ فانی ہیں اور وہ باقی ہے...... اور مقصود ترغیب ہو تحصیل کمال باطنی کی اور تعلیم ہو ترک التفات کائنات جسم کی...... کہ اشتغال ان کا مانع توجہ الی الحق سے ہے۔ قالؒ

حافظ زدیدہ دانۂ اشکے ہمے فشان	باشد کہ مرغ وصل کند قصد دام ما

یعنی اے سالک...... ہمیشہ گریۂ وزاری وطلب وبیقراری میں رہا کر...... امید ہے کہ وصل محبوب میسر آجائے...... اس میں تعلیم ہے کہ راہ نیاز اختیار کرنا چاہئے...... کہ وصول کا موقوف علیہ ہے...... ناز اور دعویٰ استحقاق اور عجب وخود بینی منجملہ مہلکات عظیمہ ورہزن طریق ہے واللہ اعلم۔ قالؒ غزل

صلح کار کجا ومن خراب کجا	ببین تفاوت رہ از کجاست تابکجا

مدلول الفاظ تو ظاہر ہے...... اور معنی مقصود یہ معلوم ہوتے ہیں کہ اعمال صالحہ و ذکر وشغل سے جو اکثر کم ظرف...... مبتدیوں کو عجب وپندار پیدا ہو جاتا ہے...... اس کا معالجہ بتلاتے ہیں...... حاصل یہ ہے کہ اس شخص کو چاہئے کہ صلاح کار کا تو اعلیٰ درجہ...... جو کہ مطلوب ہے پیش نظر رکھے...... اور پھر غور کر کے اپنی خرابیوں اور عیبوں اور ظاہری باطنی لغزشوں کو عجب کے وقت دیکھا کرے...... اس سے پھر گمان بزرگی اور کمال کا اپنی نسبت پیدا نہ ہوگا...... پس اس شعر میں تعلیم ہے...... سلوک کی۔ قالؒ

چہ نسبت است برندی صلاح وتقوی را	سماع وعظ کجا نغمۂ رباب کجا

اس کا مقصود بھی قریب قریب مقصود شعر سابق کے ہے...... کہ بعضے لوگ تھوڑے سے

اعمال حسنہ اختیار کر کے...... باوجود ارتکاب قبائح کے مغرور ہو جاتے ہیں...... حالانکہ صلاح و تقویٰ وسماع وعظ کو جس پر وہ نازاں ہیں...... رندی اور نغمہ رباب سے کہ وہ اس میں بھی جتلا ہوتے ہیں...... کیا نسبت کہ ان قبائح کے ہوتے ہوئے ان طاعات کا دعویٰ بے جا ہے۔ قالؒ

دلم زصومعہ بگرفت وخرقۂ سالوس	کجاست دیر مغان وشراب ناب کجا

صومعہ معبد یہود...... مراد مطلق معبد...... سالوس مکر...... مغان آتش پرستان...... ناب خالص...... یہاں اس عبادت ریائی کی مذمت ہے جس میں اخلاص نہ ہو...... اور ترغیب ہے صحبت اہل محبت اور تحصیل محبت وطاعت خالصہ کی...... تقریر شعر کی ظاہر ہے۔ قالؒ

بشد زیاد خوشش یاد روزگار وصال	خود آن کرشمہ کجا رفت وآن عتاب کجا

یہ شعر حالت قبض کا معلوم ہوتا ہے...... از یاد شدن فراموشی ونسیان کہ باعتبار معنی مجازی کنایت...... از ترک کما صرح بہ المفسر ون...... فی قولہ تعالیٰ نسیناھم۔ کرشمہ ادائے محبت عبارت از تجلی جمالی...... عتاب عبارت از تجلی جلالی...... حالت بسط میں جو کہ وصال کی ایک خاص صورت ہے...... جو قلب پر واردات ہوتے ہیں...... ان میں بعضی تجلیات جمالیہ ہوتی ہیں...... بعضی تجلیات جلالیہ...... اور ہر ایک میں سالک کو ایک خاص حظ ہوتا ہے...... اور دونوں آثار اس قرب ووصال خاص کے ہیں...... پس قبض میں وہ واردات جو منقطع ہو گئے اس لئے تنگ ہو کر کہتے ہیں...... کہ اس وصال وبسط کی حالت میں جو تجلیات وواردات ہوتے تھے کہاں گئے...... جاننا چاہئے کہ یہ تنگی طبعی واضطراری ہے...... ورنہ قبض میں ایک حالت رفیعہ اور ایک گونہ قرب ووصل ہے.... کما بین فی محلہ اور کامل جو قبض جملے تنگ ظاہر کرتا ہے...... مقصود وافتقار وانکسار ہوتا...... ہے نہ کہ شکوہ وشکایت کما قال العارف الرومی۔

دل ہمی گوید ازو رنجیدہ ام	وزنفاق سست او خندیدہ ام۔ فافہم

قالؒ

زروی دوست دل دشمنان چہ دریابد	چراغ مردہ کجا شمع آفتاب کجا

مدلول الفاظ ظاہر ہے کہ...... مخالفین کا قلب محبوب کے حسن و جمال کو کیا ادراک

کرے گا...... جیسا بجھے ہوئے چراغ کو شمع آفتاب یعنی آفتاب سے کوئی نسبت نہیں...... اسی طرح مدرک و مدرک مذکور میں کوئی نسبت نہیں...... شاید اس میں یہ مسئلہ حقیقت کا بتلانا منظور ہے کہ...... محبوب حقیقی کی ذات یا صفات مشہورہ یا غیر مشہورہ کے جو بعضے معاند منکر ہیں ...... واقع میں نقصان ادراک ان ہی کی جانب ہے...... ورنہ وہ مع اپنی ذات و صفات و کمالات کے اظہر من الشمس ہیں...... کسی نے خوب کہا ہے ۔

شد صفت پردہ برچشم این صفت پردۂ چشم	بے پردہ ورنہ ماہے چون آفتاب دارم

بلکہ محققین نے کہا ہے کہ...... غایت ظہور ہی سبب غایت بطون کا ہوگیا ہے......

وتفصیل فی محلہ۔ قالؒ

ببین بہ سبب زنخدان کہ چاہ درراہ ست	کجا ہمی روی ای دل بدین شتاب کجا

لفظی مطلب تو ظاہر ہے کہ...... اے دل تو کہاں جلدی جلدی جارہا ہے...... راہ میں زنخدان بھی ہے...... کبھی تو اس میں نہ پھنس جائے پھر نکلنا مشکل ہو جائے...... اس لئے حسن پرستی سے دور ہی رہنا سلامتی ہے...... اور اصطلاح قوم میں سبب زنخدان عبارت ہے محبوب کے لطف قہر امیز سے...... جس کی حقیقت یہ ہے کہ بعض اوقات باوجود معصیت ظاہری کے نعمت ظاہری سلب نہیں ہوتی...... اور اسی طرح باوجود معصیت باطنی مثل بدعت یا عجب وغیرہ کے نعمت باطنی...... مثل واردات و مکاشفات و خوارق وغیرہا کے مسلوب نہیں ہوتی...... جس سے سالک کو دھوکہ مقبولیت کا رہتا ہے...... اور اس معصیت پر تنبہ یا اس سے توبہ کا عزم نہیں ہوتا...... تو ظاہر میں تو یہ لطف ہے...... مگر واقع میں قہر غضب اور ایک نوع کا استدراج ہے ...... پس حاصل شعر کا یہ ہوا کہ اے سالک تو جو باوجود صدور معاصی کے...... اپنی حالت پر جما ہوا چلا جارہا ہے...... اور اس میں تبدل نہیں ہوا...... ذرا دیکھ تو یہ لطف قہر آمیز ہے...... کبھی اسی عقبہ میں تو پھنسا رہے...... اور ترقی و عروج قرب سے رک جائے...... ذرا سنبھل اور غور سے کام لے...... اور قواعد شریعت و طریقت کو معیار بنا کر اپنی اصلاح کر۔ قالؒ

چو کحل دیدۂ ماخاک آستان شماست	کجا رویم بغرما ازین جناب کجا

قرار وخواب زحافظ طمع مدار اے دوست	قرار چیست صبوری کدام وخواب کجا

ان دونوں کا ظاہری مطلب تو ظاہر ہے......اور بلسان معنی اس میں تعلیم ہے ......سالک کو کہ خواہ طریق طلب میں کچھ ہی پیش آئے ......ناکامی و نامرادی و قبض و تنگی وغیرہ وغیرہ......لیکن چونکہ محبوب حقیقی کے سوا اور کوئی مقصود نہیں......اس کو چھوڑنا نہ چاہئے طلب میں لگا رہے......ورنہ دوسرا ٹھکانہ کہاں ہے......یہ تو عدم حصول مراد کی حالت میں ہے......اور شعر ثانی میں حصول مراد کی حالت کے متعلق تعلیم ہے کہ خواہ کیسا ہی کمال یا حال یا مقام حاصل ہو جائے ......لیکن پھر بھی طلب ہی میں سرگرم رہے......قناعت اور توقف نہ کرے......آگے بڑھتا رہے خوب کہا ہے۔

اے برادر بے نہایت در گہے ست	ہر چہ بروے میرسی بروے مایست

غزل

اگر ان ترک شیرازی بدست آرد دل مارا	بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

معنی ظاہری ظاہر ہیں......کہ اگر وہ محبوب شیراز کا رہنے والا جہان کے محبوب حسن و جمال میں مشہور ہیں......ہماری دلداری کرے......یعنی ہم کو اپنے دیدار سے کامیاب کرے......تو میں صرف اس کے ایک سیاہ تل (دیکھنے) کے عوض اور شکریہ میں......سمرقند اور بخارا کو جہاں کے حسین و جمیل بھی مشہور ہیں......دے ڈالوں اور نثار کر دوں......اور معنی باطنی یہ ہیں کہ اگر محبوب حقیقی اپنی تجلیات سے مشرف فرمائے ......تو اس کی ادنیٰ تجلی کے مقابلہ میں دونوں عالم کو فدا کر دوں ......کیونکہ مقصود بالذات کے سامنے مقصود بالعرض کی طرف التفات نہیں ہوا کرتا۔قالؒ

بدہ ساقی مئے باقی کہ در جنت نخواہی یافت	کنار آب رکنا باد و گلگشت مصلا را

رکنا باد ایک چشمہ ہے......شیراز میں اور مصلا عید گاہ کو کہتے ہیں......وہاں اکثر عوام بطور تفریح و سیر کے جاتے تھے......اور نیز اکثر خواص واہل ریاضت وہاں رہ کر مجاہدات عمل میں لاتے تھے......معنی ظاہری یہ ہیں کہ اے ساقی شراب زندگی بخش......ان دلکشا مقامات میں مجلس آراستہ کر کے دے دے......کیونکہ جنت میں یہ چیزیں نہ ملیں گی......اور معنی باطنی

یہ ہیں کہ اے مرشد شراب محبت یہاں عطا کر دیجئے......اس طرح سے کہ اذکار واشغال جو مورث محبت ہوں تعلیم فرما دیجئے......کیونکہ جنت میں پھر ریاضت اور مشقت جن پر مدار ترقی مرتب ہے میسر نہ ہوگا......چنانچہ معلوم و مسلم ہے کہ جنت میں اعمال و طاعات موجب ترقی قرب نہ ہوں گے......اس لئے دنیا ہی میں ان اعمال کا طریقہ بتلا دیجئے ......تاکہ محنت مشقت کر کے اس کے ثمرات سے......ابدالآباد منتفع ہوں۔ قالؒ

فغان کین لولیاں شوخ شیریں کار شہر آشوب	چنان بردند صبر از دل کہ ترکان خوان یغمارا

معنی ظاہری تو یہ ہیں کہ......میں ان شاہدان شوخ شیریں حرکات شہر آشوب کے ہاتھ سے فریاد کرتا ہوں......کہ انہوں نے متاع صبر و قرار اس طرح غارت کر دیا......جس طرح ترک خوان یغما کو لوٹ بھاگتے ہیں......اور معنی باطنی یہ ہیں کہ اذکار واشغال میں جو انوار وغیرہ منکشف ہوتے ہیں......اور اپنی دل کشی سے سالک کو اپنی طرف متوجہ کر لیتے ہیں ......اے مرشد میں ان سے فغان کرتا ہوں جلدی اس کی طرف مشغول ہونے سے بچنے کا طریقہ بتلایئے......کیونکہ ان میں مشغول ہونا مانع وصول الی المقصود الحقیقی ہے......چنانچہ اسی مضمون کو حضرت حافظ نے دوسری جگہ اس طرح فرمایا ہے۔

دلبران گر دلبری زینان کنند	زاہدان رارخنہ در ایمان کنند

احقر نے حضرت پیر و مرشد علیہ الرحمۃ سے سنا ہے کہ......حجب نورانیہ اشد ہیں حجب ظلمانیہ سے......قالؒ

زعشق ناتمام ما جمال یار مستغنی است	بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روی زیبارا

اس میں اصلاح ہے ایک غلطی کی......جو اکثر اہل طریق کو ایک مشہور مسئلہ...... کنت کنز امخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق سے اور اس کی شرح میں جو بعض کلمات اس قسم کے مشہور و منقول ہیں۔

نکورو تاب مستوری ندارد	چو در بندی سراز روزن برآرد

اور جیسے کہا جاتا ہے کہ......جمال الٰہی مقتضی ظہور کا ہوا تاکہ مرأۃ خلق میں اپنا مشاہدہ

کرے......اور خلق بھی اس جمال کا مشاہدہ کرے......وامثال ذالک ایسے کلمات سے وہ غلطی واقع ہوجاتی ہے......اور یوں سمجھنے لگتے ہیں......کہ غایت ظہور کی یہی مشاہدہ ومعرفت ہے جو موقوف ہے ہمارے وجود پر......تو گویا بدون ہمارے اس غایت کا استکمال نہ ہوسکتا تھا ......اور پھر تقاضاے جمال اس ظہور کو مستلزم ہے......جس سے ایک گونہ ابہام اضطرار کا ہوتا ہے......**سبحانہ و تعالیٰ عما یصفون** سو اس شعر میں اس کی اصلاح ہے......کہ خود ہمارا عشق اور عرفان ہی ناتمام ہے......اور ذات جمیلہ محبوب حقیقی کی خود موصوف ایسے کمال تام کے ساتھ ہے......کہ وہاں استکمال بالغیر محال ہے خصوص جبکہ وہ غیر محض ناقص ہو......جیسا کہ فرض کرو کوئی شخص نہایت زیبا صورت ہو......تو اس کو دیگر محسنات عارضیہ کی کوئی احتیاج نہیں ......اسی طرح حق سبحانہ وتعالیٰ ہر احتیاج سے منزہ ہیں......اور وہاں احتیاج محال ہے......اور مشاہدہ مذکورہ کا غایت ظہور ہونا......اسی طرح کمال و جمال کا مستلزم ظہور ہونا......یہ دونوں امر مستلزم احتیاج ہیں......جو محال تھی اور مستلزم محال خود محال ہے......پس غایت مذکورہ اور استلزام مذکور کا حکم محال ہوگا...... بلکہ یہ سب کچھ ہمارے ہی حال پر عنایت فرمانے کے لئے اور ہمارے استکمال کے لئے ہو......وہ بھی بارادہ واختیار جیسا کہ مولانا رومی کا بھی ارشاد ہے ؎

من نہ کردم خلق تا سودے کنم	بلکہ تا بر بندگان جودے کنم

باقی ایک وقت تک عدم رہنا......پھر وجود عطا ہونا اس کا حقیقی راز اور حکمت خدا ہی کو معلوم......اور کلمات مشہورہ جو اس کے خلاف کے موہم ہیں......وہ بوجہ اس کے کہ مقال اہل حال ہے......ماول ہوگا کیونکہ ہماری تحقیق مذکور قرآن وحدیث کا منطوق ہے......اور محکم۔خوب سمجھ لو۔قالؒ

من از آن حسن روز افزون کہ یوسف داشت دانستم	کہ عشق از پردۂ عصمت برون آرد زلیخا را

عصمت سے مراد خودداری......جو اکثر زاہدان خشک میں ہوتی ہے......جس کی وجہ واردات قلبیہ سے بے بہرہ ہونا ہوتا ہے......اور جب کسی کامل کی توجہ اور تعلیم سے ان واردات کا......توارد ہوتا ہے......بیچارہ کی ساری خودداری خاک میں مل جاتی ہے......اس تقریر کے بعد مطلب ظاہر ہے کہ......یوسف یعنی محبوب حقیقی کے حسن روز افزون سے......یعنی ان

واردات سے جو سالک کے قلب پر علیٰ سبیل التزائد متجلی ہوتے ہیں...... مجھ کو یقین ہو گیا تھا کہ ان کا اثر کہ عشق و معرفت ہے...... اس سالک کو اس کی قدیم خودداری کے دائرہ سے ضرور نکال دے گا...... چنانچہ انکسار و شکستگی کا ترتب اس پر مشاہد ہے...... قال ؒ

حدیث از مطرب و می گو و رازِ دہر کمتر جو	کہ کس نکشود و نہ کشاید بحکمت این معمارا

اس میں اصلاح ہے...... ان لوگوں کی جنہوں نے شب و روز اپنا بڑا شغل...... اور بڑا مقصود مسائل تصوف و اسرار حقیقت کی تحقیق کو بنا رکھا ہے...... اور جو اصل مقصود ہے ذکر و شغل اس میں کمی کرتے ہیں...... ان کو غیر مقصود کی طرف التفات سے روک کر...... مقصود کی طرف کہ محبت و معرفت ہے...... اور جن اعمال سے محبت و معرفت پیدا ہوتی ہے...... ان کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ قال ؒ

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جان دوست دارند	جوانان سعادتمند پند پیر دانارا

یہ شعر اوپر کے شعر سے متعلق ہے...... چونکہ اس میں مسائل تصوف کی تحقیق سے منع کیا تھا...... اور اس کا غیر نافع بلکہ مضر ہونا مبتدی کی سمجھ میں آتا نہیں...... اس لئے شاید وہ اس کے ماننے میں پس و پیش کرتا...... لہٰذا نہایت شفقت سے اس کو اس مضمون کے ساتھ خطاب کرتے ہیں...... اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مستقل نصیحت ہو...... کہ اگر مبتدی کی سمجھ میں مرشد کے کسی امر بالمباح کی حکمت نہ آئے تب بھی اطاعت کرنا چاہئے۔ قال ؒ

بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی	جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

اس میں تعلیم ہے...... مسترشد کی کہ اگر مرشد کبھی تلخ و درشت کہے تو اس میں اپنی اصلاح سمجھ کر...... بزبان حال اس کو اس شعر کا مخاطب قرار دے کر دلگیر نہ ہو...... مولانا روم کا ارشاد ہے۔

صبر کن در کارِ خضرای بے نفاق	تا نگوید خضر رو ہذا فراق

اور جب مرشد کے ساتھ ایسا معاملہ رکھنا ضروری ہے...... تو اگر احیاناً محبوب حقیقی کی جانب سے...... کسی ایسے خطاب و عتاب کا انکشاف والقا ہو...... تو اس کو حکمت پر مبنی سمجھ کر مکدر و معطل نہ ہو۔ قال ؒ

غزل گفتی و در سفتی بیا و خوش بخوان حافظ	کہ بر نظم تو افشاند فلک عقد ثریا را

چونکہ غزل مذکور میں بہت مفید مضامین ہیں...... اس لئے اس شعر میں اس غزل کی ثنا کرتے ہیں...... ترجمہ ظاہر ہے۔

غزل

دوش از مسجد سوی میخانہ آمد پیرما	چیست یاران طریقت بعد ازین تدبیر ما
در خرابات مغان مانیز ہم منزل شویم	کاین چنیں رفت است در عہد ازل تدبیر ما
ما مریدان روبسوی کعبہ چون آریم چون	روبسوی خانہ خمارد ارد پیر ما

مطلب ظاہری ظاہر ہے...... معنی معنوی یہ ہے کہ مسجد اور کعبہ سے مراد طریق کثرت عبادت...... اور میخانہ اور خرابات مغان اور خانہ خمار سے مراد طریق عشق ومحبت اور یہ دونوں طریق وصول الی اللہ کے مملوک ہیں...... ہر شخص کی جیسی استعداد ہوتی ہے...... اسی طرح اس کو تربیت کیا جاتا ہے...... اور طریق محبت کے معنی یہ نہ سمجھے جائیں کہ اس میں عبادت نہیں ہوتی...... کہ یہ تو الحاد محض ہے بلکہ کثرت عبادت نہیں ہوتی...... یعنی نوافل وغیرہ کا اہتمام زیادہ نہیں ہوتا...... پس وہ طریق بھی خلاف شرع نہیں ہے...... اور یہ تعیین طریق تربیت کی کبھی شیخ کی فراست سے ہوتی ہے...... اور کبھی غیبی طور پر اس پر ویسے ہی واردات ہونے لگتے ہیں...... کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ابتدا ایک طریق سے ہوئی تھی...... اور تکمیل دوسرے طریق سے ہوتی ہے...... کبھی کامل کے حال میں بھی تبدل ہو جاتا ہے...... گو وہ تبدل مبتدی کا سا نہیں ہوتا...... جب یہ سب مقدمات سمجھ میں آگئے...... اب مطلب اشعار کا سمجھنا چاہئے...... شعر اول سوال ہے...... دوسرا شعر جواب ہے...... تیسرا شعر اس جواب کی دلیل ہے...... پس فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ کی حالت غیبی طور پر کچھ بدلی ہے...... کہ پہلے ان پر طریق کثرت عبادت کا غلبہ تھا...... اب طریق عشق کا غلبہ ہو گیا گو جامعیت دونوں حالتوں میں پائی ہے...... اب سوال کے طور پر کہتے ہیں کہ اس حالت میں ہمارے لئے کیا تدبیر مناسب ہے...... آیا اس تبدل سے دوسرے شیخ کو بدلنا چاہئے...... یا اسی شیخ کا اتباع

اس طریق میں کرنا چاہئے ...... کیونکہ اس وقت تعلیم میں بھی اثر اسی کا غالب ہو
...... پھر خود جواب میں تدبیر بتلاتے ہیں ...... کہ ہم کو بھی شیخ کے ساتھ ہم منزل ہو جانا چاہئے
...... یعنی اسی طریق میں شیخ کا اتباع چاہئے کیونکہ ظاہراً ہماری تربیت اسی طرح مقصود ہے
...... اس ظاہر کی دلیل یہ ہے کہ ایسے اسباب جمع ہو گئے ...... کہ اس شیخ سے ہمارا تعلق ہو گیا
...... یہ علامت باہمی تناسب کی ہے ...... جو مدار فیض وافادہ ہے ...... جیسا حدیث میں ہے
الارواح جنود مجندۃ فما تعارف منها ائتلف وما تناکر منها اختلف آگے
اس کی دلیل فرماتے ہیں کہ جب ہمارا شیخ ایک طریق پر ہے ...... تو ہم دوسرے طریق پر
کیسے ہو سکتے ہیں ...... حاصل دلیل کا یہ ہوا کہ افادہ واستفادہ میں اتحاد مشرب شرط ہے
...... اگر ہم نے دوسرا طریق اختیار کیا تو شرط فیض ہو جائے گی ...... پھر فیض بھی نہ ہوگا اور یہ
احتمال کہ دوسرے سے فیض ہو ...... شعر ثانی میں قطع ہو چکا ہے ...... کہ ظاہراً فیض اسی شیخ سے
مقدر ہے ...... اور چونکہ مبحث باب عملیات سے ہے ...... عملیات میں خطابیات احتجاج کے
لئے کافی ہیں ...... اس واسطے اس تقریر پر کوئی غبار نہیں ...... حاصل مقام کا یہ ہوا کہ جیسے بعض
خام طبع ذرا ذرا سی بات میں کہ ان کے خلاف طبع ہو ...... گو خلاف شرع نہ ہو پیر سے بدگمان
اور منحرف ہو جاتے ہیں ...... یہ دلیل حرمان کی ہے ایسے اسباب سے قطع تعلق کرنا نہ چاہئے
...... بلکہ اس کا اتباع وموافقت حد شرعی تک ضروری ہے ...... کہ ممکن ہے اسکے حال میں ترقی
ہوئی ہو ...... اور یہ تبدل اس کا اثر ہو اور ممکن ہے کہ تمہاری تربیت اس تبدل سے وابستہ
ہو ...... کہ تمہارا تبدل مقصود ہو ...... واللہ اعلم ...... قال

عقل گرداند کہ دل در بند زلفش چون خوش است	عاقلان دیوانہ گردند از پئے زنجیر ما

یعنی گو طریق سلوک میں ...... کیفیات عشقیہ مثل آہ ونالہ وفریاد وزاری ودرد وغم کو دیکھ
کر عقلاء ظاہری سمجھتے ہوں گے ...... کہ یہ لوگ بڑی مصیبت میں ہیں ...... لیکن ہماری
روحانی مسرت ونشاط کی اگر ان کو خبر ہو جائے ...... تو اس زنجیر زلف وقید عشق کی طلب اور تمنا
اور اشتیاق میں وہ خود دیوانوں کی طرح پھرنے لگیں ...... اور خود بھی ان کیفیات کے جویان و
خواہان ہو جائیں ...... مطلب یہ کہ محنت عشق پر ہزاروں راحت قربان ہیں ۔ قال

روئی خوبت آیتے از لطف برما کشف کرد	زاں سبب جز لطف وخوبی نیست در تفسیر ما

یہ شعر تجلی جمالی یعنی اس درجہ کے غلبہ کی حالت کا معلوم ہوتا ہے۔ یعنی میری تفسیر و بیان میں جور جا ورحمت کے مضامین زیادہ معلوم ہوتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ محبوب کے روی خوب یعنی تجلی جمالی نے لطف ورحمت کی صفت مجھ پر منکشف کردی اس لئے جس کیفیت کا قلب پر غلبہ ہے۔ زبان سے بھی اسی کا صدور ہوتا ہے۔..... اس سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوگیا کہ..... ظاہری اقوال واحوال بھی جبکہ بے ساختہ صادر ہوتے معلوم ہوں..... علامت ہوتی ہے اس شخص کی کیفیت باطنی کی..... پس پیر کی تلاش کرنے والے کو اس سے استبداد چاہئے..... اور آیت وتفسیر کا جمع کرنا لطف شاعری ہے۔ قالؒ

بادل سنگینت آیا ہیچ درگیرد شبے	آہ آتشبار و سوز نالۂ شبگیر ما

لفظ سنگین مجاز از صفت غنا ولفظی بے ادبی در غلبۂ عشق عفواست..... شبگیر آخر شب..... لفظ آیا برائے تمنا..... درگیر مجاز از رحم آرد بدون اعتبار انفعال..... حاصل یہ کہ تمنا کرتے ہیں کہ ہماری مناجات سحری جس کا منشاء عشق ہے..... آپ کی صفت غنا کو ہمارے حال پر مصدر رحمت کردے..... یعنی ہم پر رحمت فرمانے میں گو کوئی آپ کو حاجت نہیں ہے ..... اور یہی معنی ہیں غنا کے..... مگر ہماری حاجت کی وجہ سے ہم پر رحمت فرمائیے..... خلاصہ یہ کہ تمنائے رحمت کررہے ہیں..... اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے..... کہ سالک اپنے مجاہدات وریاضات پر نظر کرکے اپنے کو مستحق فیضان کا نہ سمجھے..... بلکہ انکسار وافتقار وتذلل و عرض حاجت کرتا رہے..... تنبیہ بعضے کم فہم غنا کے معنی بے التفاتی کے سمجھتے ہیں..... جو محض غلط ہے بلکہ اس کے معنی بے احتیاجی کے ہیں..... جو مقتضی ہے زیادت التفات وعنایت کو کیونکہ خلق جو التفات میں کمی کرتے ہیں تو بوجہ اس کے کہ بعض منافع کے محتاج ہوتے ہیں ..... جس سے وہ منفعت حاصل ہوتی ہے اس کی طرف التفات کرتے ہیں..... جس سے وہ منفعت حاصل نہیں ہوتی ..... اس کی طرف التفات نہیں کرتے ..... پس عدم التفات کی علت احتیاج ہے..... اور یہ وہاں مفقود ہے پس التفات زیادہ متوقع ہے..... ہاں اگر عبد ہی کی طرف سے کوئی امر مانع ہو مثل کفر وشرک وغیرہ کے تو وہ اور بات ہے تو وہ سمجھ لو۔ قالؒ

زلف بکشادی و بازار دست شد مجیر ما	مرغ دل را صید جمعیت بدام افتادہ بود

زلف کنایہ از صفت قابض بمناسبت انکہ زلف پریشانی دارد...... ودر حالت قبض ہم پریشانی رود ہد.....پس ہر دورا تعلقے است با پریشانی...... ونیز چنانچہ زلف ساتر رخ است ......ہمچنان قبض ساتر واردات جمالیہ است ......ودر مجاز ہمیں قدر مناسبت کافی است...... یعنی ہمارے قلب میں کیفیت سکون کی ہوگئی تھی......مگر قابض کی تجلی سے قبض ہوا......اور پھر آشفتگی اور پریشانی ہوگئی......اس میں تحقیق ہے تعاقب بسط وقبض کی......اور تعلیم ہے کہ کسی حالت مرغوبہ پر عجب نہ کرے......کہ ورود ضد سے ہر وقت زوال محتمل ہے۔قالؒ

نیست از سودای زلفت بیش ازین توفیر ما	باد بر زلف تو آمد شد جہان بر من سیاہ

باد سبب پریشانی زلف می باشد......کنایہ از صفت ارادہ کہ سبب تعلق صفت قابض باشد ......باحوال قلبیۂ سالک جہان سیاہ شدن پریشان شدن...... توفیر زیادت و محاصل......سودا خیال عشق......مطلب یہ کہ آپ نے جب ارادہ فرمایا کہ......میرے قلب پر کیفیت قبض کی وارد کردیں......تو اس کے ورود سے میری پریشانی بڑھ گئی......جو کہ لازمۂ قبض ہے......آگے کہتے ہیں کہ واقعی تجلی اسم قابض کا یہی فیض ہے اور لفظ سودا بڑھانے میں اشارہ ہے......ایک تحقیق کی طرف وہ یہ کہ صفات الٰہیہ سب جمیل اور محبوب ہیں......اور عاشق کو واجب ہے کہ ہر صفت کے فیض کو......خواہ جمالی ہو یا جلالی ہو دل و جان سے قبول کرے......اور اس میں اپنی تربیت سمجھے......پس قبض سے بھی دلگیر نہ ہو۔اور سودا اور زلف میں لطف شاعری بھی ہے۔قالؒ

رحم کن بر جان خود پرہیز کن از تیر ما	تیر آہ ماز گردون بگذرد وجان عزیز

اگر اس کا مخاطب ظاہر پرستوں کو کہا جائے......جو کہ عشاق کے حالات سے بے خبر ہوتے ہیں......اور ان کو ایذائیں پہنچاتے ہیں تب تو معنی بے تکلف ہیں......کہ ہمارا تیر آہ کہ آہ مظلوم ہے آسمان سے گزر کر پایہ سریر سلطانی تک پہنچتا ہے......اور مقبول ہوتا ہے تو اے جان عزیز (یہ شفقۃ کہہ دیا) ہم کو ایذا مت پہنچاؤ......اپنے اوپر رحم کرو اس صورت میں اس

میں ارشاد ہوگا...... کہ غیر اہل حال کو اہل حال پر انکار جو غمز ہا پیدا ہونا چاہئے ......اور اگر محبوب حقیقی کو منادی کہا جائے ...... تو مجازات بعیدہ کا تکلف کرنا پڑے گا...... اور مقصود کا ماحصل یہ ہوگا کہ چونکہ محبوب حقیقی نہایت رحیم ہے ......اس کو اپنے بندہ کی پریشانی گوارا نہیں......اس لئے عرض کرتے ہیں کہ ہم کو فراق سے نجات دیجئے...... ورنہ ہماری پریشانی سے آپ کو ایذا ہوگی......اس کے قریب استعمالات مجازیہ کتاب وسنت میں بھی وارد ہیں...... قال اللہ تعالیٰ یؤذون اللہ وفی الحدیث عن اللہ تعالیٰ ماترددت فی شیء ماترددت فی قبض نفس المومن ھو یکرہ الموت وانا اکرہ مسائہ یہ حدیث کا مضمون ہے ......لفظ اچھی طرح یاد نہیں...... لیکن تردد اور کراہت کے لفظ میں کوئی شک نہیں...... بعد تعیین محمل مقصود کے......اب انطباق الفاظ شعر کا اس معنی پر کچھ دشوار نہیں۔ قالؒ

بردر میخانہ خواہم گشت چون حافظ مقیم	چون خراباتی شدای یار طریقت پیر ما

چون حافظ مانند حافظ۔ یہ مقطع ہم مضمون مطلع کا ہے۔ غزل۔ قالؒ

شب از مطرب کہ دل خوش باد ویرا	شنیدم نالۂ جان سوزنے را
چناں درجان من سوزش اثر کرد	کہ بے رقت ندیدم ہیچ شے را
حریفے بدمرا ساقی کہ مردم	ززلف ورخ نمودی شمس ودی را
چوشوقم دیدرد ساغرے افزود	بگفتم ساقی فرخندہ پے را
رہانیدی مرا از شرہستی	چوپیمودی پیاپے جام مے را
حماک اللہ عن شر النوائب	جزاک اللہ فی الدارین خیرا
چو بیخود گشت حافظ کے شمارد	بیک جو ملکت کاؤس وکے را

مطرب کنایہ از شیخ وعارف...... نالہ ائے مضامین عشق......سوزش سوزاد۔ حریف مصاحب وے بفتح دال مخفف دیجور (کذا قیل لیکن صاحب غیاث نے اس کی تغلیط کی ہے ......چنانچہ کہا ہے وانچہ لفظ دے رامخفف دیجور گویند وسندان مصرع خواجہ حافظ ارند مصرع

ززلف ورخ نمودی شمس ووی راہ خطا است...... چہ دیجور صفت شب واقع شود...... نہ آنکہ دیجور مطلق شب سیاہ را گویند...... وسبب این غلطی نسخہ است صحیح چنیں ست ع ززلف ورخ نمودی شمس و فے نے بالفتح بمعنی سایہ دریں صورت مقابلہ شمس و فے بمشابہت زلف ورخ درست می شود...... پس وی را مخفف دیجور فہمیدن موجب عدم فہم است اھ منہ مدظلہ العالی) نوائب حوادث ملکت ملک...... اس پوری غزل کے اشعار بطور قطعہ بند کے ہیں ...... سب میں ایک ہی مضمون ہے...... یعنی اسرار عشقیہ وحقائق عرفانیہ کی تعلیم پانے پر مسرت اور شیخ تعلیم کنندہ کا شکریہ...... خلاصہ یہ کہ شب گزشتہ میں میں نے شیخ سے کہ خدا تعالیٰ ان کو خوش رکھے...... اسرار عشق سے جو کہ جانسوز تھے ان مضامین کے سوز نے ...... میرے اندر ایسا اثر کیا کہ کسی شے کو میں نے رقت سے خالی نہ پایا...... اس وجہ سے کہ اپنے اندر جو کیفیت ہوتی ہے اس کا اثر ہر شے میں محسوس ہوا کرتا ہے...... اس توجیہ پر تو رقت صفت ہر شے کی ہوگی...... اور یہ توجیہ بھی ہو سکتی ہے کہ رقت صفت متکلم کی ہو...... اور معنی یہ ہوں گے کہ میں نے ہر شے کو اس طور پر دیکھا کہ اس کو دیکھ کر مجھ کو رقت ہوتی تھی ...... وجہ اس کی یہ ہے کہ ہر شے نظر معرفت میں آئینہ جمال الٰہی ہے...... جب اسرار و معارف منکشف ہوتے ہیں...... تو ہر شے کو اسی نظر سے دیکھتا ہے...... اور اس نظر کے لئے تاثر ورقت لازم ہے...... آگے پھر شیخ کے بیان اسرار کا بیان ہے...... کہ ایسا ہمراہی اور رفیق میرا ساقی تھا یعنی ایسا شیخ ان معارف کو بیان کر رہا تھا...... کہ واردات جلالیہ و جمالیہ کے بیان سے شمس اور دیجور کا نقشہ دکھلا رہا تھا...... یا یوں کہا جائے کہ ان واردات کو اپنے تصرف سے قلب پر افاضہ کر رہا تھا...... جب اس نے میرا شوق دیکھا تو پیالہ میں شراب اور بڑھا دی یعنی میرے قلب میں تعلیماً یا افاضۃً وہ اسرار وواردات اور القا فرمائیے...... اس وقت میں نے خوش ہو کر ساقی فرخندہ پے سے کہا کہ آپ نے مجھ کو ان اسرار کے افاضہ کی بدولت ہستی موہوم کے شرور وآفات سے...... یعنی آثار ظلمانیہ وکدورات نفسانیہ سے چھڑا دیا...... جبکہ علی التواتر وہ اسرار مجھ پر افاضہ فرمائے...... پس اللہ تعالیٰ آپ کو تمام حوادث کے شر سے محفوظ رکھے...... اور دونوں جہان میں اس کی جزائے خیر دے...... اور جب میں ان اسرار سے بے خود ہو گیا تو تمام سلاطین کے ملک و دولت کی ایک جو کے برابر بھی...... میری آنکھ میں قدر نہ رہی

چنانچہ ظاہر ہے کہ دولت باطنی کے سامنے دولت ظاہری لاشی محض ہے۔

غزل۔قالؒ

صوفی بیا کہ آئینہ صاف است جام را	تا بنگری صفاے مئے لعل فام را

صوفی کا اطلاق کبھی صوفی حقیقی پر آتا ہے......کبھی مدعی پر یہاں معنی ثانی مراد ہیں......اور جام سے مراد قلب اس کو آئینہ سے تشبیہ دی باعتبار انجلاء کے مجاہدہ وریاضت سے......اور مئے سرخ رنگ سے مراد عشق ومحبت باعتبار سکر وبیخودی کے......مطلب یہ کہ اے مدعی تم اپنے کمالات پر کیا دعویٰ کرتے ہو......ادھر طریق اہل صدق کی طرف آؤ......اور صدق اختیار کرو......کہ آئینہ قلب فی نفسہ صاف ہے......صرف اوصاف ذمیمہ کا اس پر حجاب پڑا ہے......صدق کی برکت سے یہ اٹھ جائے گا......پھر اس وقت اس میں تجلیات ذات وصفات کی منعکس ہو کر محبوب حقیقی کی معرفت ہوگی......اور معرفت سے محبت وعشق کا غلبہ ہوگا......اس وقت نور محبت کا ادراک ہوگا......حاصل شعر کا ترغیب دینا ہے......تصفیہ وتزکیہ میں......کہ ذریعہ وصول الی المحبوب ہے۔قالؒ

راز درون پردہ زرندان مست پرس	کاین حال نیست صوفی عالیمقام را

یہاں بھی صوفی سے وہی معنی ثانی مراد ہیں......جو شعر بالا میں مذکور ہوئے......اور عالیمقام باعتبار شان وشوکت ظاہری کے کہا۔مطلب یہ کہ اسرار حقیقت عشاق وتارکان تعلقات......مستغرقان محبت سے دریافت کرنا چاہئے......کہ مدعیوں پر احوال باطنی ہی طاری نہیں ہوئے......تاکہ ان سے قلب پر واردات حالیہ یا علمیہ فائض ہوتے......اس میں بھی مذمت ہے دعویٰ کی......اور ترغیب ہے صدق وترک ماسوی کی۔قالؒ

عنقا شکار کس نہ شود دام باز چین	کانجا ہمیشہ باد بدست است دام را

باد بدست بے حاصل......عنقا کنایہ از ذات باعتبار اختفائے دائم......مطلب یہ کہ جس طرح عنقا کو کوئی شکار نہیں کرسکتا......بس دام پھیلانا اور کوشش کرنا لاحاصل ہے......اسی طرح کنہ ذات بحت کو کوئی ادراک نہیں کرسکتا......اس لئے فکر اور سوچ بیکار ہے......اس میں

سالک کو یہ بتاتا ہے کہ...... انکشاف ذات کی فکر میں پڑ کر پریشان نہ ہو...... اور اپنا وقت صرف نہ کرے...... پس اس شعر میں علم وعمل یعنی حقیقت وطریقت دونوں کی تعلیم ہے۔ قالؒ

من آن زمان طمع ببریدم زعافیت	کاین دل نہاد در کف عشقت زمام را

یعنی میں نے تو اسی وقت عافیت سے امید قطع کر دی تھی...... جبکہ میرا دل تیرے عشق میں مبتلا ہو گیا تھا...... اس میں تعلیم ہے کہ عاشق حق کو عافیت اور بے فکری کی طلب عبث ہے ...... جو حالت شدید سے شدید عشق میں پیش آئے...... اس کو برداشت کرے...... یہ مضمون ان لوگوں کے یاد رکھنے کا ہے...... جو بعض احوال باطنی سے تنگ آ کر دوسرے احوال مرغوبہ کی تمنا کیا کرتے ہیں...... ممکن ہے کہ یہ ناگوار حالت اس گوارا حالت سے انفع ہو۔ قالؒ

مارا برآستان تو بس حق خدمت است	اے خواجہ باز بین بترحم غلام را

ہر چند کہ شان محبوب کے لائق کسی سے بھی خدمت نہیں ہو سکتی...... مگر اپنی طاقت سے زیادہ جوش محبت وعشق میں...... اس کا صدور ہو جاتا ہے...... اور ثمرہ وکامیابی میں دیر ہونے سے ولولہ میں وہ طاعات زبان پر بھی آ جاتی ہیں...... یعنی مدت ہوئی طلب وخدمت میں سرگرم ہوں...... اب تو کامیاب فرما دیجئے...... یہ ایک حالت ہے جس میں عاشق معذور ہے ...... اور اگر مقصود افتقار ہو تو ماجور ہے کقول یعقوب علیہ السلام انما اشکو بثی وحزنی الی اللہ وکتوسل اھل الغار باعمالھم الصالحۃ فی الخروج عن الغار. قالؒ

در عیش نقد کوش کہ چون آبخور نماند	آدم بہشت روضہ دار السلام را

عیش نقد سے مراد اعمال وطاعات ومجاہدہ...... جس کو سردست عمل میں لے آئے ...... اور اگلے وقت پر نہ رکھے...... مطلب یہ کہ جو کچھ ذخیرہ آخرت جمع ہو سکے جمع کر لو ...... اور نفس کی تسویلات وتسویفات میں مت رہو کہ کل کر لیں گے پرسوں کر لیں گے...... حتیٰ کہ عمر یوں ہی ختم ہو جاتی ہے...... بلکہ جو کچھ کرنا ہو فوراً کر لو...... کیونکہ جب آدم علیہ السلام کا حصہ جنت میں قیام کرنے کا علم الٰہی میں ختم ہو گیا...... تو ان کو ایسے اسباب پیش آئے کہ بہشت چھوڑنا پڑی...... پس جب بہشت جو کہ فی نفسہ دار اقامت ہے...... اجل معین

گزرنے پر چھوٹ گئی تو دنیا جو کہ دارالزوال ہے..... اس کو تو اجل موعود پر تم کو بدرجہ اولیٰ چھوڑنا پڑے گا..... پھر کس کے بھروسے ٹال رہے ہو۔ قال

دربزم دور یک دو قدح درکش و برو	یعنی طمع مدار وصال دوام را

یہاں وصال سے مراد تجلی ذاتی ہے..... جس کے معنی اصطلاح میں یہ ہیں کہ ذات بحت کی طرف توجہ میں ایسا استغراق ہو کہ غیر ذات کی طرف اصلا التفات نہ رہے..... اور ممکن ہے کہ مطلق تجلی مراد ہو..... عام تجلی ذات وصفات سے..... مگر وہی جس میں استغراق تام ہو..... حاصل شعر کا یہ ہے کہ بعض سالکین ایسے بعض احوال کے طاری ہونے کے بعد اس کا دوام چاہتے ہیں..... اور عادۃ اللہ یہ ہے کہ اکثر اس کا دوام نہیں ہوتا..... اور اسی میں نفع بھی ہے..... کیونکہ حسب تصیص ائمہ فن استغراق میں ترقی نہیں ہوتی..... کیونکہ ترقی ہوتی ہے عمل سے..... اور اس میں عمل نہیں ہوتا..... دوسرے تعطل بھی ہو جاتا ہے..... اور مقصود زیادت طاعت ہے..... تیسرے بدن کی تدبیر بھی مختل ہو جاتی ہے..... اور قوام بدنی کا اعتدال موقوف علیہ ہے طاعت کا..... ان حکمتوں سے یہ تجلیات دائم نہیں ہوتیں..... اس لئے فرماتے ہیں کہ..... جو کچھ احیاناً ان تجلیات سے مشرف ہو جاؤ غنیمت سمجھو اور پھر سلوک میں لگ جاؤ برو سے اسی طرف اشارہ ہے..... کیونکہ رفتن ترجمہ ہے سلوک کا۔ قال

ای دل شباب رفت و نچیدی گلے زعمر	پیرانہ سر مکن ہنر ننگ و نام را

یعنی جوانی کی عمر جو کہ مجاہدہ وریاضت کا وقت تھا گزر گئی..... اور افسوس ہے تو نے کوئی کام نہ کیا اب بڑھاپا آیا..... تو علاوہ ضعف جسمانی وروحانی کے اب زیادہ ہوس رہتی ہے جاہ کی..... اور اسی کو ہنر سمجھتے ہیں..... خواہ جاہ دنیوی یا جاہ دینی..... جیسا اہل علم ظاہری کو پیش آتی ہے..... اور وہ جاہ بہت سے اعمال وقربات وطلب مقصود سے مانع ہوتی ہے ..... اس لئے نصیحت کرتے ہیں کہ اس ننگ ونام کے ہنر کو پیشہ مت کرو..... کہ اب تو ہم خود صاحب شان یا صاحب کمال مشہور ہیں..... اب کیا کسی سے رجوع کریں..... یا مبتدیوں کے احوال واشغال کو کیا اختیار کریں..... یا خلو عن الکمال کا کیا اعتراف کریں..... کہ مشیخت میں خلل پڑتا ہے..... اللھم احفظنا بلکہ اس بڑھاپے ہی کے حصہ میں جو کچھ ہو سکے اس

میں دریغ نہ کرے...... پس مکن میں جعل بسیط ہے...... ایک ہی مفعول پر تمام ہو جاتا ہے
...... یعنی لاتجعل الانفۃ یعنی لاتستنکف واللہ اعلم۔ قالؒ

حافظ مرید جام جم است ای صبا برو	وز بندہ بندگی برسان شیخ جام را

جام جم قلب پیر شیخ جام پیر یکہ ایں چنیں قلب دارد۔ ترجمہ تو ظاہر ہے شاید مقصود اس سے تنبیہ ہو...... حقوق شیخ پر کہ مرید کتنا ہی کامل ہو جائے...... جیسے کہ حافظ شیرازی تھے مگر تب بھی شیخ کا ادب اور احترام اور اعتراف اس کے ولی نعمت ہونے کا...... بلکہ حسب موقع اس کا اظہار بھی کرتا رہے...... حتیٰ کہ اس کی حالت غیوبت میں بھی اس کے حقوق میں تساہل وتغافل نہ کرے...... پس اس تقریر پر اس شعر میں تعلیم ہوگی آداب شیخ وحقوق صحبت کی...... واللہ اعلم۔

غزل۔ قالؒ

رونق عہد شباب است دگر بستان را	میرسد مژدۂ گل بلبل خوش الحان را

یہ شعر زمان بسط کا معلوم ہوتا ہے...... کہتے ہیں کہ بستان یعنی قلب میں پھر عہد شباب یعنی زمانہ بسط کی رونق...... یعنی شگفتگی حاصل ہوئی ہے اور گل یعنی محبوب حقیقی کا مژدہ ...... یعنی تجلیات جمالیہ بلبل خوش الحان یعنی عاشق پر وارد ہے...... اور معنی ظاہری ظاہر ہیں۔

ای صبا گر بجوانان چمن باز رسی	خدمت ما برسان سرو گل وریحان را

سرو گل وریحان سے مراد...... وہی جوانان چمن بطور وضع مظہر موضع مضمر کے...... مراد اس سے یاران طریقت مثل پیر بھائیوں کے...... اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ صاحب طریقہ کو اپنے اصحاب واحباب کا خادم اور نیاز مند رہنا چاہئے...... کہ اس میں علاوہ ادائے حق واختیار تواضع کے ان کی دعا وہمت وتطییب قلب سے باطنی نفع بھی ہے۔

ای کہ برمہ کشی از عنبر سارا چوگان	مضطرب حال مگردان من سرگردان را

سار بالف زائدہ بمعنی مثل چون خاکسار ای مثل عنبر...... یا سارا بمعنی جا چون نمک سار و بر ہر دو تقدیر...... مراد زلف وچوگان...... ہم کنایہ از زلف بمناسبت امتداد وطول...... وکلمہ از برائے بیان...... یا عنبر سار صفت مفت وچوگان موصوف ومفعول کشی محذوف اے

پردہ..... ومہ مراد بدورخ...... مطلب یہ ہے کہ زلف عنبر سار..... یعنی تجلی جلالی سے کہ اس کے لوازم سے قبض ہے ماہ کو..... یعنی تجلی جمالی کو مستور نہ کیجئے..... اور مجھ کو مضطرب حال نہ کیجئے..... ہر چند کہ تجلی جلالی بھی تجلی محبوب ہی ہے..... لیکن اس کے عدم تحمل کے بیان سے اپنے ضعف کا اظہار ہے..... کہ افتقار وانکسار عین مطلوب ہے۔ قالؒ

ترسم آن قوم کہ بر دردکشان میخندند	درسرِ کارِ خرابات کنند ایمان را

سرخیال۔ کار خرابات مے نوشی..... مطلب یہ ہے کہ جو ظاہر پرست مدعی زہد وتقویٰ عشاق پر ہنستے ہیں..... جو کہ شراب محبت سے بے خود ہیں..... اور اس وجہ سے بعضے امور غلبہ عشق سے ان سے ایسے سرزد ہو جاتے ہیں..... جو ظاہر پرستوں کی سمجھ میں نہیں آتے مجھ کو یہ اندیشہ ہے..... کہ اس تحقیر واستکبار کی نحوست سے یہ کسی ایسی حالت میں مبتلا نہ ہوں ..... کہ سچ مچ ایمان وتقویٰ میں خلل انداز ہو مثلاً کسی مخلوق ہی کے ناجائز تعشق میں مبتلا ہو جائیں..... اس میں تعلیم ہے کہ کسی پر ہنسنا اور طعن کرنا نہ چاہئے..... ہاں اصلاح کے موقع پر اصلاح کے طریقہ سے اصلاح کرنا ضروری ہے۔ قالؒ

یار مردان خدا باش کہ در کشتی نوح	ہست خاکے کہ بآبے نخرد طوفان را

کشتی نوح طریقہ یا صحبت اہل حق..... مردان خدا اہل حق۔ خاک قناعت۔ طوفان جاہ وثروت..... آبے حصہ ازان۔ یعنی اے طالب حق..... تو اہل اللہ کی معیت وخدمت کو مت چھوڑ..... کیونکہ اہل اللہ کے طریقۂ حلم وعمل یا صحبت میں ایسی قناعت وترک ماسوی کی تعلیم اور تحصیل ہے..... کہ تمام جاہ وسلطنت کو ذرہ برابر بھی نہیں سمجھتے..... اس میں تعلیم ہے ترک ماسوی کی ..... اور ایسے تارکین کے ساتھ لگے لپٹے رہنے کی ..... پس اثبات ہے برکت صحبت کا بھی۔ قالؒ

برواز خانہ گردون بدرونان مطلب	کاین سیہ کاسہ درآخر بکشد مہمان را

بروامراز رفتن..... بدر بمعنی برون..... خانہ گردون دنیا۔ نان تعلقات..... سیہ کاسہ بخیل..... یعنی اس دنیا سے بے تعلق رہ اور تعلقات کا طالب مت ہو..... کیونکہ یہ گردون

یعنی اہل دنیا کہ زیر گردون آباد ہیں...... آخر کار مہمان کو یعنی تجھ کو کہ مہمان چند روزہ ہے ہلاک کریں گے...... یعنی تعلقات دنیویہ سے کسی کو فلاح نہیں ہوتی...... بلکہ خسران وحرمان ہی ہاتھ آتا ہے۔ قالؒ

گر چنیں جلوہ کند مغ بچۂ بادہ فروش	خاک روب در میخانہ کنم مژگان را

مغ آتش پرست کنایہ از طالب نور حقیقی...... وگاہے کنایہ از پیر باشد مغ بچۂ مغ مراد از خلیفہ...... ارشاد کہ نائب پیر باشد...... یعنی اگر خلیفہ ارشاد...... کہ قاسم محبت ہے...... اسی طرح مظہر کمالات ہو تو میں پلکوں سے اس کے در پر جھاڑو دوں...... اس میں تعلیم ہے کہ خلیفہ ارشاد گو پیر بھائی ہو...... لیکن جب وہ بانابت شیخ افاضہ کرے تو اس کو مخدوم سمجھنا چاہیے...... مساوات کا دعویٰ اور حسد موجب حرمان ہے۔ قالؒ

نشوی واقف یک نکتہ ز اسرار وجود	گر تو سر گشتہ شوی دائرہ امکان را

اگر وجود سے مراد وجود حقیقی واجب ہے...... جیسا کہ امکان کے مقابلہ سے معلوم ہوتا ہے...... تب تو اسرار سے مراد کنہ اور حقیقت ہے یعنی اگر وجود ممکن کے کل حقائق کو بھی محیط ہو جاؤ...... تب بھی واجب کی حقیقت معلوم نہیں ہو سکتی...... اور اگر وجود سے مراد وجود ممکن ہو تو اسرار سے مراد حکمتیں ہیں...... یعنی اگر تمام عالم میں پھر جاؤ تب بھی حدوث اشیا کی حکمتیں معلوم نہیں ہو سکتیں...... کہ یہ عالم کیوں پیدا ہوا...... دونوں تقدیروں پر اس میں تعلیم ہے کہ جو امور احاطہ ادراک میں کبھی نہ آ سکیں...... طالب حق کو چاہئے کہ اس کے ادراک میں اپنا وقت صرف نہ کرے...... جیسے بہت لوگ اسی غلطی میں مبتلا ہیں۔ قالؒ

ہر کرا خوابگہ آخر بدو مشت خاک است	گو چہ حاجت کہ بر افلاک کشد ایوان را

ترجمہ ظاہر ہے اور مقصود تعلیم ہے...... ترک تعلقات و طول امل کی...... کہ لازمۂ طلب مقصود حقیقی ہے۔ قالؒ

ماہ کنعانی من مسند مصر آن تو شد	وقت آن است کہ پدر رود کنی زندان را

یعنی اے روح یا قلب کہ مشابہ یوسف علیہ السلام کے ہے...... مسند یعنی مقام عشق تجھ

کو بفضلہ تعالیٰ میسر ہو گیا...... اب دنیا کو کہ سجن مومن ہے ترک کردو...... مقصود اس میں بھی ارشاد ہے...... ترک تعلقات دنیویہ کا۔ قالؒ

دو سر زلف نہ دانم کہ چہ سود اداری	کہ بہم برزدۂ گیسوی مشک افشان را

زلف کنایہ از عالم کثرت کہ ساتر وحدت است...... چنانکہ زلف ساتر رخ است ...... چونکہ سالک کو بعد عروج کے نزول اور بعد فنا کے بقا ہوتا ہے...... اور اس کے لوازم سے ہے توجہ الی الخلق ...... اگر چہ وہ للحق ہوتی ہے...... اس لئے بعنوان استفہام کہ مقصود اس سے تقریر ہے...... کہتے ہیں کہ خدا جانے اس عالم کثرت کی طرف متوجہ کرنے میں کیا راز ہے کہ منتہی کو اس طرف متوجہ کیا جاتا ہے...... یعنی بڑا راز ہے اور وہ راز تربیت خلق ہے...... اس مسئلہ کا حقائق میں سے ہونا تو ظاہر ہے...... اور فن سلوک کے اعتبار سے تعلیم ہے...... اس امر کی کہ اگر بعد بقا کے یہ حالت عطا ہو...... تو اس کو حاجب عن الحق نہ سمجھے ...... کہ یہ بھی موجب قرب الی اللہ ہے۔ قالؒ

ملک آزادگی و گنج قناعت گنجے است	کہ بشمشیر میسر نہ شود سلطان را

ترجمہ ظاہر ہے...... اور مقصود تعلیم ہے قناعت کی...... کہ شرط طریق ہے۔ قالؒ

حافظا مے خور و رندی کن و خوش باش و لے	دام تزویر مکن چون دگران قرآن را

مے و رندی میرے نزدیک معنی ظاہری پر محمول ہیں ...... کیونکہ لفظ و لے بمعنی ولیکن ...... ان الفاظ کو معنی محمودہ کے ساتھ ماؤل کرنے سے آبی ہے...... چنانچہ ظاہر ہے اور مقصود اس سے اجازت و اباحت نہیں ...... بلکہ مبالغہ ہے تزویر کی تقبیح میں ...... جیسا ہمارے محاورہ میں کہا کرتے ہیں کہ زہر کھا لینا...... مگر فلانے شخص کے گھر کا کھانا مت کھانا...... یعنی وہ زہر سے بھی بدتر ہے پس اسی طریق پر اس کا مطلب ہے...... کہ ظاہری گناہ کا کام کر لینا مگر دین کو ذریعہ تزویر مت کرنا...... یعنی یہ عمل سب معاصی سے بدتر ہے...... وجہ اس کی ظاہر ہے کہ اور معاصی میں کسی کو خداع اور دینی ضرر نہیں پہنچتا...... بخلاف تزویر بالدین کے۔ غزل۔ قالؒ

بلا زمان سلطان کہ رساند این دعارا	کہ بشکر بادشاہی ز نظر مران گدارا

چہ قیامت است جانان کہ بعاشقان نمودی	رخ ہمچو ماہ تابان دل ہمچو سنگ خارا
ز رقیب دیو سیرت بخدا ہمی پناہم	مگر آن شہاب ثاقب مددی کند خدارا
دل عالمی بسوزی چو عذار برفروزی	تو ازین چہ سود داری کہ نمی کنی ندارا
مژہ سیاہت ارکردسوی خون ما اشارت	زفریب او بیندیش و غلط مکن نگارا
ہمہ شب درین امیدم کہ نسیم صبحگاہی	بہ پیام آشنائے بنو ازد آشنارا
بخدا کہ جرعۂ دہ تو بحافظ سحر خیز	کہ دعای صبح گاہی اثرے کند شمارا

ان اشعار میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے...... کہ بے تکلف مرشد کے خطاب پر ان کا انطباق ہوسکتا ہے...... محبوب حقیقی کومخاطب بنانا...... بعض اشعار میں قریب ناممکن کے ہے...... ان سب کا حاصل مرشد سے توجہ کی درخواست کرنا ہے...... اور چونکہ سکر طلب میں مغلوب ہیں ...... اس لئے بعض الفاظ موہم سوء ادب صادر ہوگئے ہیں ...... چونکہ بعض اوقات طالب کو اپنی حالت کی کمی اور خرابی کے ساتھ یہ گمان ہوتا ہے...... کہ مرشد کی توجہ و ہمت کی کمی اس کا سبب ہے...... اور بعض اوقات اس خیال میں کسی قدر صحت بھی ہوتی ہے ...... اس لئے بلسان طالب فرماتے ہیں...... کہ بادشاہ طریقت یعنی مرشد کی خدمت میں کوئی شخص یہ التماس پہنچائے...... کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو شان ارشاد عطا کیا ہے...... اس کا شکر یہ ہے کہ مسترشدین کو اپنی نظر توجہ سے دور نہ کیجئے ...... بلکہ ان کے حال پر ہمیشہ توجہ مبذول رکھئے کہ ان کو نفع کامل ہو...... اور یہ کیا غضب کی بات ہے کہ جو آپ نے طالبوں کے ساتھ برتاؤ کر رکھا ہے...... کہ کمالات تو ماشاء اللہ ایسے کچھ مگر قلب میں ایسا استغناء کہ طالبین کی طرف سے کم توجہی فرمائی جاتی ہے ...... یہ تو شان ارشاد کا مقتضا نہیں ہے ...... میں دشمن شیطان خصلت سے ...... یعنی نفس امارہ سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں ...... یعنی اس کے شر سے ترسان ولرزان ہوں...... کیا عجب ہے کہ نظر مرشد کہ مثل شہاب ثاقب کے دفعیہ شر نفسانی میں ہے ...... کچھ خدا واسطے سمجھ کر امداد فرمائیے ...... جس وقت آپ کے کمالات کا ظہور ہوتا ہے تو ایک عالم کے قلب میں اضطراب طلب پیدا ہو جاتا ہے...... پھر

جو آپ ان کی دلجوئی اور ان کی طرف توجہ نہیں فرماتے......اور وہ یوں ہی تڑپ کر رہ جاتے ہیں......اس سے کیا فائدہ بلکہ آپ کے منصب ارشاد کا مقتضا یہ ہے کہ ان کے حال پر توجہ فرمائیں......اور اگر آپ کی مژگان سیاہ......یعنی صفت استغناء نے ہمارے خون یعنی ہمارے ساتھ سختی و بے توجہی کرنے کا اشارہ کیا ہے......تو اسکے مقتضا پر عمل نہ کیجئے......کبھی اس باب میں غلطی نہ ہو جائے......غلطی یہی کہ توجہ ضروری کو غیر ضروری سمجھ لیا جائے......میں تمام شب یعنی تمام اوقات انقباض میں اس کا منتظر رہتا ہوں......کہ شاید ادھر سے کچھ لطف و عنایت ہو جائے......کہ میرا کام بن جائے......سو خدا کے واسطے آپ اپنی توجہ کا کچھ حصہ حافظ سحر خیز کو دے دیں......کہ شاید اس کی دعا سے آپ کو اور زیادہ نفع ہو جائے......کیونکہ اصاغر کی دعا سے بھی اکابر کی ترقی ہوتی ہے۔قالؒ

صبا بالطف بگو آن غزال رعنا را	کہ سر بکوہ وبیابان تو دادۂ مارا
شکر فروش کہ عمرش دراز بادچرا	تفقدی نہ کند طوطی شکر خارا
غرور حسن اجازت مگر ندادای گل	کہ پرسشے نہ کنی عندلیب شیدارا
بحسن خلق تو ان کرد صید اہل نظر	بہ بندو دام نگیر ندمرغ دانارا
چوبا حبیب نشینی و بادہ پیمائی	بیاد آر حریفان بادہ پیمارا
نہ دانم از چہ سبب رنگ آشنائی نیست	سہی قدان سیہ چشم ماہ سیمارا
جزاین نتوان گفت درجمال تو عیب	کہ خال مہر و وفا نیست روی زیبارا
در آسمان چہ عجب گرز گفتۂ حافظ	سماع زہرہ برقص آورد مسیحارا

اس غزل کا حاصل بھی بعینہ مثل غزل سابق کے معلوم ہوتا ہے......کہتے ہیں کہ اے پیغام رساں نرمی و عاجزی سے میرے مرشد سے جو کہ غزال رعنا کی طرح مجھ سے نفور ہیں......یوں کہنا کہ آپ نے تمام کوہ و بیابان میں مجھ کو پریشان کر رکھا ہے......یعنی بے توجہی سے مجھ کو محرومی ہے......اور اس سے میں پریشان ہوں......اور معلوم نہیں کیا بات ہے کہ یہ مرشد کو شیریں ادائی......اور تقسیم فیوض کی قابلیت میں شکر فروش کے مشابہ ہیں......طالبین

کی خبر گیری کیوں نہیں کرتے ...... جو کہ مشابہ طوطی طالب شکر ...... یعنی فیوض کے ہیں ...... معلوم ہوتا ہے کہ ناز کمال اس کا باعث ہوگیا ہے ...... کہ عشاق کی بات نہیں پوچھتے ...... سوایسا مناسب نہیں بلکہ خوش اخلاقی وعنایت ضروری ہے کہ طالبین اس سے مائل ہوں گے ...... اور ان کے مستفید ہونے سے آپ کو بھی ثواب ہوگا ...... اور یہ لوگ دوسرے اسباب سے مثل لذات وتمعات مقید نہیں ہوتے ...... اور اے مرشد جب آپ حق تعالیٰ کے قرب اور اختصاص سے خاص طور پر مشرف ہوں ...... یعنی آپ کی توجہ اور دعا کا وقت ہو ...... تو طالبین کو بھی یاد فرمالیا کیجئے ...... یعنی جس طرح ہمت کی آپ سے درخواست ہے ...... اسی طرح دعا کی بھی کہ یہ اس سے زیادہ نافع ہے ...... اور معلوم نہیں کہ ان اہل کمال کو جو کہ مجمع فضائل ہوتے ہیں ...... بے توجہی کی عادت کیوں ہوجاتی ہے ...... آپ میں ماشاء اللہ تعالیٰ ساری خوبیاں ہیں ...... مگر اتنی کسر ہے کہ توجہ وعنایت جیسی ہونا چاہئے وہ نہیں ہے ...... آگے مقطع کا شاعرانہ مضمون ہے ...... جو ترجمہ سے ظاہر ہے۔ ف توجیہ الفاظ موہمہ سوءادب کی غزل سابق کی تمہید میں مذکور ہوچکی۔ غزل۔قالؒ

ساقیا برخیزد دردہ جام را	خاک برسرکن غم ایام را

یعنی اے مرشد مجھ کو جام عشق الٰہی دے دیجئے ...... جس سے دنیوی غم واندیشہ کے سر پر خاک ڈال دوں۔قالؒ

ساغرمی برکفم نہ تازسر	برکشم این دلق ازرق خام را

ازرق بتقدیم زای معجمہ برراي مہملہ ...... کبود مراد ہستی مستعار ...... یعنی شراب محبت مجھ کو دے دیجئے ...... تاکہ ان تعلقات فانیہ کو برطرف کردوں۔قالؒ

گرچہ بدنامی است نزد عاقلان	مانمی خواہیم ننگ و نام را

یعنی اگرچہ عاشقی موجب بدنامی ہے ...... کیونکہ جاہ وضع داری بھی اس میں برباد ہوجاتی ہے ...... عقلاء میں جو اہل دنیا ہیں ان کے نزدیک تو بدنامی کا یہ سبب ہے ...... اور ان میں جو اہل دین ہیں اور درددل سے ناآشنا ہیں ...... ان کے نزدیک وجہ یہ ہے

کہ بعض امور غلبہ عشق میں ایسے صادر ہو جاتے ہیں...... جو ظاہراً قواعد شرعیہ پر بلا تاویل منطبق نہیں ہوتے...... وہ اس لئے برا بھلا کہتے ہیں...... لیکن ہم کو ننگ و نام نہ چاہئے ......رضائے الٰہی کافی ہے۔ قال"

بادہ دردہ چند ازین باد غرور	خاک برسر نفس نافرجام را

عامل در قول او چند از ین باد غرور مقدر...... یعنی سخن رانم...... مطلب یہ کہ اس باد غرور ......یعنی دعویٰ ہستی و تعلقات فانیہ کا کہاں تک چرچا کرتا رہوں...... اور کب تک اس میں مبتلا رہوں...... مجھ کو شراب محبت دے دیجئے کہ یہ سب رخصت ہو...... اور گو نفس پر یہ شاق ہے مگر اس نفس نافرجام کی ایسی تیسی۔ قال"

دود آہ سینۂ سوزان من	سوخت این افسردگان خام را

اس میں عشق کی تاثیر بتلاتے ہیں...... کہ میرے سینہ سے جو آہ سوزاں نکلی اس کا یہ اثر ہوا ......کہ جو لوگ عشق سے مناسبت نہ رکھتے تھے...... ان میں بھی سوزش اور شورش پیدا ہوگئی۔ قال"

محرم رازدل شیدای من	کس نمی بینم زخاص و عام را

یعنی چونکہ دنیا میں عشاق کم ہیں...... اور بدون عشاق کے عاشق کا حال کوئی سمجھ نہیں سکتا...... اس لئے میں کسی شخص کو اپنا محرم اور راز فہم نہیں دیکھتا۔ قال"

بادلارامی مرا خاطر خوش است	کزدلم یکبارہ برد ارام را

اس میں بیان ہے...... قوت عشق محبوب حقیقی کا...... اور ترجمہ ظاہر ہے۔ قال"

ننگرد دیگر بسرو اندر چمن	ہر کہ دید آن سروسیم اندام را

اس میں بیان ہے...... محبوب حقیقی کے احسن و اجمل و اکمل ہونے کا...... کہ اس کے مشاہدہ کے بعد پھر محبوبان مجازی کی طرف التفات نہیں رہتا۔ قال"

از سرِ دنیا گذشتی غم مخور	خوش بخور ہم خوش بدارا یام را

اس میں تعلیم شکر ہے...... تعلقات دنیا سے دل سرد ہو جانے پر...... کہ منجملہ آثار قبول ذکر و ثمرات رضائے حق کے ہے...... کہ اب انشاء اللہ تعالیٰ کامیابی کی زیادہ امید ہے۔ قال"

صبر کن حافظ بسختی روز و شب	عاقبت روزے بیابی کام را

اس میں تعلیم ہے۔....صعوبات مجاہدہ کی برداشت کی.....ترجمہ ظاہر ہے۔غزل۔قالؒ

مابر فتیم تودانی و دل غم خورما	بخت بدتا بکجامی برد آبشخورما

معلوم ہوتا ہے کسی اتفاق سے ان میں اور مرشد میں مفارقت ہوئی ہے.....خواہ ان کو سفر پیش آیا ہو.....یا مرشد کو یا دونوں کو چنانچہ بعض اشعار اول احتمال پر دال ہیں.....بعض ثانی پر اور دونوں کا مجموعہ ثالث پر.....آبشخور بمعنی قسمت وحصہ.....مطلب ظاہر ہے کہ ہم جدا ہوتے ہیں.....آپ کو میرے دل غمزدہ کا حال معلوم ہے.....دیکھئے مرا طالع واژگون اس جدائی کے حصہ کو کہاں تک امتداد دیتا ہے۔قالؒ

از نثار مژه چون زلف شوُدر گیرم	قاصدے کز تو سلامی برساند برما

نثار مژه اشک ومیم مضاف الیہ مژه..... ودر گیر بمعنی پر گوہر.....یعنی اگر کوئی قاصد آپ کی طرف سے اس حالت مفارقت میں کچھ سلام و پیغام لائے.....تو اس قدر اشک نثار کروں.....اور اس کے سامنے آپ کی یاد اور محبت میں روؤں...... کہ وہ پر گوہر ہو جائے ......جس طرح آپ کی زلف پر گوہر ہے.....اکثر محبوبوں کی عادت ہے کہ زلف میں موتی پروتے ہیں.....اور اشک کو اکثر شعرا گوہر سے تشبیہ دیتے ہیں۔قالؒ

بدعا آمده ام ہم بدعا دست برآر	کہ وفا باتو قرین بادو خدایا ورما

یعنی رخصت کے وقت میں بھی دعا کرتا ہوا حاضر ہوا ہوں.....آپ بھی دعا فرمایئے ......کہ آپ کی توجہ وعنایت ہمیشہ میرے حال پر رہے.....اور خدا تعالیٰ ہمارا یاور رہے ......یاوری سے یہی مراد ہے کہ مرشد کی عنایت ہمیشہ ہمارے حال پر مبذول رکھے ......چونکہ طالب زیادہ محتاج ہوتا ہے.....اس لئے دعا میں اپنی ہی تخصیص کی۔قالؒ

گر ہمہ خلق جہان بر من وتو حیف خورند	بکشد از ہمہ انصاف ستم داور ما

حیف خورند رشک برند.....یعنی اگر حساد آپ کی اور میری محبت کو ناگوار سمجھیں.....تو ہمارا حاکم حقیقی اس ظلم کا انصاف کرے گا۔غالباً اس میں تعریض ہے.....حاسد پیر بھائیوں

کی طرف یا دنیادار نادان دوستوں کی طرف..... جو سمجھا کرتے ہیں ..... کہ فلاں بزرگ کے پاس آنے جانے سے ہمارا عزیز دنیا سے جاتا رہا۔ قال ؎

بسرت گرہمہ عالم بسرم بجز وشندا	نتوان بردہوائے تو بدون از سرما

بسرت قسم بسر تو..... مطلب ظاہر ہے کہ گو خلقت مجھ کو ملامت کیا کرے..... مگر آپ کی محبت ہرگز زائل نہیں ہوسکتی۔ قال ؎

فلک آوارہ بہر سوکندم میدانی	رشک می آیدش از صحبت جان پرور ما

اس میں تاسف ہے..... ایسے اتفاقات کے پیش آجانے پر..... کہ مرشد کی صحبت نصیب نہیں ہوتی..... باقی اس کی نسبت کرنا فلک کی طرف..... اور اس کو رشک سے تعبیر کرنا ..... یہ شاعرانہ طرز ہے..... اصل مقصود تاسف مذکور ہے۔ قال ؎

درد مندیم خبر میدہد از سوز درون	دہن خشک و لب تشنہ و چشم ترما

اس میں مقصود اظہار ہے..... اپنی دردمندی کا..... کہ لازمہ غلبۂ عشق ہے..... ترجمہ ظاہر ہے۔ قال ؎

ماز وصف رخ زیبای تو تادم زدہ ایم	ورق گل خجل است ازورق دفترما

اس میں مقصود وصف ہے..... محبوب کے جمال وکمال کا بطور کنایہ کے..... جس کی تقریر ظاہر ہے۔ قال ؎

زود باشد کہ بیباید بسلامت یارم	اے خوش آنروز کہ آید بسلامت برما

برما بمعنی نزدما..... اس میں تسلی دیتے ہیں اپنے دل کو..... کہ انشاء اللہ تعالیٰ یہ زمانہ مفارقت کا جلدی مبدل بہ وصل ہوگا..... دوسرے مصرع میں اس کی تمنا ہے..... اور ترجمہ ظاہر ہے۔ قال ؎

ہر کہ گوید کہ کجارفت خدارا حافظ	گو بزاری سفرے کردو برفت از برما

اس میں اظہار ہے اپنے رنج اور زاری کا..... وقت مفارقت کے بعنوان خاص..... یعنی اے مرشد اگر آپ سے کوئی پوچھے کہ خداواسطے بتا دیجئے..... کہ حافظ کہاں گیا تو آپ کہہ دیجئے کہ گریہ وزاری کرتا ہوا ہمارے پاس سے سفر میں گیا..... ف غالباً ایسے مضامین سے تنبیہ مقصود ہو طالبین کو..... کہ مفارقت شیخ کو امر ناگوار سمجھنا چاہئے..... اور بے ضرورت

اس سے جدا نہ ہونا چاہئے..... واللہ اعلم۔ غزل۔ قالؒ

لطف باشد گر نپوشی از گدایا روت را	تا بکام دل نہ بیند دیدۂ ماروت را

روت رادر ہر دو مصرعہ بمعنی روی تراو درین ایہام ست ..... باسم ہاروت و ماروت..... اس میں تمنا ہے مشاہدہ دائمہ کی..... کہ جب تک ہم جی بھر کر آپ کی تجلی کا مشاہدہ نہ کرلیں..... کیا خوب ہو کہ وہ مستتر نہ ہو..... اور جی بھرنا باقتضائے عشق ممتنع ..... پس تمنائے دوام مشاہدہ اس سے حاصل ہوگئی۔ قالؒ

ہمچو ہاروتیم دائم در بلائے عشق زار	کاشکے ہرگز نہ دیدے دیدۂ ماروت را

ہاروت در مصرعہ اول بمعنی متعارف..... و ماروت در مصرعہ دوم بمعنی مرکب از ضمیر جمع متکلم..... وروی مضاف بضمیر خطاب وتشبیہ در ابتلائی عشق بہ ہاروت بنا بر مشہور..... ترجمہ ظاہر ہے البتہ بظاہر یہ اشکال ہے کہ عاشق ہوکر..... اس تمنا کے کیا معنی..... کہ کاش میں محبوب کو نہ دیکھتا..... حل اس کا یہ ہے کہ ایسا دیکھنا جس کے بعد استتار و فراق ہوگیا ملزوم ہے..... اور غم و پریشانی لازم ہے..... پس یہاں ملزوم سے مقصود لازم ہے..... اور اس کی تمنا میں کچھ مضائقہ نہیں۔ قالؒ

کے شدی ہاروت وچاہ زنخدانش اسیر	گر نگفتے شمۂ از حسن او ماروت را

ہاروت و ماروت در ہر دو مصرعہ..... بمعنی متبادر وضمیر شین..... واو در حسن او رراجع بسوے زہرہ بقرینہ مقام..... ورا در ماروت را متصل بلفظ شمہ..... یعنی اگر ماروت شمہ را از حسن زہرہ بہ ہاروت نگفتے الخ..... واین ہم مبنی است..... برقصہ مشہور کہ بعضے گویند کہ اول ماروت آنرا دیدہ بہ ہاروت گفت..... مطلب ظاہر ہے غالباً مقصود اس سے یہ بتلانا ہے کہ عشق حقیقی کا سلسلہ چلنے میں..... مرشد کے بیان معارف کو بھی بڑا دخل ہے..... کہ مسترشد سن سن کر معرفت حاصل کرتا ہے..... اور معرفت سے محبت بڑھتی ہے..... جیسا مولوی جامی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے۔

نہ تنہا عشق از دیدار از خیزد	بسا کین دولت از گفتار خیزد

قالؒ

بوی گل برخاست گوئی در چمن ہاروت بود	بلبلان مستند گوئی دیدہ چون ماروت را

تا در ہاروت ماروت برائے خطاب　　تو گوئی در ہر دو مصرعہ بمعنی گویا　　مطلب یہ کہ یہ جو پھول کی خوشبو پھیل رہی ہے.... معلوم ہوتا ہے وہاں آپ کے جمال کا ظہور ہوگا اور یہ خوشبو اس کا اثر ہوگا.... اور اس پھول پر جو بلبل مست ہو رہے ہیں　　معلوم ہوتا ہے ہماری طرح انہوں نے آپ کا جمال دیکھ لیا ہے.... مطلب یہ کہ عالم میں جہاں کہیں حسن و جمال ہے.... آپ ہی کے حسن و جمال کا ظہور ہے.... اور جہاں کہیں عشق و محبت ہے.... وہ آپ ہی کے ساتھ واقع میں متعلق ہے.... گو خود اس عاشق کو جہل کی وجہ سے اس کا ادراک نہ ہو.... اس میں تحقیق ہے مسئلہ مظہریت خلق و ظاہریت حق کی.... جس کو بندہ نے کلید مثنوی میں چند جا لکھا ہے.... طویل الذیل ہونے کی وجہ سے یہاں گنجائش نہیں .... اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں جس مخلوق پر کوئی کسی وصف کمال کے سبب عاشق ہوگا .... اور وہ وصف کمال درحقیقت کمال حق تعالیٰ کا ہے.... پس اصل محبوب حق تعالیٰ ہوا .... جیسے دیوار پر تابش آفتاب دیکھ کر کوئی عاشق ہو جائے.... تو واقع میں وہ دھوپ کا عاشق ہے مگر جاہل ہے.... اور اس لئے مورد ملامت بھی ہے۔ قالؒ

میکشم جور و جفاہایت زہجران ای صنم	روی بنما تا بہ بیند حافظ ماروت را

چون بت را عابدان او بقدر وسع.... بالبسہ والقمصہ وحلیہا می آرایند.... لہٰذا بر محبوب اطلاق او عادت شدہ است۔ وروت ای روی تو.... وحافظ مامظہر موضع مضمر ای تا بہ بینم.... ترجمہ ظاہر ہے کہ تمنا ہے توارد تجلیات جمالیہ کی.... بعد صعوبات قبض ومجاہدات شاقہ کے۔

غزل۔ قالؒ

تا جمالت عاشقان راز د بوصل خود صلا	جان و دل افتادہ اند از زلف وخالت در بلا

زلف و خال مراد از حسن.... مطلب یہ ہے کہ جب سے عشاق کو بذریعہ انبیاء و اولیاء کے.... آپ کے وصل و قرب کا ممکن الحصول ہونا معلوم ہوا ہے.... تو اس امید میں مشغول طلب ہوئے ہیں.... اور طرح طرح کے صعوبات کو گوارا کر رہے ہیں.... شاید اس میں یہ بتانا ہو کہ عاشق کو صعوبات سے گھبرانا نہ چاہئے.... کہ اس کا ثمرہ اخیر دولت قرب ہے۔ قالؒ

انچہ جان عاشقان از دست ہجرت میکشد	کس ندیدہ در جہان جز کشتگان کربلا

اس میں بیان کرنا مقصود ہے..... شدائد عشق و ہجران کا..... کہ عبارت ہے قبض سے جو عادۃً لوازم اکثریہ عشق سے ہے..... شاید مقصود اس سے بھی پہلے سے بتلا دینا ہو..... طالب کو تاکہ وقوع کے وقت بددل اور کم ہمت نہ ہو۔ قال

ترک ماگر میکند رندی و مستی جان من	ترک مستوری و زہدت کرد باید اولا

ترک در مصرعہ اول بضم تا..... مراد معشوق و در مصرعہ ثانی بفتح تا گذاشتن..... و جان من منادی خطاب بنفس خود یا بمسترشد ورندی و مستی مراد غالب کردن آثار عشق..... و مستوری وزہد مراد وضع داری و تحفظ از ملامت..... مطلب یہ کہ اگر محبوب حقیقی کی جانب سے ایسے واردات عشقیہ کا غلبہ ہو..... جس سے ظاہرداری منہدم اور وضعداری منعدم ہوتی ہو..... تو اس میں یہ پس و پیش نہ کرے..... کہ خلق ملامت کرے گی..... یا ریاکار کہے گی بلکہ ان آثار کے تابع ہو جانا چاہئے..... بلا سے کوئی برا بھلا کہے..... حاصل یہ کہ شرع کا پاس ضروری ہے وضع کا ضروری نہیں۔ قال

بزم عیش و موسم شادی و ہنگام طرب	پنجروز ایام عشرت راغنیمت دان ولا

اس میں طالب کو تضیع اوقات سے منع کرنا مقصود ہے..... یعنی مجمع صلحاء و ذاکرین اور اوقات..... ذکر و طاعت اور زمانہ جوانی و قوت کو کہ یہ چند روزہ عمر تک میسر ہے..... غنیمت سمجھو..... اور کچھ ذخیرہ جمع کرلو۔ قال

حافظا گر پای بوس شاہ دستت میدہد	یافتی در ہر دو عالم زینت عز و علا

مقصود اس سے تہوین و تسہیل ہے امر مجاہدہ کی..... یعنی مجاہدات سے مت گھبراؤ..... کیونکہ اگر اس سے قرب محبوب حقیقی کا میسر ہوگیا..... جیسا کہ غالب امید بلکہ وعدہ واثقہ ہے..... تو تم کو تمام تر عزت و علو اور سب کچھ دولت میسر ہوگئی..... یہ ایسا مضمون ہے جیسا کسی نے کہا ہے ع: متاع جان جاناں جان دینے پر بھی سستی ہے..... واللہ اعلم۔ تمام شد ردیف الف

ردیف الباء

غزل

میدمد صبح کلہ بستہ سحاب	الصبوح الصبوح یا اصحاب
میچکد ژالہ بر رخ لالہ	المدام المدام یا احباب
می وزد از چمن نسیم بہشت	خوش بنو شید دائمای ناب
تخت زرین زدست گل بچمن	راح چون لعل آتشین دریاب

کلہ پردہ تنک کہ جہت دفع نکس و پشہ وغیرہ کشند...... صبوح شراب صبح...... مدام وراح بمعنی شراب...... ژالہ مراد شبنم ...... وسحاب فاعل بستہ ای سحاب کلہ رابستہ وکشیدہ است...... وراح مفعول دریاب...... ان اشعار میں صبح اور سحاب اور ژالہ اور لالہ وغیرہا مفردات کوجدا جدا امور باطنیہ پر منطبق کرنا...... جیسا عام شراح نے کیا ہے...... تکلف محض ہے...... بلکہ سہل یہ ہے کہ کہا جائے کہ چونکہ عادۃً ایسے وقتوں میں شراب پیا کرتے ہیں ...... کہ صبح کا وقت ہوابر ہورہا ہو پھولوں پر شبنم کے قطروں کا ترشح ہوا ہو...... پھول شگفتہ ہوں...... اس لئے یہ مجموعہ کنایہ ہے...... شراب پینے کے موقع اور وقت سے...... حاصل یہ ہوا کہ اب شراب پینے کا موقع ہے...... خوب شراب پیو۔ مطلب معنوی یہ کہ عمر ہے...... مہلت ہے۔ فراغت ہے ذکر وطاعت ومعرفت کو غنیمت سمجھو...... جیسا حدیث میں ہے۔

اغتنم خمسا قبل خمس...... صحتک قبل سقمک...... وحیاتک قبل موتک...... وفراغک قبل شغلک ...... وشبابک قبل هرمک ......الخ او کما قال واللہ اعلم.

انچہ جان عاشقان از دست ہجرت میکشد	کس ندیدہ در جہان جز کشتگان کربلا

اس میں بیان کرنا مقصود ہے...... شدائد عشق و ہجران کا...... کہ عبارت ہے قبض سے جو عادۃً لوازم اکثر یہ عشق سے ہے...... شاید مقصود اس سے بھی پہلے سے بتلا دینا ہو...... طالب کو تاکہ وقوع کے وقت بددل اور کم ہمت نہ ہو۔ قالؒ

ترک ما گر میکند رندی و مستی جان من	ترک مستوری وزہدت کرد باید اولا

ترک در مصرعہ اول بضم تا...... مراد معشوق و در مصرعہ ثانی بفتح تا گذاشتن...... و جان من منادی خطاب بنفس خود یا بمستر شد و رندی و مستی مراد غالب کردن آثار عشق...... و مستوری و زہد مراد وضع داری و تحفظ از ملامت...... مطلب یہ کہ اگر محبوب حقیقی کی جانب سے ایسے واردات عشقیہ کا غلبہ ہو...... جس سے ظاہر داری منہدم اور وضعداری منعدم ہوتی ہو...... تو اس میں یہ پس و پیش نہ کرے...... کہ خلق ملامت کرے گی...... یا ریاکار کہے گی بلکہ ان آثار کے تابع ہو جانا چاہئے...... بلا سے کوئی برا بھلا کہے...... حاصل یہ کہ شرع کا پاس ضروری ہے وضع کا ضروری نہیں۔ قالؒ

بزم عیش و موسم شادی و ہنگام طرب	پنجروز ایام عشرت را غنیمت دان ولا

اس میں طالب کو تضیع اوقات سے منع کرنا مقصود ہے...... یعنی مجمع صلحاء و ذاکرین اور اوقات...... ذکر و طاعت اور زمانہ جوانی و قوت کو کہ یہ چند روزہ عمر تک میسر ہے...... غنیمت سمجھو...... اور کچھ ذخیرہ جمع کر لو۔ قالؒ

حافظا گر پای بوس شاہ دستت میدہد	یافتی در ہر دو عالم زینت عز و علا

مقصود اس سے تہوین و تسہیل ہے امر مجاہدہ کی...... یعنی مجاہدات سے مت گھبراؤ...... کیونکہ اگر اس سے قرب محبوب حقیقی کا میسر ہو گیا...... جیسا کہ غالب امید بلکہ وعدہ واثقہ ہے...... تو تم کو تمام تر عزت و علو اور سب کچھ دولت میسر ہو گئی...... یہ ایسا مضمون ہے جیسا کسی نے کہا ہے ع: متاع جان جاناں جان دینے پر بھی سستی ہے...... واللہ علم۔ تمام شد ردیف الف

❀❀❀

ردیف الباء

غزل

میدمد صبح کلہ بستہ سحاب	الصبوح الصبوح یا اصحاب
میچکد ژالہ بر رخ لالہ	المدام المدام یا احباب
می وزد از چمن نسیم بہشت	خوش بنو شید دائمای ناب
تخت زرین زدست گل بچمن	راح چون لعل آتشین دریاب

کلہ پردہ تنک کہ جہت دفع نکس و پشہ وغیرہ کشند......صبوح شراب صبح...... مدام وراح بمعنی شراب...... ژالہ مراد شبنم ...... وسحاب فاعل بستہ ای سحاب کلہ رابستہ وکشیدہ است...... وراح مفعول دریاب...... ان اشعار میں صبح اور سحاب اور ژالہ اور لالہ وغیرہا مفردات کو جدا جدا امور باطنیہ پر منطبق کرنا......جیسا عام شراح نے کیا ہے......تکلف محض ہے...... بلکہ سہل یہ ہے کہ کہا جائے کہ چونکہ عادۃً ایسے وقتوں میں شراب پیا کرتے ہیں ......کہ صبح کا وقت ہو ابر ہو رہا ہو پھولوں پر شبنم کے قطروں کا ترشح ہوا ہو...... پھول شگفتہ ہوں......اس لئے یہ مجموعہ کنایہ ہے......شراب پینے کے موقع اور وقت سے......حاصل یہ ہوا کہ اب شراب پینے کا موقع ہے......خوب شراب پیو۔ مطلب معنوی یہ کہ عمر ہے...... مہلت ہے۔ فراغت ہے ذکر وطاعت ومعرفت کو غنیمت سمجھو......جیسا حدیث میں ہے۔

اغتنم خمسا قبل خمس...... صحتک قبل سقمک...... وحیاتک قبل موتک...... وفراغک قبل شغلک ...... وشبابک قبل ھرمک ......الخ او کما قال واللہ اعلم۔

داشت برجان وسینہا می کباب	لب و دندان تو حقوق نمک

مدلول ظاہری تو یہ ہے کہ...... کباب کی گردن پر محبوب کے لب و دندان اپنا حق نمک رکھتے ہیں ...... یعنی کباب میں جو چاشنی اور لذت ہے...... وہ محبوب کے لب و دندان کی چاشنی ولذت سے مستفاد ہے...... اور مدلول معنوی یہ ہے کہ جس ممکن میں جو صفت دلکشی و دلربائی کی موجب ہے...... وہ محبوب حقیقی کے افاضہ اور افادہ کی بدولت ہے...... پس طالب حقیقت کو چاہئے...... کہ اس کو اپنا قبلہ توجہ بنا دے ماوشما میں دل نہ پھنسائے۔

الابواب مفتح یا افتح	در میخانہ بستہ اند دگر

میخانہ سے مراد عالم قبض...... یعنی پھر قبض ہو گیا ہے بسط عنایت کیجئے...... گو قبض اور بسط عارف کے نزدیک یکساں ہے...... لیکن بعض اوقات طلب بسط میں اظہار عبدیت و افتقار واحتیاج وضعف ہے...... اور یہ خود بھی اعلیٰ مطالب سے ہے...... اور ایک دقیق کمال ہے اور بعض نسخوں میں دگر کی جگہ مگر ہے...... خواہ تحقیق کے لئے یا بمعنی شاید...... کیونکہ قبض کبھی محقق ہوتا ہے کبھی مشتبہ ہوتا ہے۔

کہ بہ بندند میکدہ بشتاب	درچنیں موسے عجب نہ بود

اور بعض نسخوں میں ہے...... عجب باشد...... پس نسخہ اولے پر بہتر ہے کہ میکدہ سے مراد محل ذکر و طاعت لیا جائے...... اور یہ شعر علت ہو گی اشعار چارگانہ ابتدائی غزل کی...... یعنی میں اس لئے ذکر وطاعت کی ترغیب دیتا ہوں...... کہ کہیں اس کا محل (کہ عمر دنیا ہے) مسدود اور ختم نہ ہو جائے...... پھر دار الجزاء میں عمل معتبر نہیں...... اور نسخہ ثانیہ پر میکدہ سے عالم قبض مراد لیا جائے...... جیسا کہ اس سے اوپر کے شعر میں میخانہ سے یہی مراد تھا...... یعنی ایسے موسم میں کہ انبساط مطلوب ہو...... فیوض واردات کا بند ہونا تعجب کی بات ہے...... اور اس تعجب کی یہ وجہ نہیں کہ یہ امر نامناسب ہے...... کیونکہ عارف تو اس کو نامناسب ہرگز نہیں سمجھتا...... بلکہ عقائد صحیحہ میں سے یہی امر ہے کہ ایسے حوادث و بلیات موجب رحمت ہیں ...... بلکہ مقصود تعجب سے تاسف طبعی یا بنا بر اظہار افتقار ہے...... جس کی شرح اوپر ہوئی

ہے..... چونکہ یہ قبض خلاف توقع ہوا..... اور تعجب خلاف مذموم امر پر ہوتا ہے..... اس لئے اس تاسف کو تعجب سے تعبیر کر دیا گیا..... واللہ اعلم۔

زاہد اے بنوش رندانہ	فاتقوا اللہ یا اولی الالباب

رندی سے مراد مطلق بے تکلفی تصنعات سے ..... نہ کہ آزادی حدود شرعیہ سے ..... یعنی ذکر واطاعت میں ریا وتصنع مت کرو کہ حابط عمل ہے..... اور اس بارے میں خدا سے ڈرو کہ مقتضائے عقل ہے۔

گرنشان ز آب زندگی جوئی	مئے نوشین بخور ببانگ رباب

بانگ رباب سے چونکہ حرکت اور رغبت ہوتی ہے شراب پینے کی طرف..... مراد اس سے محرکات ذکر وطاعت ہیں..... یعنی تعلیم انبیاء واولیاء کی..... مطلب یہ کہ اگر حیات ابدیہ مطلوب ہو..... تو حسب ارشاد ہادیان طریق ذکر وطاعت اختیار کرو..... جیسا دوسری جگہ کہا ہے..... ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

چون سکندر حیات اگر طلبی	لب لعل نگار رادر یاب

لب لعل نگار سے مراد یہی ذکر محبوب ہے..... اس کا مطلب بھی مثل شعر بالا کے ہے۔

بررخ ساقی پری پیکر	موسم گل بنوش بادہ ناب

عادت ہے کہ محبوب کے جمال کو دیکھتے جاتے ہیں..... اور مستی میں شراب پیتے جاتے ہیں..... حاصل یہ کہ ذکر وطاعت میں محض ظاہری اقوال وافعال پر اقتصار مت کرو..... بلکہ حضور قلب واقبال علی اللہ کے ساتھ کرو..... جیسا حدیث میں ہے ان تعبداللہ کانک تراہ اور حدیث میں ہے من صلی رکعتین مقبلا بقلبه علیهما اور قرآن میں ہے فی صلاتهم خاشعون۔

حافظا غم مخور کہ شاہد بخت	عاقبت برکشد زچہرہ نقاب

اس میں تسلی ہے سالک کی ..... کہ مجاہدات وریاضات یا اور واردات شاقہ سے ..... اور حصول ثمرات مطلوبہ میں توقف ہونے سے دلگیر اور مایوس نہ ہونا چاہئے..... حسب وعدہ صادقہ و الذین جاهدوا فینا لنهدینهم سبلنا ضرور واصل الی المطلوب ہوگا

......جیسا دوسری جگہ کہا ہے......عاقبت روزی بیابی کام را۔

غزل

گفتم ای سلطان خوبان رحم کن براین غریب	گفت درد بنال دل رہ گم کند مسکین غریب
گفتمش بگذر زمانے گفت معذورم بدار	خانہ پروردے چہ تاب آردغم چندین غریب
خفتہ برسنجاب شاہی نازنینے راچہ غم	گرز خارو خارہ سازد بستر و بالین غریب
ایکہ درزنجیر زلفت جاے چندین آشناست	خوش فتادآن خال مشکین بررخ رنگین غریب
بس غریب افتادہ است آن مورخط گردرخت	گرچہ بنوددر نگارستان خط مشکین غریب
مینماید عکس مے دررنگ روے مہوشت	ہمچو برگ ارغوان برصفحۂ نسرین غریب
گفتم ای شام غریبان طرۂ شبرنگ تو	درسحر گاہان خدر کن چون بنالداین غریب
باز گفتم ماہ من آن عارض گلگون مپوش	ورنہ خواہی ساخت ماراختہ ومسکین غریب
گفت حافظ آشنایان درمقام حیرت اند	دور بنود گرنشیند ختہ ومسکین غریب

غریب درشعر چہارم وپنجم وششم......بمعنی عجیب وزیبا وخوش......مورخط موی سیاہ وخورد مثل مور......چنانچہ سعدی گفتہ است۔

سوال کردم و گفتم جمال روے ترا	چہ شد کہ مورچہ برگرد ماہ جوشیدہ است

اس مجموعہ غزل میں بیان ہے مخاطبات ومعاملات کا......درمیان مسترشد مغلوب الحال ومرشد ہادی طریق وصاحب کمال کے......جاننا چاہیئے کہ طالب حریص بوجہ صاحب غرض ہونے کے مثل مجنون کے ہوتا ہے......اور یہ معلوم ہے کہ مدار فیض کا مرشد کی توجہ پر ہے......کہ تعلیم وہمت ودعا سب اسی توجہ کے فروع ہیں......اور بعض اوقات اپنے زعم میں مسترشد اپنے کسی حال میں کمی پاتا ہے تو اس کو وہم ہوتا ہے......مرشد کی کم توجہی کا جس کا منشا یہ ہوتا ہے کہ اولاً مرشد پر ہجوم ہوتا ہے مسترشدین کا......اب وہ ایک ہی کو کس طرح لے

کر بیٹھ جائے...... پھر احوال وواردات کے باب میں اس کو پوری بصیرت وخبرت ہوتی ہے...... جانتا ہے کہ اختلاف استعداد کی وجہ سے بعض ثمرات میں ضعف یا توقف بھی ہوتا ہے...... بعض تغیرات عادۃ لازمہ طریق ہوتے ہیں ......اور مسترشدان امور میں محض ناتجربہ کار ہوتا ہے......ادنیٰ ادنیٰ تبدل اور تخیل سے وہ پریشان ہو جاتا ہے......اور مرشد اس کو معمولی بات سمجھتا ہے......اس لئے وہ بقدر ضرورت توجہ کو کافی سمجھتا ہے......اور مسترشد توجہ میں غلو کا طالب ہوتا ہے......اور مرشد پر بوجہ اس کے کہ وہ متبوع ہے اتباع رائے مسترشد کا واجب نہیں ہوتا......ایسے وقت میں طبعاً مسترشد تنگ ہوتا ہے......اور مرشد کی بے توجہی کے اس کو وساوس آتے ہیں بس اس غزل میں ان وساوس کو اور مرشد کے تمکین و معاملہ و عدم غلو فی التوجہ کو بصورت مقاولات بیان کرتے ہیں...... کہ میں نے رحم کی درخواست کی تو جواب ملا کہ اپنے دل کے کہنے سے یعنی اپنے قصد واختیار سے تو گم گشتہ اور سرگشتہ ہوا ہے......یعنی سلوک قصداً اختیار کیا ہے......تو سلوک میں تو ایسی گم گشتگی اور تحیر لازم ہے......پھر اتنا شور وغل کاہے کے واسطے...... یہ شعر اول ہوا...... میں نے درخواست کی کہ میرے پاس کو تو کسی وقت گزرنا چاہئے......یعنی زیادہ معمول سے...... جواب ملا کہ میں اس سے معذور ہوں...... کیونکہ صدہا طالب ہیں......میں تنہا (کہ خود خانہ پرور، ولطیف المزاج ہوں) سب کی برداشت ہر ایک کی مرضی کے موافق کیسے کرسکتا ہوں...... یہ دوسرا شعر ہوا۔اور صاحب تمکین صاحب تلوین کی پریشانی سے متاثر نہیں ہوا کرتا...... یہ تیسرا شعر ہوا......اور آپ خلائق کے مرجع ہیں آپ کے کمالات میں یہ بے توجہی واستغنا کا حال بھی بہت ہی خوشنما ہے...... کیونکہ مرشد محبوب ہوتا ہے اور محبوب کی ہر ادا اچھی معلوم ہوتی ہے گو محب کو اس سے تکلیف ہی کیوں نہ ہو یہ چوتھا شعر ہوا......اور گو نگارستان کمالات میں یہ بے توجہی کی صفت فی نفسہ محمود نہیں...... کیونکہ کمال تو توجہ کرنا حال طالب پر ہے......لیکن آپ کے رخ زیبا نے کمالات کے ساتھ یہ خط سیاہ...... بے توجہی کا خوشنما معلوم ہوتا ہے ......بالوجہ الذی ذکر...... یہ شعر پنجم ہوا۔اور آپ کے چہرہ پر آثار محبت ومعرفت الٰہیہ کے نمودار ہیں ......جس طرح صفحہ نسرین پر برگ سرخ خوشنما معلوم ہوتا ہے......یعنی آپ

صاحب کمال ضرور ہیں...... گو مجھ کو بے توجہی کی شکایت ہے...... یہ شعر ششم ہوا میں نے عرض کیا کہ آپ کی زلف شبرنگ شام غریبان ہے...... یعنی جس وقت زلف کو رخ پر لٹکا کر رخ کو چھپا لیتے ہیں...... غریبوں کی نظر میں عالم تاریک ہو جاتا ہے...... مثل شام کے...... حاصل یہ کہ آپ کی بے توجہی سے رنج اور پریشانی ہوتی ہے...... جب غریب سحرگاہ میں نالہ کیا کرے...... یعنی اپنا غم ظاہر کرے تو نالہ سے حذر کیا کیجئے...... یعنی استغنا کی مضرت سے اندیشہ کر کے توجہ کیا کیجئے...... یہ شعر ہفتم ہوا...... پھر میں نے مکرر درخواست کی کہ آپ مجھ سے توجہ کو منعطف نہ کیجئے...... ورنہ پھر ہم کو آپ مبتلائے غم کر دیں گے...... یہ شعر ہشتم ہوا...... مرشد نے جواب دیا کہ اے حافظ خود آشنا...... یعنی عارفین اپنے حال کے مناسب مقام تحیر میں ہیں...... اور وصل و قرب تام میسر نہیں...... تو پھر خستہ و مسکین (کہ نا آشنا) ہے اگر غمزدہ ہوا بیٹھا رہے تو مستبعد نہیں...... یہ شعر مقطع کا ہوا...... اور مسترشد کی جانب سے جو خطابات موہمہ سوء ادب ہیں...... غلبہ حال اس کا عذر ہے...... فقط۔ غزل۔ قالؒ

آفتاب ازروی اوشد درحجاب	سایہ رابا شد حجاب از آفتاب

یعنی جب محبوب حقیقی کی تجلیات...... سالک کے قلب پر مستولی ہوتی ہیں...... تو یہ محبوبان مجازی کہ مثل آفتاب کے حسین وجمیل ہیں اس کے قلب سے غائب ومحجوب ہو جاتے ہیں...... اور مصرعہ ثانیہ تمثیل ہے کہ جس طرح آفتاب کے سامنے سایہ غائب ہو جاتا ہے...... اس میں ایک وارد کی تحقیق بھی ہے...... اور ترغیب بھی ہے کہ تعلقات ماسوی اللہ کو محو کرنا چاہو...... تو معرفت اور تعلق محبوب حقیقی کا حاصل کرو کہ...... ایک طریقہ سلوک کا یہ بھی ہے جس میں وصل مقدم ہے فصل پر...... اور ایک دوسرا طریقہ بھی مشہور ہے...... جس میں فصل یعنی قطع تعلقات ماسوی اللہ مقدم ہے...... وصل یعنی تعلق باللہ پر جس سالک کو جیسی مناسبت ہو...... اس کے لئے وہی نافع ہوتا ہے۔ قالؒ

دست ماہ و مہر بر بندد بحسن	ماہ بے مہرم چو بر بندد نقاب

ماہ و مہر مصرع اول میں بمعنی ماہتاب و آفتاب کنایہ از محبوبان مجازی...... و ماہ در مصرع

دوم کنایہ از محبوب حقیقی...... و بے مہری کنایہ از استغناء ذاتی و اختیار ایں عنوان رعایت تجنیس است...... و چون مصرع اولی بنا بر جزا بودن رتبہ مؤخر خراست مرجع بند دور آن ماہ بے مہر توان شد...... مطلب اس کا بھی مثل شعر اول کے ہے...... کہ محبوب حقیقی سب محبوبان مجازی کو اپنی تجلی سے عاجز اور مغلوب کر دیتا ہے۔ قالؒ

از خیالم باز نہ شناسد کسے	گر در آغوشش بہ بینم شب بخواب

اس میں اشارہ ہے محویت سالک کی طرف...... وقت غلبہ تجلی کے...... حاصل یہ کہ اگر میں اس کو کسی شب کو خواب میں اپنی آغوش میں دیکھ لوں...... چونکہ غلبہ تجلی کی حالت مشابہ منام کے ہوتی ہے...... اس لئے اس کو شب سے تشبیہ دے دی...... اور آغوش کنایہ ہے قرب سے...... یعنی اگر ایسی حالت ہو جائے تو میں ایسا محو ہو جاؤں کہ...... مجھ میں اور خیال میں تمائز باقی نہ رہے...... یہ محمول ہے مبالغہ پر...... اور خواب وخیال کے اجتماع میں جو صنعت اور لطافت ہے...... ظاہر ہے۔ قالؒ

شاہدان مستور و مستان بے شکیب	خانقہ معمور و درویشان خراب

شاہد ان تجلیات محبوب حقیقی...... مستان عاشقان و مجاذیب۔ درویشان سالکان وعارفان...... خانقہ عبادت خانہ زاہدان...... مطلب یہ کہ محبوب حقیقی کی محبت کا مختلف رنگوں میں سب ہی جگہ اثر پہنچا ہے...... کیونکہ وہ تو مع اپنی تجلیات کے مستور رہے...... اور سب ہیں اس کے طالب...... پس ان طالبوں میں جو مشرب عشق رکھتے ہیں...... وہ تو طلب میں بے صبر ہیں...... جو کہ لوازم عشق سے ہے...... اور جو سالک وعارف ہیں...... کہ کسی قدر انکشاف مطلوب کا ان کو ہوا ہے...... وہ اس کے اثر سے خراب...... یعنی فناء و محو ہو چکے ہیں...... اور جو زاہد ہیں...... کثرت عبادت کے طریقہ سے وصول چاہتے ہیں...... اور ان پر عشق کا غلبہ نہیں ...... وہ عبادت خانوں میں مشغول طاعات ہو رہے ہیں...... اور عبادت خانے ان سے آباد ہو رہے ہیں اور مستوری اور مستی میں اور معموری اور خرابی میں...... جو صنعت تقابل ہے ظاہر ہے...... اس میں محبوب حقیقی کے وصول کے طریق کے تکثر اور طالبین کے اقسام کی تعداد کی

طرف بھی مجملاً اشارہ ہے...... جیسا کہا گیا ہے طرق الوصول الی الله بعدد انفاس الخلائق...... اوراس پر یہ بھی متفرع ہوتا ہے...... کہ جب تک کسی طالب حق کی حالت کا مہ شرعی کے اندر رکھنا تاویل سے ممکن ہو خروج کا حکم نہ لگا دینا چاہیے۔ قالؒ

خون دل درجام دیدم از سرشک	آبرو برباد وادم از شراب

از سرشک بیان است مرخون دل را...... ومراد از شراب عشق...... اس میں بیان ہے بعض آثار عشق کا...... یعنی آنسوؤں سے جو خون دل نکلا جام میں شراب کو دیکھنا گویا اس کو دیکھنا ہے...... دونوں سرخ وارغوانی ہیں...... اور شراب محبت ایسی پی کہ اس سے ننگ و ناموس سب جاتا رہا...... اس میں من وجہ یہ بھی اشارہ ہے کہ عاشق کو ایسے حال میں تحمل چاہئے...... کہ یہ حال لوازم عشق سے ہے۔ قالؒ

از برائے بادہ مے باید زدن	محتسب راحد بیحد وحساب

مے شراب عشق...... ومحتسب ظاہر پرست وکلام محمول است بر مطائبہ...... یعنی محتسب جو کہ ترک می نوشی کی غرض سے حد لگا رہا ہے لوگوں کو چاہئے کہ اسکو می نوشی کی غرض سے بے حساب حد لگا دیں...... یعنی اہل ظاہر طریق عشق سے کیا منع کرتے ہیں خود انہی کے لئے اس طریق میں لانے کی کوشش مناسب ہے...... حد اور بے حد میں صنعت تقابل ظاہر ہے۔ قالؒ

سوز ستان گر بداند محتسب	درروم از می شان زند برآتش آب

اس کا مضمون مثل تتمہ شعر سابق کے ہے...... یعنی اہل ظاہر جو مانع طریق عشق سے ہیں...... وجہ یہ ہے کہ وہ سوز عشاق سے بے خبر ہیں...... ورنہ اگر ان کو اس کی خبر ہو جائے تو فی الفوران کی آتش پر جو پانی چھڑکیں وہ بھی شراب ہی ہو...... یعنی اگر ان کے سوز کی حقیقت سے آگاہ ہوں...... تو بجائے اس کے کہ اس کا علاج منع عن العشق کو کہتے ہیں...... خود عشق ہی سے اس کا علاج تجویز کریں کیونکہ عشق میں سوز ہوتا ہے...... فراق محبوب سے...... اور فراق کا علاج وصل ہے...... اور وہ وصل چونکہ بوجہ غیر متناہی ہونے کمالات محبوب کے منتہی و صالات کا نہیں ہے...... اس لئے خود اس وصل کے لئے عشق اس کے اوپر کے درجہ وصل کا

لازم ہے ...... اس لئے وصل کے علاج ہونے کو عشق کے علاج ہونے سے تعبیر کردیا پس شعر بالا میں محتسب کے منع عن العشق کے امر کا بیان تھا اور اس میں منع مذکور کے موثر اور علت یعنی بے خبری کا بیان ہے ...... دردم بمعنی فی الفور ازمی بیان قدم آب۔ قالؒ

حافظا وعظ و نصیحت گو مکن	ترک ترکان خطا بنود صواب

اس میں بھی تعریض ہے محتسب پر ...... یعنی اس محتسب سے کہہ دو کہ تم نصیحت مت کرو ...... کیونکہ شہر خطا کے ترکوں یعنی محبوبوں کو ترک کرنا ...... مطلب یہ کہ طریق عشق سے تجلیات محبوب حقیقی کا طالب نہ ہونا) قرین صواب نہیں ہے ...... کیونکہ استعداد طالبین کی مختلف ہے ...... پھر کیسے ترک کردیا جائے ...... ترک بالفتح اور ترک بالضم اور خطا اور صواب میں جو صنعتیں ہیں ظاہر ہیں۔ غزل۔ قالؒ

تعالے اللہ چہ دولت دارم امشب	کہ آمد ناگہان دلدارم امشب
چودیدم روی خوبش سجدہ کردم	بحمداللہ نکو کروارم امشب
نہال عیشم ازوصلش برآورد	زبخت خویش بر خوردارم امشب
کشد نقش انا الحق برزمین خون	چو منصور ارکشی بردارم امشب
برات لیلۃ القدرے بدستم	رسید از طالع بیدارم امشب
برآن عزمم کہ گر خودمی رودسر	کہ سرپوش از طبق بردارم امشب
تو صاحب نعمتی من مستحتم	زکوۃ حسن دہ حق دارم امشب
ہمی ترسم کہ حافظ محو گردد	ازین شوری کہ درسر دارم امشب

یہ غزل حالت بسط کی معلوم ہوتی ہے ...... اسی لئے اس میں بعض مضامین شکر بشین معجمہ کے ...... اور بعض مضامین سکر بسین مہلہ کے ...... اور بعض مضامین طلب مزید واحتیاج اور بعضے ابتہاج کے ہیں ...... چنانچہ فرماتے ہیں کہ اللہ اکبر آج مجھ کو کیا دولت حاصل ہے کہ دفعتہً قبض رفع ہو کر تجلی بسط کی ہوگئی ...... اور جب مجھ کو اس تجلی کا مشاہدہ ہوا تو میں نے سجدہ شکر

ادا کیا......اور بفضلہٖ تعالےٰ اچھا کام کیا کیونکہ شکر خود محبوب کو مطلوب ہے......اور میرے نہال زندگی کو اس کے وصل کا ثمر لگا......پس بر بمعنی ثمر واز وصلش بیان مقدم او آج اپنے نصیب سے میں خوب فیضیاب ہو رہا ہوں......اور آج تو مجھ کو وہ جوش ہے......کہ مجھ کو محبوب حقیقی منصور کی طرح قتل بھی کر دے تو میرا ہر قطرہ خون نقش انا الحق بنانے لگے......جیسا منصور کا قصہ اسی طرح مشہور ہے......اور آج طالع بیدار سے مجھ کو ایسی چیز ملی جو مایہ مسرت ہونے میں مشابہ ہے......برات لیلۃ القدر کے...... برات وہ پروانہ ہے جس میں کوئی شاہی حکم جاگیر یا انعام وغیرہ کا لکھا جائے شب قدر کی طرف......اس لئے نسبت کی جاتی ہے کہ اس میں کتابت اقدار وارد ہے......اور وہ مکتوب برات ہے۔اور مجھ کو وہ جوش نشاط ہے......کہ اگر سر بھی جاتا رہے کچھ پروا نہیں پکا ارادہ کرلیا ہے کہ آج طبق اسرار کا سرپوش اٹھائے دیتا ہوں ......اور اے محبوب حقیقی آپ مالک نعمت ہیں......اور میں مستحق نعمت ہوں......یعنی باستحقاق فضل پس آج مجھ کو حقدار ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ حسن دے دیجئے......یعنی خوب انکشاف تجلیات فرمائیے......پھر مقطع میں ہے کہ اگر یہی جوش وخروش رہا تو خدا خیر کرے مجھ کو اندیشہ ہے کہ کہیں فنا و استہلاک نہ ہو جائے......خواہ عقل وحواس کا یا نفس وروح کا جس کا حاصل جنوں ہے......یا موت کیونکہ وارد کے قوی اور مورد کے ضعیف ہونے کا یہی انجام ہے۔

غزل

صبح دولت میدہد کو جام ہمچون آفتاب	فرصتے بہ زین کجا باشد بدہ جام شراب
خانہ بے تشویش وساقی یار مطرب بذلہ گو	موسم عیش ست و دور ساغر وعہد شباب
شاہد وساقی بدست افشان ومطرب پائے کوب	غمزۂ ساقی ز چشم می پرستان بردہ خواب
خلوت خاص است وجائے امن ونزہت گاہ انس	اینکہ می بینم بہ بیداری است یارب یا بخواب

یہ اشعار بھی حالت بسط کے معلوم ہوتے ہیں......اور مقصود ان سے بھی طلب مزید اور شکر علی الحاصل ہے......یعنی اس وقت استعداد وصل ترقی پر ہے......اور دولت وصل کی قوت قریبہ حاصل ہے......جیسے صبح نور بخش وسرور افزا قریب ہوتی ہے......سو ایسے میں محبوب حقیقی

سے عرض ہے کہ وہ جام نورانی فیوض وتجلیات کا عطا فرما دیجئے......اس سے بہتر اور ایسا موقع ہوگا......کیونکہ بحمد اللہ استعداد کے سب شرائط مجتمع ہیں......چنانچہ عالم میں کوئی مزاحم نہیں......جس کی مزاحمت موثر ہو......اور معطی فیوض خود محبوب حقیقی اور شیوخ کاملین تعلیم کنندہ......اور وقت بھی بسط اور عیش کا جس میں شوق ترقی پر ہوتا ہے......اور دور تقسیم ساغر کا کہ ایسے وقت فیوض کی قابلیت خوب ہوتی ہے......اور عہد شباب اور ہمت وعزم کا اور شاہد وساقی کی معنون واحد کے دو عنوان ہیں......وہ محرک شوق ہے اور مطرب یعنی مرشد کامل اس شوق کا معین ہے......اور جو مشاہدہ اس بسط میں ہو چکا ہے جو مشابہ غمزدہ کے ہے وہ غفلت اور سستی زائل کر چکا ہے......اور دل تعلق اغیار سے خالی ہے......مثل خلوت خاص کے اور امن کا مقام ہے کہ اس وقت کسی کا خوف بھی قلب پر مستولی نہیں......اور جو وحشت قبض میں تھی......جس سے بعض اوقات بعض سالکوں کو بعض کام مشکل ہو جاتے ہیں......وہ بھی مبدل بہ انس ہے اور یہ اجتماع غایت عجیب ہونے کے سبب محل حیرت ہے......جس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ بیداری میں ہے یا خواب میں......پس ایسے میں خوب مشاہدات وفیوض عطا فرما دیجئے۔قالؒ

از خیال لطف می مشاطۂ چالاک طبع	در ضمیر برگ گل خوش میکند پنہان گلاب

اول اس کا حل لفظی کسی قدر صعب ہے......قابل تحقیق ہے......قاعدہ ہے کہ شراب کو لطیف کرنے کے لئے اس میں خوش عیش لوگ گلاب ملا کر پیتے ہیں......اور یہ بھی معلوم ہے کہ گلاب باطن برگ گل میں بالقوہ مضمر ہوتی ہے......اور یہ بھی طبعیات کا مسئلہ ہے کہ نباتات اور اسی طرح حیوانات کے آثار......اور قوے کا صدور اس نبات یا حیوان کی قوت طبعیہ سے باذن خالقہا ہوتا ہے......ان امور سہ گانہ کے محقق ہو جانے کے بعد ترجمہ سننا چاہئے......یعنی شراب کی لطافت بڑھانے کے خیال اور غرض سے قوت طبعیہ نباتیہ نے (کہ مشابہ مشاطہ چالاک کے ہے......جس کا کام ہوتا ہے عروس کو لطیف بنانا) باطن برگ گل میں کیسی اچھی طرح گلاب کو مخفی کیا ہے کہ اس سے یہ گلاب نکلے گا......اور پھر شراب میں ملے گا اور شراب کی لطافت بڑھ جائے گی......اب حل معنوی سمجھنا چاہئے وہ اس طرح ہے کہ......جیسے شراب ظاہری کہ سرمایہ نشاط نفسانی کے مجموعہ کا جزو اعظم ہے......محتاج ہے لطف بخشی

میں ایسی چیز کی جو صاحب نشاط کے اختیار سے خارج ہے...... یعنی فاعل طبعی اسی طرح شراب باطنی و مجموعہ سامان استعداد حصول فیوض...... جو اوپر مذکور ہیں موقوف ہیں اس پر کہ فاعل حقیقی ان کو جمع کر دے...... مطلب یہ کہ بسط میں سالک مغرور نہ ہو جائے...... جیسا کہ بعض اوقات بسط میں عجب ہو جاتا ہے...... یہ تمام تر سرمایہ واہب حقیقی کا جمع کیا ہوا ہے...... پس احتیاج اسی کی طرف رکھے اور اسی سے استدعا کرے...... جیسے ہم اوپر کر چکے ہیں...... بدہ جام شراب...... اور اس اجتماع کو اپنی کسی طاعت کا ثمرہ یا اپنے کو اس کا مستحق نہ سمجھے...... بلکہ اپنے کو محض نا قابل سمجھے...... جیسا ہم سمجھ رہے ہیں جو اس مصرع سے ظاہر ہو رہا ہے...... اینکہ می بینم بہ بیداری است یا رب یا بخواب...... کیونکہ اپنے کو مستحق اور قابل جاننے والا...... اس طرح استبعاد و تحیر سے نہیں پوچھتا...... اور یہ تقریر حل معنوی کی خود حضرت حافظؒ کے ایک ارشاد سے مفہوم ہوئی...... جو بعض شروح میں ان سے اسی شعر کے معنی میں منقول ہے...... تاکہ مطلوب طالب را بخو نخواند طالب مطلوب رسیدن نتواند۔ قالؒ

از پے تفریح طبع و زیور حسن و طرب	خوش بود ترکیب زرین جام بالعل نداب

زیور بمعنی آرائش اطلاقا للسبب علی المسبب...... زرین جام موصوف وصفت مراد قلب کہ کاسہ شراب محبت بود...... نداب گداختہ مراد شراب کہ در سرخی بالعل تشبیہش...... دادہ کہ گداختہ شدہ باشد...... اس میں بھی مثل اشعار بالا کے طلب ہے...... مزید مشاہدہ و عرفان کی یعنی تفریح طبع و حسن طرب کی آراستگی کے واسطے بہت مناسب ہے...... کہ قلب اور مزید محبت و معرفت میں اقتران کر دیا جائے۔ قالؒ

تا شد آن مہ مشتری درہای حافظ را بگوش	میرسد ہر دم بگوش زہرہ گلبانگ رباب

چونکہ غزل کے اشعار متضمن ہیں مضامین حسنہ کو...... اس لئے مدح کے طور پر کہتے ہیں...... کہ جب سے حافظ کا سلام محبوب حقیقی کے نزدیک مقبول ہوا ہے...... (لتضمنہ الشکر والدعاء) جب سے ملکوت اعلیٰ میں اس کا غلغلہ پڑ گیا ہے...... جیسا ایک حدیث میں ہے کہ عبد مقبول کی مقبولیت ملائکہ میں مشتہر کر دی جاتی ہے...... اور ماہ مشتری اور زہرہ کے اجتماع میں جو صنعت ہے مخفی نہیں۔

غزل ۔ قالؒ

زباغ وصل تو یابد ریاض رضوان آب	زتاب ہجر تو دارد شرار دوزخ تاب
چوچشم من ہمہ شب جو یبار باغ بہشت	خیال نرگس مست تو بیند اندر خواب
بحسن عارض قدتو بردہ اندہ پناہ	بہشت وطوبیٰ طوبیٰ لہم وحسن مآب
بہار شرح جمال تو دادہ درہر فصل	بہشت ذکر جمیل تو کردہ درہر باب

ان چاروں شعر میں محبوب حقیقی کا کمالات کے ساتھ بالذات وبالاصالۃ متصف ہونا ......اور جمیع ممکنات کا امین محتاج ومفتقر ہونا مذکور ہے......جس کو مسئلہ عینیت ومظہریت سے بھی تعبیر کیا کرتے ہیں......یعنی ریاض جنت کو خود اپنی تازگی میں آپ کے انتساب کی احتیاج ہے......اور شرار دوزخ میں جو یہ حرارت ہے......وہ ایک مظہر آپ کے ہجر وغضب کا ہے......اسی طرح خود جو یبار باغ بہشت شب بھر......یعنی ہر وقت آپ کے نرگس مست کے خیال میں رہتی ہے......جس طرح میری آنکھیں شب کے وقت خواب میں آپ کے نرگس مست کے خیال کو دیکھتی رہتی ہیں شب اور بخواب چشم کی رعایت سے لے آئے......اور جو یبار میں بعینہ ان کا تحقق ضروری نہیں......محض تاولاً ان کا اعتبار کافی ہے ......اور اکثر جو یبار کے اطراف میں نرگس لگا دیتے ہیں......کہ جو یبار میں ان کا عکس پڑے اس عکس کو خیال کہتے ہیں ......اس میں اس عادت کی طرف بھی تلمیح ہے جو کہ رعایت شاعرانہ ہے اور آپ کے عارض وقد کا وہ حسن ہے کہ خود بہشت اور طوبیٰ بھی اسی کی پناہ لیتا ہے......اور ان چیزوں کی بڑی خوش قسمتی اور نیک انجامی ہے......کہ ایسا مستند ان کو ملا...... اور بہار جو ہر فصل میں گل اور ثمر لاتی ہے......یہ محض آپ کے جمال کی شارح ہے۔ اور بہشت میں جو ہر باب کے نعم ہیں......یہ بھی آپ کے اوصاف جمیلہ کی ذاکر ہیں......ان عنوانات کا انطباق مضمون مذکور پر محتاج تقریر وتصریح نہیں۔ قالؒ

لب ودہان ترا اے بسا حقوق نمک	کہ ہست برجگر ریش وسینہ ہای کباب

بسوخت این دل خام و بکام دل نرسید	بکام اگر برسیدے فریختے خون ناب

اس میں بیان ہے وارد قبض کا...... جس کو سخن تلخ نمک ریز سے تعبیر کیا کرتے ہیں...... یعنی اگر آپ کے لب ودہان سے سخن نمک ریز نکلا...... جس کا اثر جگر اور سینہ سوزان پر پڑا تو کچھ مضائقہ نہیں...... کیونکہ آپ کے لب ودہان کے اس جگر وسینہ پر بہت حقوق و احسانات ہیں...... یعنی محبوب کی عنایات بے غایات ہو چکی ہیں...... اگر قبض وارد ہوا تو کیا شکایت ہے...... آگے اسی کو سوزش و ناکامی سے تعبیر کرتے ہیں...... کہ اگر کامیاب ہوتا تو بیشک خون ناب...... یعنی خون آلود کیوں بہاتا...... شعر اول بناء علی الشکر الاختیاری ہے ......اور شعر ثانی بناء علی الاضطراب الاضطراری ہے۔قالؒ

گمان مبر کہ بدور تو عاشقان مستند	خبر نہ داری زاحوال زاہدان خراب

خبر نہ داری بحذف حرف استفہام...... یعنی آیا خبر نداری یعنی خبر میداری کقولہ تعالیٰ الایعلم من خلق...... اس کا مطلب اس ردیف الباء کی غزل سابق آفتاب ارزوی اوشداالخ...... کے شعر چہارم کے قریب ہے...... یعنی سب ہی آپ کے عشق وطلب میں سرگرم ہیں...... قالؒ

مرابدور لبت شد یقین کہ جوہر لعل	پدید می شود از آفتاب عالمتاب

معنی لفظی تو یہ ہیں...... کہ میں نے محبوب کے لب کو جو کہ مشابہ لعل کے ہے...... جب اس کے چہرے کے اندر جو کہ مشابہ آفتاب کے ہے...... دیکھا تب اس کا یقین آیا...... کہ جوہر لعل الخ ورد پہلے سنا کرتے تھے...... اور معنی مقصود احقر کے نزدیک مثل اشعار اولی اس غزل کے ہیں...... کہ آپ کے فیض تکوینی سے لعل ظاہری یا قلوب عارفین کو متلون ہوتا ہوا دیکھ کر اس کا یقین ہوا...... کہ ذات ہی مبدا فیوض اور محتاج الیہ فی الکمالات ہے۔قالؒ

مہل کہ عمر بہ بیہودہ بگذرد حافظ	بکوش و حاصل عمر عزیز را دریاب

مطلب ظاہر ہے کہ ناصحانہ واعظانہ مضمون ہے کہ مقصود حقیقی کو حاصل کرلو۔

ردیف التاء

غزل

بیا کہ قصر امل سخت سست بنیادست	بیار بادہ کہ بنیاد عمر بربادست
غلام ہمت آنم کہ زیر چرخ کبود	زہرچہ رنگ تعلق پذیرد آزادست
نصیحتے کنمت یادگیرو درعمل آر	کہ این حدیث زپیر طریقتم یادست
مجو درستی عہد از جہان سست نہاد	کہ این عجوزہ عروس ہزار دامادست
چہ گویمت کہ بمیخانہ دوش مست وخراب	سروش عالم غیبم چہ مژدہا دادست
کہ ای بلند نظر شاہباز سدرہ نشین	نشیمن تو نہ این کنج محنت آبادست
تراز کنگرہ عرش میزنند صفیر	ندامت کہ دریں دامگہ چہ افتادست
غم جہان مخور وپند من مبرا زیاد	کہ این لطیفہ نغزم زرہروے یادست
رضا بدادہ بدہ وزجبین گرہ بکشائے	کہ برمن وتو دراختیار نکشادست
نشان مہروفا نیست درتبسم گل	بنال بلبل مسکین کہ جائے فریادست
حسد چہ میبری اے سست نظم بر حافظ	قبول خاطر ولطف سخن خدادادست

بجز مقطع کے کہ اس میں ظاہرا تمدح اور حقیقۃ تحدث باللہ ہے...... باقی تمام غزل میں ترغیب ہے...... تعلقات ماسوائے اللہ سے آزادی اختیار کرنے کی...... اور ترک انہماک و حرص کی اور تحصیل محبت ومعرفت وطاعت الٰہی کی...... پس فرماتے ہیں کہ محبوب حقیقی کی طرف متوجہ ہوجاؤ...... کیونکہ حرص وامل کا قصر نہایت سست بنیاد ہے...... (اس لئے قابل توجہ

کے نہیں) اور محبت الٰہی حاصل کرو..... کیونکہ عمر کی بنیاد برباد ہو رہی ہے...... (اس لئے اس کو محبت الٰہی میں صرف کرنا چاہئے..... تاکہ اس عمر کا کچھ ماحصل ہاتھ آئے) اور اس چرخ کبود کے نیچے (یعنی اس عالم میں) میں تو اس شخص کی ہمت کا غلام ہوں...... جس کی یہ حالت ہو کہ جس چیز میں شائبہ تعلق کا ہو..... اس سے آزاد ہے...... اور میں تم کو ایک نصیحت کرتا ہوں ......اس کو یاد رکھو اور اس پر عمل کرو..... کیونکہ یہ مضمون شیخ طریقت سے مجھ کو یاد ہے (اور وہ نصیحت یہ ہے کہ) عالم ضعیف الذات (یعنی فانی الوجود) سے...... درستی عہد (یعنی دوام اجتماع) کے طالب (اور امیدوار) مت رہو..... کیونکہ یہ عجوزہ (یعنی دنیائے کہنہ) ہزاروں شوہر کی عروس رہ چکی ہے (اور کسی سے مرافقت نہیں کی...... سب سے مفارقت کی اس سے تعلق رکھنا بڑی غلطی ہے..... اور) میں تم سے کیا کہوں...... کہ کل (یعنی اس کے قبل) میخانہ (یعنی مقام انکشاف حقیقت) میں جبکہ میں مست اور فانی تھا (یعنی مجھ پر محویت طاری تھی ......جس میں حقائق امور قلب پر وارد اور منکشف ہوا کرتے ہیں) سروش عالم غیب نے مجھ کو کیا کیا بشارتیں دیں (یعنی میرے قلب پر یہ مضامین القاء کئے گئے) کہ اے بلند نظر جو شہباز سدرہ نشین کے مشابہ ہے (کیونکہ روح کائنات عالم علوی سے ہے) تیرا نشیمن (اور مسکن) یہ کنج محنت آباد نہیں ہے (مراد دنیا کنج بوجہ تنگی کے کہا اور محنت آباد اس لئے کہ دار المحن ہے ......یعنی دنیا تیرا وطن اصلی نہیں ہے..... پھر اس میں کیوں دل لگاتا ہے اور) تجھ کو تو کنگرۂ عرش (یعنی عالم علوی) سے پکار رہے ہیں..... پھر معلوم نہیں کہ اس قید گاہ میں تجھ کو کیا چیز پسند آئی ہے (جو اس میں جی لگاتا ہے پس تجھ کو چاہئے کہ) دنیا کے غم (و تعلق) میں مت پڑ اور میری نصیحت مت بھلا..... کیونکہ یہ لطیفہ عجیبہ مجھ کو ایک سالک سے یاد ہے وہ یہ کہ جو کچھ مل جائے......اس پر راضی رہ اور پیشانی پر بل مت ڈال (یعنی قناعت و رضا اختیار کر اور کراہت و حرص ترک کر) کہ وہ خواہ میں ہوں یا تو ہو کسی کو (ایسے امور رزق وغیرہ میں) اختیار نہیں دیا گیا...... (اور اس تفسیر پر اس شعر کو مسئلہ جبر و اختیار فی الافعال سے کوئی تعلق نہیں یعنی جب مقدمہ تکوینیات میں کچھ بس نہیں چلتا..... تو حرص و کراہت بے سود محض ہے اور) جس طرح تبسم گل کو بقا نہیں اسی طرح اس عالم ناپائیدار میں مہر و وفا کا نشان نہیں...... تو اے بلبل یعنی

طالب دنیا......تو (اپنی اس حالت طلب دنیا پر) تاسف کر (اور عالم باقی کی طلب سے اس کا تدارک کر......آگے مقطع ہے کہ) اے ست نظم تو حافظ پر کیا حسد کرتا ہے......قبول خاطر اور لطف سخن تو محض خداداد امر ہے......(ذلک فضل الله یوتیه من یشاء)

غزل۔قالؒ

برو بکار خود ای واعظ این چہ فریادست	مرا فتاد دل از کف ترا چہ افتادست

واعظ سے مراد جو مانع ہو طریق عشق سے......بتوہم اس کے غیر مشروع ہونے کے اور منحصر سمجھتا ہو وصول الی اللہ کو......طریق طاعات ظاہرہ میں ایسے ناصح کو کہتے ہیں کہ......جاؤ اپنا کام کرو......کیوں خواہ مخواہ نصیحت میں غل مچا رکھا ہے......میں تو مغلوب العشق ہو گیا تم کو میری کیا فکر پڑی ہے......(کیونکہ حسب قول اہل طریق طرق الوصول الی اللہ بعدد انفاس الخلائق طریق عشق بھی ایک طریق بلکہ اقرب طرق ہے......کما بین فی کتب الفن) قالؒ

بکام تا نرساند مرا لبش چون نالے	نصیحت ہمہ عالم بگوش من بادست

لب کنایہ از لطف......نائے واصل کامل......یہ بھی متمم ہے سابق کا......یعنی جب تک واصل کامل کی طرح اس کے لطف سے میں مقصود تک نہ پہنچوں گا......تمام عالم کی نصیحت جو دربارہ ترک عشق کے ہے......بے اثر سمجھوں گا۔قالؒ

میان او کہ خدا آفریدہ است از ہیچ	دقیقہ ایست کہ ہیچ آفریدہ نکشادہ است

مطلب لفظی تو ظاہر ہے......کہ کمر کی باریکی کا بیان ہے......اور مطلب معنوی یہ ہے کہ میان سے مراد واسطہ ورابطہ......بین الحق والعبد ہے اس میں اس کا غموض بیان فرماتے ہیں......کہ وہ ایسی مخفی چیز ہے کہ کسی مخلوق کو اس کی پوری اطلاع نہیں ہوتی......جیسا کسی اور سخن گو نے کہا ہے۔

میان عاشق و معشوق رمزیست	کراما کاتبین راہم خبر نیست

وجہ یہ ہے کہ وہ واسطہ خاص تعلق قرب ورضا ہے......جو کہ غیب ہے اور ظاہر ہے کہ غیر منصوص القبول کو تو خود اسی کی اطلاع قطعی طور پر نہیں ہوتی......اور منصوص القبول کو گو نفس

قرب و رضا کی اطلاع ہوتی ہے...... لیکن اس کے خصوصیات خاصہ کی اطلاع نہیں ہوتی وھذا ھو المعنی بقولہ علیہ السلام واللہ ادری مایفعل بی ولا بکم اور اس تعلق کو آفریدہ کہنا...... بوجہ اس کے حدوث کے ظاہر ہے...... اور آفریدہ از ہیچ کہنا مبالغۂ غایت غموض کی وجہ سے ہے...... اور یا اس کی یہ بھی توجیہ ہوسکتی ہے...... کہ یہ رابطہ امور اضافیہ میں سے ہے...... اور امور اضافیہ بوجہ اس کے کہ ان کا وجود انتزاعی ہوتا ہے...... فی نفسہ مستقلاً محقق و ثابت نہیں ہوتے۔ قالؒ

گدای کوی تو از ہشت خلد مستغنی است	اسیر بند تو از ہر دو عالم آزاد ست

مطلب ظاہر ہے کہ...... محبوب حقیقی کے طالب کو دوسری کوئی چیز خواہ کچھ ہی ہو ...... مطلوب بالذات نہیں۔

اگرچہ مستی عشقم خراب کردولے	اساس ہستی من زین خراب آباد ست

یہ اشارہ ہے بقا بعد الفنا کی طرف...... جیسا شیخ شیرازی نے بوستان میں فرمایا ہے۔

مترس از محبت کہ خاکت کند	کہ باقی شوی چون ہلاکت کند

قالؒ

دلا منال ز بیداد و جوریار کہ یار	ترا نصیب ہمین کردہ است واین داد ست

بیداد و جور مراد تاخیر وصل کہ اثر مثل جور دارد...... اس میں تعلیم ہے کہ اگر سالک کو وصول ...... یا ورود احوال میں توقف ہو جائے تو تنگی و شکایت نہ چاہئے...... کیونکہ محبوب نے اس کے لئے یہی تجویز کیا ہے...... اور یہ عین عنایت ہے...... کیونکہ اس میں مصلحت ہو گی اور راز اس میں یہ ہے کہ ہر شخص کی استعداد جداگانہ ہے...... اور استعداد کے موافق تربیت کی جاتی ہے...... اور اس کا علم محیط مخصوص حق تعالیٰ کے ساتھ ہے...... چنانچہ تاخیر وصل کی ایک مصلحت ایک بار مثنوی معنوی میں عجیب طور پر نظر سے گزری...... جس کی حکایت یہ ہے کہ ایک بار احقر پر یہ خیال غالب ہوا...... کہ حق تعالیٰ کو طالب کے طالب ہونے کا علم بھی ہے...... اور وصل الی المقصود پر قدرت بھی ہے اور طالب کے حال پر رحمت بھی ہے...... اور اس مجموعہ کا مقتضا یہ تھا کہ جلدی

کامیابی ہو جایا کرتی...... پھر معلوم نہیں تاخیر میں اور پریشانی میں کیا حکمت ہے...... یہ سوچ ہی رہا تھا کہ مثنوی جو کھولی تو یہ اشعار سر صفحہ پر نکلے...... جن میں علم اور قدرت اور رحمت کے اثبات کے بعد اس کی حکمت مذکور ہے...... جس سے پوری تسلی ہو گئی...... وہ اشعار یہ ہیں۔

چاره می جوید پی من درد تو	من شنیدم دوش آه سرد تو
می توانم هم که بے این انتظار	ره نمایم دادهم راه گذار
تا ازین گرداب دوران وارہی	بر سر گنج و صالم پانہی
لیک شیرینی ولذات مقر	ہست براندازۂ رنج سفر
آنگه از فروز و خویشان برخوری	کز غریبی رنج و محنتها بری

قالؒ

بروفانہ مخوان وفسون مدم حافظ	کزین فسانہ وافسون مرا بے یاد ست

اس میں تعریض ہے...... مدعی طلب کا ذبا و مرآئی کی طرف...... یعنی اوپر جس قسم کے مضامین مذکور ہیں...... یہ اگر ادعا محض ہوں تو اس صورت میں بلسان محبوب تنبیہ ہے...... کہ مجھ کو ہر چیز کا علم ہے مجھ سے جھوٹی باتیں بنانا کیا فائدہ...... پس اس میں تعلیم ہے اخلاص مع اللہ کی...... اور مذمت ہے احوال باطنیہ میں تصنع کی۔ واللہ اعلم۔

روزہ یکسو شد و عید آمد و دلہا برخاست	می بمیخانہ بجوش آمد و می باید خواست

روزہ مراد ریاضت و مجاہدہ عید کنایہ از وصل و مشاہدہ...... یعنی الحمدللہ کہ زمانہ مجاہدہ کا گزر گیا...... اور وقت وصول و مشاہدہ کا آ گیا اور قلوب میں نشاط و فرحت وصل سے جوش پیدا ہو گیا...... اور عشق و محبت میں ترقی ہوئی...... اور اس میں ترقی کی اور طلب چاہئے ...... پس مصرعہ اولیٰ میں اشارہ ہے...... کہ مشاہدہ کے لئے مجاہدہ شرط عادی ہے...... اور مصرعہ ثانیہ میں اشارہ ہے کہ بعد وصول و حصول مقصود سالک کو بس نہ کرنا چاہئے...... طلب اور طاعت میں طالب مزید ہونا چاہئے جیسا ارشاد ہے۔

ای برادر بے نہایت درگہے است	ہر چہ بروے میرسی بروے مایست

قالؒ

نوبت زہد فروشان گران جان بگذشت	وقت شادی وطرب کردن رندان برخاست

زہد فروشان ریا کاران...... گران جان کاہلان مراد شیخان مزوران کا ریا کار کہنا تو ظاہر ہے......اور گران جان ہونا اس لئے ہے کہ ریا کاری میں بوجہ فقدان صدق رغبت کے باطناً کاہلی ضروری ہے......اور رند سے مراد مخلص غیر متصنع وطالب صادق......اس شعر میں صورت خبر میں مقصود انشاء اس امر کا ہے......کہ شیوخ متصنعین کو ترک کرنا چاہئے......جبکہ شیوخ کاملین میسر ہوسکتے ہیں......طالب صادق کو ان کی جستجو لازم ہے......اور ان کے میسر ہونے کا وقت نہایت خوشی کا وقت ہے۔

چہ ملامت بود آنرا کہ چو ما بادہ خورد	• این نہ عیب است بر عاشق رند ونہ خطاست

بادہ سے مراد طریق محبت مقرون بملامت...... مطلب یہ کہ طریق ملامتی میں جس کا حاصل ترک وضع ہے......نہ کہ ترک شرع......عشاق مخلصین کے لئے کوئی عیب اور خطا نہیں ہے......جیسا کہ اہل ظاہر میں سے عوام تو اس کو اس لئے عیب سمجھتے ہیں......کہ اس کو بوجہ قصور نظر کے خلاف شرع خیال کرتے ہیں......اور خواص اس کو موہم خلاف شرع......اور محتمل تعدیہ ضرر الی الغیر ہونے کی وجہ سے عیب سمجھتے ہیں......پس لفظ چو ما میں تو اشارہ کر دیا جواب شبہ عوام کی طرف......یعنی جو ہماری طرح ہو کہ خلاف شرع نہ کرے......جیسا اسی غزل کے ایک شعر میں اپنی حالت بیان کی ہے......فرض ایزد بگذاریم الخ اور ظاہر ہے کہ معصیت منافی ادائے فریضہ کے جو اس خاص امر کے متعلق ہے......اور لفظ بر عاشق رند میں اشارہ کر دیا جواب شبہ خواص کی طرف......جس کا حاصل یہ ہے کہ مقتدا میں وہ علت نہی کی جاری ہے......اور عاشق رند جو کہ مقتدا نہیں ہے اس تعلیل سے خارج ہے......پس جب علت نہیں معلول بھی نہیں رہا......یہ کہ لوگ اس کی غیبت کریں گے......تو یہ شخص اس کا سبب ہوا تو ان لوگوں کی طرف سے اس میں یہ عذر ہوسکتا ہے......کہ ان کو جب بعض رذائل کے معالجہ کی

طرف اس خاص طریق ملامت میں توجہ غالب ہوتی ہے...... تو اس مفسدہ مذکورہ سے ذہول ہو جاتا ہے...... اور قصد ہوتا ہے اپنی اصلاح کا...... نہ کہ افساد غیر کا گو لازم آتا ہے اور اتقوا مواضع التہم کو یہ حضرات مخصوص کہیں گے...... غیر موضع ضرورت میں اور معالجہ موضع ضرورت ہے...... اور ان کی یہ توجیہات محل اجتہاد ہو سکتی ہیں فلفی بہ عذرالہم۔ قالؒ

بادہ نوشی کہ درد ہیچ ریائی نہ بود	بہتر از زہد فروشی کہ درو روی وریاست

اس شعر میں اپنے کسی فعل کی توجیہ یا طرفداری نہیں ہے...... بلکہ اہل طریق کو نصیحت ہے...... کہ ذکر و طاعت میں دعوئی وریا کرنا اور دوسرے اہل معاصی کو حقیر سمجھنا مذموم ہے...... پس فرماتے ہیں کہ جس بادہ نوشی کے ساتھ ریا نہ ہو...... وہ اس زہد ادعائی سے اچھا ہے جس میں ریا ہو...... اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ معاصی میں بھی باہم تفاوت ہوتا ہے...... کوئی اکبر کوئی کبیر کوئی صغیر کوئی اصغر...... اور یہ قواعد شرع سے نہایت واضح وظاہر ہے۔ قالؒ

مانہ مردان ریائیم وحریفان نفاق	انکہ او عالم سراست بدین حال گواست

گوا مخفف گواہ۔ مطلب ظاہر ہے...... اور مقصود اس سے پندار و دعوی نہیں...... بلکہ ترغیب ہے طالبین کی...... اپنا حال بیان کرنے سے کہ ان کو بھی ایسا ہی ریا و نفاق سے بچنا چاہئے...... اور اس سے یہ امر مستفاد ہوا کہ کامل...... اگر اپنا حال اس قصد سے ظاہر کرے کہ ناقصین اتباع کریں...... تو مذموم نہیں ہے۔ قالؒ

فرض ایزد بگذاریم وبکس بد نہ کنیم	وانچہ گو پند روا نیست بگوئیم رواست

مدلول لفظی تو ظاہر ہے...... اور غرض مقصود یہ ہے کہ اصل مقصود تکثیر طاعات و اوراد نہیں ہے...... بلکہ ورع کے ساتھ تقلیل طاعات کافی ہے...... اور وہ ورع حقوق اللہ و حقوق العباد سب میں ہونا چاہئے...... چنانچہ فرض ایزد بگذاریم میں اشارہ حقوق اللہ و تقلیل طاعات کی طرف ہے...... اور بکس بد نہ کنیم میں اشارہ حقوق عباد کی طرف ہے...... اور مصرع ثانی میں اس انچہ سے مراد میرے نزدیک طریق ملامت یعنی ارتکاب خلاف وضع ہے...... گو ظاہر نظر میں خلاف شرع ہو...... مگر حقیقت میں خلاف نہ ہو...... اور اس کے جواز و عدم جواز

میں اختلاف کی تحقیق ...... جیسا کہ اس مصرع سے معلوم ہوتا ہے ...... مفصلاً شعر بالا چہ ملامت الخ کی شرح میں گزر چکی ہے۔ قالؒ

چہ بود گرمن وتو چند قدح بادہ خوریم	بادہ ازخون رزان ست نہ ازخون شماست
این نہ عیب است کزین عیب خلل خواہد بود	در بود عیب چہ شد مردم بے عیب کجاست

رزان جمع رز بمعنی انگور ...... خون رز شیرہ انگور ...... خون شما خون و گوشت مردم اشارہ بسوی ...... آیت ایحب احدکم ان یا کل لحم اخیہ میتا الآیہ ...... ان اشعار کا مضمون بھی قریب قریب مضمون شعر بادہ نوشی الخ کے ہے ...... یعنی اگر کوئی مرتکب بادہ خواری کا ہو جائے ...... خواہ تم ہو یا میں ہوں ...... تو غایت مافی الباب وہ شیر ا انگور ہے لحم انسان تو نہیں ہے ...... جس کے کھانے میں معترض مبتلا ہے کہ غیبت وعیب جوئی میں مشغول ہے ...... اور اس کا بادہ خواری سے اشد ہونا بوجہ حق عبد ہونے کے ظاہر ہے ...... پس معترض اشد میں مشغول اور اخف پر معترض ہے ...... اور دوسرے شعر میں اس سے عیب ہونے کی نفی ...... یا تو بایں معنی ہے ...... کہ جس درجہ کا عیب طاعن سمجھ رہا ہے (کہ اس کو غیبت سے بھی بڑھ کر قرار دیا ہے ...... جیسا کہ اس کے برتاؤ سے معلوم ہوتا ہے ...... کہ بادہ خواری کی مذمت کر رہا ہے اور غیبت کو اختیار کر رکھا ہے) یہ اس درجہ کا عیب نہیں ہے ...... بلکہ معاملہ بالعکس ہے ...... اور شعر ثانی کے مصرع ثانیہ میں علی سبیل التنز ل کہتے ہیں ...... کہ اگر معترض کا قول مسلم بھی ہو جائے ...... کہ یہ غیبت سے بھی اشد ہے ...... تو خیر یوں ہی سہی مگر بے عیب کون ہوتا ہے ہم میں یہ عیب ہے ...... معترض میں دوسرا عیب ہے ...... اور مقصود اس تنزل سے محض ترک جدال ہے جو مقتضا ہے وضع درویشی کا ...... نہ کہ توجیہ اپنے فعل کی ...... یا رجوع تحقیق بالا سے کہ اشدیت ہے غیبت کی ...... اور یا عیب ہونے کی نفی بایں معنی ہے کہ بعض اقسام نبیذ کے مختلف فیہ بین الائمہ ہیں ...... اور قواعد احتساب میں ثابت ہے کہ مسائل مختلف فیہا میں احتساب نہیں کیا جائے گا ...... اور مصرع دوم برطبق تقریر بالا نیز ترک جدال پر محمول کیا جائے گا ...... باقی اجزاء کی تقریر ظاہر ہے ...... اور بہر حال اس مضمون میں تعلیم ہے

...ترک جدال وترک استحضار وترک اعتراض کی...... جو لوازم طلب مقصود سے ہے۔ قالؒ

حافظ از عشق خط وحال تو سر گردان ست	ہمچو پرکار دلے نقطۂ دل پا برجاست

مدلول لفظی ظاہر ہے...... مقصود تعلیم ہے طالبان حق کی کہ طریق محبت میں کیسی ہی پریشانی وحیرانی پیش آئے...... مگر ثبات قدم وتحمل وصبر واستقلال واستقامۃ کو ہاتھ سے نہ دینا چاہئے...... کہ شرط وصول یہی ہے۔ واللہ اعلم۔ قالؒ

غزل

چو بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطا است	سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجا است

اس میں خطاب ہے معترض ظاہر بین کو...... جو اہل حال کے کلام پر خوردہ گیری کرتا ہے...... استہزاء اس کو دلبر کہا...... جیسے اردو کے محاورہ میں ایسے موقع ہیں...... کہتے ہیں میرے پیارے یا برخوردار یا مہربان...... پس فرماتے ہیں کہ اہل حال کے کلام کو غلط مت کہو بلکہ وہ غلطی تمہاری فہم میں ہے...... کیونکہ تم سخن شناس نہیں ہو اہل حال کے کلام کو نہیں سمجھتے ہو...... اس میں تعلیم ہے کہ اہل اللہ کے کلام کو جلدی سے رد نہ کردے...... البتہ بے سمجھے اس کے ظاہری معنی کا معتقد بھی نہ ہو...... بلکہ سکوت اسلم ہے۔ قالؒ

سرم بدنیا وعقبی فرونمی آید	تبارک اللہ ازین فتنہا کہ در سر ماست

فتنہ سے مراد شورش...... مطلب یہ کہ چونکہ میرا مقصود بالذات قرب ورضائے حق ہے...... اس لئے نہ دنیا بالذات مطلوب ہے اور نہ عقبی گو بالعرض مقصود ہو...... آگے بطور استعظام امر کے فرماتے ہیں...... کہ ہمارے دماغ میں بھی عجیب شورش طلب حق کی بھری ہوئی ہے...... کہ بالذات کسی چیز کی طرف التفات نہیں رہا۔ قالؒ

دراندرون من خستہ دل نہ دانم کیست	کہ من خموشم واو در فغان ودر غوغاست

یعنی مجھ خستہ دل کے اندر معلوم نہیں کون شخص ہے...... کہ میں تو خاموش ہوں اور وہ شور وفغان میں ہے...... مراد اس شخص سے خود دل ہے...... جو محبوب کی یاد اور طلب میں شور وفغان میں رہتا ہے...... گو لب پر ظاہراً خاموشی رہے۔

دلم ز پردہ برون شد کجائی ای مطرب	بنال ہان کہ ازین پردہ کار ما بنواست

یعنی میرا دل قابو سے باہر ہوگیا......اے مطرب سماع سنادے کہ اس پردہ سرود سے ہماری حالت اصلاح پذیر ہوجائے گی اس میں بیان ہے (اس کا کہ سماع کا جواز ایسی مخصوص حالت میں ہے......جب قلب کی حالت خودرفتگی تک پہنچ جائے ......اور اس سے اکثر مشتغلان سماع کی غلطی ثابت ہوتی ہے۔ قالؒ

مرا بکار جہان ہرگز التفات نبود	رخ تو در نظر من چنین خوشش آراست

یہ اشارہ ہے منتہی کی حالت کی طرف......کہ ابتداء حال میں اس کا التفات خلق کی طرف اس لئے نہیں ہوتا......کہ وہ حجاب ہوتا ہے توجہ الی الحق سے......لیکن منتہی کے لئے ہر شی مخلوقات میں سے آئینہ ہوتی ہے......مشاہدہ جمال محبوب کی اور آلہ ہوتا ہے......وصول وقرب کا علماً بھی اور عملاً بھی......اس لئے وہ عین التفات الی الحق کی حالت میں ملتفت الی الخلق بھی ہوتا ہے۔ قالؒ

نہ خفتہ ام بخیالے کہ میپزم شبہا	خمار صد شبہ دارم شرابخانہ کجاست

یعنی طلب میں مجھ کو آرام اور سکون نہیں ملتا......اور مدتوں کا مجھ کو خمار ہے فنا وسکر کہاں حاصل ہوا کرتا ہے......تاکہ ایک گونہ وصول میسر ہونے سے طلب کی بے آرامی ختم ہو......گو اس میں بھی دوسری طرح کی بے چینی ہو......کما قال الشیخ الشیرازی فی المعنی الاول۔

تعلق حجاب است وبیحاصلی	چو پیوندہا بگسلی واصلی

وقال فی المعنی الثانی۔

دلارام در بر دلارام	لب از تشنگی خشک و برطرف جوہی
نہ گویم کہ برآب قادر نیند	کہ برساحل نیل مستقے اند

قالؒ

چنین کہ صومعہ آلودہ شد بخون دلم	گرم بادہ بشوئید حق بدست شماست

درکلام تقدیرے ست ......یعنی مجاہدہ تاچنین رسیدہ الخ ......مطلب یہ کہ ظاہری طاعت یہاں تک کی کہ میرے خون دل سے صومعہ خون آلود ہو گیا......اب اے محبوب یا اے مرشد اگر مجھ کو بادہ محبت یعنی جذبۂ عشق سے غسل دیا جائے......تو آپ کی شان کے شایان ہے......اس میں اشارہ ہے کہ سلوک وریاضت بدون جذب وعنایت کے مفید نہیں۔قالؒ

ازان بدیر مغانم عزیز میدارند	کہ آتشے کہ نمیرد ہمیشہ دردل ماست

دیر مغان مجمع اہل عشق......یعنی عشاق کی جماعت میں مجھ کو اس لئے عزیز سمجھتے ہیں ......کہ میرے دل میں آتش عشق مشتعل ہے اشارہ اس طرف ہے کہ اہل اللہ مال و دولت کی قدر نہیں کرتے......بلکہ دولت باطنی ہی کی قدر کرتے ہیں۔قالؒ

چہ ساز بود کہ بنواخت مطرب عشاق	کہ رفت عمر وہنوزم دماغ پرز صداست

اس میں اشارہ ہے خطاب الست بربکم کی طرف......یعنی اس خطاب کی اب تک لذت حاصل ہے......یا تو یہ کہا جائے کہ حقیقتاً بعض کو یاد رہتا ہے......اور یا کہا جائے کہ اس کا اثر باقی ہے ......جس سے التذاذ ہوتا ہے......اور یہی دونوں احتمال ہیں شیخ شیرازیؒ کے اس ارشاد میں بھی۔

الست ازازل ہمچنان شان بگوش	بفریاد قالوا بلےٰ درخروش

معنی اول کا مصداق ایک کشف ہے......اور معنی ثانی کا مصداق ایک حال ہے۔قالؒ

خمار عشق تو دی شب دراندرونم بود	کجاست وقت عبادت چہ جاے وقت دعاست

مطلب یہ کہ میرے مقتضائے استعداد کے موافق......میری تربیت عشق سے کی گئی ہے......اس لئے اس کے غلبہ میں عبادت ودعا کی تکثیر مجھ سے نہیں ہو سکتی تھی......اشارہ ہے کہ طریق تربیت سالکین کا ہر ایک کی استعداد کے موافق جدا جدا ہے۔قالؒ

ندای عشق تو دوشم در اندرون دادند	فضائے سینۂ حافظ ہنوز پرز صداست

مطلب ظاہر ہے......کہ میرے لئے نسبت عشقیہ تجویز کی گئی تھی......جس سے اب تک میرا سینہ پُر ہے......لان المقدر لایغیر واللہ اعلم۔قالؒ

غزل

روضۂ خلد برین خلوت درویشان است	مایۂ محتشمی خدمت درویشان است

اس میں درویشوں کی خلوت اور خدمت کی مدح ہے......اول کو روضۂ خلد برین سے تشبیہ دی گئی ہے......اس وجہ سے بڑی نعمت جنت میں مشاہدہ حق تعالیٰ ہے......سو یہ ایک قسم کا مشاہدہ درویشوں کو خلوت میں میسر ہوتا ہے......یعنی بالقلب گو جنت میں بالعین ہوگا اور خلوت کی قید اس لئے کہ اس میں استحضار تام ہوتا ہے......گو بعض اوقات جلوت کا استحضار ناتمام اس تام سے کسی عارض کی وجہ سے افضل ہو......مثلاً کسی حق واجب کا ادا کرنا یا کسی کو نفع پہنچانا و مثل ذالک......اور بعد مدح درویشوں کے مصرع ثانیہ میں ان کی خدمت کی ترغیب دیتے ہیں......کہ احتشام حقیقی کہ مقبولیت عند الحق ہے......مقبولین کی خدمت سے کہ ان کی اطاعت اور محبت اس کے لوازم عادیہ سے ہے......میسر ہوتا ہے۔ قالؒ

گنج عزلت کہ طلسمات عجائب دارد	فتح آن در نظر ہمت درویشان ست

اس میں ترغیب ہے......کہ مقبولین حق کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرنا چاہئے......کہ ان کی توجہ میں یہ برکت ہے......کہ خلوت نشینی کا خزانہ عجیب کہ مراد اس سے حضور تام و مشاہدہ ہے......اس سے میسر ہوتا ہے......چنانچہ توجہ کی یہ برکت ہونا تجربہ سے بھی ثابت ہے......اور ظاہری لم بھی اس کی یہ ہے کہ وہ متقی ہوتے ہیں......اور حق تعالیٰ اکثر متقی کی مراد پوری فرماتا ہے......اور توجہ سے ان کی مراد یہی ہوتی ہے......کہ طالب کہ محل توجہ ہے مشرف اس دولت سے ہو جائے......و نیز ثابت ہوا ہے کہ بعضے تصرفات محض توجہ نفس سے حاصل ہو جاتے ہیں۔ قالؒ

قصر فردوس کہ رضوانش بدربانی رفت	منظری از چمن نزہت درویشان ست

یعنی قصر فردوس جس کا دربان رضوان ہے......درویش جس چمن کی سیر کرتے ہیں......اس کا ایک منظر ہے......کیونکہ درویشوں کی سیر گاہ ذات و صفات و افعال حق ہے......اور جنت میں ان اشیاء کا کامل ظہور ہوگا......و نیز ان کی سیر کا حاصل مراقبہ و مشاہدہ ہے......اور جنت کے مقامات عالیہ ان اعمال صالحہ کا ثمرہ ہے......جیسا لفظ فردوس اشارہ ہے

مقامات عالیہ کی طرف...... گو مطلق جنت مطلق اعمال کا ثمرہ ہے۔ قال

انچہ زری شود از پر تو آن قلب سیا	کیمیاے ست کہ در صحبت درویشان ست

می شود فعل ناقص...... قلب سیاہ اسم آن...... وز رخبر آن نہ کہ بالعکس فتنبہ...... مراد ظاہر ہے کہ اہل کمال صحبت میں ناقص کامل ہو جاتے ہیں۔ قال

وانکہ پیشش بنہد تاج تکبر خورشید	کبریائے ست کہ در حشمت درویشان ست

اس میں بیان ہے مقبولان حق کی عظمت کا...... کہ ان کے سامنے خورشید بھی پست ہے...... کیونکہ اس کو ظاہری رفعت ہے...... اور ان حضرات کو باطنی و حقیقی رفعت ہے...... **لکونهم فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر**۔ قال

دولتے را کہ نباشد غم از آسیب زوال	بے تکلف بشنو دولت درویشان ست

مطلب ظاہر ہے...... کیونکہ درویشوں کی دولت اخروی ہے...... اور دوسری دولتیں دنیوی ہیں اور نص ہے...... **ماعند کم ینفدو ماعند اللہ باق**۔ قال

خسروان قبلۂ حاجات جہانند و لے	از ازل تا بہ ابد فرصت درویشان ست

فرصت مراد سلطنت...... یعنی گو سلاطین کو ظاہری چند روزہ سلطنت حاصل ہے...... لیکن حقیقی وابدی سلطنت مقبولان حق کو ہے ابدی ہونا تو نصوص خلود سے ظاہر ہے...... اور ازلی ہونا باعتبار تقدیر و علم الٰہی کے ہے...... یا ازل سے مراد مطلق ابتدا لی جائے...... یعنی جب سے اس کا حصول ہوا ہے...... معنی مشہور مالا اول لہ نہ لئے جائیں۔

روی مقصود کہ شاہان جہان می طلبند	مظہرش آئینۂ طلعت درویشان ست

یعنی جن مطالب کو سلاطین دنیا مانگتے پھرتے ہیں...... وہ محض درویشوں کی زیارت سے میسر ہو جاتا ہے...... مقصود مبالغہ ہے کہ درویش مفتاح حصول مراد ہیں...... خواہ بواسطہ ان کی دعا کے خواہ بواسطہ توسل کے ان کے ساتھ...... اور خواہ اس واسطہ سے کہ ان کی معیت سے ان کی محبت ہوتی ہے...... اور محبت ان کی طاعت ہے...... اور اہل طاعت کی مشکلات غیب سے آسان کی جاتی ہیں...... ونحوہ مافی المثنوی۔

اے لقائے تو جواب ہر سوال	مشکل از تو حل شود بے قیل و قال
ای تو نگر مفروش این ہمہ نخوت کہ ترا	سروری در کنف ہمت درویشان ست

کنف پناہ......یعنی اغنیاء ظاہری کی یہ ثروت وجاہ ان مقبولان حق کی دعاء و برکت کی فرع ہے......فی الحدیث هل ترزقون وتنصرون الابضعفاء کم ونیز حدیثوں میں ہے کہ ابدال کی برکت سے بارش وغیرہ ہوتی ہے......ونیز قصۂ خضر علیہ السلام سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض انتظامات تکوینیہ......بعض اہل اللہ سے وابستہ ہوتے ہیں......وفی المقام کلام طویل لایتحملہ المقام۔ قالؒ

گنج قارون کہ فرومیرو داز قعر ہنوز	خواندہ باشی تو کہ از غیرت درویشان ست

درویشاں کی جمیعت جنسیت کے لئے ہے......مراد موسیٰ علیہ السلام۔

مطلب اور قصہ ظاہر و مشہور ہے۔

بندۂ آصف عہدیم کہ در سلطنتش	صورت خواجگی و سیرت درویشان ست

اس میں دو احتمال ہیں یا تو مراد اس سے وزیر اکمل زمانہ کا ہے......جس کا نام بعض محشین نے آصف لکھا ہے......اور ظاہرا مقصود اس کی مدح ہے......اور اشارۃ مدح ہے ہر ایسے شخص کی جو باوجود جاہ وحشم ظاہری کے سیرت درویشانہ رکھے......اور دین کو دنیا پر ترجیح دے اور دوسرا احتمال یہ کہ یہ کنایہ ہو شیخ وقت سے......جس کی شان یہ ہے کہ اس کی سلطنت باطنی میں صورت ظاہری عوام کی سی......اور باطن خواص کا سا ہو......جس کی حکمت کتمان اور تواضع اور اتباع سنت ہے۔ قالؒ

حافظا اینجا بادب باش کہ سلطان و ملک	ہمہ در بندگی حضرت درویشان ست

یعنی کاملین کے ساتھ باادب رہو......کہ ان کی یہ عظمت ہے کہ ناسوت کے اکابر کہ سلاطین ہیں......اور ملکوت کے عظماء کہ ملائکہ ہیں......سب ان حضرات کے سامنے بعجز و نیاز پیش آتے ہیں......چنانچہ مسجودیت آدم علیہ السلام......ومنصوریت حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم فی الغزوات بواسطہ ملائکہ......اور عالم باعمل کے لئے ملائکہ کا استغفار......اور

جبریل علیہ السلام کی ندا پر ملائکہ کا محبوبانِ حق سے محبت کرنا..... قرآن واحادیث میں منصوص ہے..... اور نیاز سلاطین کا مشاہد ہے۔ قالؒ

غزل

مطلب طاعت و پیان صلاح از من مست	کہ بہ پیانہ کشی شہرہ شدم روز الست

اس میں اہل حال کی بعض معذوریوں کا بیان ہے..... کہ اگر مستی کے غلبہ میں طاعت و صلاح میں ان سے کوئی کوتاہی ہو جائے تو ان سے دار و گیر و ملامت مناسب نہیں..... کہ روزِ الست سے (مراد مجازاً مرتبہ اعیان ثابتہ کا) میں پیانہ کشی..... یعنی سرشاری محبت و مغلوبیت حال کے ساتھ موصوف ہوں..... حاصل اس کا وہی ارشاد ہے کہ مرفوع القلم کو معذور سمجھنا چاہئے۔ قالؒ

من ہماندم کہ وضو ساختم از چشمۂ عشق	چار تکبیر زدم یکسرہ بر ہر چہ کہ ہست

چار تکبیر زدن ترک کلی کردن..... یعنی جب عشق حقیقی کا غلبہ ہوا سب ماسوی اللہ سے تعلق قطع کر دیا..... اس میں بیان ہے عشق الٰہی کے اثر کا..... کہ وہ ماسوا سے نظر کو اٹھا دیتا ہے۔ قالؒ

می بدہ تا دہمت آگہی از سر قضا	کہ بروی کہ شدم عاشق بر بوی کہ مست

اس میں خطاب ہے معترض ملامت گر کو..... اور می بدہ میں اسناد مجازی ہے..... جیسا عنقریب واضح ہوگا حاصل یہ ہے کہ تو جو مجھ پر اعتراض و ملامت کر رہا ہے..... جس کا سبب غلبہ احوال عشق میں کچھ نشیب و فراز واقع ہو جانا ہے..... سو مجھ کو ذرا مستی ہونے دے اسی کو مجازاً می بدہ کہہ دیا ہے..... اس وقت تجھ کو راز قضا سے آگاہ کروں گا..... کہ میں کس ذات پر عاشق ہوا ہوں..... اور کس کی صفات و کمالات سے مست ہوا ہوں..... اور وہی عشق و مستی اس نشیب و فراز کا سبب ہو گیا ہے..... اس کو سر قضا اس لئے کہا کہ اس عشق و سکر سے ایسے امور کا وقوع مقدر ہو چکا تھا..... اس میں ارشاد ہے کہ اہل سکر پر اعتراض مناسب نہیں۔ قالؒ

کمر کوہ کم است از کمر مور اینجا	نا امید از در رحمت مشوای بادہ پرست

کوہ سے مراد عوائق و موانع سلوک و وصول..... ان کو بوجہ ثقل کے کوہ سے تشبیہ دی.....

مطلب یہ کہ سالک و طالب کو کبھی نا امید نہ ہونا چاہئے...... کیونکہ جن موانع کو تم ثقیل سمجھتے ہو ...... وہ نظر بفضل و رحمت الٰہیہ نہایت ضعیف و خفیف ہیں...... ان کا رفع ہو جانا کچھ دشوار نہیں وہذا کما قال العارف الرومی۔

تو مگو ما رابدان شہ باز نیست	بر کریمان کارہا دشوار نیست

اس تعلیم سے باعتبار فن کے یہ نفع ہے کہ اس سے دل میں نشاط ہوتا ہے...... اور اس سے مجاہدہ آسان ہو جاتا ہے...... اور مجاہدہ کا مفتاح مشاہدہ ہونا معلوم ہے...... غرض یہ معین حصول مقصود ہے۔ قالؒ

جان فدای دہنت باد کہ در باغ نظر	چمن آرای جہان خوشتر ازین غنچہ نہ بست

ممکن ہے کہ اس میں مدح مرشد کی ہو...... اور چونکہ دہن سے تعلیم و تلقین ہوتی ہے جو مظہر ہے ذرائع قرب کا...... اس لئے اس کی تخصیص ذکری کی گئی...... اس میں اشارہ ہوگا وحدت مطلب کی طرف...... کہ مسئلہ ہے فن کا جس کی شرح حسب ارشاد مولائی مرشدی رحمتہ اللہ علیہ یہ ہے...... کہ اپنے شیخ کی نسبت یہ اعتقاد رکھے کہ زندہ بزرگوں میں اس سے بہتر مجھ کو نفع پہنچانے والا میسر نہ ہوگا...... قالؒ

بجز آن نرگس مستانہ کہ چشمش مرساد	زیر این طارم فیروزہ کسی خوش نہ نشست

نرگس مستانہ چشم محبوب مراد از چشم اہل اللہ کو مقصود را دیدہ...... یعنی بجز اہل اللہ کے اس عالم میں کوئی خوش نہیں...... بلکہ سب طالب ماسوی اللہ پریشان ہیں......

قال اللہ تعالیٰ من عمل صالحا من ذکرا وانثی وھو مؤمن فلنحیینہ حیوۃ طیبۃ وقال تعالےٰ ومن اعرض عن ذکری فان لہ معیشۃ ضنکا۔ وقال الرومی۔

ہر چہ جز ذکر خدائے احسن است	گر شکر خواری ست ان جان کندن ست

وہذا مشاہدہ اور جملہ دعائیہ چشمش مرساد معترضہ ہے۔ قالؒ

حافظ از دولت عشق تو سلیمانی یافت	یعنی از وصل تو اش نیست بجز باد بدست

باد بدست کنایہ از عدم حصول...... یعنی چونکہ محبوب حقیقی کا وصل مجھ کو حاصل نہ ہوا

......تو بادبدست ہونے کی وجہ سے مجھ کو رتبہ سلیمانی حاصل ہے...... کیونکہ ایک معنی کے اعتبار سے وہ بھی بادبدست تھے...... یعنی بادان کی مسخر تھی...... اس تعبیر میں صنعت شاعری ہے اصل مقصود دو امر کا بتلانا ہے...... ایک یہ کہ سالک کو چاہئے کہ کبھی اپنے کو واصل نہ سمجھے ...... کیونکہ سلوک کا حقیقت میں کہیں منتہی نہیں ...... اور حقیقت وصول کی انتہا ہے سلوک کا...... دوسرے یہ کہ سلوک میں نامرادی کو بھی کہ عدم الوصول اس کی ایک فرد ہے دولت سمجھے...... اور تنگ دل نہ ہو کہ اس میں بھی مصالح ہیں...... اور اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اس سے اوپر کا شعر اس کے معارض ہے...... کیونکہ وہاں معلوم ہوتا ہے کہ طالب حق ہمیشہ خوش رہتا ہے...... اور یہاں اس کی نامرادی کہ مستلزم ناخوشی کو ہے معلوم ہوتی ہے...... جواب یہ ہے کہ یہ مقدمہ کہ نامرادی مستلزم ناخوشی کو ہے غلط ہے...... گو طبعاً اس پر حزن و تاسف ہو ...... مگر عقلاً وہ اس پر بھی راضی و مسرور ہوتا ہے...... کیونکہ یہ حالت بھی منافی قرب نہیں ...... بلکہ طرق الوصول الی اللہ بعدد انفاس الخلائق ثابت و مقرر ہے...... فافہم وفی المقام بسط۔ اور غزل آئندہ کا شعر اول اسی مضمون میں ہے غزل۔ قالؒ

سرارادت ماوآستان حضرت دوست	کہ ہرچہ برسر مامیرود درارادت اوست

یعنی ہمارا سرارادت و تسلیم محبوب حقیقی کے آستان پر رکھا ہے...... کسی حال میں اس کی شکایت نہیں کرتے...... کیونکہ ہم پر جو کچھ گزر رہا ہے یہ اسی کی مشیت سے ہے...... اور اس کی مشیت سراسر حکمت و مصلحت ہے...... اس لئے قبض و بسط وغیرہ سب خیر ہے...... تنبیہ جاننا چاہئے کہ **مایتعلق به المشية الازالية** ...... اگر فعل عبد نہیں مثل احوال و مواجید تب تو من کل الوجوہ اس پر رضا واجب ہے...... اور اگر فعل عبد ہے تو حسن شرعی کا بھی یہی حکم ہے...... اور اگر وہ قبیح شرعی ہے تو من حیث انہ مخلوق للہ تعالیٰ اُس پر رضا واجب ہے اور اُس میں بھی من حیث المجموع حکمت ہے۔ اور من حیث انہ صادر من العبد اس پر رضا جائز نہیں ...... اور اس حیثیت سے وہ خلاف حکمت ہے فافہم...... پس شعر میں مراد ہرچہ سے غیر فعل عبد ہے۔ قالؒ

نظیر دوست نہ دیدم اگرچہ از مہ و مہر	نہادم آئینہ ہا در مقابل رخ دوست

از مہ و مہر بیان آئینہ ہاست...... یعنی یہ امر معتاد ہے کہ آئینہ میں مرئی کا جو عکس پڑتا

ہے......وہ من وجہ نظیر مرئی کا ہوتا ہے مگر محبوب حقیقی ایسا بے نظیر ہے کہ میں نے مہر وماہ کے آئینہ میں بھی کہ انوار المرایا ہیں......نظر کر کے دیکھا تو اس کا نظیر نہ پایا......اس میں ایک دقیق مسئلہ کی تحقیق ہے......وہ یہ کہ قوم کی لسان پر مشہور ہے کہ مخلوقات مرایا ومظاہر ہیں جمال الٰہی کے......اس سے عوام یوں سمجھتے ہیں کہ ان مخلوقات میں جو صفات ہیں......ان ہی کے امثال خالق میں ہوں گے......اور وہ صفات خالق ان مخلوقات میں بعینہ منعکس ومرتسم ہیں......اس میں اس غلطی پر متنبہ کر دیا کہ یہ مرآۃ بایں معنی نہیں......کما حقیقۃ فی شرح المثنوی المسمی بکلید مثنوی......بلکہ جس طرح ہر مصنوع اپنے صانع کی صفات کمال پر دال ہوتا ہے......اس مرتبہ میں یہ مصنوعات صانع برحق کی صفات کے لئے مابہ الانکشاف ہے۔قالؒ

نثار روی تو ہر برگ گل کہ در چمن ست	فدای قد تو ہر سرو بن کہ در لب جوست

برگ گل وسرو بن کنایہ از محبوبان مجازی......یعنی سب محبوبان مجازی کا حسن وجمال ناقص ہے......اور محبوب حقیقی کا کامل اور ناقص کا کامل پر فدا ہونا زیبا ہے۔قالؒ

مگر تو شانہ زدی زلف عنبر افشان را	کہ باد غالیہ سا گشت وخاک عنبر یوست

مدلول لفظی تو ظاہر ہے......اور مراد معنوی یہ ہے کہ یہ مخلوقات جو مختلف کمالات سے متصف ہو رہی ہے......اس کی وجہ یہ ہے کہ کامل حقیقی نے اپنی صفات کا اظہار کیا ہے۔قالؒ

رخ تو در دلم آمد مراد خواہم یافت	چرا کہ حال نکو در قفائے فال نکوست

مطلب معنوی یہ ہے......کہ محبوب حقیقی کا تصور میرے دل میں جم گیا ہے......تو اب امید ہے کہ وصول الی اللہ میسر ہو جائے گا۔اشارہ اس طرف ہے کہ ذکر اور فکر مفتاح ہے کا مگاری قرب کی۔قالؒ

صبا ز حال دل تنگ ماچہ شرح دہد	کہ چون شکنج ورقہائے غنچہ تو بر توست

مراد معنوی یہ معلوم ہوتی ہے کہ زبان سے دل کا حال پورا ظاہر نہیں ہو سکتا......کیونکہ حال دل بوجہ ذوقی ووجدانی ہونے کے باطن در باطن وغیر معبر عنہ ہے......اشارہ اس طرف ہے کہ اہل حال کے کلمات پر مدار حکم نہ چاہئے۔قالؒ

نہ من سبوکش این دیرزہد سوزم وبس	بسا سرے کہ درین آستانہ سنگ سبوست

سبوکش محنت کشندہ...... دیرزہد کنایہ از عشق کہ احوال زہد ظاہری را مغلوب سازد...... سنگ وسبوصدمہ سید وبلا...... یعنی اس عشق سے صرف میں ہی گرفتار بلا نہیں ہوا...... بلکہ بہت سے گرفتار بلا ہو چکے ہیں...... اشارہ اس طرف ہے کہ طریق محبت میں مصاعب ومتاعب سے گھبرانا نہیں چاہئے۔ قالؒ

زبان ناطقہ در وصف حسن ادلال ست	چہ جای کلک بریدہ زبان بیہودہ گوست

قاعدہ مقرر ہے کہ تقریر سے ادائے مافی الضمیر ...... بہ نسبت تحریر کے زیادہ ممکن ہے...... اور جس کی تعبیر زبان سے نہ ہوسکے تحریر سے بدرجہ اولےٰ نہیں ہوسکتی...... مطلب یہ ہے کہ محبوب حقیقی کے کمالات نہ تقریر میں آسکتے ہیں...... نہ تحریر میں اشارہ اس طرف ہے کہ عشاق کے کلام میں جو کچھ محبوب حقیقی کی شان میں وارد ہوتا ہے اس کو عبارت کافیہ نہ سمجھا جائے...... وہ ناتمام تعبیر ہوتی ہے...... اس لئے نہ حق تعالیٰ سے اعتقاد خراب کرے...... نہ عشاق سے فافہم۔ قالؒ

نہ این زمان دل حافظ در آتش طلب ست	کہ داغدار ازل ہمچو لالۂ خودروست

یعنی میرا عشق وطلب امر مستانف نہیں بلکہ مقدر ہے...... اشارہ اس طرف ہے کہ کمالات میں اپنے اکتساب کو موثر نہ سمجھے...... بلکہ حقیقی علت اس کی مشیت وموہبت ہے جیسے لالہ خودرو کہ مزروع نہیں ہوتا...... محض قدرتی چیز ہے۔

غزل قالؒ

دل سرا پردۂ محبت اوست	دیدہ آئینہ دارطلعت اوست

طلعت بمعنی طلوع وظہور مراد آیات صنع وقدرت میں حیث آنہا آیات...... یعنی دل محبوب حقیقی کی محبت سے...... اور آنکھ اس کی آیات قدرت کے مشاہدہ سے لبریز ہے...... اس میں ترغیب ہے تحصیل مقامات وعلوم محمودہ کی...... کہ محبت مقام ہے...... اور مشاہدہ آیات للاعتبار والاستدلال علم مطلوب ہے۔ قالؒ

منکہ سر درنیا درم بدوکون   گردنم زیر بار منت اوست

حاصل اس کا یہ ہے کہ میں دونوں عالم کی طرف التفات نہیں کرتا...... اور اپنے محبوب کا ممنون ہوں...... اور اس کی دو تقریریں ہوسکتی ہیں...... ایک یہ کہ اول مصرع علت اور دوسرا معلول ہو...... دوسرے اس کا عکس...... یعنی چونکہ میں دونوں عالم سے مستغنی ہوں...... اس لئے محبوب کا ممنون ہوں...... کہ اس کی عنایت سے یہ نعمت میسر ہوئی...... یا یوں کہا جائے کہ چونکہ میں محبوب کا ممنون اور اس کا محبّ ہوں...... اس لئے دونوں عالم سے مستغنی ہوں ...... اور اس استغناء و بے التفاتی سے مراد یہ ہے کہ درجہ استحضار میں اس کی طرف التفات نہیں ...... ورنہ آخرت ایک درجہ میں مطلوب ضرور ہے...... گو بالعرض سہی چنانچہ کہا گیا ہے

ع عاشقان جنت برائے دوست میدارند دوست۔ قالؒ

تو وطوبے وماوقامت یار   فکر ہرکس بقدر ہمت اوست

یہ خطاب ہے زاہد کو...... کہ تو جنت کا طالب ہے اور ہم محبوب حقیقی کے...... پس یہ شعر بھی قریب قریب شعر اول کے ہے...... اور گو جنت زاہد کو بھی مطلوب بالذات نہیں...... مگر ظاہر ہے کہ بہ نسبت عاشق کے زاہد کو جنت کا استحضار زیادہ ہے...... قالؒ

دور مجنون گذشت و نوبت ماست   ہر کسی پنج روزہ نوبت اوست

اس شعر کی تین غرضیں ہوسکتی ہیں...... ایک یہ کہ کوئی شخص اپنی طلب و محبت پر مغرور نہ ہو...... کیونکہ عشاق ہر زمانہ میں ہوئے ہیں...... دوسرے یہ کہ ترغیب ہو تحصیل عشق کی...... کہ عشق وطلب کا چرچا ہر زمانہ میں رہا ہے...... تم کو بھی اس کی تحصیل میں سعی کرنا چاہئے...... تیسرے یہ کہ محبوب کا حسن دائم ہے اور عشاق فنا ہوتے چلے جاتے ہیں...... اور میرے نزدیک یہ تیسرا اقرب ہے۔

منکہ باشم درآن حرم کہ صبا   پردہ دار حریم حرمت اوست

قاصد کو باعتبار سبک روی و تبلیغ خبر کے صبا سے تشبیہ دیا کرتے ہیں...... کہ وہ بھی خفیف السیر وناقل روائح وشمائم ہوتی ہے یہاں مراد ملائکہ یا انبیاء علیہم السلام ہیں...... یعنی جب محبوب

حقیقی کی عظمت کا ادراک...... ومعرفت مرتبہ کنہ ذات میں ایسے مقدمین وقد یبین لو جاء ان لی
بلکہ وہ بھی پردہ کے باہر ہیں کما قال سید البشر علیہ صلوۃ لا تحصی ولا تحصر لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک اس میں تعلیم ہے کہ ذات من حیث الذات کا ادراک محال ہے...... اس کی فکر میں نہ لگے کما قال۔

عنقا شکار کس نشود دام باز چین	کانجا ہمیشہ باد بدست است دام را

قالؒ

من و دل گرفنا شویم چہ باک	غرض اندر میان سلامت اوست

مطلب یہ ہے کہ اگر میں...... یعنی احوال جسمیہ از قبیل قوت ونشاط اور دل...... یعنی احوال قلبیہ از قبیل لذت وانبساط فانی وزائل ہو جائیں...... تو کچھ غم نہیں جیسا اکثر ناواقف احوال کو مقصود سمجھتے ہیں...... احوال قلبیہ کو بالذات اور جسمیہ کو ان احوال قلبیہ کی تحصیل کے لئے ...... اوران کی کمی سے تنگ اور پریشان ہوتے ہیں...... اس شعر میں اس خیال کی غلطی ارشاد فرماتے ہیں...... کہ ان کا کچھ غم نہ کرنا چاہئے...... کیونکہ احوال اختیاری نہیں...... اور امور غیر اختیاریہ مقصود نہیں اصل مقصود تعلق وقرب محبوب ہے...... جو وابستہ ہے ذکر وطاعت کے ساتھ سلامت اوست سے یہی مراد ہے...... یعنی سلامت تعلق او کمال قال العارف الرومی فی التوحید۔

جملہ شان پیدا او ناپیداست باد	آنکہ ناپیداست ہرگز کم مباد

ای از دل ما کذا افرو مرشدیؒ وفی ہذا المعنی قال الرومیؒ۔

روز ہا گر رفت گورو باک نیست	تو بمان ای آنکہ چون تو پاک نیست

روز ہا ای احوال ومواجید وغیر ہا

بے خیالش مباد منظر چشم	زانکہ این گوشہ خاص خلوت اوست

مطلب ظاہر ہے کہ دوام ذکر ومشاہدہ کی تمنا کرتے ہیں...... اور چشم سے مراد بصیرت ہے بصر نہیں...... اوراس کو خلوت اس لئے کہا کہ قلب میں دوسرے کی گنجائش نہیں...... اور

بعض نسخوں میں خلوت کی جگہ دولت ہے..... مراد ملک وحق۔ قالؒ

گرمن آلودہ دامنم چہ عجب	ہمہ عالم گواہ عصمت اوست

مطلب ظاہری تو یہ کہ حساد جو مجھ پر محبوب کے معاملہ میں تہمتیں لگاتے ہیں..... تو میرا ملوث ہونا تو عجیب نہ تھا..... مگر وہ تو پاک دامن ہے..... اس سے استدلال ہوسکتا ہے ان تہمتوں کے کذب ہونے پر..... اور بلسان اشارہ عجب نہیں ..... کہ ایک مسئلہ حقیقت کی طرف اشارہ ہو..... جس کو اہل کلام نے بیان کیا ہے..... وہ یہ کہ عبد سے جو صدور قبائح کا ہوتا ہے..... اور اہل حق خالق ان قبائح کا حق تعالیٰ کو کہتے ہیں..... اس سے کوئی نقص ذات حق میں لازم نہیں آتا..... کیونکہ صدور قبائح کا قبیح ہے..... جس سے عبد کو آلودہ دامن کہیں گے..... اور وہ کچھ عجیب اور مستلزم محذور نہیں..... لیکن خلق قبائح کا قبیح نہیں ہے..... اس کی نزاہت باتفاق اہل مل علی حالہا ہے۔

ہر گلے نو کہ شد چمن آرائے	اثر رنگ و بوی صحبت اوست

صحبت سے مراد تعلق تکوینی..... مطلب یہ کہ جو کامل عالم میں ظاہر ہوتا ہے..... وہ محبوب حقیقی کی صنعت کا طفیل ہے..... یعنی کامل حقیقی وہی ہے..... دوسرا کوئی قابل طلب و التفات نہیں..... پس اس میں ترغیب ہوئی اعراض عما سواسے۔ قالؒ

فقر ظاہر مبین کہ حافظ را	سینہ گنجینۂ محبت اوست

مقصود یہ ہے کہ اہل اللہ کی ظاہری بے سروسامانی سے ان کی تحقیر نہ کرے ان کے پاس بڑا خزانہ محبت و معرفت الٰہیہ کا موجود ہے۔

غزل

آن سیہ چردہ کہ شیرینی عالم با اوست	چشم میگون لب خندان دل خرم با اوست
گرچہ شیرین دہنان پادشہانند و لے	آن سلیمان زمان ست کہ خاتم با اوست
روی خوبست و کمال ہنرو دامن پاک	لاجرم ہمت پاکان دو عالم با اوست
خال مشکین کہ برآن عارض گندم گون ست	سر آن دانہ کہ شدر ہزن آدم با اوست

دلبرم عزم سفر کرد خدارا یاران	چہ کنم بادل مجروح کہ مرہم با اوست
باکہ این نکتہ توان گفت کہ آن سنگین دل	کشت مارا ودم عیسیٰ مریم با اوست
حافظ از معتقدان ست گرامی دارش	زانکہ بخشائش بس روح مکرم با اوست

اس غزل کے شعر چہارم کی ترکیب محتاج تنبیہ ہے.....اس لئے لکھتا ہوں.....خال مشکین اپنے مابعد کی صفت سے مل کر مبتداء ہے.....اور مصرع ثانی اس کی خبر ہے.....اور با او میں ضمیر اور راجع ہے طرف مبتدا کے.....اور اس غزل کو ظاہر سے منصرف کرنا میرے نزدیک تکلف ہے.....ظاہر یہی ہے کہ یہ مضمون شاعرانہ ہے.....اور محبوب ظاہری کے باب میں ہے..... جو رنگ میں ملیح ہوگا.....اس میں اہل نظر کا ذوق مختلف ہوتا ہے.....بہرحال حاصل یہ ہے کہ میرا محبوب ملیح کہ تمام عالم کی شیرینی وحلاوت اس میں مجتمع ہے.....(یہ مبالغہ ہے) اس کے پاس یہ چیزیں ہیں.....چشم میگون.....لب خندان.....دل خورم (یعنی لوازم محبوبیت) اور وہ میرا محبوب.....اور محبوبوں سے وہ نسبت رکھتا ہے.....جو سلیمان علیہ السلام دوسرے سلاطین سے نسبت رکھتے ہیں.....میرے محبوب کی چونکہ صورت بھی اچھی ہے.....اور صاحب ہنر یعنی جامع صفات حمیدہ بھی ہے.....اور اس کے ساتھ عفیف بھی ہے.....اس لئے دونوں عالم کے پاکوں کی توجہ اس کی طرف ہے (یہ مطلب نہیں کہ دنیا والوں کی بھی اور ملکوت والوں کی بھی ..... بلکہ مطلب یہ ہے کہ دنیا ہی میں جو دو طرح کے پاک لوگ موجود ہیں.....بعضے وہ جو دنیا دار کہلاتے ہیں.....اور محرمات سے بچتے ہیں.....اور بعضے وہ جو دیندار کہلاتے ہیں.....اور محرمات سے بچتے ہیں.....پس دونوں عالم والوں سے مراد اہل دنیا واہل دین.....رہا یہ کہ جب ان کی توجہ اہل نفس کی طرف ہوئی.....تو وہ پاک کہاں رہے.....سو بات یہ ہے کہ توجہ کے اقسام مختلف ہیں.....ایک وہ جس میں شائبہ شہوت کا ہو.....وہ بے شک پاکی کے خلاف ہے.....اور ایک وہ جس میں شائبہ شہوت کا نہ ہو.....مگر طبعی امر ہے کہ شے مستحسن سے قلب کو انبساط ہوتا ہے.....اور شے مستقبح سے انقباض ہوتا ہے.....خواہ وہ غیر آدمی ہو جیسے صاف کپڑے کو دیکھ کر

فرحت ہوتی ہے......اور میلے کپڑے کو دیکھ کر کدورت ہوتی ہے...... یا آدمی ہو جیسے حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ ایام شیر خوارگی میں بدشکل آدمی کی گود میں نہ جاتے تھے......پس اس توجہ سے مراد یہ انبساط ہے......اور یہ پاکی کے خلاف نہیں ......مگر دونوں میں فرق کرنا سخت دشوار ہے......بالخصوص اول نظر میں اس لئے عوام کو مطلق نظر والتفات سے روکنا واجب ہوگا......اور چونکہ یہ دوسری توجہ شائبہ معصیت وشہوت سے پاک ہے ......اور مخصوص ہے پاک لوگوں کے ساتھ......اس لئے اگر اس استحسان کے ساتھ اس حسین آدمی میں اخلاق محمودہ اور عفت نہ ہو......جن کا نہ ہونا مقتضی ہے پاک لوگوں کے تنفر وانقباض کو......اور مانع ہے توجہ سے اس صورت میں وہ استحسان موجب توجہ ان حضرات کا نہ رہے گا......بخلاف توجہ شہوانی کے کہ وہ اس صورت میں بھی ہوگی......سو فرماتے ہیں کہ چونکہ میرا محبوب جامع حسن صورت وحسن سیرت کا ہے......اس لئے پاک لوگوں کو اس کی طرف دوسری قسم کی توجہ ہے......خوب سمجھ لیا جائے آگے فرماتے ہیں کہ اس کا وہ خال مشکین جو اس رخسارہ گندم گون پر ہے......اس کی یہ شان ہے کہ جو دانہ آدم علیہ السلام کا رہزن ہوا تھا......اس دانہ کا سرا اس خال سے ملا ہوا ہے......(جس سے اس کا اس میں یہ اثر آ گیا ہے کہ یہ خال بنی آدم کا رہزن ہو گیا ہے......کہ لوگ اس پر مفتون وشیدا ہوتے ہیں) اور میرے محبوب نے کہیں کے سفر کا ارادہ کیا ہے یارو خدا کے لئے بتلاؤ ......میں اس دل مجروح کا کیا علاج کروں......کہ اس کا مرہم تو (کہ کنایہ دیدار سے ہے) اس محبوب کے پاس ہے (اور وہ سفر میں جاتا ہے......پھر یہ دل بے مرہم رہ جائے گا) اور یہ باریک مضمون کس سے کہا جا سکتا ہے......کہ اس سنگین دل نے ہم کو قتل کر ڈالا......حالانکہ انفاس مسیحائی اس کے پاس ہیں (جن کا مقتضا احیاء ہے......اور اسی لئے اس کو باریک مضمون کہا......کہ ظاہر جمع بین الضدین ہے......کہ سبب احیاء سبب اماتت ہو جائے) حافظ تمہارے ماننے والوں میں ہے......اس کی خاطر کیا کرو کیونکہ (علاوہ عقیدت مندی کے ایک اور سبب بھی اس کے اکرام کا ہے وہ یہ کہ) بہت سی بزرگ روحوں کی مہربانی اس کے حال پر ہے (اگر ان ارواح سے مراد ارواح حیاء ہیں تب تو معنی ظاہر ہیں کہ بہت سے اچھے

اچھے لوگ اس کی برگذاشت کرتے ہیں...... وہ ایسا برا آدمی نہیں...... جس سے تم تنفر نہ ہو ......اور اگر ارواح اموات مراد ہیں تو یہ موقوف ہے اثبات فیضان ارواح پر...... جو اپنے محل میں ثابت ہے......اور غیاث میں روح مکرم جبریل علیہ السلام کو لکھا ہے...... مگر لفظ بس چونکہ تعدد پر دال ہے...... معنی یہ ہوں گے کہ بہت سے جبریل صفت بزرگوں کی عنایت اس کے حال پر ہے......اور اگر ان اشعار کو محبوب ظاہری سے منصرف کر کے کلام عارفانہ بنایا جائے تو غایت مافی الباب مرشد کو خطاب ہوسکتا ہے...... جس میں بعض اشعار بے تکلف درست ہوجاتے ہیں......اور بعض کسی قدر تکلف سے جس میں زیادہ تامل کی ضرورت نہیں ......اسی واسطے انطباق کی تقریر مفصل کی حاجت نہیں سمجھی گئی...... واللہ اعلم۔ مثلاً شعر اول میں سیاہ پردہ سے اشارہ ہوگا کہ کمالات اس مرشد کے نظر عوام سے مستتر ہیں...... جیسا حسن ملیح کا کہ خفی ہوتا ہے...... بمقابلہ حسن صبیح کے یا اس وجہ سے کہ حسن ملیح بہ نسبت حسن صبیح کے متمکن ہوتا ہے......اشارہ ہو مرشد کے صاحب تمکین ہونے کی طرف...... اور مثلاً شعر چہارم میں خال مشکین سے مراد لوازم بشریت...... جو ناشی ہیں ظلمات ہیولی سے سو بشر کامل میں لوازم بشریت کا خلط صفات ملکوتیہ کے ساتھ عجب لطف دیتا ہے...... بہ نسبت ملکیت محضہ کے...... کیونکہ صفات ملکیہ کا ظہور باوجود موانع کے دلیل زیادہ کمال کی ہے۔

غزل

دارم امید عاطفے از جناب دوست	کردم جنایتے وامیدم بعفو اوست
دانم کہ بگذرد ز سہ جرم من کہ او	گرچہ پری وشست ولیکن فرشتہ خوست

یہ دونوں شعر مقام رجا کے ہیں...... کہ مجھ کو حضرت محبوب حقیقی سے امید رحمت کی ہے ......میں نے گناہ تو کیا ہے لیکن اس کے عفو کی امید ہے...... میں جانتا ہوں کہ وہ میرے جرم سے درگزر فرمائے گا...... کیونکہ اگرچہ اس میں صفات جلالیہ وقہریہ بھی ہیں...... لیکن ساتھ ہی صفات جمالیہ ولطفیہ بھی ہیں...... (پری چون از نار باشد کہ مہلک است کنایہ از قہر شد وفرشتہ چون از نور باشد کہ مربی ست کنایہ از لطف شد)۔

بے گفتگوی زلف تو دل را ہمی برد	با زلف سرکش تو کراروی گفتگوست

زلف کنایہ از جذبہ غیبی وگفتگو کنایہ از دعوی استحقاق...... یعنی کوئی شخص اس قابل نہیں کہ استحقاق انجذاب کا دعویٰ کرے...... کیونکہ کسی کے پاس ایسا عمل نہیں ...... محض آپ کا فضل ہے کہ جس پر عنایت ہوتی ہے......اس کو منجذب فرمالیتے ہیں ......ویویدہ من الحدیث قوله عليه السلام مامنكم احد يدخل الجنة بعمله قالت عائشةؓ ولا انت يا رسول الله فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا انا الا ان يتغمد نى الله برحمته اھ اور بعض نسخوں میں باروی دلکش ہے......اشارہ ہوگا طرف قرب ومشاہدہ مقصود کے......یعنی اگر جذب نہ ہوتا تو مشاہدہ ووصول کا مستحق اور مدعی کون ہوسکتا تھا...... محض آپ کا جذبہ ہی موصل ہے۔

عمریست تا ززلف تو بوی شمیدہ ایم	زان بوی درمشام ماہنوز بوست

حاصل یہ ہے کہ جب سے ہم عاشق ہوئے ہیں......وہ عشق بحالہ باقی ہے......اس میں تغیر وزوال نہیں آیا......اشارہ ہے اس مسئلہ کی طرف الفانی لایرد۔

ہیچ است آن دہان کہ ندیدم از و نشان	موئیست آن میان دندانم کہ اینچہ موست

دہاں ومیاں کنایہ از صفات ست......دہان از صفاتیکہ آثارش در مصنوعات ظاہرست ......چنانچہ درحزب اعظم ست......اللہم انی اسالک باسمک الذی وضعته علی الارض فاستقرت وعلی السموات فاستقلت وعلی الجبال فرست واسالک باسمک الذی استقربه عرشک وباسمک الذی وضعته علے النهار فاستنارو علی اللیل فاظلم دومیان از صفاتیکہ آثارش در مصنوعات ظاہر نیست کہ بسیاری ازہما وصفات درعلم غیب خاص مخزون ومکنون است چنانچہ در حصن حصین آمدہ۔ اسلک بکل اسم هولک سمیت به نفسک اوا نزلته فے کتابک او علمته احدا من خلقک اوا ستاثرت به فی علم الغیب عندک. ولایرد علی عدم ظهور بعض الاسماء والصفات مایقال ان الاسماء جمیلة یقتضی الظهر

فان المراد هی الاسماء التی ظهرت اثار هافی الاکوان لان هذا القول یقال
فیهان حکمة وجود الاکوان فیختص بالاسماء التی لها دخل فی هذا الوجود
وهذا لاقتضا وللظهور لیس اضطرار یابل هوداخل تحت المشیة فما اراد
اقتضاء ہ اقتضی ومالا فلاافافهم فان المقام مطرح الانظار ومزل الافکار
والله اعلم بحقائق الاسرار. مطلب یہ ہوا کہ صفات حق سبحانہ وتعالیٰ کی کنہ کسی کو مدرک
نہیں ہوئی......جو کچھ علم ہے بالوجہ۔ ہے......یہ مسئلہ تصوف وکلام میں مشترک ہے۔

دارم عجب ازنقش خیالش کہ چون نرفت	از دیدہ ام دمبدمش کارشست وشوست

ترجمہ ظاہر ہے......اشارہ اس طرف ہے کہ محبت جب دل میں رچ جاتی ہے...... پھر
اس کا زوال نہیں ہوتا......جیسا حدیث میں ہے کذلک الایمان اذا خالط بشاشته
القلوب...... اور رونے سے جو کچھ جوش میں کمی معلوم ہوتی ہے......وہ بعض آثار عارضہ
میں ہوتی ہے محبت میں نہیں۔

چندان گریستم کہ ہرآنکس کہ برگذشت	از دیدہ ام چودیدروان گفت این چہ جوست

قولہ برگذشت ای برمن......قولہ چودیدروان ای اشک راباقی ظاہرست...... اس
میں اشارہ ہے بعض الوان محبت کی طرف کیونکہ اہل محبت میں سے کسی پر شوق کا غلبہ ہوتا ہے
......کسی پر انس کا کسی پر ہیبت کا کسی پر حزن کا......عجب نہیں کہ صاحب دیوان پر غلبہ شوق کا
ہو جس سے گریہ غالب رہتا ہو۔

ماسر چوگوی برسر کوی تا باختیم	واقف نشد کہ کسی کہ چہ گویست وانچہ کوست

اس میں یا تو اس طرف اشارہ ہے......کہ بعض الوان محبت کا کسی کو ادراک نہیں ہوتا
......جیسے اکثر منتہیوں کی حالت ہوتی ہے......کہ غایت لطافت وعلو احوال باطنیہ کے سبب
عوام سے بھی ممتاز نہیں ہوتے ......وہذا احد وجود قولہم فی تفسیر النہایۃ ہی الرجوع الی
البدایۃ......اور یا اس طرف اشارہ ہے کہ مطلقا نسبت بین العبد و بین اللہ کی کنہ دوسرے
شخص کو مدرک نہیں ہوتی ......گو بعض میں بعض آثار کا بعض کو ادراک ہو جائے ......وہذہ

النسبۃ ہی الولایۃ التی قبل فیہا ۔

میان عاشق و معشوق رمزیست	کراما کاتبین راہم خبر نیست
۔ حافظ بدست حال پریشان تو ولے	برباد زلف یار پریشانیت نکوست

یعنی گو یہ پریشانی ظاہرا قبیح معلوم ہوتی ہے..... لیکن اس کی یاد میں یہ مستحسن ہے..... اشارہ اس طرف ہے کہ سالک قبض سے اور بعض احوال وواردات سے گو بہت تنگ و پریشان ہوتا ہے..... حتیٰ کہ بعض نے خودکشی تک کرلی ہے..... لیکن واقع میں وہ اسکے حق میں بہتر ہے..... یا تو اس لئے کہ انجام اس کا بسط و جمعیت ہے..... اور یا اس لئے کہ قطع نظر انجام سے..... خود وہ اپنی ذات میں بھی اس کے لئے مصلحت ہے..... کیونکہ خود سالک کو معلوم نہیں ہوسکتا..... کہ میری تربیت کس طریق سے مناسب ہے..... حق تعالیٰ حقائق امور پر مطلع ہیں..... جس طرح اس کے لئے مصلحت ہوتی ہے..... اس کی تربیت فرماتے ہیں ..... مثلاً ممکن ہے کہ بسط سے اس کو عجب ہوجاتا ..... اور قبض سے تذلل و انکسار ہوگا ..... بالکل طبیب و مریض کا سا قصہ ہے۔

غزل

آن شب قدری کہ گویند اہل خلوت امشب ست	یارب این تاثیر دولت از کدامی کوکب ست

ظاہراً یہ شعر حالت بسط کا ہے..... اور گو بسط فی نفسہ مطلوب نہیں ..... لیکن اس پر مسرت ہونا امر طبعی ہے..... اور امور طبعیہ کا حالت کمال میں بھی انفکاک نہیں ہوتا..... اور دوسرے مصرع میں کہ بعنوان تعجب سے اشارہ اس طرف ہوسکتا ہے..... کہ واردات کو اپنا استحقاق اور اپنے اعمال وطاعت کا ثمرہ نہ سمجھے..... بلکہ اپنے کو اس کا اہل نہ سمجھ کر خدا تعالیٰ کا فضل جانے ...... جیسا تعجب سے معلوم ہوسکتا ہے..... اور نسبت کرنا کوکب کی طرف ..... بناء علی المشہور شاعری ہے۔

تا بگیسوی تو دست ناسزایان کم رسد	ہر دلے در حلقۂ درذکر یارب یارب ست

ترجمہ کا حاصل تو یہ ہے..... کہ اے محبوب تیرے ہر حلقہ زلف میں جو عشاق کے قلوب پھنس رہے ہیں..... وہ یارب یارب کے ذکر میں اس لئے مشغول ہیں..... کہ تیرے گیسو تک بوالہوں کا ہاتھ نہ پہنچے..... اور اس نام کی برکت سے وہ محفوظ رہے..... یا یہ کہ مقصود اس یارب سے یہ دعا ہے کہ یارب ناسزایان رادسترس بیکسوی محبوب مباد تو توجیہ اور بھی ظاہر ہے..... اور اشارہ اس معنی کی طرف ہوسکتا ہے کہ طریق وصول میں جو طالبین کے لئے اسباب ہدایت ہیں..... وہ معاندین کے لئے سامان ضلالت ہیں ..... **كما قال تعالى يضل به كثيرا ويهدى به كثيرا وقال تعالى فاما الذين امنوا فزادتهم ايمانا وهم يستبشرون واما الذين فى قلوبهم مرض فزادتهم رجسا الى رجسهم.** تقریر کلام کی یہ ہوگی..... کہ حق تعالیٰ کے طالبین و محبین و مومنین..... جو ذکر و طاعت میں مشغول ہیں..... معترضین و معاندین و کفار جو کہ نااہل ہیں..... اس کو دیکھ کر سن کر اور بھی حق سے بعید ہوتے جاتے ہیں..... پس اس سببیت کو مبالغۃً بعنوان غایت بیان کر دیا..... کیونکہ ظاہر ہے کہ طاعت و ایمان کی غایت تو یہ نہیں ہے..... کہ دوسرے گمراہ ہوں..... لیکن چونکہ بواسطہ یہ اس کی طرف مفضی ہوجاتا ہے..... پس گویا مشابہ اس کے ہوگیا کہ گویا اسی غرض سے طاعت و ایمان میں مشغول ہیں..... اور اس مسئلہ کے اظہار سے اس تعلیم پر تنبیہ ہوگئی..... کہ ایمان و طاعت و ذکر وغیرہ کو اپنے علم و استعداد کی طرف منسوب نہ کرے..... کیونکہ اگر یہ امور علت تامہ ہوتے تو کفار میں معلول کیسے تخلف ہوتا..... بلکہ محض حق تعالیٰ کی نعمت اور اس کا فضل سمجھے۔

کشتۂ چاہِ زنخدان تو ام کز ہر طرف	صد ہزارش گردن جان زیر طوق غبغب ست

صد ہزار مبتدا و شین مضاف الیہ..... جان راجع بصد ہزار و مابعد او خبر و۔ یعنی صد ہزاران..... مردم چنین ست کہ گردن جان ایشان زیر طوق غبغب ست..... مطلب یہ کہ چونکہ لاکھوں تیرے عشق میں گرفتار ہیں..... میں بھی گرفتار ہوں..... اگر یہ ترتب محض ذکری باعتبار تقدم و تاخر وجود کے ہے..... تب تو توجیہ ظاہر ہے..... اور اگر ترتب علیہ ہے تو اشارہ اس طرف ہوسکتا ہے..... کہ عاشق کو دیکھ کر بھی عشق پیدا ہوجاتا ہے..... اور ایک ترکیب یہ ہوسکتی ہے کہ شین مضاف الیہ غبغب کا ہو..... راجع بہ زنخدان باضافۃ بیانیہ یعنی صد ہزاران

گردن جان زیر طوق غبغب آن چاہ زنخدان ست۔

تاب خوی برعارضش بین کافتاب گرم رد	درہوائے آن عرق تاہست ہرروزش تب ست

تاب فروغ...... خوی عرق...... عارض رخسارہ...... قاعدہ ہے کہ محبوب کے چہرہ پر پسینہ آنے سے حسن افزون معلوم ہوتا ہے...... مطلب یہ ہے کہ اے مخاطب...... اس کے حسن کو دیکھو کہ جب سے آفتاب اس عرق عارض کے عشق میں مبتلا ہوا ہے...... اس کو گرمی عشق سے تپ ہوگئی ہے...... حاصل یہ ہے کہ محبوبان مجازی حسن و جمال میں محبوب حقیقی کے سامنے کالعدم ولاشئے...... اور اپنی صفت میں اس کی طرف مفتقر ہیں...... غرض اس سے یہ ہوسکتی ہے کہ طالب حقیقت کو ماسوائے اللہ سے استغناء چاہئے...... قال الشیخ الشیرازی۔

بر عاشقان جز خدا ہیچ نیست

اندران موکب کہ بر پشت صبا بندزین	باسلیمان چون برانم من کہ مورم مرکب ست

ترجمہ لفظی یہی ہے کہ جو جماعت...... کہ پشت صبا پر زین باندھنے والے...... یعنی چلنے والے ہیں...... اس جماعت میں سلیمان علیہ السلام کی برابری...... مجھ جیسے شخص سے جس کی سواری ایک مور ضعیف ہے...... کب ہوسکتی ہے اور مقصود معنوی یہ معلوم ہوتا ہے...... کہ عشاق گرم رو عالی ہمت کے مجمع میں عارف کامل کی برابری مجھ کو ہمت کم قوت سے کب ہوسکتی ہے...... اس میں تعلیم ہے کہ خواہ آدمی کیسا ہی صاحب کمال ہوجائے...... مگر کاملین سے بالخصوص مرشد سے اپنے کو ہمیشہ کمتر سمجھے...... نہ مثل کم ظرفوں کے کہ اپنے کمال کے معتقد ہو کر سب سرمایہ برباد کرلیتے ہیں۔

شہسوار من کہ مہ آئینہ دارروی اوست	تاج خورشید بلندش خاک نعل مرکب ست

شہسوار مع مضاف الیہ...... وصفت مبتدا و مصرع ثانیہ خبر او...... و آئینہ دار خادمیکہ خدمت آئینہ سپرد او باشد مثل موتراشان...... مطلب یہ کہ میرا وہ شہسوار کہ چاند اس کا خادم اور غلام ہے...... ایسا ہے کہ تاج خورشید اس کے نعل مرکب کی خاک ہے...... اس سے بھی مثل شعر تاب خوی برعارضش الخ...... کے وہی محبوب حقیقی کا محتاج الیہ...... اور محبوبان مجازی کا محتاج ہونا مقصود ہے۔

آب حیوانش زمنقار بلاغت می چکد	زاغ کلک من بنام ایزد چہ عالی مشرب ست

ش مضاف الیہ بلاغت وراجع بسوی زاغ ...... ودر کلام تقدیم وتاخیرست...... یعنی زاغ کلک من چہ عالی مشرب ست کہ آب حیوان از منقار بلاغتش میچکد وبنام ایزد برای تعظیم میگویند...... وتشبیہ کلک بزاغ شاید کہ باعتبار سیاہی باشد...... ترجمہ لفظی ظاہر ہے...... مقصود معنوی یہ ہوسکتا ہے...... کہ میرا قلم نہایت بلند رتبہ ہے کہ اس سے مضامین حقائق و معارف سرزد ہوتے ہیں...... اس میں ترغیب وتحسین ہے...... اس فن شریف کی تاکہ اس کو حاصل کریں...... کیونکہ علم ہی زینہ عمل ہے...... اور صوفی جاہل مسخرہ شیطان ہے۔

من نخواہم کرد ترک لعل یار و جام می	زاہدان معذور داریدم کہ اینم مذہب ست

مطلب یہ ہے کہ...... مجھ سے طریق عشق ترک نہ ہوگا...... زاہد لوگ مجھ کو معذور سمجھیں...... یہ بات مقرر ہے کہ وصول الی اللہ کے طرق حسب اختلاف استعداد مختلف ہیں ...... ان میں ایک طریق زہد کا ہے...... ایک طریق غلبہ وشورش عشق کا ہے...... اس لئے ایک کو دوسرے پر اعتراض کا حق نہیں ...... مگر یہ سب طرق دائرہ شریعت سے خارج نہیں ...... کہ اس سے خروج ضلالت وخسران ہے۔

آنکہ ناوک زیر چشمی بر دل حافظ زند	قوت جان حافظش درخندۂ زیر لب ست

قوت بروزن حوت غذا وشین مضاف الیہ لب...... حاصل مطلب یہ کہ اگر محبوب کی تجلی جلالی سے میں کشتہ ہوجاتا ہوں...... جیسا قبض میں...... تو اس کی تجلی جمالی سے زندہ بھی ہوجاتا ہوں ...... جیسا بسط میں...... پس اس میں اشارہ ہوسکتا ہے کہ دونوں حالت میں راضی رہے کہ دونوں میں اسی کے ساتھ نسبت ہے...... قال العارف الرومیؒ۔

چونکہ قبض آمد تو دروے بسط بین	تازہ باش وچین میفگن بر جبین

غزل

سینہ ام زآتش دل درغم جانانہ بسوخت	آتشی بود درین خانہ کہ کاشانہ بسوخت

تنم از واسطۂ دوری دلبر بگداخت	جانم از آتش ہجر رخ جانانہ بسوخت

ان اشعار میں بعض آثار عشق کے بیان کئے گئے ہیں...... جو بعض احوال میں بسبب حزن یا شوق یا قبض...... کے پیش آتے ہیں اور ترجمہ ظاہر ہے۔

ہر کہ زنجیر سر زلف پریروے تو دید	شد پریشان و دلش بر من دیوانہ بسوخت

اس میں بیان ہے اس کا کہ جو خود عشق میں مبتلا ہوتا ہے اس کو دوسرے عشاق کی کیفیت معلوم ہوتی ہے اور جو اس سے بے بہرہ ہیں...... وہ عشاق پر اعتراض کیا کرتے ہیں...... اور ترجمہ ظاہر ہے۔

سوز دل بین کہ زبس آتش واشکم دل شمع	دوش بر من ز سر مہر چو پروانہ بسوخت

آتش سے مراد سوختگی اور اشک سے مراد گریہ۔ اس میں بیان ہے اپنی عاشقی کی شدت تاثیر کا۔ یعنی میری سوختگی و گریہ کی کثرت سے وہ لوگ بھی متاثر ہوئے جو خود دوسروں کے دلربا و محبوب ہیں اور یہ شعر بالا کے معارض نہیں کیونکہ علم بالکنہ عشق کا تو عاشق ہی کو ہوتا ہے اور علم بالوجہ غیر عاشق کو بھی ہو سکتا ہے اور مطلق تاثر و ترحم کے لئے علم بالوجہ بھی کافی ہے۔

چون پیالہ دلم از توبہ کہ کردم بشکست	چون صراحی جگرم بے مئے وپیانہ بسوخت

مراد توبہ سے ضبط کرنا اور ظاہر نہ کرنا آثار عشق کا۔ اور مے و پیانہ سے مراد اسباب عشق جیسے اس کا تذکرہ و چرچا۔ مطلب یہ کہ بعض ناصحین کے کہنے سے جو اسباب ترقی عشق کو ترک کیا اور آثار عشق کے ظاہر ہونے سے اپنے کو ضبط کیا تو میرا دل پیالہ کی طرح پاش پاش اور میرا جگر خشک صراحی کی طرح ہو گیا۔ اشارہ اس طرف ہے کہ بعض احوال میں ضبط مقدور یا مناسب نہیں ہوتا۔ والتفصیل لیس ہذا محلہ۔ اور پیالہ و صراحی کے جمع کا لطف شاعرانہ ظاہر ہے۔

ماجرا کم کن وباز آ کہ مرا مردم چشم	خرقہ از سر بدر آورد و بشکرانہ بسوخت

خرقہ از سر برآوردن کنایہ ہے بے حیا بن جانے سے جس طرح ہمارے محاورہ میں بولتے ہیں کہ فلاں شخص نے تو بالکل کپڑے ہی اتار کر رکھ دیئے یا فلاں شخص تو بالکل ننگا ہی ہو گیا یا فلاں شخص نے ایسی حرکت کی کہ دیکھنے والوں کے کپڑے سے اترے جاتے تھے یعنی

ایسا انقباض ہوتا تھا جیسے کپڑے اترنے سے ہوتا ہے اور چونکہ اکثر حیا کی نسبت آنکھ کی طرف ہوتی ہے اس لئے سر برآوردن کی اسناد مردم چشم کی طرف کی گئی۔ اس میں خطاب ہے ملامت گر کو یعنی تم مجھ سے زیادہ بحث نہ کرو اور اپنی حالت اصلیہ کی طرف کہ سکوت ہے رجوع کرو کیونکہ میں نے تو حیاوشرم کا لباس اتار کر حصول عشق کے شکرانہ میں جلا پھونک دیا ہے تو تمہاری ملامت درباب عشق کے مجھ کو کارگر نہ ہوگی۔ یہاں حیاوشرم سے مراد ننگ و ناموس دنیوی ہے جو عشق سے زائل ہو جاتی ہے کما قال الرومیؒ ؎

شاد باش اے عشق خوش سودای ما	وی طبیب جملہ علت ہای ما
ای دوامی نخوت و ناموس ما	ای تو افلاطون وجالینوس ما

اور سوختن کو شکرانہ سے مناسبت یہ ہے کہ اکثر عوام عزیزوں کے آنے کے وقت دفع نظر بد کے لئے اس پند و وغیرہ جلاتے ہیں سو فرماتے ہیں کہ میں نے حیاوشرم کو اس خوشی میں جلایا اس میں بیان ہے بعض آثار عشق کا یعنی وہ مزیل ننگ ونخوت ہے ؎

آشنای نہ غریب ست کہ دلسوز من ست	جون من از خویش برفتم دل بیگانہ بسوخت

غریب بمعنی عجیب و بعید و تقدیر کلام چنین ست کہ عجیب و بعید نیست کہ آشنا دل سوز من ست الخ۔ مطلب یہ کہ اگر کوئی میرا ہم مذاق میرا دل سوز ہو تو تعجب نہیں میں تو جب مغلوب عشق ہوا جب لوگ اس مذاق سے اجنبی تھے یعنی عاشق نہ تھے وہ بھی دلسوزی نہ کرنے لگے۔ اس کی شرح میں اس غزل کے شعر سوم و چہارم سے مدد لینا چاہئے ؎

خرقۂ زہد مرا آب خرابات ببرد	خانۂ عقل مرا آتش خمخانہ بسوخت

خرقہ زہد زہد ریائی وآب خرابات شراب مراد عشق۔ ومراد از عقل عقل معاش۔ وآتش خمخانہ شراب کنایہ از عشق۔ ترجمہ اس کا ظاہر ہے اور مطلب مثل شعر ششم اس غزل کے ہے ؎

ترک افسانہ بگو حافظ وی نوش دے	کہ نخوردیم مے وشمع بافسانہ بسوخت

یعنی دنیا کی فضول قیل وقال کو ترک کرو اور محبت الٰہی حاصل کرو کہ اب تک اسی زق زق بق بق میں شمع عمر گداختہ ہوگئی اور محبت الٰہی حاصل نہ کی۔ اس میں ارشاد تعلیم ہے ترک

ماسوی اللہ اور اشتغال باللہ کا اور ترغیب و تخصیص ہے توبہ پر اور بعض نسخوں میں بجای نخوردیم
می کے نحکیم شب ہے یعنی شب بسبب افسانہ پردازی نخفتیم ای از گفتگوی بے حاصل
نیارمیدیم ای دلرا بترک تعلقات دینویہ آرام ندادیم وعمررا بر باد کردیم۔

غزل

زاہد ظاہر پرست از حال ما آگاہ نیست	درحق ما ہر چہ گوید جای ہیچ اکراہ نیست

ترجمہ ظاہر ہے۔ مقصود تعلیم ہے کہ معترض مدعی سے دلگیر نہ ہونا چاہئے بلکہ اس کے اعتراض کو محمول عدم علم پر کرنا چاہئے راز اس تعلیم میں یہ ہے کہ اعتراض کی طرف ملتفت ہونا اور اس کے جواب میں مشغول ہونا مانع طریق ہے۔

درطریقت ہرچہ پیش سالک آید خیر اوست	بر صراط مستقیم ای دل کسی گمراہ نیست

مطلب یہ ہے کہ جو شخص اعتقاداً و عملاً صراط مستقیم پر ہو کہ وہ امر اختیاری وقصدی ہے پھر حالاً اس کو خواہ کوئی امر پیش آئے قبض یا بسط۔ جمعیت یا تشویش۔ ذوق یا بے ذوقی وغیر ذالک جو کہ امور غیر اختیاریہ ہیں ان سب میں خیر ہے اور یہ دلیل ضلالت عن الطریق نہیں کیونکہ جن امور کا انسان مکلف نہیں وہ اسباب قرب وبعد وقبول ورد نہیں ہیں اور غیر اختیاری کا مکلف نہیں۔

تا چہ بازی رخ نماید بیدقی خواہیم راند	عرصہ شطرنج رندان رامجال شاہ نیست

بیذق نام مہرہ شطرنج کہ آنرا پیادہ ہم گویند۔ وشاہ دادن وشہ دادن مغلوب کردن۔ وعرصہ شطرنج بساطے کہ بر دبازی کنند۔ مطلب یہ ہے کہ کسی کے انکار واعتراض وملامت سے میں بے دل نہ ہوں گا اپنے کام میں لگا رہوں گا اور گو میرا عشق اور طاعت ناتمام اور ادنیٰ درجہ کی ہو جیسا شطرنج میں بیذق مگر میں اسی پر ثبات ودوام رکھوں گا کچھ تو ثمرہ ظہور کرے ہی گا اور معترضین ومعاندین کی مجال نہیں کہ عشاق کو شہ ویسکین یعنی ان کو بیدل اور مغلوب کرسکیں۔ اس حکایت میں تعلیم ہے اہل سلوک کو تحمل و استقلال وصبر اور عدم التفات الی الخلاف اور رجاء حصول مقصود اور اپنے مجاہدہ کو ناتمام اعتقاد کرنے کی۔ اور لفظ رخ لانے میں جو لطافت شاعری ہے ظاہر ہے۔

این چہ استغناست یارب این چہ داور حاکم ست	کاین ہمہ زخم نہان ست ومجال آہ نیست

اول تین مقدمے سمجھ لئے جائیں پھر شرح شعر کی صاف ہو جائے گی۔ اول غلبۂ عشق کا مقتضا ہے طلب تعجیل وصول اور اس میں تاخیر ہونے سے جو کہ مبنی ہے حکمت پر لامحالہ وہ دل تنگ ہوتا ہے۔ دوم عشق میں جس قدر اس کے آثار سوزش وفریاد کو ضبط کیا انفع زیادہ ہوتا ہے گو اظہار میں بھی معذور ہے مگر بوجہ انفع ہونے ضبط کے گویا وہ ایک درجہ میں مطلوب اور مامور بہ ہے۔ سوم شدت ضبط کے بعد بعض اوقات بیتابی بڑھ جاتی ہے ایسی حالت میں اگر کوئی کلمہ بصورت شکوہ نکل جائے معنی بے ادبی نہیں وفیہ قال العارف الرومی۔

گفتگوی عاشقان درکار رب	جوشش عشق ست نے ترک ادب

اب مطلب شعر کا سمجھئے فرماتے ہیں کہ یہ کیسا استغناء ہے کہ ہم طلب میں مر رہے ہیں اور محبوب کو جیسا التفات ہماری تمنا ہے کہ جلدی وصال میسر ہو نہیں ہوتا کما بین فی المقدمۃ الاولی اور کیسا زبردست حاکم ہے کہ اندر ہی اندر عشق کے زخم لگ رہے ہیں اور ضبط کی تاکید ہے کما بین فی المقدمۃ الثانیۃ اور استغناء وغیرہ کلمات کا لانا غایت بیتابی سے ہے کما بین فی المقدمۃ الثالثۃ۔ ہٰکذا ینبغی ان یفہم المقام کما افہمنی العزیز العلام۔ اور بعض نسخوں میں داور حاکم کی جگہ نادر حکمت ہے۔

چیست این مقف بلند سادۂ بسیار نقش	زین معما ہیچ دانا در جہان آگاہ نیست

سقف بلند سے مراد آسمان اور سادہ کہنا بناء علی القول المشہور لاہل الہیئۃ ہے کہ وہ ثوابت کو فلک ثامن پر کہتے ہیں اور سیارات کو دوسرے افلاک پر ایک ایک سیارہ ایک ایک فلک پر جس میں اس آسمان دنیا پر صرف قمر ہے سو اتنے بڑے کرہ میں ایک کوکب کا ہونا عادۃً منافی اس کی سادگی کے نہیں اور بسیار نقش کہنا باعتبار مرئی ہونے کے ہے یعنی دیکھنے میں سب کواکب اسی پر نظر آتے ہیں سو توجیہ کلام کے لئے بناء ضعیف بھی کافی ہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حافظؒ قول اہل ہیئت کے معتقد ہوں کیونکہ وہ خود اسی شعر میں تصریحاً آگاہ نیست کا حکم لگا رہے ہیں۔ ترجمہ لفظی تو اس شعر کا ظاہر ہے مگر مقصود مسوق لہ الکلام میں گفتگو

ہے۔ مشہور شراح میں یہ ہے کہ جمع حوادث را بگردش چرخ منسوب دارند چون بنظر حقیقت دیدہ شود این بیچارہ محکوم امرادست وچون بمعرفت ان کسے راراہ نیست کہ این چہ نسبت باد چراپس این معمائے ست کو ہیچ کس رافہم اوراہ نیست اھ لیکن احقر کا مذاق اس کو قبول نہیں کرتا کیونکہ یہ قول محض نجومیوں کا ہے کہ سب حوادث آسمان کی طرف منسوب ہیں باقی کوئی دانا اس کا قائل نہیں اور نجومیوں کا حکماء میں شمار نہیں پس یہ کہنا کہ ہیچ دانا در جہان آگاہ نیست اس صورت میں نہیں بنتا پھر یہ کہ چیست کہنے سے ظاہراً نفی علم ماہیت کی معلوم ہوتی ہے نہ کہ نسبت حوادث کی پھر جب کوئی دلیل عقلی ان احکام نجومیہ پر قائم نہیں اور اس لئے دلائل عقلیہ میں تعارض نہیں تو اس کا معما کہنا کیا معنی پس احقر کے نزدیک حاصل اس کا یہ ہے کہ طالب حق کو ارشاد فرماتے ہیں کہ علویات کی تحقیق میں سر کھپانا جیسا اکثر لوگوں کو اسرار ملکوت ولاہوت کی تحقیق کا شوق ہوتا ہے بیکار ہے یہ اسرار تو بہت عالی وغامض ہیں علویات میں جو اجسام اور مادی ہیں ان ہی کی حقیقت عقلاء کو آج تک مدرک نہیں ہوئی مثلاً آسمان ہی کو کسی نے موجود وہمی کہا کسی نے موجود حقیقی کسی نے سیال کہا کسی نے صلب پس طالب حق کو اپنے کام میں لگنا چاہئے اور جیسے عقول ان احکام فلکیہ میں متحیر ومتعارض ہیں اسی طرح مکاشفات ان اسرار میں متحیر ومتعارض ہیں۔ غرض جو چیز ہماری حس اور دلیل عقلی قطعی اور نقل صحیح سے بعید اور بالاتر ہے اس میں خوض کو ترک کرنا چاہئے من حسن اسلام المرا ترکہ مالا یعنیہ. ولا تقف مالیس لک بہ علم کے عموم میں یہ بھی داخل ہیں۔

صاحب دیوان ما گویا نمی داند حساب	کاندرین طغرا نشان حسبۃ للہ نیست

نشان حسبۃ للہ نشانیست کہ اہل دیوان برائے غربا ومساکین رعایا در دیوان می نویسند۔ وطغرا نشانیکہ بربالای دفتہ درخط پیچیدہ باشد مراد دفتر اطلاقاً للجزء علی الکل۔ شراح نے تو اس کے معنی عجیب وغریب کہے ہیں اے معشوق ما گویا حساب نمی داند کہ در دیوان عشق برعاشقان بے چارہ ترحم نہ میفرماید۔ اس تقریر کو اگر محبوب مجازی پر چسپاں کیا جائے تو مضائقہ نہیں لیکن سیاق وسباق سے یہ بعید ہے کہ دونوں میں بیان ہے حقائق تصوف کا۔ اور اگر محبوب حقیقی پر منطبق کیا جائے تو گو مثل شعر چہارم یہاں بھی توجیہ کا دعویٰ کر سکتے ہیں لیکن

اس کے الفاظ اس سے زیادہ موحش ہیں کہ گنجائش تاویل کی نہیں رکھتے اس لئے احقر کے مذاق میں یہ معنی معلوم ہوتے ہیں کہ مراد صاحب دیوان سے محتسب ظاہر پرست ہو جو اہل حال صادق کے عذر کو نہیں جانتا اور ان پر بھی داروگیر کرتا ہے کہ احتساب بھی ایک قسم کا حساب ہے مطلب یہ ہوا کہ ہمارے محتسب صاحب کے یہاں تاویل وعذر و ترحم کا باب ہی نہیں ہے سب کو ایک لکڑی ہانکتے ہیں۔ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ اہل عذر کو معذور رکھنا اور ان کو نشانہ اعتراض نہ بنانا ضروری ہے۔

ہر کہ خواہد گو بیاؤ ہر کہ خواہد گو برو	گیر وداروحاجب ودربان درین درگاہ نیست

مطلب یہ کہ جس کا جی چاہے درگاہ حق کی طرف آ جائے اور اس کی محبت و معرفت اختیار کرے جس کا جی چاہے اعراض کرے یہاں نہ کوئی آنے کو روکے نہ جانے کو ٹوکے پس گویا یہ شعر ان آیات کی شرح ہے۔ **قال تعالى . من جاهد فانما يجاهد لنفسه ان الله لغني عن العالمين . وقال تعالى من عمل صالحا فلنفسه ومن اسآء فعليها. وقال تعالے ان تكفروا فان الله غني عنكم. وقال تعالى من ينقلب على عقبيه فلن يضر الله شيئا.** پس اس میں ارشاد ہے کہ کوئی شخص اپنے مجاہدہ پر مغرور نہ ہو حق تعالیٰ کا کوئی نفع وضرر نہیں ہر شخص اپنے لئے کر رہا ہے۔

ہر چہ است از قامت ناساز بے اندام ماست	ورنہ تشریف تو بر بالای کس کوتاہ نیست

بے اندام بے زیب وناموزوں چہ اندام درلغت بمعنی زیبائی وآراستگی ست شیخ سعدیؒ گفتہ

سرور ابا قامت زیبا کہ ہست	پیش اندام تو ہیچ اندام نیست

مطلب شعر کا یہ ہے کہ ہمارا جو کچھ حرمان ہے اپنے اعمال کی کمی سے ہے ورنہ محبوب حقیقی کی طرف سے تو کسی کے لئے بھی دریغ نہیں۔ اس میں ارشاد ہے کہ اپنے اندر کمی پانے سے محبوب حقیقی کا شکوہ دل میں نہ لائے بلکہ اپنے اعمال کی طرف منسوب کرے بہت سے سالک اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ کسی حالت مقصودہ میں کمی دیکھتے ہیں تنگ ہوتے ہیں اور اپنی اصلاح نہیں کرتے۔

بردر میخانہ رفتن کارِ یکرنگان بود	خود فروشان را بکوی می فروشان راہ نیست

بردر میخانہ رفتن شراب نوشیدن مراد حصول دولت عشق۔ دیکر نگان مخلصان۔ دخود فروشان ریاکاران و مقابلہ اش بایکرنگان باین معنی ست کہ در ریاکار دورنگ باشد معبود خدارامی دانند و مقصود خلق را و میفروشان اہل عشق۔ مطلب ظاہر ہے کہ حصول دولت عشق اخلاص پر موقوف ہے ریاکاروں کا وہاں تک گزر نہیں للمنافاۃ بینہما وجہ یہ کہ لوازم عشق سے ہے غیر کو نظر انداز کرنا اور ریاء میں خود غیر ہی مطمح نظر ہے۔اس میں تعلیم ہے اخلاص کی۔

بندۂ پیر خراباتم کہ لطفش دائم ست	ورنہ لطف شیخ وزاہد گاہ نیست وگاہ نیست

زاہد سے مراد وہ شخص جو صرف اصلاح اعمال ظاہری کا طریقہ بتلاتا ہو۔شیخ سے مراد وہ شخص جو اصلاح اعمال باطنی کا طریقہ بھی بتلاتا ہو مگر نسبت عشقیہ اس پر غالب نہ ہو۔اور پیر خرابات سے مراد وہ جو دونوں اصلاحوں کے ساتھ نسبت عشقیہ کا غلبہ بھی رکھتا ہو گو تمکین کی وجہ سے ظاہری حالت اس کی شیخ بالمعنی المذکور کے ہمرنگ ہوگئی ہو۔اب سمجھنا چاہئے کہ جس پر غلبہ عشق کا نہ ہوگا اس کی نظر دوسرے کے عیوب پر زیادہ پڑے گی اور جس پر غلبہ عشق کا ہوگا اس کی نظر بوجہ نیستی و پستی کے اپنے عیوب پر زیادہ پڑے گی اس لئے شیخ وزاہد مسترشدین سے ان کی تقصیرات پر کبھی دل سے بھی لطف کم کردیتے ہیں اور پیر خرابات گو مسترشدین کی مصلحت کے لئے ظاہرا بے لطفی کرتے ہیں لیکن دل سے چونکہ اس حالت میں بھی وہ ان کو اپنے سے اچھا سمجھتے ہیں اس لئے باطنی لطف میں کمی نہیں کرتے۔

حافظا ار برصدر نہ نشیند ز عالی ہمتی ست	عاشق دردی کش اندر بند مال و جاہ نیست

حاصل یہ کہ بعض اہل عشق کا مذاق یہی ہے کہ وہ مشیخت وارشاد کا کام نہیں کرتے آزادی و یکسوئی و بے تعلقی ان کا مقتضائے طبعی ہے کیونکہ مخالطت کا ان کو تحمل نہیں ہوتا سوان حضرات کی نسبت یہ نہ سمجھا جائے کہ ان میں کچھ نقصان ہے بلکہ وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ غیر محبوب کی طرف اصلا التفات نہیں کرنا چاہتے اسی کو عالی ہمتی کہا ہے ورنہ اس سے زیادہ عالی ہمتی ان اہل عشق کو ہے جن کو التفات الی الحق مانع نہیں ہوتا التفات الی الحق سے اور وہ

باوجود فنائی اتم وعشق اکمل کے پھر خلق کو نفع پہنچاتے ہیں اوران کی مخالطت پر صبر کرتے ہیں قال علیه السلام المومن الذی یخالط الناس ویصبر علی اذا ھم خیر من المؤمن الذی لایخالط الناس ولا یصبر علی اذاھم. آگے تعریض ہے شیخان مزور پر نہ کہ شیخان صادق پر یعنی عشاق کو مکار پیروں کی طرح جاہ ومال کی طلب وحرص نہیں ہوتی۔ مطلب یہ کہ مشیخت کی دو وجہ ہیں مشیخت کاذبہ کی تو حرص جاہ ومال اور مشیخت صادقہ کی تحمل مخالطت جو حضرات ان دونوں سے مبرا ہیں لامحالہ وہ مشیخت کو نہیں لیتے۔

غزل

آن پیک نامہ بر کہ رسید از دیار دوست	آورد حرز جان ز خط مشکبار دوست
خوش میدہد نشان جلال و جمال یار	خوش میکند حکایت عزو وقار دوست
جان دادمش بموده وخجلت ہے برم	زین نقد کم عیار کہ کردم نثار دوست

شراح کے نزدیک اس میں قرآن مجید کے نزول کا بیان ہے اور احقر کے مذاق میں مراد اس سے واردات علمیہ حقائق ومعارف کا انکشاف ہے جو بذریعہ الہام ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ ان میں اعظم العلوم صفات الٰہیہ کے اسرار ہیں اور تیسرے شعر میں اس پر اظہار مسرت ہے کہ لوازم شکر سے ہے اور شعر اول کے مصرعہ ثانیہ میں کلمہ ز بیانیہ ہے۔

سیر سپہر ودورِ قمر راچہ اختیار	درگرد شند برحسب اختیار دوست

مطلب ظاہر ہے کہ ابطال ہے مذہب اہل نجوم کا اور تعلیم ہے تکمیل توحید کی۔

شکر خدا کہ ازمدد بختِ کارساز	برحسب مدعاست ہمہ کاروبار دوست

کاروبار دوست یعنی معاملہ کہ از جانب دوست باعاشق پیش آید مطلب یہ کہ آج کل محبوب حقیقی کا معاملہ ہمارے حسب خواہش ہورہا ہے خدا کا شکر ہے۔ شرح اس کی یہ ہے کہ ہرچند کہ محبوب حقیقی کی طرف سے جو معاملہ جس میں مکلف کا اختیار نہ ہو پیش آئے سب خیر ومصلحت ہے لیکن پھر بھی ہر انسان کی طبیعت جس طرز خاص پر مجبور اور پیدا ہوئی ہے اس کا

اقتضاء ایک خاص معاملہ ہوتا ہے جس کی خواہش طبعی طور پر ہوا کرتی ہے گو عارف اس کو دفع اور مغلوب کر دیتا ہے لیکن تاہم اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ اگر خواہش کے موافق حالت وارد ہو جاتی ہے تو مسرت اس سے ضرور زیادہ ہوتی ہے اور گو وہ حالت بالخصوص مقصود نہ ہو مگر چونکہ محمود تو ہے ہی اس لئے مورد شکر بھی ہے اس میں ارشاد ہے کہ اگر کوئی حالت محمودہ موافق مذاق طبیعت کے ہو تو اس پر زیادہ شکر کرنا چاہئے کہ مراد طبعی کا پورا ہونا خود فی نفسہ ایک نعمت ہے۔

گر باد فتنہ ہر دو جہان راہم زند	ماؤ چراغ و چشم ورہ انتظار دوست

مقصود بیان کرنا ہے اپنی پختگی عشق کا کہ خواہ کچھ ہی حوادث واقع ہوں مگر ہم عشق سے اعراض نہ کریں گے اور اگر شبہ ہو کہ فتنہ کا اثر عالم دنیا پر تو پہنچتا ہے مگر آخرت تک تو نہیں پہنچتا پھر ہر دو جہان کے کیا معنی جواب یہ ہے کہ یا تو دونوں عالم سے مراد بر و بحر ہے **کما قال تعالٰے ظہر الفساد فی البر والبحر** اور یا ظاہر و باطن ہے **کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ من الفتن ماظہر منہا ومابطن**۔ اور اگر دنیا و آخرت ہی مراد ہوں تو مقصود مبالغہ ہے جس کی تقریر یہ ہوگی کہ اگر حوادث و آفات بمنزلۂ نزول نمایند کہ کونین راہم زنند الخ۔ اور انتظار و اشتیاق کے لئے یہ سامان عادۃً لازم ہے۔ منتظر۔ چراغ چشم۔ راہ اس لئے یہ مجموعہ کیا یہ اس سے ہو گیا۔ اس میں تعلیم ہے استقامت علی الصراط کی خواہ کیسے ہی مزاحمات پیش آئیں۔

کحل الجواہری بمن آرای نسیم صبح	زان خاک نیک بخت کہ شدرہ گذار دوست

مقصود بیان اشتیاق ہے۔ ترجمہ لفظی ظاہر ہے اور کلام مبنی ہے تمثیل پر یعنی جس طرح دوست مجازی کے چلے ہوئے رستہ کی خاک کو عاشق کحل الجواہر سمجھتا ہے کہ اس کو دوست سے تلبس ہے اور وہ اس کی یادگار ہے اسی طرح میں ان کلمات حقائق و معارف کا مشتاق ہوں جو محبوب حقیقی کو یاد دلا دیں اور ان الطاف غیبیہ کا محتاج ہوں جن کو محبوب حقیقی کے ساتھ تلبس مصدریت و مبدائیت ہو۔ اس میں اشارہ ہے کہ محبوب کے ذکر اور اس کے تعلق کا جو حصہ بھی میسر ہو اس کو نعمت سمجھے۔ بعضے نادان ان نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں اور اپنے کو خدا

والے کن کن ثمرات کا مستحق سمجھتے ہیں۔

مایم و آستانہ عشق و سرنیاز	تا خواب خوش کرا بود اندر کنار دوست

درین بیت باید دید قبل مصرعہ ثانیہ محذوف ست۔ مطلب یہ کہ محبوب نے در لو لگا رکھا ہے دیکھئے کس کو وصل میسر ہوتا ہے۔ اشارہ اس طرف ہے کہ نہ دعویٰ ہے نہ استحقاق ہے نہ کسی کا مجاہدہ اور طلب علت تامہ وصول کی ہے مدار کار مشیت اور فضل پر ہے اس لئے آس لگائے بیٹھے ہیں دیکھئے ہماری قسمت میں ہے یا نہیں۔ اس میں تعلیم ہے خوف ورجا اور قطع دعویٰ وزعم استحقاق کی۔

دشمن بقصد حافظ اگر دم زند چہ باک	منت خدای را کہ نیم شرمسار دوست

حاصل یہ ہے کہ گو شیطان میری رہزنی کا قصد کر رہا ہے مگر مجھ کو اندیشہ نہیں کیونکہ خدا کا احسان ہے کہ میں اس کی اطاعت و موافقت نہیں کرتا کہ دوست سے شرمندہ ہونا پڑتا بلکہ خدا نے اس سے مجھ کو بچا رکھا ہے اور اس پر میں شکر ومنت بجالاتا ہوں جب مجھ پر محبوب کا فضل ہے تو دشمن کیا کرسکتا ہے اور یہ دعویٰ تزکیہ کا نہیں بلکہ تحدث بالنعمۃ ہے کما یدل علیہ قولہ منت الخ وھذا ھو الذی قال تعالیٰ انہ لیس لہ سلطان علی الذین امنوا وعلی ربھم یتوکلون انما سلطانہ علی الذین یتولونہ آلایہ. اور یہ مطلب نہیں کہ مجھ سے کوئی معصیت صادر نہیں ہوتی بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ معاصی خاص جن میں حب غیر اللہ غالب ہو جو کہ محبوب سے زیادہ شرمساری کا موجب ہیں اور زیادہ منافی محبت ہیں اور زیادہ مقصود شیطانی ہیں ان سے بچا ہوا ہوں۔

غزل

زلفت ہزار دل بیکے تار مو بہ بست	راہ ہزار چارہ گر از چار سو بہ بست

یعنی آپ کے جذبہ عشق نے ہزاروں کو مقید کر رکھا ہے اور بڑے بڑے عقلاء چارہ ساز کو یعنی جو قبل عشق عقلاء تھے یا جو عقلاء کہ عشاق کا علاج و تدبیر کرنا چاہتے ہیں بیچارہ اور عاجز کر دیا ہے۔ اس میں بیان کرنا ہے آثار عشق کا۔

بکشود نافۂ ودر ہر آرزو بہ بست	تاعاشقان ببوی نسیمش دہند جان

مصرعہ اولے علت ومصرعہ ثانیہ معلل۔ ونافہ تجلی اجمالی کہ اول بردل سالک نازل می شود ومراد از آرزو تجلی تفصیلی۔ وبوی نسیم کنایہ از ذوق ومشاہدات۔ یعنی سلوک میں من وجہ تجلی وظہور مرتبہ اجمال میں اور من وجہ استتار مرتبہ تفصیل میں واقع ہوتا ہے پس ایسی مثال ہے کہ جیسے نافہ تو کھول دیا تا کہ عشاق اس کے رائحہ نسیم پر جان دیدیں اور طلب میں لگ جائیں پھر آرزوی حصول ووصول تام کا باب مسدود کر دیا کیونکہ عالم دنیا کے قوی اس کے متحمل نہیں البتہ آخرۃ میں ایسی استعداد ہو جائے گی۔ اس میں ارشاد ہے کہ یہاں انکشاف تام کی تمنا کرنا ہوس واضاعت وقت ہے۔

ابرو نمود وجلوہ گری کردو رو بہ بست	شید اازان شدم کہ نگار چوماہ نو

رو بہ بست ای درنقاب کنایہ از اختفاء واستتار۔ یعنی جس طرح ماہ نو اول کچھ ظاہر ہوتا ہے کیونکہ وہ پورا چاند نہیں ہوتا جتنا ظاہر ہوتا ہے وہ بشکل ابرو ہوتا ہے اور تھوڑی دیر جلوہ کر کے مستتر ہو جاتا ہے اسی طرح میرے محبوب نے کیا کہ تجلی کر کے مستتر ہو گیا اس لئے میں زیادہ والہ وشیدا ہو گیا۔ یہ شعر یا تو ہم مضمون شعر بالا کا ہے اور یا دونوں میں یہ فرق ہے کہ شعر بالا میں اس استتار کا ذکر ہے جو عین حالت تجلی میں ہوتا ہے یعنی تجلی تام نہیں ہوتی اور اس شعر میں اس استتار کا ذکر ہے جس میں وہ تجلی اجمالی بھی نہیں رہتی اور یہ از قبیل قبض ہے جس میں بہت سی حکمتیں ہیں پس اس تقریر پر اس میں تعلیم ہے کہ یہ استتار بھی لوازم عادیہ سلوک سے ہے اس سے پریشان ومتوحش نہ ہونا چاہئے۔

این نقشہا نگر کہ چہ خوش درکدو بہ بست	ساقی بچند رنگ می اندر پیالہ ریخت

اول شراب کدو میں رکھی ہوتی ہے اس سے پیالہ میں ڈالی جاتی ہے اسی طرح محبت الٰہی اول قلب حقیقی میں ودیعت رکھی جاتی ہے پھر اس سے قلب صنوبری میں القاء وافاضہ ہوتا ہے۔ پس کدو سے مراد قلب حقیقی اور پیالہ سے مراد قلب صنوبری۔ اور درکدو بہ بست کے یہ معنی نہیں کہ خود کدو کو منقش کر دیا جیسا بعض شراح نے سمجھا ہے بلکہ محل نقش تو وہی شراب ہے

اور کدو ظرف نقش ہے یعنی کدو کے اندر شراب کو مختلف الوان سے موصوف کر دیا اس میں بیان ہے الوان و آثار عشق کے مختلف ہونے کا یا تو باعتبار مختلف اشخاص کے کسی میں محبت کا ایک طور ظاہر ہوتا ہے کسی میں دوسرا مثلاً انس و شوق و ہیبت یہ تینوں الوان محبت ہی کے ہیں ہر شخص میں اس کی استعداد کے موافق ایک ایک لون سے اس کا ظہور ہوتا ہے۔

اور یا باعتبار ایک ہی شخص کے مختلف اوقات کے اعتبار سے پس اس میں دونوں نظروں پر ایک ایک امر کی تعلیم ہے۔ ایک یہ کہ جس میں ایک لون غالب ہو وہ دوسرے لون والے کو خالی نہ سمجھے۔ دوسرے یہ کہ اگر ایک کیفیت مغلوب یا زائل ہو کر دوسری کیفیت غالب یا حادث ہو جائے گو وہ پہلی کیفیت اس کو پسند تھی تو دوسری سے دل تنگ نہ ہو اور سلب حال پر محمول نہ کرے ان دونوں غلطیوں میں بکثرت لوگ مبتلا ہیں۔

یارب چہ سحر کرد صراحی کہ خون چشم	باغمہای قلقلش اندر گلو بہ بست

سحر تصرف عجیب۔ نغمہ آواز۔ قلقل آواز ریختن شراب از صراحی و ضمیر شین راجع بصراحی۔ صراحی سے شراب لے کر پیتے ہیں اسی طرح مرشد سے فیوض کو اخذ کرتے ہیں پس یہ کنایہ ہوا مرشد سے۔ اس میں بیان ہے مرشد کے اکمال تربیت اور اس کی قوت تکمیل کا کہ مرشد کی کس غضب کی تربیت و تکمیل ہے کہ جو مسترشد عشق میں ہر وقت روتا تھا اور چشم سے خون برساتا تھا آج اس کو وہ تمکین حاصل ہوئی ہے کہ باوجودیکہ مرشد اس کو قل قل کہہ رہا ہے یعنی ضبط پر مجبور نہیں کرتا کیونکہ صاحب تمکین کو بمقتضای وقت اظہار احوال و اسرار دونوں مضر نہیں مگر اس کا خون چشم ایسا بند ہوا ہے کہ نکلتا نہیں مراد خون چشم سے آثار ہیں عشق کے اور چونکہ رونے کے ضبط کرنے کا اثر گلو میں ہوتا ہے کہ گلا رکنے لگتا ہے اس لئے در گلو کہا گیا ہے۔ مطلب یہ کہ اب وہ آثار گریہ وزاری و سوزش و نالہ ظاہری نہیں ہوتے۔ اس میں اشارہ ہے کہ اہل تمکین مالک الاحوال ہوتے ہیں مملوک الاحوال نہیں ہوتے الا نادرا۔ اور یارب کلمہ تعجب ہے اس میں اشارہ ہے کہ یہی حالت تمکین کی عالی و عظیم الشان ہے۔ وللقائلین اقوال لا تشفی۔

دانا چو دید بازی این چرخ حقہ باز	ہنگامہ باز چیدو در گفتگو بہ بست

غالباً اس میں بیان ہے اہل خلوت کے تقلیل کلام کا۔ چرخ حقہ باز سے مراد مجازاً اہل زمانہ ہیں کیونکہ بقول حکماء زمانہ متعلق ہے اہل چرخ سے کہ اس کی مقدار حرکت ہے پس اہل کا لفظ مقدر کر لیا جائے گا۔ مطلب یہ کہ چونکہ اہل زمانہ کی غرض پرستی وتخالف ظاہر باطن کا تجربہ کر لیا اور معلوم ہوا کہ ان کو کہنا سننا لا حاصل وغیر مفید ہے اس لئے ان حکماء نے ان سے کلام کی تقلیل کر دی اور اپنے وقت کو اس سے زیادہ اہم وانفع کام میں مشغول کیا اور امر ونہی کا وجوب مقید ہے رجاء قبول کے ساتھ اس لئے یہ حضرات تارک واجب نہیں چنانچہ جہاں امید قبول ہوتی ہے وہاں سکوت نہیں کرتے۔

مطرب چہ نغمہ ساخت کہ در پردۂ سماع	بر اہل وجد و حال درہای دھو بہ بست

یہ بھی ہم مضمون ہے شعر بالا سے سابق والے شعر کا اور در پردہ سماع سے اشارہ ہے کہ اہل تمکین کو بھی ایک گونہ جوش رہتا ہے مگر وہ خود اس پر غالب رہتے ہیں۔

حافظ ہر آنکہ عشق نورزید و وصل خواست	احرام طوف کعبہ دل بے وضو بہ بست

مطلب ظاہر ہے کہ بلا طلب کے وصول نہیں ہوتا وقال تعالیٰ انلزمکموها وانتم لها کارهون وقال تعالیٰ ومن کفرفان الله غني عن العالمين بلا طلب کے وصول کی تمنا رکھنا ایسا ہے کہ جیسے بے وضو طواف کرنا کہ باطل محض ہے اور یہ تشبیہ اس قول پر ہے جس میں وضو نفس صحت طواف کی شرط ہے غالباً حافظؒ کا یہی مذہب ہے

غزل

مرحبا ای پیک مشتاقان بدہ پیغام دوست	تا کنم جان از سر رغبت فدای نام دوست

پیک مشتاقان سے مراد وارد قلبی ہے وارد کی تمنا اور اس کے ورود پر مسرت ظاہر کرتے ہیں اور چونکہ وارد سے انکشاف ہوتا ہے بعض اسرار الٰہیہ کا اس کو پیغام دوست سے تعبیر کیا اور چونکہ ان امور سے محبوب کی محبت میں ترقی ہوتی ہے اس لئے مصرعہ ثانیہ کے مضمون کو اس پر مرتب فرمایا۔

والہ وشیدا است دائم ہمچو بلبل در قفس	طوطی طبعم ز شوق شکر و بادام دوست

اس میں کیفیت شوقیہ کا بیان ہے جو بعض اوقات واحوال میں سالک پر غلبہ کرتی ہے یعنی میری طبیعت کہ مشابہ طوطی کے ہے محبوب حقیقی کے لذت قرب ووصال کے (کہ مشابہ شکر وبادام کے ہے) شوق میں اس طرح شیدا و بیتاب ہے جس طرح قفس میں بلبل کہ کب رہائی ہو کہ گلشن قرب تک پہنچوں۔ پس اس شعر کا حاصل قریب قریب شعر مثنوی کے ہے۔

بشنو از نے چون حکایت میکند	وز جدائیہا شکایت میکند
کز نیستان تا مرا ببریدہ اند	از نفیرم مرد وزن نالیدہ اند

قالؒ

زلف او دام ست وخالش دانہ آن دام من	برامید دانہ افتادم اندر دام دوست

مقصود کو کہ قرب ووصال ہے دانہ سے تشبیہ دی اور چونکہ قرب ووصال کا متعلق بفتح اللام قرب ہے اس لئے اس کو (یعنی اس قرب ووصال کو) خال کہہ دیا اور طریق کو کہ عشق اور طلب ہے دام سے تشبیہ دی اور چونکہ وہ ثمرہ اور اثر ہے جذبہ غیبی کا کما قال تعالیٰ یحبھم ویحبونہ اور جذب محبوب کی صفت ہے اس لئے اس کو زلف کہہ دیا مطلب ظاہر ہے کہ امید وصل پر گرفتار عشق ہو گیا۔ اس میں بیان واقع کا بھی ہے اور طالبین کو ترغیب بھی ہے کہ طلب میں سرگرم رہو کہ اس سے امید وصال کی ہے۔

سر زمستی برنگیرد تا بہ صبح روز حشر	ہر کہ چون من در ازل یک جرعہ خورد از جام دوست

اس میں بیان ہے کہ عشق بعد حصول کے زائل نہیں ہوتا اور ازل سے مراد مرتبہ اعیان ثابتہ کا ہے اور اس کا ازلی ہونا ظاہر ہے۔ اور صبح روز حشر سے مراد مجازاً ابد ہے اور ترجمہ ظاہر ہے۔

من نوشتم نامۂ از شرح حال خود ولی	دردسر باشد نمودن بیش ازین ابرام دوست

ابرار اصرار ومبالغہ وبستوہ آوردن کنایہ از ناخوش کردن۔ و دردسر کنایہ از ایذا رسانیدن بالمعنی الذی فی قولہ تعالیٰ یوذون اللہ وتقدیر عبارت چنین ست کہ بیش ازین ابرام

دوست نمودن اورادرسروادن ست۔ حاصل یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات بعض احوال کے اظہار میں ایک گونہ شکوہ یا جزع وفزع یا سوءادب و گستاخی کی نوبت آ جاتی ہے اور اس وقت ایسا غلبہ ہوتا نہیں کہ شرعاً معذور ہو اور یہ امر حضرت حق تعالیٰ کے نزدیک نامرضی ہے اس لئے کہتے ہیں کہ میں اب زیادہ اظہار حال یا شوق کی جرأت نہیں کرتا اس میں اسی کی تعلیم بھی ہے ۔

میل من سوی وصال وقصد او سوی فراق	ترک کام خود گرفتم تا برآید کام دوست

یہاں فراق ووصال سے مراد صورت فراق ووصال ہے ورنہ فراق حقیقی پر رضا اور وصال حقیقی کا ترک کسی طرح جائز ہی نہیں بلکہ بعض حالتیں قبض وانقطاع واردات کی ایسی پیش آتی ہیں کہ اس کو سالک غیر عارف فراق سمجھتا ہے اور وصال کو اس کی ضد میں منحصر سمجھتا ہے مگر بعد حصول معرفت کے اسی فراق کو اس وصال پر ترجیح دیتا ہے۔ یہ شعر گویا اس شعر عربی کا ترجمہ ہے ۔

ارید وصاله ویرید هجری	فاترک ما ارید لما یرید
گردید دستم کشم دردیدہ ہمچون توتیا	خاک راہ کان مشرف گرددازاقدام دوست

قدم افتادن محبوب توجہ وتقدم وتقرب اووخاک راہ محل ان توجہ کہ قلب محب باشد فهو کما فی الحدیث من تقرب الی شبرا تقربت الیه ذراعا الحدیث و کما فی الحدیث کما اظن ولکن ینظر الی قلوبکم مطلب یہ کہ جس محبّ پر محبوب کی توجہ ہے اس کی ظاہری پستی وخاکساری مانع خدمت ونیازمندی نہ ہونا چاہئے بلکہ اس کو غنیمت اور عزیز سمجھ کر اس کو ذریعہ تقرب بنانا چاہئے اور اس کی خدمت کو اپنی سعادت سمجھنا چاہئے۔

حافظ اندر درد اوی سوز وبادرمان مساز	زانکہ درمانی ندارد درد بے آرام دوست

اشارہ اس طرف ہے کہ محبت وطلب میں پورا سکون وقرار قلب کو نصیب نہیں ہوتا جیسا بعضے مبتدیان یا متوسطانِ سلوک اس کی تمنا کیا کرتے ہیں اور حقیقت میں یہ ایک گونہ آرام و عافیت طلبی ہے جو خدا طلبی کے رنگ میں متخیل ہوتی ہے پس تصریح فرمادی کہ یہ ہو ہی نہیں سکتا اس کی استدعا ہی عبث بلکہ مضر باطن ہے کہ اصل کام میں اس مشغولی کی وجہ سے کمی ہونے لگتی ہے

غزل

آن ترک پری چہرہ کہ دوش از بر ما رفت	آیا چہ خطا دید کہ از راہ خطا رفت

یہ قبض کے وقت کا شعر معلوم ہوتا ہے بلکہ تمام غزل اسی مضمون کی ہے۔ترک پری چہرہ کنایہ ہے تجلیات وواردات سے۔اور خطا بمعنی گناہ بھی آتا ہے اور ایک شہر بھی ہے جہاں کے محبوب مشہور ومعروف ہیں پس ظاہر یہ ہے کہ اول بمعنی گناہ ہے اور دوسرا بمعنی شہر چونکہ وہ شیراز سے کسی قدر دور ہے تو کنایہ مطلق بعد سے ہوگیا اور یہ بھی احتمال مرجوح ہے کہ دونوں بمعنی گناہ ہوں اور از راہ بمعنی از سبب کے ہو بہر حال اس میں اشارہ اس طرف ہوگیا کہ قبض کے اسباب میں سے ایک سبب صدور معصیت یہی ہے **والیہ الاشارۃ فی قولہ تعالیٰ** **کلابل ران علی قلوبھم ما کانوا یکسبون** اور اس کا تدارک عذر وتوبہ سے ہے۔

تا رفت مرا از نظران نور جہان بین	کس واقف ما نیست کہ از دیدہ چہا رفت

نور جہاں بین نور چشم ہوتا ہے مقصود تشبیہ دینا محبوب کو مجموعہ موصوف وصفت کے ساتھ ہے نہ کہ صرف نور کے ساتھ تشبیہ دینا پھر مشبہ کو جہاں بین کہنا کیونکہ اسکو جہان بین کہنے سے کوئی فائدہ نہیں۔محبوب کو نور جہاں بین یا ایک نسخہ پر چشم جہان بین کہنا اس بنا پر ہے کہ اس سے عاشق کی آنکھیں منور رہتی ہیں۔یہ بھی اشارہ ہے قبض کی طرف یعنی جب سے محبوب سے بعد ہوا ہے کسی کو خبر نہیں کہ آنکھ سے کیسے آنسو رواں ہوئے۔یا یہ کہ کہا جائے کہ آنکھ میں سے کیا چیز رخصت ہوگئی یعنی روشنی۔اس میں بیان ہے قبض پر حزن کا اگر وہ قبض عصیان سے ہے تب تو حزن عقلی بھی ہے اور اگر اور سبب ہے تو حزن طبعی ہے ورنہ عقل کامل تو اسکو مصلحت سمجھتی ہے۔

بر شمع نرفت از گذر آتش جان سوز	آن دود کہ از سوز جگر بر سر ما رفت

گزر رفتن وراہ وسبب مراد اینجا معنی اخیر آتش جان سوز عشق کہ سوزندہ جان ست ہمین مرادست از آتش دل کہ در بعض نسخہ ہاست۔معنی آنست کہ بسبب آتش عشق دودے کہ از سوز جگر بر سر ما رفت بر شمع ہم نرفتہ یعنی آنقدر سوزش دارم کہ شمع ہم ندارد۔اس میں بھی حالت قبض کا بیان ہے۔

دور از رخ تو دمبدم از گوشۂ چشم	سیلاب سرشک آمد وطوفان بلا رفت

اس بعد سے مراد بھی وہی حالت قبض کی ہے معنی آن ست کہ بسبب دوری از رخ تو کہ داریم دمبدم از چشمۂ دیدگان ما سیلاب سرشک روی نمود وطوفان دردو بلا روی داد۔

از پای فتادیم چو آمد شب ہجران	دردر و بماندیم چو از دست دوا رفت

دوا کنایہ از وصل مراد بسط۔ یہ بھی حالت قبض کا مضمون ہے اور مطلب ظاہر ہے۔

دل گفت وصالش بدعا باز توان یافت	عمری ست کہ عمرم ہمہ در کار دعا رفت

یعنی دل کہتا ہے کہ اس کا وصل دعا سے میسر ہوسکتا ہے لیکن مدت ہوئی کہ میری عمر کا تو ایک معتد بہ حصہ دعا ہی میں صرف ہوا مگر وصل میسر نہ ہوا۔ اشارہ اس طرف ہے کہ بعض لوگ جو نری دعا اور تمنا سے کام نکالنا چاہتے ہیں تو سمجھ لینا چاہئے کہ جس مقصود کا جو طریق ہے عادۃً اس کا حصول اسی سے ہوتا ہے البتہ دعا سے اس طریق میں برکت وتاثیر ہو جاتی ہے اور جو کام صرف دعا کے متعلق ہے اس کے لئے البتہ دعا ہی کافی ہے مثلاً قرب الٰہی کے لئے طریق عادی سعی فی العمل وترک منہیات ہے جو شخص اوامر ونواہی میں عمر بھر قصداً اختلال رکھے اور نری دعا سے کام نکالنا چاہے تو محض نادان ہے البتہ مجاہدہ کر کے پھر دعا کرے کہ وہ سعی مقبول ہو اور دعا کی یہ ضرورت سمجھے کہ عمل ومجاہدہ علت تامہ نہیں تو یہ دعا البتہ مفید اور بجائے خود ہے۔

احرام چہ بندیم کہ آن قبلہ نہ اینجاست	در سعی چہ کوشیم کہ از مروہ صفا رفت

چون طواف کعبہ اصل مقصود ست وسعی متمم آن پس احرام طواف قبلہ کنایہ از عبادات مقصودہ است وسعی کنایہ از عبادات متمم آن وچنانکہ طواف موقوف بر وجود قبلہ است وسعی موقوف بر مجموعہ صفا ومروہ ومقصود بالعبادت حق تعالیٰ ست نہ قبلہ ونہ صفا ومروہ ہمچنان کمال عبادات مقصودہ ومتممہ موقوف بر حضور قلب ست پس حضور قلب باعتبار عبادت مقصودہ مشبہ بقبلہ شد وباعتبار عبادت متممہ مشبہ بمجموعہ صفا ومروہ شد ودر قبض حضور قلب خواہ فی الواقع اگر سببش معصیت باشد یا بزعم سالک اگر سبب غیر او باشد لامحالہ رو بکمی می آرد پس تضجر میغر ماید کہ عبادت چہ کنیم کہ شرط کمالش مفقود ست ومقصود آن نیست کہ عبادت عبث است وفقدان

مفارا کہ جز و مجموعہ است بادعاء شاعرانہ آوردند زیرا کہ صفا بمعنی لغوی ست۔

دی گفت طبیب از سر حسرت چو مرا دید	ہیہات کہ رنج تو ز قانون شفا رفت

قانون بمعنی قاعدہ و نام کتابے در طب از شیخ ابو علی سینا ہمچنین شفا بمعنی صحت و نام کتابے از شیخ مذکور و اینجا قانون بمعنی قاعدہ است و شفا محتمل ہر دو معنی است و لطافت شاعری پوشیدہ نیست یا تو اشارہ اس طرف ہے کہ غیر کاملین حالت قبض کو دیکھ سن کر سالک کو اور بھی پریشان اور ناامید کر دیتے ہیں۔ اور یا اشارہ اس طرف ہے کہ بعض اقسام قبض کا ازالہ اختیار اور تدبیر سے خارج ہے بجز تحمل و استقلال کے کوئی چارہ نہیں کما قال الشیرازیؒ فی موضع آخر۔

باغبان گر پنجروزے صحبت گل بایدش	بر جفای خار ہجران صبر بلبل بایدش
ای دوست پر سیدن حافظ قدمی نہ	زان پیش کہ گویند کہ از دار فنا رفت

اس میں استدعا ہے بسط کی قبل اس کے کہ حزن قبض میں ہلاک ہونے کی نوبت آجائے۔

غزل

منم کہ گوشۂ میخانہ خانقاہ من ست	دعاء پیر مغان ورد صبحگاہ من ست

میخانہ عالم عشق۔ پیر مغان مرشد کامل۔ یعنی اور لوگ تو ریائی خانقاہ و اوراد میں مشغول ہیں اور میرے لئے بجائے خانقاہ کے عالم عشق ہے اور بجائے اوراد کے دعائے و توجہ مرشد ہے اور یا دہی۔ مطلب ہے کہ کسی کے لئے طریق زہاد و ابرار انفع ہے اور کسی کے لئے طریق عشاق حسب اختلاف الاستعداد۔

گرم ترانہ چنگ و صبوح نیست چہ باک	نوای من بسحر آہ عذر خواہ من ست

چنگ و صبوح سے مراد یا تو اعمال ریائی ہیں مطلقاً یا خاص سماع و حال ریائی ہے جس کو اکثر عوام جز و یا لازم درویشی کا سمجھتے ہیں۔ نوای سحری اشارہ اس آیت کی طرف ہے کانوا قلیلا من اللیل ما یھجعون وبالاسحار ھم یستغفرون حاصل یہ ہوا کہ طمطراق ظاہری کا فقدان کچھ مضر نہیں میرا تھوڑا سا اخلاص فی العمل اور اعتراف ذلل یہ کافی عذر خواہ

ہے۔اس میں مذمت ہے تصنع وحب شہرۃ کی اور ترغیب ہے اخلاص وانکسار وخمول کی۔

زبادشاہ و گدا فارغم بحمداللہ	گدای خاک دردوست بادشاہ من ست

اشارہ ہے اس طرف کہ طالب حق کو خلق سے مستغنی ہونا چاہئے البتہ اہل اللہ کا خادم رہنا چاہئے۔

غرض زمسجد و میخانہ ام وصال شماست	جز این خیال ندارم خدا گواہ من ست

مسجد طریق زہد و میخانہ طریق عشق یعنی جس وقت میں میری جو حالت بھی ہو اس سب سے مقصود آپ ہی ہیں اشارہ اس طرف ہے کہ سالک کو تکوینات میں مقصود اسی کو سمجھنا چاہئے کسی خاص لون کا طالب ہو کر پریشان نہ ہو۔

مرا گدای تو بودن ز سلطنت خوشتر	کہ ذل جور و جفای تو عز و جاہ من ست

اشارہ اس طرف ہے کہ طالب حق کو محبت جاہ نہ ہونا چاہئے۔

مگر بہ تیغ اجل خیمہ برکنم ورنہ	رمیدن از در دولت نہ رسم وراہ من ست

یعنی مرجاوں تو مجبوری ہے ورنہ محبوب سے تو کبھی منہ پھیروں گا نہیں۔یہ مطلب نہیں کہ مرکر چھوڑ دوں گا بلکہ مطلب یہ ہے کہ زندگی بھر نہ چھوڑوں گا اور موت کے بعد تو اس کا احتمال ہی نہیں کہ اس وقت تو حالت خام اور بھی ممتنع الزوال ہو جاتی ہے۔اس میں ارشاد ہے استقامت کے لئے گو کیسے ہی شدائد وبلیات کا ہجوم ہو۔

ازاں زماں کہ برآں آستان نہادم روی	فراز مسند خورشید تکیہ گاہ من ست

یعنی عزت حقیقیہ تعلق مع اللہ ہی میں ہے قال اللہ تعالیٰ **وللہ العزۃ ولرسولہ وللمومنین ولکن المنافقین لایعلمون۔**

گناہ گرچہ نہ بود اختیار ما حافظ	تو درطریق ادب کوش کاین گناہ من است

اس میں اعتقاد جبر کا نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ افعال عباد میں گو مرتبہ تحقیق میں دونوں نسبتیں ہیں باعتبار خالقیت کے حق تعالیٰ کے ساتھ اور باعتبار کسب کے عبد کے ساتھ مگر بلاضرورت تم نسبت اولیٰ کا ذکر مت کرو صرف نسبت ثانیہ کے ذکر پر اکتفا کرو کہ مقتضائے ادب یہی ہے پس نبود اختیار ما سے مراد نفی موثریۂ تامہ اختیار کی ہے نہ کہ نفی نفس اختیار کی۔

غزل

لعل سیراب بخون تشنہ لب یار من ست	از پے دیدن او دادن جان کار من ست

سیراب بخون صفت لعل و موصوف مع الصفۃ مبتدا۔ وتشنہ لب مضاف بسوے یار ومضاف مع مضاف الیہ خبر مبتدا۔ مقصود بیان کرنا ہے محبوب کے کامل ہونے کا حسن و جمال میں۔ مطلب یہ کہ لعل جو کہ سرخی میں ایسا سمجھا جاتا ہے کہ گویا خون سے سیراب ہو چکا ہے اور ظاہر ہے کہ سیرابی کے بعد کوئی حالت منتظرہ باقی نہیں رہتی پس یہ کنایہ ہوا اپنی صفت میں کامل ہونے سے یعنی ایسا کامل کہ اپنی صفت میں بالکل سیراب ہے مگر وہ بھی میرے محبوب کا تشنہ لب اور محتاج ہے حاصل یہ کہ تمام ممکنات اپنے کمالات میں محتاج ہیں واجب الوجود کے اور مصرعہ ثانیہ کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ وہ ایسا کامل ہے اس لئے اس کی تحصیل لقا کے لئے فنا ہو جانا یہ میری عین سعی ہے۔ پس اس میں ترغیب ہے طالبین کو۔

شرم ازان چشم سیہ بادش ومژگان دراز	ہر کہ دل بردن او دید و در انکار من ست

ہر کہ الخ مبتدا موخر وشرم الخ خبر مقدم وضمیر شین درمصرعہ اولی راجع بہ ہر کہ لتقدمہ رتبۃ۔ اس میں بیان ہے معترض کی غلطی کا اور چشم سیاہ ومژگان دراز کنایہ ہے مطلع حسن و جمال سے یعنی جس کو معلوم ہو گیا ہو کہ وہ محبوب ایسا کامل ہے اور ایسے جمال وکمال کا لازمی اثر ہے دلربائی پھر بھی مجھ پر انکار وطعن کرتا ہو اس کو شرم کرنا چاہئے۔ اس میں اشارہ ہے کہ طالب کو طلب میں کسی کے اعتراض وانکار کے سبب ننگ وعار نہ چاہئے کیونکہ یہ تو حق پرست خجلت وغیرت تو معترض کو چاہئے۔

ساربان رخت بدروازہ مبر کان سر کوی	شاہراہیست کہ منزلگہ دلدار من ست

دروازہ پر اسباب اس وقت لے جاتے ہیں جب سفر چھوڑ کر قیام کا ارادہ ہوتا ہے پس یہ کنایہ ہوا توقف کرنے سے سلوک میں مبر کان سر کوی موصوف ہے اور جملہ منزلگہ دلدار من ست اس کی صفت اور یہ مجموعہ مبتدا اور شاہراہیست اس کی خبر اور ساربان خطاب ہے اپنے نفس کو کہ وہ مرکب بدن پر سوار ہو کر اس راہ کو قطع کرتا ہے مطلب یہ ہوا کہ اے نفس تو اس سفر سلوک میں

توقف کا ارادہ مت کر اور شاہراہ کو کہ محل سفر ہے چھوڑ کر کہیں اور قیام و توقف کا تجویز مت کر کیونکہ وہ محبوب جس سر کوی اور محلہ میں رہتا ہے وہ کوئی گھر نہیں بلکہ یہی شاہراہ ہے جو منزل کو قطع کرتا ہے۔ برخلاف دوسرے محبوبوں کے کہ گھروں میں رہتے ہیں پس وہ اسی شاہراہ پر ملے گا سفر کے انقطاع سے نہ ملے گا۔ خلاصہ یہ کہ طلب سے تقاعد نہ کرے وہذا کما قیل ۔

ای برادر بے نہایت در گہے ست	ہر چہ بروے میرسی بروی مایست

وقیل ۔

اندرین رہ می تراش و می خراش	تادمی آخردمی فارغ مباش

ہذا ما ذہب الیہ ذوقی وللشراح والمحشین اقوال عجیبۃ غریبۃ بعیدۃ غیر قریبۃ ۔ وللناس فیما یعشقون مذاہب ۔ اور اس میں اشارہ اس کی لامکانی ہونے کی طرف بھی ہوگیا۔

بندۂ طالع خویشم کہ درین قحط وفا	عشق آن لولی سرمست خریدار من ست

مطلب اظہار مسرت ہے کہ برخلاف اور محبوبوں کے جن میں وفا کا قحط ہے میرا محبوب کہ فی نفسہ شان استغناء میں ایسا ہے جیسا آن کا مشار الیہ مگر پھر بھی غایت رافت سے میرا خریدار ہے قال اللہ تعالیٰ ان اللہ اشتری من المؤمنین الآیہ وقال علیہ السلام عن اللہ تعالیٰ من تقرب الی شبرا تقربت الیہ ذراعا الحدیث پس اس میں نعمت کا شکر بھی ہے اپنی عدم صلاحیت کا اعتراف بھی ہے طالبین کو ترغیب بھی ہے کہ ایسے محبوب کا طالب ہونا چاہئے ۔ اور تشبیہ مذکور فی الشعر کے الفاظ گو موحش ہیں مگر نظر الی المعنی لا سیما بعد انضمام غلبۃ الحال قابل تسامح ہے ۔

طبلہ عطر گل و درج عبیر افشانش	فیض یک شمہ زبوی خوش عطار من ست

ضمیر شین راجع بگل مراد از گل اہل کمال و مراد از طبلہ عطر و درج عبیر افشان کمالات آن اہل کمال مطلب یہ کہ میرا محبوب ایسا کامل ہے کہ سب اہل کمالات کے کمالات اسی کا فیض ہے۔ اس میں بھی ترغیب ہے توجہ الی اللہ و اعراض عما سوی اللہ کی ۔

باغبان ہمچو نسیمم زدر خویش مران	کاب گلزار تو از اشک چو گلنار من ست

چو گلنار صفت اشک ۔ سہل توجیہ یہ ہے کہ باغبان سے مراد مرشد ہو اور مقصود تعلیم ہو

شیوخ کو کہ طالبین کے ساتھ بہت تعب اور بے دماغی نہ چاہئے کہ طالبین کی طلب اور استرشاد سے بھی مرشدین کے کمال میں ترقی ہوتی ہے کما فی الحدیث لان یھدی اللہ بک رجلا خیرلک من حمر النعم. وفی الحدیث من سن سنۃ حسنۃ فلہ اجرہ واجر من عمل بھا الخ. وفی الحدیث الدال علی الخیر کفاعلہ وفی الحدیث او علما ورثہ وغیر ذلک. اور راندن میں نسیم کے ساتھ اس لئے تشبیہ دی کہ نسیم باغ سے باہر ہو جاتی ہے گو خوشبودار ہو کر نکلتی ہے مگر وہ خوشبو عارضی ہوتی ہے اس لئے تہی دست ہی سمجھی جائے گی اس میں اشارہ اس طرف بھی ہے کہ بدون توجہ مرشدین کے مسترشد بے بہرہ رہتا ہے اور جو تھوڑی بہت مناسبت مقارنت سے ہوتی ہے وہ جلد زائل ہو جاتی ہے۔

شکروقندوگلاب از لب یارم فرمود	نرگس او کہ طبیب دل بیمار من ست

ازلب۔ونرگس فاعل فرمود۔مراد از نرگس صفت علیہ بمناسبت آنکہ نرگس مشابہ چشم باشدوچشم آلہ معائنہ است وہمین سان علم آلہ اطلاع باشد۔مطلب یہ ہوا کہ میرے محبوب نے میری حالت دیکھ کر میرے لئے علاج اپنا لطف اور رحمت کہ مشابہ قندوگلاب ہے تجویز فرمایا۔اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ محبوب حقیقی برخلاف دوسرے محبوبوں کے طالبین پر شفیق ورحیم ہے پس ترغیب ہے طلب ومجاہدہ کی۔

آنکہ درطرز غزل نکتہ بحافظ آموخت	یار شیرین سخن و نادرہ گفتار من ست

ترجمہ تو ظاہر ہے کہ جس شخص نے مجھ کو یہ طرز سخن سکھلا دیا ہے وہ شخص میرا محبوب ہے جو کہ خود شیرین سخن ونادر گفتار ہے اور اس کا سکھلانا یا حقیقۃ ہے یا مجازا۔اول اس طرح کہ اس نے طریقہ بتلایا ہو۔دوسرا اس طرح کہ اس کے عشق میں احوال مختلفہ پیش آئے اور جوش میں ایسا بولنا آ گیا لیکن یار کو شیریں سخن کے ساتھ موصوف کرنا قرینہ مرجح احتمال اول کا ہے۔اور بلسان حقیقت یہ اشارہ ہو سکتا ہے کہ ممکن کے کمالات مستفاد ہوتے ہیں کمال واجب سے پس تعلیم ہو گئی مسئلہ حقیقت کی

غزل

روزگاری ست کہ سودای بتان دین من ست	غم این کار نشاط دل غمگین من ست

جمعیت بتان برای جنسیت ست۔ مطلب ظاہر ہے کہ مدت سے یعنی جب سے نصیب ہوا ہے عاشقی میرا مسلک ہے اور اس مشرب میں جو مجھ کو غم بھی پیش آتا ہے وہ مجھ کو سرور معلوم ہوتا ہے۔ اس میں ترغیب ہے عشق وطلب کی اور اس میں تحمل شدائد کی۔ قال الشیخ ؎

خوشاوقت شوریدگان غمش	اگر ریش بینندوگر مرہمش
دمادم شراب الم در کشند	اگر تلخ بینندوم در کشند

قالؒ

دیدن روی ترا دیدۂ جان می باید	وین کجا مرتبہ چشم جہان بین من ست

ترجمہ لفظی تو ظاہر ہے اور مراد معنوی اس سے اشارہ ہوسکتا ہے تحقیق مسئلہ رویت کی طرف یعنی اس آنکھ سے رویت حق تعالیٰ کی نہیں ہوسکتی بلکہ دنیا میں تو محض عقل وبصیرت سے ہوسکتی ہے اور آخرت میں گوچشم سر سے ہوگی مگر اس میں ایک خاص قوت پیدا ہوجائے گی جو کہ اب نہیں ہے اسی سے اس کا تحمل ہوجائے گا اور حقیقت اس قوت کی غلبہ روحانیت کا ہے جو کہ تمام جسد کو عام ہوگا اور یہی بناء ہوگی اس کے بقاء کی پس لفظ دیدۂ جان دونوں صورتوں کو شامل ہے دنیا میں چشم بصیرت کو اور آخرت میں چشم سر کو باعتبار غلبہ روح کے پس جو شخص دنیا میں دعوی رویت کا چشم سر سے کرتا ہے اس کی غلطی کی طرف اشارہ ہوگیا۔

تامرا عشق تو تعلیم سخن گفتن کرد	خلق راورد زبان مدحت وتحسین من ست

ظاہر ہے کہ عشق ومحبت کی باتیں لذت بخش ہوتی ہیں اس لئے ایسی باتوں کا کرنے والا ممدوح ہوتا ہے مقصود یہ ہوسکتا ہے کہ جب باتیں ایسی لذیذ ہیں تو خود عشق کیسا لذیذ ہوگا پس اشارہ ہوگیا اس کی ترغیب تحصیل کی طرف۔

دولت فقر خدایا بمن ارزانی دار	کاین کرامت سبب حشمت وتمکین من است

مقصود یہ ہے کہ فقر الی اللہ ہی سبب عزت حقیقیہ کا ہے اس کو چھوڑ کر جاہ وہمی میں نہ پڑو۔

واعظ شحنہ شناس این عظمت گومفروش	زانکہ منزلگہ سلطان دل مسکین من است

مدلول لفظی یہ ہے کہ اے واعظ گو تیری جان پہچان کوتوال سے ہے مگر اس بھروسہ تو مغرور مت ہو (عظمت فروختن غرور کردن) کیونکہ مجھ کو سلطان سے قرب ہے۔ اور مقصود معنوی یہ معلوم ہوتا ہے کہ معترض مدعی کو خطاب ہے کہ گو تیرے پاس آلات تقویت اعتراض کے اور ایذا رسانی کے مجتمع ہیں لیکن مجھ کو حق تعالیٰ کے ساتھ معیت اور نسبت ہے تیری مخالفت سے مجھ کو ضرر نہیں ہوسکتا یا تو ظاہراً بھی نہیں یا صرف باطناً نہیں۔ اس میں تعلیم ہوگی اہل ظاہر کو کہ ناحق اہل باطن کے درپے نہ ہونا چاہئے اور ان سے تعرض نہ چاہئے۔

یارب این کعبۂ مقصود زیارتگہ کیست	کہ مغیلان طریقش گل ونسرین من ست

مراد ز کاف بمعنی کدام در قولہ کیست مزورست زائر نیست۔ و یارب کلمہ ایست کہ ہنگام تحیر گویند یعنی کعبۂ مقصود پر پہنچ کر کس کی زیارت اور جلوہ گری ہورہی ہے کہ اس طریق کے شدائد بھی راحت معلوم ہوتے ہیں۔ اس میں ارشاد ہے کہ محبوب حقیقی کی راہ میں شدائد کو راحت سمجھنا چاہئے کہ ع متاع جان جانان جان دینے پر بھی سستی ہے۔

یار ما باش کہ زیب فلک و زینت دہر	از مہ روی تو و اشک چو پروین من ست

مطلب ظاہری تو یہ ہے کہ عالم کی رونق حسن محبوبان و عشق محبان سے ہے اس لئے اے محبوب ہمارا یار بنا رہ کہ مجھ سے اور تجھ سے مل کر رونق اور زینت ہے۔ اور مقصود معنوی یہ ہے کہ محبوب حقیقی سے دعا کرتے ہیں کہ میرے حال پر عنایت و توجہ رکھئے آگے اس توجہ کی حکمت بیان کرتے ہیں کہ جیسا حدیث میں آیا ہے کہ قیامت اس وقت آئے گی جب روئے زمین پر اللہ اللہ کہنے والا بھی نہ رہے گا اور اللہ اللہ کہنا موقوف ہے توفیق الٰہی پر اور توفیق عطا ہوتی ہے اسی کو جس پر عنایت و توجہ ہو پس اس عالم کا بقاء موقوف ہوا وجود ذاکرین پر جو کہ کسی درجہ میں محب ہیں اور اس کے واسطہ سے موقوف ہوا عنایت و توجہ حق پر جس کو روی محبوب کہہ سکتے ہیں لان التوجہ صرف الوجہ الی شی پس اگر آپ مجھ پر مثلاً توجہ نہ فرمائیں گے اور توفیق ذکر و طاعت کی نہ دینگے تو ذکر مفقود ہو جائے گا اور عالم درہم و برہم ہو جائے گا۔ اور مثلاً اس لئے بڑھا دیا کہ کسی شخص خاص کے ذکر و طاعت پر توقف کا بیان کرنا مقصود نہیں پس

اس بنا پر مناسب ہے کہ مطلق طالبین کے لئے دعا کرنا مقصود ہو اور بیان حکمت سے مقصود تعلیم حکمت نہیں۔ تعالی اللہ عن ذلک علواً کبیرا بلکہ موکد کرنا ہے مضمون دعا کو جیسا حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر میں غلبہ مومنین کیلئے جب دعا فرمائی تو اس کی وجہ میں یہ فرمایا **اللھم انک ان لم تشا لم تعبد بعد** اور فرمایا **اللھم ان تھلک ھذہ العصابۃ لم تعبدا** ونحو ذلک خوب سمجھ لو۔ اور لفظ اس کے جو کسی درجہ میں موہم وموحش ہیں مقام ادلال پر محمول کر لینے سے اس ایہام وایحاش کا تدارک ہو سکتا ہے۔

حافظ از حشمت پرویز دگر قصہ مخوان	کہ لبش جرعہ کشی خسرو شیرین من ست

یعنی اہل دنیا کی حشمت وشوکت کو کیا بیان کرتے ہو ان کی عزت اہل اللہ کی عزت کے سامنے ادنیٰ درجہ کی ہے کالمحتاج بالنسبۃ الی المحتاج الیہ۔ اور خسرو اور پرویز ایک ہی شخص ہے۔ اور خسرا اور شیرین یا تو موصوف وصفت ہے پس شیرین بمعنی لغوی ہوگا یا مضاف و مضاف الیہ ہے پس شیرین سے مراد محبوب حقیقی ہوگا اور خسرو سے مراد دونوں صورت میں اللہ والے ہیں جو شیرین بھی ہیں اور ایک حقیقی شیرین کے ساتھ منتسب بھی ہیں۔

غزل

ای شاہد قدسی کہ کشد بند نقابت	وی مرغ بہشتی کہ دہد دانہ و آبت

اس غزل کے اکثر اشعار میں تامل کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں ناصحانہ خطاب کسی ایسے شخص کو ہے جو ان سے چھوٹا ہے اور ان کا محبوب ہے جیسا مشہور ہے کہ اپنی بیوی کو فہمائش کرتے ہیں جو آزردہ ہو کر میکہ میں چلی گئی تھی پھر بعد اس فہمائش کے وہ آ گئی مگر شعر ثانی کو ظاہر الفاظ کے اعتبار سے اس فہمائش سے خارج کہنا چاہئے۔ یا اور کوئی مسترشد مخاطب ہو جو طریق رشد سے منحرف ہو اور حافظؒ براہ شفقت اس کا راہ پر لانا چاہتے ہوں بہر حال اس میں اشارہ ہوگا کہ مرشد کو استغناء میں غلو نہ چاہیے جہاں ارشاد نافع ہونے کی امید ہو دلجوئی سے گو وہ نیازمندی کے مرتبہ میں پہنچ جائے کام لینا چاہئے اور بعض اشعار دوسرے مضامین کے بھی ہیں پس اس شعر اول میں اپنے کسی عزیز کو بعنوان خاص خطاب

ہے یعنی اس کی روح کو کہ حقیقت انسانیہ ہے خطاب فرماتے ہیں کہ اے عالم قدس (یعنی عالم ارواح) کے شاہد (یعنی محبوب کیونکہ حقیقت انسانیہ بوجہ مقصود اعظم بالخلق ہونے کے فی نفسہ احب الخلق ہے یا احب الی الخلق ہے۔ یا شاہد بمعنی حاضر لیا جائے کیونکہ روح ظاہر ہے کہ عالم ارواح میں حاضر تھی۔ اسی طرح مرغ بہشتی بھی اسی کو کہا خواہ باعتبار مبدأ کے پس بہشت سے مراد عالم قدس ہوگا یا اس اعتبار سے کہ آدم علیہ السلام بہشت میں رہے تھے اور سب ذریت ان کے وجود میں مندرج تھیں اور خواہ باعتبار معاد کے کہ حدیث سے مومنین کی ارواح کا قنادیل عرش میں رہنا اور جنت میں جہاں چاہیں کھاتے پیتے پھرنا ثابت ہے رواہ السیوطی فی شرح الصدور اور اصل صفت روح کی ایمان ہی ہے اگر عوارض نہ ہوں تو مومن ہی رہے اس لئے اس عنوان سے خطاب مطلق روح کو بھی صحیح ہوسکتا ہے۔ پس ان عنوانات سے خطاب فرماتے ہیں کہ تو جو قید جسم میں مقید ہوکر اپنے مقر اصلی سے جدا ہوگیا ہے اور یہ جسم بمنزلہ حجاب و نقاب کے ہوگیا ہے اور اس کی تقیید مثل بند کے ہوگئی ہے تو یہ تو سوچ کہ تیرے اس بند نقاب کو کون کھولے گا اور اس قید سے کون رہائی دے گا اور بعد رہائی کے آب ودانہ یعنی نعمتیں عالم آخرت کی تجھ کو کون دے گا اور ظاہر ہے کہ وہ رہائی دینے والا اور آب ودانہ دینے والا حق تعالیٰ ہی ہے پس مطلب یہ ہوا کہ جب وہ ایسا منعم ومحسن ہے تو تجھ کو چاہئے کہ اسکی طاعت وذکر میں مشغول ہو اور خلاف رشد کام کرنے سے باز رہے۔ وھو یقارب قول الجامیؒ۔

توئی آن دست پرور مرغ گستاخ	کہ بودت آشیان بیرون ازین کاخ
چرا زان آشیاں بیگانہ گشتی	چو دونان چغد این ویرانہ گشتی

هذا ما القى فى قلبى وللاخرين اقوال اخر لاتشفى ولا تكفى والله اعلم.

خوابم بشد از دیده درین فکر جگر سوز	کاغوش کہ شد منزل آسایش وخوابت

یہ مطلب ہوسکتا ہے کہ غایت شفقت سے اس عزیز کو فرماتے ہیں کہ اس فکر میں میری راحت جاتی رہی کہ اپنے محبوب حقیقی سے بعد اختیار کرکے کس کا قرب اختیار کیا ہے مطلب یہ کہ شیطان کا قرب اختیار کیا ہے جو کہ عدو مبین ہے وہذا کقول السعدی۔ ع ببین کہ

از کہ سستی وبا کہ پیوستی اور اس توجیہ پر زوجہ کا بھی مخاطب ہونا' بلا اعتبار ہوسکتا ہے اور آغوش مضاف ہے کلمہ کاف کی طرف جو بمعنی کدام ہے۔

درویش نمی بری وترسم کہ نباشد	اندیشۂ آمرزش وپروای ثوابت

اس میں بھی اسی عزیز کو نصیحت ہے کہ تم غیر جنس کی صحبت میں پڑ کر درویشوں سے جو تمہارے ناصح ہیں مجواے الحق مر بھاگنے لگے ہو مجھ کو یہ خوف ہے کہ کبھی غفلت بڑھتے بڑھتے نوبت یہاں تک نہ پہنچ جائے کہ مغفرت اور ثواب سے بھی استغناء ہو جائے یعنی فکر آخرت دل سے نکل جائے اس میں اشارہ اس مسئلہ کی طرف ہے جو اہل طریق نے فرمایا ہے کہ اس راہ کی لغزش کے سات درجے ہیں۔ اعراض۔ حجاب۔ تفاصل۔ سلب مزید۔ سلب قدیم۔ تسلی۔ عداوت اول اعراض ہوتا ہے اگر معذرت وتوبہ نہ کی حجاب ہوگیا اگر پھر بھی اصرار رہا تفاصل ہوگیا اگر اب بھی استغفار نہ کیا تو عبادت میں ایک زائد کیفیت ذوق وشوق کی تھی وہ سلب ہوگئی یہ سلب مزید ہے اگر اب بھی اپنی بیہودگی نہ چھوڑی تو جو راحت وحلاوت کہ زیادتی کے قبل اصل عبادت میں تھی وہ بھی سلب ہوگئی اس کو سلب قدیم کہتے ہیں اگر اس پر بھی توبہ میں تقصیر کی تو جدائی کو دل گوارہ کرنے لگا یہ تسلی ہے اگر اب بھی وہی غفلت رہی تو محبت مبدل بعداوت ہوگئی نعوذ باللہ منہا کذا فی فوائد الفواد اور شعر ہذا میں غالباً مرتبہ تسلی کا مراد ہے۔

راہ دل عشاق زد آن چشم خماری	پیداست ازیں شیوہ کہ مست ست شرابت

مراد از مست مست کنندہ مبالغۃ مست گفتہ کما قال الشاعر۔ تحیۃ بینہم ضرب وجیع۔ راہ زدن بیقرار ساختن وجمیعت عشاق برائے جنس ست مراد ذات خود۔ اس عزیز کو فرماتے ہیں کہ میں تیری جدائی میں بیقرار ہوں بیشک تیری شراب یعنی آنکھیں کہ پر خمار ہیں مست کنندہ ہیں۔ اشارہ اس طرف ہے کہ بعض اوقات اپنی محبت کا ظاہر کر دینا مخاطب کو متوجہ کر دیتا ہے سو اگر نصیحت میں اس کی ضرورت ہو تو ایسا کیا جائے رہا یہ کہ اہل حقیقت کو مجازی محبت کب ہوتی ہے جواب اس کا اس ردیف التاء کی غزل نہم آن سیہ چردہ کہ شیرینی عالم با اوست الخ کی شرح دیکھنے سے معلوم ہوسکتا ہے۔

تیرے کہ زدی بردلم از غمزہ خطارفت	تاباز چہ اندیشہ کندرای صوابت

یعنی تونے جو مجھ سے جدائی اختیار کر کے یہ سمجھا تھا کہ یہ مسخر محبت ہے میری محبت میں طریق رشد کو چھوڑ دے گا وہ خیال تو غلط نکلا اور نشانہ خالی گیا اب دیکھیں کہ آئندہ کے لئے کیا تجویز کیا جاتا ہے اور صواب کہنا تالیف قلب کے لئے ہے۔ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ محبت حق تعالیٰ کی سب محبوبوں کی محبت پر غالب رہنا چاہئے اور یہی غلبہ دلیل ہے اس کی کہ یہ نفس محب حق تعالیٰ ہی کا ہے اور دوسروں پر محض رحمت ہے اکابر پر یہی خیال کرنا چاہئے۔

ہرنالہ وفریاد کہ کردم نہ شنیدی	پیداست نگارا کہ بلندست جنابت

اس میں بھی اس عزیز محبوب کو خطاب ہے کہ میں نے تیری نصیحت میں کتنا شور وغل مچایا مگر تو نے ایک نہ سنی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی شان بڑی عالی ہوگئی ہے کہ کسی کی ساعت ہی نہیں ہوتی۔ یہ بطور عتاب کے کہا گیا جیسے اس طرح کے موقع پر بولا کرتے ہیں کہ اب تو آپ کا دماغ آسمان پر پہنچ گیا ہے کسی کی رسائی ہی نہیں ہوتی۔

ای قصر دل افروز کہ منزلگہ انسی	یا رب نکناد آفت ایام خرابت

اس میں اس عزیز محبوب کو دعا ہے اس طور سے کہ اس کے گھر کو دعا دیتے ہیں جس طرح اس شعر عربی میں۔

ان المروۃ والسماحۃ والندی	فی قبۃ ضربت علی ابن الحشرج

یعنی اے قصر دل افروز جو کہ منزلگاہ انس ہے خدا کرے آفت زمانہ تجھ کو ویران نہ کرے یعنی ہمیشہ آباد رہے اور اس میں اس عزیز کو یہ دعا ہے کہ خدا اس کی اصلاح کرے کیونکہ گھر کی حقیقی آبادی یہی ہے کہ اس کا بسنے والا صالح الاحوال ہو ورنہ معنی وہ ویران ہے جیسا حدیث میں ہے مساجدھم عامرۃ وھی خراب۔ خوب سمجھ لو۔

دور است سر آب درین بادیہ ہشدار	تا غول بیابان نفریبد بسرابت

یہ دوسرے مضمون کا شعر ہے اس میں سالک کو تنبیہ ہے کہ ابتدائی یا توسط کی کیفیات پر مغرور نہ ہو جائے اور اپنے کو کامل اور واصل نہ سمجھ جائے کیونکہ وہ امور مقصود نہیں ہوتے گو مشابہ

مقصود کے ہوں جس قدر سراب کہ مشابہ آب کے ہوتا ہے آب نہیں ہوتا پس فرماتے ہیں کہ پانی کا کنارہ ابھی دور ہے ہوشیار رہنا کبھی شیطان تم کو سراب سے دھوکہ نہ دے۔ اور ممکن ہے کہ اسی عزیز کو خطاب ہو شاید کسی قرینہ سے معلوم ہوا ہو کہ وہ کمال کے زعم میں ہادی اور مصلح سے اپنے کو مستغنی سمجھنے لگا ہے اور اس لئے اس نے بے اعتنائی کی ہو اس وجہ سے اس کو یہ نصیحت کی ہو۔

تا در رہ پیری بچہ آئین روی اے دل	باری بغلط صرف شد ایام شبابت

اس میں نصیحت ہے اپنے نفس کو یا دوسرے شخص کو بطرز قولہ تعالی و مالی لا اعبد الذی فطرنی۔ اور ترغیب ہے تدارک ایام گزشتہ کی۔

حافظ نہ غلامیست کہ از خواجہ گریزد	لطفے کن و باز آ کہ خرابم ز عتابت

یا تو اس میں خطاب ہے محبوب حقیقی کو جیسا غلام اور خواجہ کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے یعنی میں اب اس در پر آ پڑا ہوں ٹلنے والا نہیں میرے حال پر کرم فرمایئے میں آپ کے عتاب سے جس کی علامت قبض کی نوع خاص ہے پریشان ہوں اس کو دور کیجئے۔ اور یا اسی عزیز کو خطاب ہے اور خواجہ اور غلام غایت ملاطفت و انکسار سے کہہ دیا واللہ اعلم۔

غزل

باغ مراچہ حاجت سرو صنوبر ست	شمشاد سایہ پرور ما از کہ کمترست

سرو صنوبر قسمی از سرو شمشاد قسمی از سرو۔ سایہ پرور ناز پروردہ۔ اقرب یہ ہے کہ اس میں جواب ہے اس شخص کا جوان کو کسی دوسرے مرشد کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ مطلب یہ کہ ہمارا مرشد کس سے کم ہے جو ہم کو دوسرے کی حاجت ہو۔ اس میں اشارہ ہوگا مسئلہ وحدت مطلب کی طرف اور سایہ پرور سے ممکن ہے کہ اشارہ ہو مرشد کے صاحب تمکین ہونے کی طرف کیونکہ تمکین میں سکون ہوتا ہے جیسے سایہ میں سکون ہوتا ہے بخلاف دھوپ کے کہ اس میں تیزی و حرارت ہوتی ہے۔ اور ترکیب از کہ کمترست گو موضوع ہے نفی کمی کے لئے مگر عرفا مستعمل ہے اثبات زیادت کے لئے جیسے قرآن مجید میں ترکیب و من اظلم موضوع ہے نفی زیادت کے لئے مگر مستعمل ہے اثبات کمی کے لئے یعنی اس مذکور سے اور سب ظالم کم ہیں۔

ای نازنین پسر تو چہ مذہب گرفتۂ	کت خون ما حلال تر از شیر مادر ست

اگر اس کو شاعرانہ مضمون کہا جائے تو محبوب مجازی پر محمول کرنے سے سب الفاظ معنی درست ہو جائیں گے اور اگر صوفیانہ مضمون کہا جائے تو بہتر ہے کہ اس کا مخاطب ناصح کو کہا جائے جس طرح اوپر کے شعر میں بھی ناصح ہی مخاطب تھا۔ اور نازنین پسر بطور استہزاء کے کہا گیا تقریر یہ ہوگی کہ میاں صاحبزادے تم نے ہماری جان کیوں کھا رکھی ہے اور ہمارے خون کے کیوں پیاسے ہو رہے ہو اور کیوں ہمارے پیچھے پڑے ہو ہم راہ محبت میں تمہاری نہ سنیں گے اور اپنے پیر کو نہ چھوڑنا بھی اس عموم میں داخل ہے۔

چون نقش غم ز دور بہ بینی شراب خواہ	تشخیص کردہ ایم و مداوا مقرر ست

یعنی جب غم والم کے آثار معلوم ہونے لگیں گو پاس نہ آئے ہوں اور پاس آنے پر تو بدرجہ اولے اس وقت شراب عشق سے اس کا علاج کرو کہ یہی تدبیر متعین ہے ہم تشخیص کر چکے ہیں۔ غم والم سے مراد دنیوی غموم بھی ہو سکتے ہیں اور وساوس وخطرات بھی اور ترک دنیا کے ساتھ توجہ الی اللہ اور ذکر وفکر دونوں کا علاج مجرب ہے۔

یک قصہ بیش نیست غم عشق واین عجب	از ہر کسے کہ می شنوم نامکرر ست

نامقرر ست:۔ یعنی غیر معین وماحاصل متفیش آنکہ جدید مختلف است

یعنی غم عشق کا ہے تو ایک قصہ مگر جس سے سنا جائے جدید مضمون معلوم ہوتا ہے وجہ یہ ہے کہ عشق میں ہر ایک کو جدا حالات پیش آتے ہیں چنانچہ مشاہد ہے۔ اور اس میں تعلیم ہے اس کی کہ ایک حال والے کو دوسرے حال والے پر انکار نہ چاہئے۔

از آستان پیر مغان سر چرا کشم	دولت دریں سرا و کشایش دریں در ست

یعنی مرشد سے کیوں اعراض کروں جبکہ دولت وکشود باطنی کا مدار وہی ہے۔ یہ بھی شعر اول سے متقارب المعنی ہے۔

دی وعدہ داد وصلم و در سر شراب داشت	امروز تا چہ گوید و بازش چہ در سر ست

اس کو محبوب حقیقی کے معاملہ پر محمول کرنا بعید بلکہ ممتنع ہے کہ اس میں صریح احتمال بد اور

خلف وعدہ کا مذکور ہے گو شراح نے اسکو اختیار کیا ہے چنانچہ کہا ہے در میثاق معشوق حقیقی مارا وعدہ وصل داد درحالیکہ عشق داشت چنانچہ در حدیث قدسی آمدہ کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق لاعرف امروز معلوم نیست کہ ارادہ او چیست آیا مارا بدیدار خود فائز میگرداند یا نہ چرا کہ سعادت و شقاوت باختیار اوست سبحانہ واہل سعادت فائز بدیدار اند واہل شقاوت محروم ازان معلوم نیست کہ مارا امروزای درین نشاۃ عنصریہ از اہل سعادت میکند یا از اہل شقاوت فافہم اھ اس لئے سہل یہ ہے کہ محبوب مجازی کی شکایت پر محمول کرلیا جائے یعنی اول تو مجھ سے وعدہ وصل کرلیا تھا خدا جانے اس وقت کس نشہ میں تھا۔

مگر اس کا اعتبار نہیں آج کیا دماغ میں سمایا ہوا ہو وہ ایفاء کرے یا نہ کرے اور کیا کہہ اٹھے اور ممکن ہے کہ جس ناصح کو اوپر کے اشعار میں خطاب ہے وہ کسی شیخ دنیادار کی طرف بلاتا ہو اس لئے اس شعر میں ایسے دنیاداروں کی مذمت کرتے ہوں کہ یہ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اپنے کسی مطلب یعنی مال و جاہ وغیرہ کا نشہ دماغ میں سما جاتا ہے تو جھوٹے جھوٹے وعدے تعلیم و تلقین و تکمیل و تربیت کے کرتے ہیں مگر وہاں تو کچھ ہے ہی نہیں اس لئے اپنا مطلب نکال کر آرے بلے بتلاتے ہیں اور لطف و دلجوئی کے خیالات کو بدل ڈالتے ہیں ۔

ما آبروی فقر وقناعت نمے بریم	بابا دشہ بگوی کہ روزی مقدرست

مطلب ظاہر ہے اس میں تعلیم ہے قناعت و توکل کی۔ بدرالشروح میں منقول ہے درلطائف الطوائف آوردہ کہ بادشاہ آن عصر حافظ را طلب کرد حضرت ہمین بیت نوشتہ فرستاد و خود نرفتند۔ یہ حکایت حافظؒ کی بزرگی کی صاف دلیل ہے۔

شیراز و آب رکنی وآن بادخوش نسیم	عیبش مکن کہ خال رخ ہفت کشورست

آب رکنی رکنا باد کہ چشمہ ایست در شیراز مقصود ظاہر اً مدح ہے شیراز کی اور بتاویل بعید کہا جاسکتا ہے کہ اشیاء مذکورہ مصرعہ اولے کا مجموعہ اشارہ ہو قالب عنصری کی طرف اس طرح سے کہ شیراز سے خاک اور آب رکنی سے آب اور باد خوش نسیم سے باد اور چونکہ اکثر کا ذکر بجائے کل کے ہے اس لئے نار کا ذکر نہ کرنا مضر نہ ہو۔ مطلب یہ ہوگا کہ اس جسد کی تحقیر مت

کرو کہفت کشور کی یہ زینت ہے کیونکہ عالم لطیف میں روح انسانی اور عالم کثیف میں جسد انسانی اشرف المخلوقات ومقصود اعظم ہے اس لئے ارشاد ہے لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم اور ارشاد ہے صورکم فاحسن صورکم یہ تو شرف باعتبار ذات کے ہے اور شرف باعتبار غایت کے یہ ہے کہ مقصود اصلی روح کے لئے ترقی حاصل کرنا ہے اور وہ موقوف ہے عبادت پر اور بعض انواع ترقی کے بعض ایسی عبادات سے وابستہ ہیں کہ ان عبادات کا صدور موقوف ہے تعلق جسد پر مثل صوم وصلوٰۃ ونحو ذلک یہ فائدہ بدون تعلق جسد عنصری کے حاصل نہیں ہوسکتا اس لئے جسد کی حفاظت وصحت کی رعایت خود مسنون ہے کہ ان لجسدک علیک حقا۔ اور مجاہدہ واتعاب نفس میں بھی مصالح ہیں مگر جبکہ اعتدال کے ساتھ ہو پس ہمیں بعض لوگوں کی غلطی کی طرف اشارہ ہوجائے گا جو مشقت نفس میں غلو کرتے ہیں۔

فرق ست ز آب خضر کہ ظلمات جای اوست	تا آب ما کہ منبعش اللہ اکبرست

اللہ اکبر چشمہ ایست در شیراز کہ از میان کوہ برآید ہر کہ آنرا بیند بے اختیار گوید اللہ اکبر۔ اس میں بھی ظاہر امدح ہے شیراز کی مبالغہ کے ساتھ اور یہ بھی احتمال ہے کہ مقصود ترجیح بیان کرنا ہو حیات قلب کی حیات بدن پر۔ اور آب خضر کی اضافۃ محض ادنیٰ ملابستہ کے لئے پتہ کے طور پر ہے یہ نہیں کہ اس اضافۃ کو مرجوحیت میں کچھ دخل ہوتا کہ ایہام تحقیر کا شبہ ہو چونکہ آب حیات کا لقب آب خضر ہوگیا ہے اس لئے مفہوم لقبی کے طور پر تعبیر کردیا گیا مفہوم اضافی کے طور پر نہیں کیا گیا اور حیات قلب کو آب سے تعبیر کرنا مجازاً ہے کہ جعلنا من الماء کل شیء حی اور اللہ اکبر میں توریہ ہوگا یعنی ذکر اللہ سے جو حیات حاصل ہوتی ہے۔ اور ظلمات جای اوست میں اشارہ لطیفہ ہے کہ حیات دنیا کی کتنی ہی طویل ہو بدون ذکر اللہ کے مجموعہ کدورات وظلمات ہے۔

درکوی ما شکستہ دلی میخرند وبس	بازار خود فروشی ازان سوی دیگرست

اس میں عجز ونیاز کا اسباب قرب میں سے اور خود نمائی وتکبر کا اسباب بعد میں سے ہونا مذکور ہے اور یہ ظاہر ومعلوم ہے۔

حافظ چہ طرفہ شاخ نباتی ست کلک تو	کش میوہ دلپذیر تراز شہد وشکرست

اس میں بیان ہے مضامین عشقیہ کے لذت وحلاوت کا کہ حافظ کے قلم سے جو مضامین نکلتے ہیں تو ان کی کلک گویا شاخ نبات ہے۔

غزل

شگفتہ شد گل حمرا و گشت بلبل مست	صلامی سرخوشی ای صوفیان بادہ پرست

چونکہ عرفا گل حمرا کی شگفتگی کا اور بلبل کی مستی کا وقت بادہ نوشی کا موقع ہوتا ہے اس لئے حاصل شعر کا یہ ہے کہ جب انسان کو صحت وفراغ اور اسباب عمل میسر ہوں تو غنیمت سمجھے اور وقت کو ضائع نہ کرے بلکہ اس کو مجاہدہ وذکر میں مشغول کرے جیسا حدیث میں ہے اغتنم خمسا قبل خمس صحتک قبل سقمک وفراغک قبل شغلک وشبابک قبل هرمک وغناک قبل فقرک وحیاتک قبل موتک پس تشبیہ مفرد بالمفرد کے تکلف کی حاجت نہیں۔

آساس توبہ کہ در محکمی چو سنگ نمود	ببین کہ جام زجاجی چہ گونہ اش بشکست

یہ توبہ معاصی سے نہیں بلکہ توبہ اظہار احوال سے ہے اور عہد اور عزم ہے کتمان کا مطلب یہ کہ جب غلبہ وارد کا ہوتا ہے وہ عہد ٹوٹ جاتا ہے اور یہ حال توسط سلوک میں ہوتا ہے۔

بیار بادہ کہ در بارگاہ استغنا	چہ پاسبان وچہ سلطان چہ ہوشیار چہ مست

اس میں تقویت ہے رجاء کی اور ازالہ ہے یاس کا یعنی حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کے لئے امور مذکورہ فی الشعر میں سے نہ کوئی امر شرط ہے نہ مانع جیسا سلاطین دنیا کے درباروں میں ایسے امور پر نظر ہوتی ہے بلکہ بوجہ استغناء کے اس درگاہ میں سب برابر ہیں غریب امیر اور عاقل اور کم عقل

ازین رباط دو در چون ضرورت ست رحیل	رواق طاق معیشت چہ سربلند وچہ پست

اس میں تعلیم ہے زہد کی کہ دنیا کے مال وجاہ میں زیادہ منہمک مت ہو گزر ہر طرح ہو جاتی ہے رواق محل طاق ایوان کذا فی البدر۔

مقام عیش میسر نمی شود بے رنج	بلا بحکم بلی بستہ اند روز الست

اس میں ترغیب وتقویت ہمت ہے مجاہدہ وتحمل شدائد سلوک پر یعنی جب یوم میثاق میں الست کے جواب میں بلیٰ کہا تھا جس میں اقرار تھا الوہیت کا تو ابتلاء وامتحان تو اس کے ساتھ ہی وابستہ ہوگیا تھا کیونکہ حکمت امتحان کی یہی ہے کہ یہ شخص اس اقرار پر قائم رہتا ہے یا نہیں۔

بہ ہست ونیست مرنجان ضمیر وخوش میباش	کہ نیست است سرانجام ہر کمال کہ ہست

مصرع اول میں ہست ونیست سے مراد مطلق وجود وعدم نہیں بلکہ مرغوبات دنیویہ کا وجود وعدم اور یہی مراد ہے مصرع ثانیہ میں۔ مطلب یہ کہ مال وجاہ وغیرہ کی فکر میں مت پڑو کہ اگر ان میں کمال بھی حاصل ہوگیا پھر اس کا انجام زوال ہی ہے۔ یہ بھی تعلیم ہے زہد کی۔

شکوہ آصفی واسپ بادو منطق طیر	بباد رفت وازان خواجہ ہیچ طرف نہ بست

طرف بستن فائدہ حاصل کردن۔ آصف نام وزیر سلیمان علیہ السلام اما اینجا مراد سلیمان علیہ السلام مجاز اُو مراد بخواجہ نیز سلیمان علیہ السلام۔ یعنی ان کے پاس حشمت کا کس قدر سامان تھا مگر بالذات وہ ان کے لئے نافع نہ ہوا اور بالغیر بوجہ تلبس ذکر وطاعت وآلۂ سعی وعمل ودعوت الی اللہ تعالیٰ ہونے کے نافع ہونا حقیقت میں ذکر وطاعت وغیرہ کا نافع ہونا ہے۔ پس گویا یہ شعر متقارب المعنی ہے شعر اول کا۔

ببال وپر مرو ازرہ کہ تیر پرتابی	ہوا گرفت زمانے ولے بخاک نشست

پرتاب مقدار تیر انداختنی۔ اس میں بھی نصیحت ہے کہ دنیا کے مال وجاہ واسباب عیش پر مغرور مت ہو کہ یہ چند روزہ ہے جس طرح تیر پرتابی تھوڑی دیر ہوا میں رہتا ہے پھر آخر خاک میں مل جاؤ گے جس طرح وہ تیر خاک میں گر پڑتا ہے۔

زبان کلک تو حافظ چہ شکر آن گوید	کہ تحفہ سخنت میبرند دست بدست

اپنی ذات کو خطاب کرتے ہیں کہ اے حافظ تیرا قلم محبوب کی اس نعمت قبول کا کیا شکریہ ادا کرسکتا ہے کہ اس کلک کے تراویدہ مضامین کو لوگ ہاتھوں ہاتھ لے جاتے ہیں۔ اس میں تعلیم ہے کہ عبد کو چاہئے کہ کسی کمال کو اپنی طرف حقیقۃً منسوب نہ سمجھے بلکہ سب کو اس کی عطا جانے۔ وما بکم من نعمۃ فمن اللہ۔

غزل

زلف آشفتہ وخوی کردہ وخندان لب مست	پیرہن چاک وغزل خوان وصراحی در دست
نرگسش عربدہ جوی ولبش افسوس کنان	نیم شب مست ببالین من آمد بنشست
سرفرا گوش من آورد بآواز حزین	گفت کای عاشق شوریدہ من خوابت ہست
عاشقی راکہ چنین بادۂ شب گیر دہند	کافر عشق بود گر نہ بود بادہ پرست

خوی کردہ عرقناک۔ پیرہن چاک بیباک۔ افسوس کنان تسخر کنان مراد خندان۔ یہ سب اشعار قطع بند ہیں اور مراد ان حالتوں سے سامان ولوازم ووضع محبوبی ہے اسی طرح آواز حزین سے مراد آواز نرم کہ معشوقوں کی آواز ہے۔ پس حاصل یہ ہوا کہ نصف شب کے وقت محبوب حقیقی کی طرف سے قلب پر یہ وارد آیا کہ ایسے وقت تو سوتا ہے یہ وقت بادۂ شبگیر یعنی ذکر ومشغولی کا ہے جو شخص اس وقت بھی اس کو اختیار نہ کرے وہ راہ محبت کا حق ضائع کرنے والا ہے۔ پس اس میں تعلیم ہے ترک غفلت اور اشتغال مع اللہ کی اس وقت مبارک میں ؎

بروای زاہد وبر دردکشان خوردہ میر	کہ ندادند جز این تحفہ بما روز الست

اکثر زاہدان خشک بعض امور پر جو غلبہ عشق میں اہل حال سے صادر ہو جاتے ہیں طعن و اعتراض کرتے ہیں اس کا جواب دے رہے ہیں اور اس میں ارشاد ہے ترک اعتراض کا اہل حال پر ؎

انچہ او ریخت بہ پیمانۂ ما نوشیدم	اگر از خمر بہشت ست وار از بادہ مست

یہ شعر بھی گویا تتمہ ہے شعر بالا کا اور پیمانہ سے اشارہ مرتبہ استعداد کی طرف ہے اور چونکہ خمر بہشت میں نشہ نہ ہوگا کما قال تعالے لا ینزفون اس لئے یہ اشارہ ہے ضبط واخفا کی طرف جو اہل تمکین کو میسر ہوتا ہے اور بادہ مست سے اشارہ ہے اظہار وجوشش وشورش کی طرف جو کہ لازمہ تلوین ہے یعنی جس مرتبہ میں جیسی استعداد ہے وہی حال پیش آئے گا ہمارا اس میں کیا اختیار ہے پھر اعتراض کیا ؎

خندۂ جام می وزلف گرہ گیر نگار	ای بسا توبہ کہ چون توبہ حافظ بشکست

مذکورات مصرعہ اولی سے مراد سامان مستی ہے اس کا مطلب بھی مثل شعر بالا کے ہے یعنی میں عزم بھی اخفا کا کرتا ہوں مگر جب اسباب مستی مجتمع اور غالب ہوتے ہیں وہ عزم کالعدم ہو جاتا ہے۔

غزل

خدا چو صورت ابروی دل کشای تو بست	کشادِ کار من اندر کرشمہ ہای تو بست

اسکا خطاب مرشد کو ہوسکتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے جب تمہاری ذات کو بنایا (اطلاقا للازم علی الملزوم لان تصویر الحاجبین لازم عادی لجعل الذات) تو میرا کشود کار باطنی تمہارے فیوض کیساتھ وابستہ کیا کیونکہ پہلے سے مقدر تھا کہ فلاں فلاں شخصوں کو ان سے نفع ہوگا۔

ہزار سرو چمن رابخاک راہ نشاندا	زمانہ تاقصب زرکش قبای تو بست

قصب جامہ باشد کہ از کتان وابریشم بافند کذا فی الغیاث۔ وفاعل نشاند زمانہ۔ یعنی جب سے زمانہ نے تمہارے بدن پر لباس مشیخت آراستہ کیا ہے ہزاروں سرکشوں کو خاکسار بنادیا یعنی آپ سے ایسے ایسے لوگوں کی اصلاح ہوئی جن کی اصلاح کی امید ہی نہ تھی اور ایک نسخہ میں ہزار سرو کی جگہ مراد سرو ہے یعنی مجھ کو بھی اور دوسرے سرکشوں کو بھی الخ۔ اور ایک نسخہ میں زرکش کی جگہ نرگسین ہے اس کے معنی ایک شارح نے اس طرح لکھے ہیں نوعے از قبا کہ گلہائے نرگس برو منقش بود۔

مراد مرغ چمن را از دل ببرد آرام	سحر گہ آن کہ دل ہر دو در نوای تو بست

فاعل ببرد آن کہ مراد عشق۔ نوا آواز مراد رطب اللسانی وعذب البیانی۔ ونوا نیز بمعنی گرفتاری وقید آمدہ کذا فی الغیاث۔ یعنی سحرگاہ کے وقت تمہارے جس محبوب نے تمہاری گویائی یا تمہاری قید میں میرا اور مرغ چمن یعنی دیگر طالبین کا دل پھنسا دیا اس نے ہم کو بے چین کردیا۔ مقصود بیان کرنا بیقراری کا ہے تاکہ مرشد کو توجہ ہو۔ اور سحرگاہ کی تخصیص اس لئے کہ وہ وقت پھولوں کی شگفتگی کا اور بادصبا کے چلنے کا ہوتا ہے جو کہ پھولوں کی خوشبو کو منتشر کرتی ہے اس وقت مرغ چمن کی بے چینی اور ولولہ کی زیادتی ہوتی ہے پس یہ کنایہ ہوا وقت ظہور کمالات شیخ سے یعنی جب سے آپ کے کمالات کا ظہور ہوا ہے طالبین کا یہ حال ہے۔

[illegible] نیم رخ بودن در پئے سوختن کی قسمت

[illegible] تیری محبت [illegible]
[illegible] ہوں اور تجھ [illegible]
[illegible] سے جو آپ کے کمالات [illegible]
[illegible] مطلب [illegible] ہو گیا

[illegible] وہ پیدا ہو کہ [illegible] رشتہ در رفتہ کی قسمت

[illegible] تو میری یہ خوش قسمتی ہے کہ آپ [illegible]
[illegible] مجھ کو اس سے [illegible]
[illegible] اپنی [illegible]
[illegible] ہے کہ جب پورے غور سے [illegible]
[illegible] مجھ کو اس کی توفیق [illegible]
[illegible]

[illegible] کہ جدا یا سر زلف گرہ گشت کی قسمت

[illegible] اور افسردہ مت [illegible]
[illegible] اب اس کے ساتھ [illegible]
[illegible] اس کے مقابلہ کے لئے زلف کو گرہ گشت [illegible]
[illegible] زلف سے [illegible] پھر بستن کا لانا خود لطف [illegible]
[illegible] شاید اس لئے ہو کہ [illegible]
[illegible] ہو کہ اس میں خون منجمد و منقبض ہو جاتا
[illegible] انبساط ہوتا ہے [illegible]
[illegible] سے بے توجہی نہ کیجیے

[illegible] حیرت سے مشتاق تمنا وصل	خطا گر کہ دل امید درو کی قسمت

ہوسہ عرض رامنہ کت محض وہ قول و صل ... بیشک ... ہے ...
رسہ کردار سدا رہے اتفاق و بد عہدی مشہور ست مجھے ...
ار اعانہ نمود و ہر گو یہ قول وصل نیست بلکہ زبان ... ست ...
اسے ہوا گئی ظاہر ہیں اور اگر مرشد کو خطاب ہو تو ... کا ...
وگر ... سے ہوگی مسترشد اس کی مصلحت نہیں ... کی ...
کہ ... کہ ... آپ سے اوروں کی کو نفع ہے ہماری حالت ... آپ ... جیسے ...
اور ... گو ... ضرورت میں ایسی بیباکی نہ ہوئے۔

... از نسیم تو روزی کشایشی بید	چو غنچہ بر سر خویش ... زدست

یہ گویا شعر ... کا تدارک ہے یعنی جو شخص آپ کے ... نہ ... سے ... ہے
ظاہر ہے ... سے تنگ ہو کر آپ کا دامن نہ چھوڑے گا کہ ... آپ کے لطف
سے ... کو کشائش باطنی میسر ہو ہی جائے گی ... کو ... نہ ... ہیں ...
... تشبیہ کنایہ ہے کہ جیسے غنچہ کہ ہوا کا دامن نہیں چھوڑتا آخر ہوا جب ... کیفیت سے
... ہوتی ہے اس غنچہ کو شگفتہ کر دیتی ہے۔

زدست جور تو گفتم ز شہر خواہم رفت	بخندہ گفت ... برو ... کہ پای ... زدست

کہ یعنی کدام مدلول لفظی تو ظاہر ہے۔ مرشد کو خطاب اس طرح ہو سکتا ہے کہ حضرت
اگر مجھ سے کچھ کدورت ہو تو فرما دیجئے میں کہیں اور چلا جاؤں چونکہ یہ گمان مسترشد کا محض وہم تھا
اس لئے ان کو اس کی وہم پرستی پر بجائے برہمی کے ہنسی آگئی اور فرمایا کہ بسم اللہ جائیے آپ
کو ... کس نے۔ مقصود امر فرمانا نہ تھا بلکہ مسترشد کی غلطی کا اس عنوان لطف آمیز سے
ظاہر کرنا کہ محب اس ادا ہی سے سمجھ سکتا ہے کہ مجھ سے ناخوش نہیں ہیں واللہ اعلم۔

غزل

ای ہد ہد صبا بسبا می فرستمت	بنگر کہ از کجا بکجا می فرستمت

احقر کے مذاق میں یہ خطاب ہے روح کو اس کو محبوب حقیقی کی طرف متوجہ ہونے کی

ترغیب دیتے ہیں کہ میں تو تجھ کو دیارِ محبوب کی طرف متوجہ کرتا ہوں دیکھ تو کہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف متوجہ کرتا ہوں اس کے قبول کرنے میں تجھ کو ذرا پس و پیش نہ چاہئے۔ اور صبا سے تشبیہ اس اعتبار سے دی کہ صبا مبلغ ہوتی ہے روائح کی اسی طرح روح عالم قدس کے ساتھ مناسبت پیدا کر کے مورد ہوتی ہے واردات ونفحات غیبیہ کی اور اسی بنا پر ہدہد کہا۔ اور اضافت ہدہد کی صبا کی طرف ایسی ہے جیسے لجین الماء میں۔

حیف ست طائری تو در خاکدان دہر	زینجا بآشیان وفا می فرستمت

یعنی تو طائر عالم قدس ہو کر اس خاکدان میں پھنس رہا ہے حیف کی بات ہے میں اس عالم پر جفا سے تجھ کو آشیان وفا کی طرف کہ عالم علوی ہے متوجہ کرتا ہوں وہذا کما قال الجامیؒ۔

توئی آن دست پرور مرغ گستاخ	کہ بودت آشیان بیرون ازین کاخ
چوازان آشیان بیگانہ گشتی	چودونان چغد این ویرانہ گشتی

قالؒ

درراہ عشق مرحلۂ قرب وبعد نیست	می بینمت عیان ودعا می فرستمت

می فرستمت یعنی میفرستم نزدتو۔ یہ خطاب ہے محبوب حقیقی کو یعنی آپ کی راہ محبت میں قرب و بعد متعارف نہیں کیونکہ وہ خواص اجسام سے ہے اور آپ اس سے منزہ ہیں میں باوجود آپ کے باطن ہونے کے چونکہ آپ ظاہر بھی ہیں اس لئے عیاناً آپ کو دیکھتا ہوں پس ایک بعد معنوی کہ خفاء ہے ذات کا دوسرے قرب معنوی سے کہ بواسطۂ افعال و مصنوعات کے ظہور ہے صفات کا حاجب اور مانع نہیں اس تجلی افعالی کو عیان دیدن سے تعبیر کر دیا فلم یبق فیہ اشکال۔ اور اس معائنہ کی حالت میں آپ کے حضور میں دعائیں یعنی اپنی حاجت کے لئے التجائیں پیش کر رہا ہوں کیونکہ حق دعا اس غلبۂ استحضار ہی سے میسر ہوتا ہے۔ اور یا دعاء سے مراد مطلق نداء اور یاد اور یا اس سے مراد مطلق ثنا و انقیاد کما قیل فی تفسیر الدعاء فی السجود الوارد فی الحدیث ع ان الثناء علی الکریم دعاۃ۔ بہر حال یہ اشکال مندفع ہو گیا جو ظاہر میں متوہم ہوتا ہے کہ محبوب حقیقی کو دعا کی کیا

حاجت ہے اور منشاء اس اشکال کا صرف یہ ہوا کہ دعا کو بالمعنی المتعارف لیا اور اس میں بلا دلیل قید لگائی للمحبوب کی خوب سمجھ لیا جائے۔

ہر صبح و شام قافلۂ از دعای خیر	در صحبت شمال وصبای فرستمت

شمال بادیکہ از شمال درآید و آن برقول اطباء بادیست موافق مزاج آدمی۔ وصبا بادیکہ از مشرق وزدو آن مشہورست۔ اگر اس کو مجاز پر محمول نہ کیا جائے تو احقر کے مذاق میں اقرب یہ ہے کہ شمال و صبا سے مراد ملائکہ ہوں جو حسب حدیث صبح و شام علی سبیل التعاقب آتے جاتے ہیں اور وہ اعمال لے جا کر پیش کرتے ہیں اور دعا میں وہی توجیہات ہوں جو اس سے اوپر کے شعر میں گزرے ہیں اور مقصود اس حکایت سے دوسروں کو ترغیب دینا ہو کثرت طاعت وذکر کی۔

در روی خود تفرج صنع خدای کن	کائینۂ خدای نمای فرستمت

اس میں خطاب ہے طالب حق کو کہ مصنوعات میں عموماً اور اپنی ذات میں خصوصاً غور وفکر تفکر کرو کہ صانع کی معرفت ہو میں تجھ کو اس آئینہ نما خدا کا پتا بتلاتا ہوں اس پتہ بتلانے کو ہی فرستم سے تعبیر کر دیا قال اللہ تعالیٰ سنریهم أيتنافي الافاق وفي انفسهم اور ذات انسانی کی خصوصیت ہی کی وجہ سے اکابر طریقت نے فرمایا ہے من عرف نفسه فقد عرف ربه اور اس قول کو مسئلہ وحدۃ الوجود سے کوئی مس نہیں جیسا اکثروں کا مزعوم وموہوم ہے بلکہ معنی یہ ہیں کہ اپنے نفس کے اندر جو تقلبات وتکوینات وتصرفات الٰہیہ عجیب وغریب نظر غائر سے مشاہدہ کیے جائیں جو کہ اور مصنوعات کی تصرفات متعلقہ سے ممتاز ہیں تو زیادہ معرفت صانع کی ہوتی ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔ پس اس میں تعلیم ہے طریق ترقی معرفت کی۔

تا لشکر غمت نکند ملک دل خراب	جان عزیز خود بفدا می فرستمت

قاعدہ ہے کہ بعض مشقت ومصیبت سے بچنے کے لئے آدمی کچھ فدیہ ومعاوضہ خرچ کیا کرتا ہے پس اسی بنا پر محبوب حقیقی سے خطاب کرتے ہیں کہ میں نے اپنی جان عزیز فدیہ میں اس لئے پیش کر دی ہے تا کہ پھر آپ کا لشکر غم میرے ملک دل پر تاخت وتاراج کر کے ویران

[illegible] اور [illegible] سے مراد بعد وسخط ہے۔ اس میں تنبیہ وتعلیم اس امر کی ہے کہ نفس پروری [illegible] اصل [illegible] معاصی کی جس پر بعد وسخط مرتب ہوتا ہے اور تفویض وتسلیم سے قرب درضا [illegible] قال اللہ تعالیٰ ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسھم الخ۔ پس اپنی جان [illegible] اور اس کے مشتہیات غیر مشروعہ سے بچے پھر نہ دنیا میں اس کو ضیق وضنک پیش [illegible] اور نہ آخرت میں وہ عذاب ہجران میں مبتلا ہوتا ہے قال اللہ تعالیٰ من عمل صالحا من ذکر او انثی وھو مؤمن فلنحیینہ حیوۃ طیبۃ ولنجزینھم الخ. وقال تعالیٰ ومن اعرض عن ذکری فان لہ معیشۃ ضنکا ونحشرہ یوم القیامۃ اعمی.

[illegible] فرست مراد بگو بناز	کاین تحفہ از برای خدا می فرستمت

اس میں اظہار ہے رضا بالقضا کا یعنی جو امر ناگوار نفس کہ غم سے یہی مراد ہے مجھ کو پیش آئے اے محبوب میں اس پر راضی ہوں اور جب آپ کی رضا اس میں پاؤں تو اس میں طلب مزید کرتا ہوں آپ اور بھیجئے۔ اور اس میں تعلیم ہے طالب کو کہ سلوک کے تشویشات وصعوبات مثل قبض وغیرہ سے دلگیر اور تنگ نہ ہونا چاہیے بلکہ چونکہ اس میں مصلحتیں ہوتی ہیں اسکو تحفہ سمجھنا چاہیے۔

ای غائب از نظر کہ شدی ہمنشین دل	میگویمت دعا وثنای فرستمت

غائب از نظر ہونا محبوب حقیقی کا ظاہر ہے قال الرومیؒ۔ عشق من پیدا و معشوقم نہان۔ اور ہمنشین دل گویا اس حدیث کا ترجمہ ہے انا جلیس من ذکرنی اور دعا کی وہی توجیہ ہے جو غزل کے شعر ثالث کی شرح میں گزری اب معنی شعر کے بالکل ظاہر غیر محتاج الی البیان ہیں۔

تا مطربان زشوق منت آگہی دہند	قول وغزل بساز ونوا می فرستمت

مصرعۂ اولےٰ علت ہے اور مصرعہ ثانیہ معلول پس ترتیب کلام میں اول موخر ہے اور ثانی مقدم۔ نوا سرود۔ یعنی اشعار خود موافق ساز ونوا مرادا این کلمات دلکش وسخنان خوش کہ در رشتہ نظم می آید میفرستمت تا مطربان پیش تو سرایند وشوق من برتو اظہار کنند۔ احقر کے مذاق میں اس کی سہل توجیہ یہ ہے کہ محبوب حقیقی کے اشتیاق اور مدح میں جو کلام منظوم کہا جائے ظاہر ہے کہ وہ منظوم ہی کے لباس میں وہاں پیش ہوگا کیونکہ اقوال بعینہا پیش ہوتے

ہیں۔قال تعالیٰ مایلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید اور ساز و نوا سے مجاز اً محض اس کی منظومیت مراد لی جائے اور پیش کرنے والے جو ملائکہ ہیں چونکہ اس وقت وہ کلام منظوم کے حال کی ہیں اس لئے گو لفظاً بے ادبی ہے مگر نظراً الی المقصود ان کو مطرب سے تعبیر کر دیا۔اور آ گہی دہند کے معنی خبر را حکایت کنند لئے جائیں سو اس پر یہ اشکال لازم نہیں آتا کہ حق تعالیٰ تو پہلے ہی آگاہ ہیں اور ایسے مضامین خود حدیثوں میں آئے ہیں مثلاً مجالس ذکر سے جب ملائکہ لوٹ کر جاتے ہیں تو حق تعالیٰ پوچھتے ہیں کہ بتاؤ میرے بندے کیا کر رہے ہیں اور پھر وہ عرض کرتے ہیں الخ اس میں بھی تعلیم و ترغیب ہے ذکر الٰہی کی اور بشارت ہے اس کے مقبول اور معروض ہونے کی نظم ہو یا نثر ہو خلوص سے ہو حدود کے اندر ہو وحد النظم اوسع من النثر لاسیما لاہل الحال والشوق واللہ تعالیٰ اعلم۔

ساقی بیا کہ ہاتف غیبم بمودہ گفت	با درد صبر کن کہ دوامی فرستمت

قاعدہ ہے کہ خوشی کے وقت ساقی کو بلاتے ہیں اور بادہ نوشی کیا کرتے ہیں پس یا تو ساقی بیا محض اظہار فرح و بشاشت ہے جیسے یابشری اور یا مراد اس سے مرشد ہے اور حاصل یہ ہے کہ مجھ کو ہاتف کے ذریعہ سے محبوب حقیقی کی جانب سے یہ بشارت ملی ہے جو حاصل ہے ان مع العسر یسرا کا چونکہ واردات دقیقہ کی تحقیق و تعبیر اور واردات صریحہ غیر محتاج الی التحقیق کی پوری شرح اور تفصیل میں مرشد ہی کی حاجت ہے اور یہ وارد صریح تھا اس لئے مرشد سے درخواست ہے کہ ذرا ادھر متوجہ ہو جایئے یہی معنی ہیں بیا کے اور اس کی زیادہ تفصیل کر دیجئے کہ مسرت افزوں ہو اور کمال نعمت پر خوب شکر ادا کروں۔اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ ان مع العسر یسرا اور اشارہ اس طرف ہے کہ واشکرو انعمة اللہ۔

حافظ سرود مجلس ماذکر خیرتست	تعجیل کن کہ اسپ وقبا می فرستمت

اس میں خطاب ہے محبوب سے محب کی طرف خواہ مستقل ہو خواہ تتمہ ہو مقولہ گفت شعر سابق کا اور سرود مجلس ماذکر الخ حاصل ہے اس حدیث کا من ذکرنی فی ملأ ذکرته فی ملأ خیر منهم. اور اسپ و قبا بھیجنا کنایہ ہے بلانے سے کیونکہ جس کو بلاتے ہیں درباری لباس پہننے کے

لئے اور اسپ قطع مسافت کے لئے بھیج دیتے ہیں حاصل یہ کہ محبوب نے فرمایا کہ چونکہ تو ہمارے ذکر وطاعت میں رہتا ہے ہماری مجلس میں بھی تیرا ذکر رہتا ہے اب ہم جلد تجھ کو مرتبۂ قرب ووصال تک پہنچانے والے ہیں اور یہی ہے بلانا تو بھی جلدی جلدی اس مرتبہ کی استعداد حاصل کرلے یعنی خوب ذکر وطاعت کر کہ استعداد میں قوت ہوجائے اور اس مرتبہ کی فعلیت میسر ہو۔ اس میں ترغیب کے لئے اشارہ اس طرف ہے کہ طاعت ومجاہدہ پر یہ ثمرات مرتب ہوتے ہیں۔

غزل

(درخطاب مرشد کہ وہم بے توجہی او مسترشد را دست داد)

ای غائب از نظر بخدای سپارمت	جانم بسوختی وبدل دوست دارمت
تادامن کفن نکشم زیر پای خاک	باور مکن کہ دست ز دامن بدارمت
گربایدم شدن سوی ہاروت بابلی	صد گونہ ساحری بکنم تابیارمت
محراب ابروان بنماتاسحر گہے	دستِ دعا برآرم وورگردن آرمت
خواہم کہ پیش میرمت ای بیوفا طبیب	بیمار باز پرس کہ درانتظار مت
صدجوی آب بستہ ام ازدیدہ ہر کنار	بربوی تخم مہر کہ دردل بکارمت
میگریم و مرادم ازین چشم اشکبار	تخم محبت است کہ دردل بکارمت
خونم بریز وازغم ہجرم خلاص کن	منت پذیر غمزۂ خنجر گزار مت
گردیدہ و دلم کند آہنگ دیگرے	آتش زنم درآن دل ودیدہ برآرمت
بارم دہ از کرم برخود تابسوز دل	درپات دمبدم گہر ازدیدہ بارمت
حافظ شراب وشاہد ورندی نہ وضع تست	فی الجملہ می کنی وفرومی گزار مت

اگراس غزل کا مضمون شاعرانہ ہوتو مخاطب محبوب مجازی ہوگا اور کوئی شعر محتاج توجیہ نہ ہوگا اور اگر مضمون محققانہ ہوتو مرشد کو مخاطب قرار دینا سہل ہے۔ مسترشد کو مرشد کی کچھ بے

(بہی کا شبہ ہو گیا ہے گو وہ شبہ غلط ہی ہو کیونکہ بعض اوقات جس توجہ کو وہ طالب سمجھتا ہے وہ ضروری نہیں ہوتی اور مسترشد ولولہ طلب میں تنگ ہو کر مرشد کی نسبت شکایت آمیز الفاظ کہنے لگتا ہے اس تقدیر پر تاریخی شبہ اس قدر وارد ہوتا ہے کہ حافظ کے کوئی مرشد بظاہر متعارف نہ تھے صرف مشہور ہے کہ حضرت نجم الدین کبریٰؒ کے نظر کردہ تھے پھر اس احتمال کی گنجائش کہاں ہے اس کے دو جواب ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ اوروں کا حال بیان کر رہے ہیں جو ایسا پیش آتا ہے اور یہ ذرا بعید ہے کیونکہ اہل حال کو دوسرے کے حال بیان کرنے کی فرصت کہاں وہ اپنے ہی واردات اکثر بیان کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ممکن ہے کہ جن کے نظر کردہ تھے ان ہی کی توجہ باطنی دور سے کبھی کم کبھی زیادہ ہوتی ہو مثل اشراقیین کے اور شاید غائب از نظر اس طرف اشارہ ہو واللہ اعلم۔ پس فرماتے ہیں کہ گو آپ میری نظر سے غائب اور دور ہیں خواہ ظاہراً بھی خواہ باطنا کہ کنایہ ہے بے توجہی سے میں آپ کو خدا تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں اور گو آپ نے میری جان کو فراق یا بے توجہی سے سوختہ کر دیا مگر میں آپ کو دل سے چاہتا ہوں اور محبت بھی اس درجہ کی ہے کہ مرتے دم تک اس محبت کو نہ چھوڑوں گا اور آپ کے متوجہ اور راضی کرنے کی جہاں تک بن سکے گا ہر طرح کی تدبیریں کروں گا حتیٰ کہ اگر فرضاً ہاروت کے پاس بابل میں جا کر سحر سیکھنا پڑے میں یہ بھی کروں گا (مقصود مبالغہ ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ اگر مرشد کی طرف سے کچھ بے اعتنائی و بے توجہی پیش آئے مسترشد کو چاہئے کہ اس کی محبت و اطاعت میں کمی نہ کرے) آگے توجہ کی درخواست ہے کہ ابرو جو مشابہ محراب کے ہے وہ دکھلا دیجئے یعنی میری طرف التفات کیجئے تا کہ کسی سحر گاہ کو تو یہ بات میسر ہو کہ دعاء کے لئے ہاتھ اٹھا کر آپ کی گردن میں ڈال لوں یعنی ثمرات توجہ سے متمتع ہوں (اور اس عنوان سے تعبیر کرنا بمناسبت محراب کے ہے) اور میری تو یہ خواہش ہے کہ آپ کے سامنے مر جاؤں یعنی آپ پر فدا ہو جاؤں پس میں ایسا عاشق ہوں تو ایسے عاشق کو بیماری میں تو پوچھ لیجئے کہ میں آپ کے انتظار میں ہوں مقصود وہی ہے کہ امراض باطنی میں مبتلا ہوں ذرا توجہ کیجئے اور طبیب کہا بوجہ حذاقت فی التکمیل کے اور بیوفا بوجہ بے توجہی کے آگے اپنی بیقراری کا طلب توجہ میں بیان ہے کہ میں نے تمام اطراف و نواحی میں

(انار طرف) یعنی لاکھوں ندیاں اشک چشم کی قائم کر رکھی ہیں صرف اسی امید پر کہ آپ کے دل میں ترحم پیدا ہو (کنار کی مناسبت جوی سے اور اس کی رعایت سے مہر کو تخم سے تعبیر کرنا ظاہر الدلالۃ ہے) آگے اس ہجر سے نجات پانے کی ایک تدبیر تجویز کرتے ہیں کہ میرا اہلاً لکل ہی کام تمام کر دیا جائے تا کہ اس ہجر سے نجات ہو میں ایسے غمزہ قتالہ کا جو خنجر کی طرح پار ہو جائے ممنوں ہوں گا۔ یہ یا تو محض اظہار تضجر ہے یا اشارہ اس طرف ہے کہ مجھ کو مقام فنا تک پہنچا دیجئے پھر ہجر سے اس لئے نجات ہو جائے گی کہ فراق فراق ہی معلوم نہ ہوگا کیونکہ جس کو فراق و بے توجہی سمجھ رہے ہیں وہ واقع میں تو فراق ہے نہیں بلکہ عین حکمت ہے صرف اس شخص کے اقتضائے طبع کے خلاف ہے سو غلبہ فناء سے مقتضیات طبع خود مغلوب ہو جائیں گے اس لئے وہ فراق فراق نہ معلوم ہوگا آگے توحید مطلب کا بیان ہے کہ باوجود آپ کی اس بے توجہی کے مجھ کو دوسری طرف التفات نہیں حتیٰ کہ اگر قلب یا چشم کسی طرف التفات کرے تو اس قلب اور چشم کو آگ لگادوں اور خاکستر کر کے آپ کے سامنے نکال کر رکھوں۔ آگے درخواست ہے کہ مجھ کو اتنا بار تو دیدیجئے کہ آپ کے سامنے اپنے سوز و گریہ کو دل کھول کر ظاہر کر لوں کہ یہ موجب ترحم ہونے کے علاوہ کسی قدر سرمایہ تسلی بھی ہے۔

اور مقطع کا شعر ممکن ہے کہ ساری غزل کے جواب میں بلسان مرشد ہو جس میں بے توجہی و عتاب کی علت اور پھر معذرت پر عفو کی بشارت بھی ہے اول کا بیان مصرعہ اول میں اور ثانی کا بیان مصرعہ ثانی میں ہے۔ یعنی اے حافظ تم بعض امور مثل اظہار سکر و شطح خلاف وضع درویشی کے کرتے ہو اس لئے معتوب کئے جاتے ہو کہ اصلاح ہو جائے۔ آگے کہتے ہیں کہ خیر چونکہ گاہ گاہ ایسا ہو جاتا ہے اس لئے چھوڑے دیتا ہوں اور معاف کئے دیتا ہوں فی الجملہ میں اشارہ اس طرف ہے کہ حتی الامکان ضبط کرنا ضروری ہے اور مغلوبیت میں معذوری ہے۔ اور ممکن ہے کہ حافظ درجہ نفس لوامہ میں یہ خطاب اپنے ہی کو کرتے ہوں اور فرو میگذارمت کا مطلب یہ ہوگا کہ ارتکاب معاصی میں جو سزا سالک اپنے نفس کو دیتا ہے وہ نہیں دیتا ہوں بوجہ عذر کے۔ اس میں اشارہ اس تعلیم کی طرف ہو جائے گا کہ اگر عذر قوی نہ ہو تو شطحیات پر سالک کو چاہئے کہ نفس پر عقوبت کرے۔

بجان خواجہ و حق قدیم و عہد درست	کہ مونس دم صبحم دعای دولت تست

یہاں خواجہ سے مراد خود مخاطب ہی ہے جیسے محاورات میں کہا جاتا ہے کہ سرکار نے ... قسم اب اس کی توجیہ کی حاجت نہ رہی کہ غیر اللہ کی قسم کیوں کھائی۔ اور جان سے مراد صفت حیوۃ ہے پس بجان خواجہ ترجمہ ہوا لعمر اللہ وحیوۃ اللہ کا اور حقوق الٰہیہ کا قدیم ہونا ظاہر ہے اور عہد درست سے مراد میثاق ربوبیۃ لینا بہتر ہے جو الست بربکم الآیہ میں مذکور ہے۔ یعنی میں کلام کو قسم سے مؤکد کر کے کہتا ہوں کہ صبح ہی اٹھتے آپ کی عظمت کا ذکر کرتا ہوں دعاء سے مراد ثنا ہونا پہلے مع توجیہ گزر چکا ہے۔

سرشک من کہ ز طوفان نوح دست ببرد	ز لوح سینہ نیارست نقش مہر توشست

قاعدہ ہے کہ پانی سے نقش خام ڈھل جاتا ہے اسی طرح آنسوؤں سے دل کا غبار نکل کر کیفیت قلبیہ ضعیف ہو جاتی ہے خصوص جب کثرت سے ہوں مگر کہتے ہیں کہ محبوب کا نقش محبت اس درجہ راسخ ہے کہ باوجود ان مقتضیات ضعف کے اس میں ضعف نہیں ہوا اور زطوفان نوح دست ببرد یہ مبالغہ شاعرانہ ہے اور حقیقت پر بھی اس اعتبار سے محمول کر سکتے ہیں کہ طوفان نوح تو موقوف ہو گیا تھا اور گریہ محبت جب تک جان میں جان ہے ختم ہی نہیں ہوتا پس خاص لاتقف عند حد ہونے کی حیثیت سے یہ اس سے فائق ہے۔

بکن معاملہ واین دل شکستہ بخر	کہ با شکستگی ارزو بصد ہزار درست

درست ضد شکستہ واشرفی ہر دو معنی صحیح می تواند شد۔ مطلب یہ کہ گو یہ دل شکستہ ہے مگر باوجود شکستگی کے بڑا قیمتی ہے کہ لاکھوں درست چیزوں کے یا لاکھوں اشرفیوں کے برابر ہے اس واسطے اس دل شکستہ کو خرید لو چونکہ حدیث میں انا عند المنکسرۃ قلوبھم اس لئے اگر خطاب محبوب حقیقی کو ہو تو بطور دعا کے کہتے ہیں کہ میرا قلب ایسا ہی ہے جو آپ کی پسند کے لائق ہے اس لئے آپ حسب وعدہ اس کو لے لیجئے کقول اللہ تعالیٰ ان اللہ اشتری الخ اور وعدہ کی بنا پر دعا کرنا قرآن میں بھی وارد ہے ربنا واٰتنا ماوعدتنا الخ اور اس میں اپنی مدح و قابلیت مقبولیت کا دعویٰ لازم نہیں آتا بلکہ اظہار ہے امتثال وانقیاد کا کہ آپ

کے امر کے موافق شکستہ کرلیا ہے اب آپ قبول فرمائیے۔

کقوله تعالی ربنا اننا سمعنا منادیا ینادی للایمان ان اٰمنوا بربکم فاٰمنا ربنا فاغفرلنا ذنوبنا الآیة.

شدم زعشق تو شیدائی کوہ ودشت وہنوز	نمی کنی بترحم نطاق سلسلہ ست

نطاق کمر بند وگھنڈی کذا فی البدر۔ مطلب ظاہر ہے کہ اب تک باوجودیکہ میں نے بہت سی مصیبتیں عشق کی اٹھائیں مگر تو نے رحم نہ کیا اور زنجیر کا بند ڈھیلا نہ کیا۔ اگر محبوب حقیقی مخاطب ہو تو مقصود شکایت نہ ہوگی بلکہ محض تضجر اپنے عجز کی وجہ سے اور ترحم سے مراد مطلق ترحم نہ ہوگا بلکہ ترحم خاص ہوگا جو صاحب قبض کو حالت قبض میں مطلوب ہوتا ہے جس کا حاصل بسط ہے گو عند اللہ اس کی مصلحت کے اعتبار سے حالت موجودہ میں ترحم ہو وهذه الارادة للترحم الخاص کارادته فی قوله تعالی. ولو لافضل الله علیکم ورحمته لاتبعتم الشیطان الاقلیلا فافهم.

ملامتم بخرابی مکن کہ مرشد عشق	حوالتم بخرابات کرد روز نخست

مرشد بمعنی ہادی مراد اللہ تعالیٰ۔ یعنی یوم القادیر میں یا اعیان ثابتہ میں میری استعداد کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے میری تربیت کے لئے کیفیت عشقیہ تجویز فرمائی ہے جس کے لئے خرابی بمعنی وارفتگی وشورش لازم ہے پس اے وہ شخص جو یہ مذاق نہیں رکھتا تو اس پر مجھ کو ملامت مت کر۔

دلا طمع مبراز لطف بے نہایت دوست	چولاف عشق زدی سرباز چابک وچست

یعنی جب طریق عشق میں قدم رکھا ہے تو سربازی وجان نثاری سے اندیشہ مت کرو اور اس کے صلہ میں لطف غیر متناہی کے امیدوار ہو کہ فنا کے بعد بقاء موعود لازم ہے۔

زبان مور برآصف دراز گشت ازان	کہ خواجہ خاتم جم یاوہ کردو باز نجست

بعض نسخوں میں یہ شعر نہیں ہے اور نہ ہونا ہی زیادہ مناسب ہے کیونکہ توجیہ اس کی محتاج تکلف بعید ہے کیونکہ ظاہر عنوان اس کا موہم ہے کہ کسی قصہ کی طرف اشارہ ہو جس میں آصف نے سلیمان علیہ السلام کی انگشتری گم کردی ہو مگر کوئی قصہ اس کا منقول نہیں البتہ اس اشارہ سے قطع نظر کر کے اگر مور سے مراد مطلق شخص ضعیف لیا جائے اور آصف سے مراد

خلیفۃ اللہ انسان اور جم سے مراد مستخلف یعنی حق تعالیٰ اور انگشتری سے مراد قلب جو ودیعت ہے حق تعالیٰ کی انسان کے پاس اور محل ہے تجلی اسماء الٰہیہ کا کہ ہر اسم ان میں اعظم ہے۔ اور ریا دہ کردن سے مراد اضاعت حق لیا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ بعضے مخلوق جو کہ باعتبار نوع کے رتبہ میں انسان سے مفضول ہیں جیسے ملائکہ یا آسمان وزمین جو کہ اعمال سیئہ انسانیہ کی گواہی دیں گے اور بعضے ملامت بھی کریں گے سو ان مفضولوں کی ملامت وغیرہ اس افضل المخلوقات پر محض اس لئے ہے کہ اس نے قلب کی استعداد ضائع کر دی اور اس سے کام نہ لیا ورنہ مفضول کی کیا مجال تھی افضل پر اطالت لسان کی اور نوع کی قید اس لئے لگائی کہ باعتبار شخصیہ کے تو اکثر ملائکہ اکثر انسانوں سے افضل ہیں۔

بصدق کوش کہ خورشید زائد از نفست	کہ از دروغ سیہ روی گشت صبح نخست

اس میں حسن التعلیل کے طور پر استدلال ہے اس پر کہ صدق کا خاصہ ہے نور کا پیدا ہونا مثال اس کی صبح صادق دیکھ لو اور کذب کا خاصہ ہے ظلمت کا پیدا ہونا مثال اس کی صبح اولین یعنی صبح کاذب ہے۔ اور مراد صدق سے صدق معاملہ مع اللہ ہے اور کذب سے مراد سوء معاملہ مع اللہ۔

مرنج حافظ واز دل بران وفا کم جوی	گناہ باغ چہ باشد چو این گیاہ نرست

دلبران سے مراد دلبران مجازی اس میں قطع تعلق عما سوی اللہ کے لئے ارشاد ہے خواہ تعلق حب کا ہو یا تعلق رنج کا اور دوسرا مصرعہ مرنج کی دلیل ہے۔ مصرعہ اول کا خلاصہ تعلیم ہے رضا وزہد کی اور مصرعہ ثانیہ تعلیم ہے ایک مسئلہ حقیقت کی۔ حاصل یہ ہوا کہ ماسوی اللہ سے کوئی تعلق نہ رکھو نہ تو وفا کی توقع وطمع کرو اور نہ اس توقع کے خلاف ہونے سے رنج کرو غرض ادھر التفات ہی نہ کرو اور یہ سمجھو کہ ان کی استعداد مقدر کا یہی مقتضا ہے سو استعداد پر نظر کر کے ان کے گنہگار ہونے پر بھی نظر مت کرو اس کی ایسی مثال ہے کہ کسی باغ میں گھاس نہ جمے تو باغ کی کیا خطا اس سرزمین کی استعداد ہی ایسی ہوگی اس کا یہ مطلب نہیں کہ ترک وفا کی واجب میں جو کہ فعل مکتسب ہے گناہ نہیں ہوتا بلکہ مقصود یہ ہے کہ جس مرتبہ میں ان کو گناہ ہوتا ہے تم اس پر خیال ہی نہ کرو کیونکہ سالک مغلوب المحبت ومشغول الذکر کو اس پر خیال کرنا اپنے کام

سے معطل ہو جانا ہے اور وہ مرتبہ جس میں گناہ کا حکم کیا جاتا ہے مرتبہ شریعت کا ہے سو دوسرے کی مذمت یا اصلاح کے لئے اس پر نظر کرنا کام اہل فتویٰ و مشائخ کا ہے نہ کہ ذاکرین تارکین کا بلکہ اس شخص کو چاہئے کہ نظر حقیقت پر کر کے اس فعل کو مقدر سمجھ کر اس سے بے التفات ہو جائے جیسا فرمایا گیا ہے۔ از خدادان خلاف دشمن و دوست۔ اور کہا گیا ہے

؎ چون بہ بے رنگی رسی کان داشتی	موسیٰ و فرعون و دارند آشتی

اور بعض نسخوں میں مصرع ثانی اس طرح ہے۔ گیاہ باغ چہ باشد انخ اس میں اقتاط کلی ہے یعنی جب دلبران مجازی میں عہد کر کے بھی وفا نہیں جو کہ امر واجب تھا تو ان سے ابتداء لطف و کرم کی کیا توقع ہے جو کہ محض مندوب ہے کیونکہ تارک واجب سے فعل مندوب کی جو کہ اس سے بھی اشق ہو کیا امید ہے اور اس کی مثال میں فرماتے ہیں کہ جب اس سرزمین کی ایسی استعداد خراب ہے کہ اس میں معمولی گیاہ بھی نہیں جمتی تو گیاہ باغ جمنے کی تو کیا توقع ہے کہ اس کے لئے تو زیادہ لطافت کی ضرورت ہے۔ گیاہ باغ سے مراد پھول پھلواری اور ترکاری جو عمدہ زمین میں لگائی جاتی ہے کیونکہ معمولی گھاس تو ویسے بھی جم آتی ہے جب زمین ایسی شور ہو کہ اس کے قابل بھی نہ ہو تو گل و لالہ کے قابل تو کب ہوگی۔

غزل

خلوت گزیدہ را بہ تماشا چہ حاجت است	چون کوی دوست ہست بصحرا چہ حاجت است

ترجمہ ظاہر ہے اور مقصود اس سے ارشاد ہے تارکان تعلق کو کہ التفات الی الکثرۃ نہ چاہئے اور اس بے التفاتی کے لئے اس کی ضرورت نہیں کہ بستی چھوڑ کر جنگل میں جا کر رہے بلکہ محض توجہ الی الحق بلاشرکت کافی ہے گو ظاہرا جماعت میں ہو جس کو خلوت در انجمن کہتے ہیں تنبیہ۔ البتہ اگر کسی کو بدون اختلاط ترک کئے ہوئے تشتت رفع نہ ہو تو اس کے لئے اس کے اہتمام کی بھی ضرورت ہے۔

جانا بحاجتے کہ تراہست باخدای	آخر دمے بپرس کہ مارا چہ حاجت ست

ترجمہ ظاہر ہے۔ ممکن ہے کہ مخاطب اس کا مرشد ہو یعنی گو آپ صاحب کمال ہیں مگر

حق تعالیٰ سے تو آپ کو بھی ہر وقت احتیاج ہے اس پر نظر کر کے میری احتیاج کا بھی لحاظ اور اس کا تفقد ضروری ہے۔ یہ خطاب ایسے وقت ہو سکتا ہے جب مسترشد کو مرشد کے استغناء کا وہم غالب ہو جائے اور اسی غلبہ کی بنا پر یہ بیباکی کا عنوان بھی معاف ہے۔

ای بادشاہ حسن خدارا بسوختیم	باری سوال کن کہ گدارا چہ حاجت ست

اسہل واقرب یہ ہے کہ یہ بھی خطاب مرشد کو ہو اور حسن سے مراد حسن باطنی ہو۔ یعنی میں آپ کے استغناء سے سوختہ ہو گیا اب تو تفقد احتیاج ضروری ہے۔

ارباب حاجتیم وزبان سوال نیست	در حضرت کریم تمنا چہ حاجت ست

اس میں اشارہ ہے اس حال کی طرف جس کے غلبہ میں دعا متروک ہو جاتی ہے اور حاصل اس کا دو امر کا غلبہ ہے۔ ایک حق تعالیٰ کی صفت علیہ کے انکشاف واستحضار کا کہ اس کے اقتضاء سے اظہار حاجت بے سود نظر آتا ہے۔ دوسرے اپنی ناکارگی ونااہلی کے مشاہدہ کا کہ اس کے اقتضاء سے زبان کھولتے ہوئے شرم آتی ہے کما قیل۔ احب مناجاة الحبیب باوجه + ولکن لسان المذنبین کلیل + زبان سوال نیست بمعنی زبان لائق سوال نیست اشارہ ہے امر ثانی کی طرف اور مصرعہ ثانیہ اشارہ ہے امر اول کی طرف اور یہ حال گو محمود ہے لیکن کمال مقصود یہ ہے کہ اس پر بھی دعا کرے اور راز اس کا یہ ہوتا ہے کہ صاحب کمال کی نظر میں ان دونوں امروں کے ساتھ ایک تیسرا امر یہ بھی ہوتا ہے کہ باوجود اس کے حق تعالیٰ کا امر ہے دعا کے لئے اگر حکمت بھی اس کی منکشف نہ ہو تب بھی غلبہ انقیاد و اطاعت یہی دعا کے لئے محرک کافی ہے اور اگر حکمت بھی منکشف ہو جائے تو اور بصیرت بڑھ جاتی ہے اور وہ حکمت اظہار انکسار وافتقار ہے جو کہ عبدیت کا شعبہ عظیمہ ہے چنانچہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا مسلک دعا ہی رہا ہے اور حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جو جواب حسبی عن سوالی علمه بحالی مشہور ہے یا تو وہ روایت تاریخیہ ثابت نہیں اور یا بعد فرض ثبوت یوں کہا جائے کہ اس وقت آپ کو بالتخصیص کسی حکمت کی وجہ سے اسی کا امر جزئی ہوا ہوگا پس نصاً یہ اس سے مستثنیٰ ہو گیا ولا کلام فی الخصوص نصاً۔

جام جہان نماست ضمیر منیر دوست	اظہار احتیاج خود آنجا چہ حاجت ست

اس میں بھی باختلاف عنوان وہی مضمون ہے جو اس سے پہلے والے شعر میں گزرا اور جام جہان نما تعبیر ہے صفت علمیہ سے ۔

آن شد کہ بار منت ملاح بردمی	گوہر چو دست داد بدریا چہ حاجت ست

شراح نے غضب کیا ہے کہ ملاح سے مراد مرشد لیا ہے اور تقریر کی ہے کہ بعد وصول الی اللہ کے مرشد کی احتیاج نہیں رہتی اور گو یہ امر بہ تفصیل وشرح خاص صحیح ہے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ ادب مرشد کی پھر بھی حاجت رہتی ہے ورنہ سب حال وکمال سلب ہو جاتا ہے اور ادب کے اقتضاء سے مسترشد باوجود استغناء کے دعویٰ استغناء کا نہیں کر سکتا کہ یہ دعویٰ سخت بے ادبی ہے پھر بے ادبی کے ساتھ خود وہ گوہر بھی فوت ہو جائے گا تو کلام بے معنی ہو جائے گا اس لئے احقر کے مذاق میں مراد دریا سے علوم استدلالیہ ہیں جن میں خوض کر کے گوہر حقیقت تک رسائی ہوتی ہے اور ملاح سے مراد اہل استدلال ہیں مطلب صاف ہے کہ جب حقیقۃ مطلوبہ ذوقاً و مشاہدۃً حاصل ہوگئی اب استدلال واہل استدلال کی کوئی حاجت نہیں رہی۔ فافہم حق الفہم ۔

ای مدعی برو کہ مرا باتو کار نیست	احباب حاضرند باعدا چہ حاجت ست

اس میں تعلیم ہے اعراض عن المخاصمۃ کی اور ترک صحبت ناجنس کی اور اکتفاء علی صحبۃ الاخوان کی چنانچہ ظاہر ہے

محتاج جنگ نیست گرت قصد خون ماست	چون رخت از آن تست بیغما چہ حاجت ست

ضمیر در نیست راجع بہ جان گرفتن کہ مفہوم ست از قول او گرت قصد خون ماست یعنی جو متاع کا مالک ہو اس کو لوٹ مار کی کیا ضرورت ہے وہ ویسے بھی تو لے سکتا ہے تو اگر میری جان لینا ہے تو جنگ اور تکلیف دینے کی کیا حاجت ہے جان لے لیجئے۔ سالک پر جو تجلی جلالی ہوتی ہے بعض اوقات اس سے تنگ ہو جاتا ہے تو ایسے کلام کا صدور طبعاً مستبعد نہیں گو یہ حقیقت کے اس لئے خلاف ہے کہ ممکن ہے کہ کوئی خاص مصلحت اسی خاص تجلی میں ہو مگر غلبہ حال کی وجہ سے اس کلام میں معذور ہوگا۔

ای عاشق گدا چو لب روح بخش یار	میداندت وظیفہ تقاضا چہ حاجت ست

اس میں بیان ہے کہ کرم محبوب کا اور تسلی ہے طالب کی یا اپنے دل کی اور ت مضاف الیہ وظیفہ کا ہے یعنی تیرا روزینہ معمولہ محبوب کو معلوم ہے تقاضا کی ضرورت نہیں اور دانستن اسناد لب کی طرف یا تو اس لئے ہے کہ وہ روزینہ خود لب میں ہے جو بوسہ ہے یعنی لطف۔ اور یا اس لئے کہ روزینہ کے لئے حکم لب ہی سے صادر ہوا کرتا ہے۔ اور اس کا حاصل بھی وہی ہے جو دو شعر بالا کا تھا یعنی ارباب حاجتیم الخ اور جام جہان نما الخ۔

حافظ تو ختم کن کہ ہنر خود عیان شود	با مدعی نزاع و محابا چہ حاجت ست

اس میں تعلیم ہے اہل حق کو اہل باطل سے کلخپ نہ ہونے کی یعنی تم بات کو ختم کرو مراد بات سے حق بات ہے اس میں اشارہ ہو گیا کہ حق کا اظہار تو کر دیا جائے مگر اس کو ظاہر کر کے کلام کو ختم کر دیا جائے اور ہنر سے مراد اپنا کوئی کمال نہیں بلکہ امر حق مراد ہے حاصل یہ کہ امر حق خود ظاہر ہو جاتا ہے خواہ دنیا ہی میں آثار و برکات سے کما قیل الحق یعلو ولا یعلی اور یا آخرت میں مرنے کے بعد پس کسی سے نزاع و تکرار کی جبکہ وہ محض بے سود ہے کیا ضرورت ہے۔

غزل

خوشتر ز عیش و صحبت و باغ و بہار چیست	ساقی کجاست گو سبب انتظار چیست

قاعدہ ہے کہ جب عیش ہو اور ہم جنسوں کی صحبت ہو اور باغ میں بیٹھے ہوں اور موسم بہار ہو اس وقت اہل نشاط شراب پیا کرتے ہیں اور ساقی سے اس کی درخواست کیا کرتے ہیں پس یہ کلام بطور تمثیل کے ہے کہ جب شراب محبت کا موقع میسر ہے یعنی طالب کو فرصت بھی ہے قوت بھی ہے تو مرشد سے درخواست کرنا چاہیئے کہ وہ توجہ و تعلیم طریق محبت و معرفت میں توقف نہ فرمائیں اور تقاضا کر کے اس میں مشغول ہونا چاہیئے۔

بمعنی آب زندگی و روضۂ ارم	جز طرف جویبار و مئے خوشگوار چیست

یہاں آب زندگی اور روضہ ارم سے مراد بہشت اور اس کی نعمتیں نہیں کہ اس مراد لینے میں نفی یا تحقیر ان کی لازم آتی ہے وہما باطلان بلکہ مطلب یہ ہے کہ آب حیات جو مشہور ہے

جیسا کہ بعض روایات غیر مرفوعہ سے اس کا وجود ثابت ہوتا ہے اور اسی طرح روضۂ ارم جو عوام کی زبان زد ہے کہ شداد نے بنایا تھا جس کا کسی دلیل صحیح سے وجود ثابت نہیں یہ دونوں چیزیں زیادہ رغبت کے قابل نہیں بلکہ حقیقی آب حیات اور حقیقی روضہ ارم جو قابل تحصیل ہے مجلس اہل اللہ کی جس کو طرف جویبار کہہ دیا جو موقع ہوتا ہے شراب پینے کا اور محبت الٰہیہ ہے جس کو مۓ خوشگوار سے تعبیر کر دیا۔

ہر وقت خوش کہ دست دہد مغتنم شمار	کس را وقوف نیست کہ انجام کار چیست

یعنی ذکر و طاعت کے لئے جو حصہ عمر کا مل جائے غنیمت سمجھو شاید انجام کار میں یہ فرصت نہ ملے کما فی الحدیث اغتنم خمسا قبل خمس۔ اور انجام سے مراد احتمال سوء خاتمہ نہیں ہے کہ اس صورت میں یہ حکم سابق کی علت نہ بن سکے گا۔

پیوند عمر بستہ بموئے ست ہوشدار	غمخوار خویش باش غم روزگار چیست

بموبستہ بودن کنایہ از بے ثباتی۔ مطلب ظاہر ہے کہ دوسروں کی فکر میں کیوں لگے اپنی فکر کرو کہ عمر کا کچھ اعتبار نہیں کبھی یوں ہی ختم نہ ہو جائے اور دوسروں کی فکر سے جو ممانعت کی اگر مراد اس سے فکر فضول یا فکر معصیت مثل آزار رسانی و غیبت و اعتراض وغیرہ ہے تب تو ظاہر ہے اور اگر فکر راحت رسانی و خیر خواہی ہے تو بھی شاغل غیر صاحب تمکین کو مضر و مشوش قلب ہے البتہ جو فرد اس کی واجب ہے وہ خود شغل موجب قرب ہے اور مستثنیٰ ہے۔

رازِ درونِ پردہ زرندان مست پرس	ای مدعی نزاع تو با پردہ دار چیست

راز درون پردہ راز باطنی۔ و مدعی مراد ظاہر پرست یعنی جو اسرار باطنہ متعلق مشاہدہ و ذوق و وجدان کے ہیں ان کی خبر اہل حال ہی کو ہوتی ہے اہل ظاہر کا انکار کرنا اور ان سے الجھنا محض لغو حرکت ہے البتہ اگر سمجھ میں نہ آئے نہ تصدیق کرے نہ تکذیب کرے ہاں اگر دلیل شرعی یا دلیل عقلی قطعی کے خلاف ہو تو اعتقاد اس دلیل کے موافق رکھے اور اہل حال کے کلام کو منصرف عن الظاہر سمجھے گو توجیہ انصراف کی بالتعیین سمجھ میں نہ آئے لیکن اگر وہ شخص خود علامات صدق سے عاری ہے تو اس پر انکار واجب ہے اور علامات ملفوظات اکابر میں مذکور ہیں۔

مستور و مست ہر دو چو از یک قبیلہ اند	مادل بعشوہ کہ دہیم اختیار چیست

مستور آنکہ بروے سلوک غالب باشد و مست آنکہ برو جذب غالب باشد۔ مطلب یہ کہ دونوں قسم کے شیوخ و عرفاء ایصال الی اللہ میں مشترک ہیں پھر علماً یا عملاً ہم کس کو ترجیح دیں کہ ایک کو افضل سمجھیں یا ایک سے فیوض لیں ہمارا کچھ اختیار نہیں جہاں حق تعالیٰ کو نفع دینا مقصود ہوگا ادھر ہی مناسبت اضطراریہ پیدا ہو جائے گی اور نفع حسب استعداد حاصل ہو جائے گا گو اشارہ اس طرف ہے کہ طالبین کو ان ترجیحات و تفضیلات میں مشغول نہ ہونا چاہئے جیسا اکثر بو الفضول ایسے مباحث میں رہتے ہیں اور کام کچھ بھی نہیں کرتے۔

سہو خطای بندہ چو گیرند اعتبار	معنی عفو و رحمت پروردگار چیست

سہو خطا سے مراد اگر معنی متبادر ہوں تب تو کچھ اشکال ہی نہیں خود نص موجود ہے رفع عن امتی الخطاء والنسیان اور اگر کنایہ مطلق ذنوب سے لیا جائے تو مراد نفی مطلق اعتبار کی نہیں لانہ خلاف النص بلکہ اعتبار بمعنی موثریت تامہ کی نفی ہے جیسا معتزلہ کا مذہب ہے کہ ذنوب پر تعذیب ضروری ہے اور عفو ممتنع ہے پس اس کا رد مقصود ہے۔ اور اصل فساد ان کے مذہب میں عقل کے حاکم مستقل ماننے سے پیدا ہوا ہے پس اس شعر میں تعلیم ہوگی تصحیح عقائد کی جو کہ شرائط سلوک سے ہے اور ساتھ ہی ساتھ تقویت رجاء بھی ہے جو کہ اخلاق مفروضہ و مقامات مہمہ سے ہے۔

زاہد شراب کوثر و حافظ پیالہ خواست	تا در میانہ خواستۂ کردگار چیست

مطلب یہ نہیں کہ ان میں ایک موصل ہے ایک غیر موصل بلکہ موصل تو دونوں ہیں کیونکہ کوثر سے مراد طریق ابرار اور پیالہ سے مراد طریق عشاق ہے پس مطلب یہ ہے کہ ہر شخص اپنے مذاق کے موافق ایک طریق وصول کا تجویز کرتا ہے مگر یہ خدا ہی کو معلوم ہے کہ تربیت کس طریق سے مناسب ہوگی۔

غزل

ماہم این ہفتہ شد از شہر و بچشمم سالی ست	حال ہجران تو چہ دانی کہ چہ مشکل حالی ست

اگر عشق حقیقی کے متعلق اس شعر کو کہا جائے تو محمول ہوگا حالت قبض و استتار تجلیات و

انقطاع واردات پر اور شہر کنایہ ہوگا قلب سے اور دانی میں خطاب ہوگا منکر ومعترض کو حاصل معنی یہ ہوگا کہ پریشانی ہجر کے غلبہ میں جو کچھ اقوال یا افعال حد عقل سے خارج مجھ سے سرزد ہو گئے منکر کیا اعتراض کرتا ہے اس کو کیا معلوم کہ حالت ہجر کیسی اصعب حالت ہے میں چونکہ آج کل مبتلائے ہجر ہوں اس لئے پریشان ہوں منکر پر یہ حالت گزری نہیں وہ کیا جانے۔

مردم دیدہ زلطف رخ او در رخ او	عکس خود دید گمان کرد کہ مشکین خالی ست

ترجمہ لفظیہ کی تقریر یہ ہے کہ محبوب کا رخ ایسا روشن اور تابان ہے کہ اس رخ کی رخشانی اور تابانی کی وجہ سے جو اس رخ میں پتلی کا عکس پڑا تو اپنا عکس اس میں دیکھ کر اس عکس کی نسبت یہ سمجھا کہ یہ اسی رخ پر مشکین خال ہے۔ اور بلسان اشارت مردم دیدہ کنایہ ہے مکاشف سے بمناسبت صفت رویت کے اور رخ سے مراد ذات حق اس لئے کہ رخ ترجمہ ہے وجہ کا اور وجہ کی تفسیر ذات ہے اور ذات کا لطیف وجمیل ہونا ظاہر ہے اور عکس سے مراد وجود ظلی جو ممکنات کو حاصل ہے اور یہ امر معلوم ومسلم ہے کہ مبدأ ظہور جمیع اشیاء کا کہ موجود بوجود ظلی ہیں ذات حق ہے اس مبدائیت وسببیت کی مناسبت سے مجازاً ذات کو محل انعکاس صور قرار دے کر در رخ کہہ دیا کیونکہ آئینہ بھی بعض مراتب خاصہ ظہور کا مبدأ وسبب ہوتا ہے اور مشکین خال سے مراد صفات متعلقہ بذات حق ہیں جیسا خال متعلقات خاصہ رخ سے ہوتا ہے۔ حاصل یہ ہوا کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ غلبہ حال یا اثر اشغال سے مکاشف اپنے لطائف روح وغیرہ کے انوار مشاہدہ کرتا ہے اور ان کو براہ غلط انوار حق سمجھتا ہے اور ہر چند کہ دوسرے مکونات ملکوتیہ کے بارہ میں بھی ایسی غلطی ہوتی ہے لیکن انسان چونکہ اشرف المخلوقات ہے اور اس کی روح ودیگر بعض لطائف کو کہ ذاتاً یا اعتباراً مع اختلاف الاقوال مغائر روح ہیں ذات حق تعالیٰ سے بوجہ تشابہ بعض صفات مثل اطلاق وتجرد وتنزہ عن قید الہیولی کے مناسبت زائد ہے اس لئے ایسی غلطی ان کے بارہ میں زیادہ اور اکثر ہوتی ہے اور اسی لئے مصرعہ ثانیہ میں عکس خود دید میں اس کی تخصیص کی پس وجہ اس غلطی کی بیان فرماتے ہیں کہ ذات حق مبدأ ظہور ہے ان مرئیات کا اور اس مبدائیت کے سبب ربط خاص ومناسبت خاصہ ہے درمیان ذات اور ان مرئیات کے پس بعض احیان میں اس مناسبت کا انکشاف غالب اور تغائر

...جانب مغلوب بوجہ شدت سکر یا قلت علم کے ہو کر انکی ناطقی ہو جاتی ہے ...
...جود قدیم سمجھتا ہے اور وہ وجود ظلی ہوتا ہے۔ پس اس میں تنبیہ ہے سالک کی ناطقی ...
...نہ ہو جائے جیسا بایزیدؒ کا قول مشہور ہے کہ تیس برس تک روح پر دھوکہ حق کا رہا۔

ایکہ انگشت نمائی بکرم در ہمہ شہر	کہ درکار غریبان عجبت اہمالی ست

سہل یہ ہے کہ مرشد کو مخاطب کہا جائے کسی قرینہ سے اس پر گمان کم التفاتی کا ہو گیا کما مرّ فی توجیہ شرح الاشعار الحدیدۃ غیر مرۃ۔

میچکد شیر ہنوز از لب ہمچون شکرش	گرچہ در عشوہ گری ہر مژہ اش قتالی ست

ترجمہ لفظی کا حاصل یہ ہے کہ اگر چہ فن عشوہ گری میں اس کی ہر مژہ قتال ہے لیکن ابھی وہ کم سن ہے کہ اس کے لب سے ہنوز دودھ ٹپک رہا ہے یعنی گویا دودھ بھی نہیں چھٹا خلاصہ یہ کہ کم عمری ہی میں غضب اور ستم ڈھا رہا ہے اور بلسان اشارت مصرع اولی اشارہ ہو سکتا ہے صفات جمال کی طرف اور مصرعہ ثانیہ صفات جلال کی طرف یعنی گو قاہر ہے مگر لطیف بھی ہے پس سالک کو ظہور صفات جلال کے وقت رجاء منقطع نہ کرنا چاہئے اور یہ تعبیر خاص میچکد شیر الخ اشارہ ہو سکتا ہے شان الآن کما کان کی طرف کہ اس میں تغیر محال ہے۔

بعد از نیم نبود شائبہ در جوہر فرد	کہ دہان تو درین نکتہ خوش استدلالی ست

مدلول لفظی ظاہر ہے کہ دہن کا غایت کو چک ہونا بیان کرتے ہیں کہ منقسم بھی نہیں جس سے جوہر فرد کے وجود پر استدلال ہو سکتا ہے۔ اور بلسان اشارت وہاں سے مراد کلام نفسی ہو سکتی ہے اور حاصل یہ ہو سکتا ہے کہ جب دلائل حقہ سے وجود کلام نفسی کا جو کہ ایک صفت بسیطہ غیر متجزیہ ہے ثابت ہے باوجود اس کے وہ مبدأ کلام لفظی منجزی کا ہے پس اسی طرح اگر جوہر فرد بسیط مبدأ ہو جائے جسم مرکب کا تو کیا بعید ہے گو دونوں مبدائیت میں تفاوت ہو کہ ایک جگہ سببیۃ و سببیۃ کے طور پر ہے اور ایک جگہ جزو اور کل کے طور پر۔ پس یہ استدلال ہے ایک نظیر سے دوسری نظیر پر بطور تمثیل کے اور گو ظاہراً صفت کلام سے اثبات کرتے ہیں جوہر فرد کا مگر قصداً جوہر فرد سے اثبات کرتے ہیں صفت کلام کا مبالغۃً قلب کر دیا کما قالوا

فی قولہ تعالی انما البیع مثل الربوا۔ پس مقصود شعر ہذا سے رد ہے حکماء و معتزلہ پر اور احقاق ہے اہل سنت و جماعت کا اور اس میں تعلیم ہے سالک کی کہ عقائد اہل سنت کے اختیار کرے کہ شرط اول ہے وصول الی المقصود کی۔ واللہ اعلم باسرار عبادہ۔

مژدہ دادند کہ بر ما گذرے خواہی کرد	نیت خیر مگردان کہ مبارک فالی ست

مدلول لفظی ظاہر ہے اور بلسان اشارت یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ آثار لطف سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم پر عنایت و رحمت کی جائے گی تو اس ارادہ کو بدلئے گا نہیں اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ارادہ قدیمہ بدلا جاتا ہے بلکہ اصل یہ ہے کہ تعلق ارادہ کا کہ حادث ہے مشروط ہوتا ہے بعض شرائط کے ساتھ اور حادث میں تبدیل ممکن ہے مثلاً کسی نے اطاعت کی اس کے ساتھ ارادۂ رحمت کا تعلق ہو گیا کسی نے معصیت کی اس کے ساتھ ارادہ غضب کا متعلق ہو گیا اسی طرح عمر بھر ہوتا رہتا ہے پھر خاتمہ ایک پر ہو جاتا ہے تو واقع میں صفت میں تبدیلی نہیں ہوئی بلکہ عبد کی حالت میں ہوئی کہ اس پر فعل حق میں کہ حادث ہے تبدیلی ہوئی پس مطلب یہ ہوا کہ ہماری مدد فرما کہ ہماری حالت متغیر نہ ہو جس سے آپ اپنا فعل بدل دیں کما قال تعالے ربنا واتنا ماوعدتنا علی رسلک ولا تخزنا یوم القیامۃ انک لا تخلف المیعاد ای اجعلنا اھلا لوعدک لا ان خلف الوعد محتمل تعالی عن ذلک۔

کوہ اندوہ فراقت بچہ حیلت بکشد	حافظ خستہ کہ از نالہ تنش چون نالیست

نال انچہ باریشہ از میان قلم وقت تراشیدن برآید کذا فی الحاشیہ مقصود بیان کرنا اپنی عجز و درماندگی کا ہے جلب ترحم کے لئے وہذا کقولہ تعالیٰ ربنا ولا تحملنا مالا طاقۃ لنا بہ۔ اور اس میں تعلیم ہے التجا و تضرع و استمداد و استعانت کی اور نہی ہے استبداد و دعوی و وثوق علی العمل والنفس سے۔ فقط

غزل

صحن بستان ذوق بخش و صحبت یاران خوش ست	وقت گل خوش باد کزوی وقت میخواران خوش ست
از صبا ہر دم مشام جان ما خوش می شود	آری آری طیب انفاس ہواداران خوش ست

یہ اشعار حالت بسط کے معلوم ہوتے ہیں۔ صحن بستان سے مراد قلب کہ منبت و محل واردات کا ہے اور گل سے مراد وارد کہ سبب ہے بسط کا۔ اور یاران سے مراد اپنے ہم مشرب و ہم طریقہ اصحاب ہیں کی صحبت سے حالت بسط میں بسط کو ترقی ہوتی ہے اور دعا دینا گل کو مجاز ہے طلب ترقی واردات ہے۔ اور صبا سے مراد مرشد۔ اور طیب انفاس ہواداران سے مراد کلمات طیبہ ملفوظات مشائخ دمرمین کے جن سے روح میں فرحت اور وارد میں قوت ہوتی ہے اب سب مطلب ظاہر ہے۔

ناکشودہ گل نقاب آہنگ رحلت ساز کرد	نالہ کن بلبل کہ گلبانگ دل افگاران خوش ست

یہ شعر قبض بعد البسط پر منطبق ہوسکتا ہے یعنی ابھی بسط اپنے کمال کو بھی نہ پہنچا تھا کہ زوال پذیر ہونے لگا عاشق کو نالہ وزاری کرنا چاہئے کہ خستہ دلوں کی فریاد نافع ہے کہ زاری دلیل شکستگی ہے جو فی نفسہ حالت محمودہ ہے اور نیز بعض اقسام قبض تضرع والتجا سے زائل ہوجاتے ہیں۔

مرغ شبخوان رابشارت باد کاندر راہ عشق	دوست رابانالۂ شب ہای بیداران خوش ست

شعر بالا کے مصرعہ ثانیہ کا جو حاصل ہے وہی حاصل ہے اس تمام شعر کا۔ اور مرغ شبخوان سے مراد عاشق شبخیز۔

گرچہ در بازار دہر از خوش دلی جز نام نیست	شیوۂ رندی وخوش باشی عیاران خوش ست
از زبان سوسن این آوازہ ام آمد بگوش	کاندرین دیر کہن کار سبکساران خوش ست
حافظا ترک جہان گفتن طریق خوش دلی ست	تانہ پنداری کہ احوال جہانداران خوش ست

ان سب اشعار کا حاصل ایک ہی ہے کہ عالم میں اگر کسی کو حیات طیبہ وحلاوت روحانی میسر ہے تو صرف آزاد عشاق کو جو ماسوی اللہ سے قطع تعلق کر چکے ہیں اور اثقال واحمال تعلقات سے سبک ہو چکے ہیں ورنہ امراء وغیرہ کو خوشدلی محض نام ہی کی ہے۔ اور سوسن کی تخصیص اس لئے کہ اس کی شکل زبان کی سی ہوتی ہے اور آزاد کہلاتا ہے۔

در دیر مغان آمد یارم قدحے در دست	مست از مئی میخواران از نرگس مستش ست

قدحے در دست کنایہ از ساقی ومفیض بودن۔ دست از مئی کنایہ از مستغنی بسبب صفت کبریا و مست بودن میخواران از نرگس مست کنایہ از طربان بیخودی از تجلی ذات غنی او۔ غالباً

یہ شعر حالت بسط کا ہے یعنی میرے محبوب نے اس صفت کے ساتھ مجھ پر تجلی فرمائی اور میں اس وقت محو ہو گیا جیسا کہ میخوار اس حالت میں محو ہو جاتے ہیں اور وجہ اس کی یہ ہوتی ہے کہ وارد جدید جب قلب پر آتا ہے قلب کو ایک گونہ حیرت ہوتی ہے یہ بھی ایک درجہ محویت کا ہے۔ اور مست ازمی میں اشارہ اس طرف کر دیا کہ تجلی بسط کی احتیاج متجلی کی وجہ سے نہیں ہوتی بلکہ تربیت متجلی علیہ کے لئے ہوتی ہے اس میں تعلیم ہے اس مسئلہ کی کہ لطف کا منشا احتیاج رب نہیں جیسا مخلوق کے لطف کا منشا یہی ہوتا ہے بلکہ احتیاج عبد ہے۔

از نعل سمند او شکل مہ نو پیدا وز قد بلند اوبالای صنوبر پست

مصرعہ اولی کنایہ ہے اس سے کہ ممکنات اپنے کمالات میں سب محتاج ہیں واجب کے۔ اور مصرعہ ثانیہ کنایہ ہے اس سے کہ سب ممکنات ناقص ہیں بالنسبۃ الی کمالات الواجب کے۔ اور مفردات مثل نعل سمند وقد بلند کا اثبات واجب کے لئے لازم نہیں آتا۔

آخر زچہ گویم ہست از خود خبرم چون نیست از بہر چہ گویم نیست با او نظرم چون ہست

مصرعہ اولی میں ہست اور نیست کا مرجع خبر ہے۔ اور مصرعہ ثانیہ میں نیست اور ہست کا مرجع نظر ہے اور ہست اول و نیست اول میں اضمار قبل الذکر اس لئے نہیں کہ وہ چون کی جزا میں واقع ہوا ہے اور جزا رتبۃ موخر ہے شرط سے پس اضمار بعد الذکر ہوا۔ مطلب یہ کہ مجھ سے اگر التفات بہ نفس خود کا سوال کیا جائے تو ہست نہیں کہہ سکتا اور اگر التفات بمحبوب کا سوال کیا جائے تو نیست نہیں کہہ سکتا۔ اس میں تعلیم ہے کہ محبت کا حق یہ ہے کہ صرف محبوب نظر میں رہ جائے اور ماسوی نظر سے نکل جائے حتیٰ کہ اپنی ذات کی طرف بھی التفات نہ رہے ولنعم ما قیل۔

ہو فنا ذات میں کہ تو نہ رہے	تری ہستی کی رنگ و بو نہ رہے

اور مصرع اولیٰ میں لفظ جز اور مصرعہ ثانیہ میں لفظ نظر تفنن ہے اور ممکن ہے کہ وجہ اس کی یہ ہو کہ خبر تو تصور مع الحکم ہے اور نظر بالمعنی اللغوی تصور ساذج ہے اور علم اول مفصل ہے بہ نسبت علم ثانی کے اور ظاہر ہے کہ اپنا علم تو انسان کو تفصیلاً ہوتا ہے اور ذات باری تعالیٰ کا اجمالاً کما قیل۔ ای برتر از قیاس وگمان وخیال ووہم الخ + گو اجمال بمعنی تصور ساذج نہیں

بلکہ وہ تصور مع الحکم ہے مگر اس تصور مع الحکم کو نفس اجمال میں تشبیہ تصور ساذج کے ساتھ دیدی گئی اور نظر کہہ دیا اور بعض اوقات اس حکم سے بھی ذہول ہوتا ہے اور ساذج بمعنی تصور لابشرط شی ہوتا ہے گو ساذج بشرط لاشی نہیں ہوتا۔ خوب سمجھ لو۔

چون شمع وجود من شب تا بسحر خود را	می سوخت چو پروانہ تا روز زپا ننشست

شمع وجود مبتدا و می سوخت خبر و مجموعہ شرط و تا روز الخ جزاء یعنی جب میرے شمع وجود نے شب میں سحر تک اپنے کو پروانہ کی طرح جلانا شروع کیا تو دن نکلنے تک اس نے تقاعد نہیں کیا۔ حاصل یہ کہ میری ہستی نے فنا و جانفشانی کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

اس میں اشارہ ہے کہ عاشق کو فنا میں کسل و تردد نہ چاہئے۔ ونعم ما قیل ۔ مترس از محبت کہ خاکت کند + کہ باقی شوی چون ہلاکت کند ۔

شمع دل دمسازان بنشست چو او برخاست	افغان زنظر بازان برخاست چو او بنشست

دمساز موافق و محب۔ اس شعر کی دو توجیہیں ہوسکتی ہیں باعتبار اختلاف معنی برخاست و بنشست کے جو کہ منسوب ہے محبوب کی طرف اگر برخاست کے معنی آہنگ رفتن اور بنشست کے معنی ترک رفتن کے ہوں تب تو معنی یہ ہوں گے کہ جب محبوب نے ارادہ جانے کا کیا تو غایت حزن کی وجہ سے محبوں کا شمع دل گل ہوگیا یعنی ان کے دل افسردہ ہوگئے اور جب اس نے بیٹھ جانے کا ارادہ کیا تو غایت شوق سے خوشی کے نعرے مارنے لگے اور اگر برخاست کے معنی بنظر آمد کے ہوں اور بنشست کے معنی پنہاں شدن کے ہوں کیونکہ کھڑے ہوجانے سے سب اہل مجلس دیکھنے لگتے ہیں اور بیٹھ جانے سے اہل مجلس کی نظر سے خفا ہوجاتا ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ جب محبوب نمودار ہوا تو عشاق اس کے غلبہ آثار دیدار سے محو ہوگئے اور جب وہ پنہاں ہوگیا تو درد ہجر سے شورش و نالہ میں مبتلا ہوگئے مجموعہ توجیہیں کے اعتبار سے تجلی و استتار کے آثار مختلفہ کا بیان ہوجائے گا علی اختلاف احوال الطالبین یعنی کبھی ظہور و تجلی سے شوق اور استتار و غیبت سے حزن ہوتا ہے وہذا حاصل التوجیہ الاول اور کبھی ظہور و تجلی سے محویت و سکر اور استتار و غیبت سے اضطراب اور بیتابی و آہ و نالہ ہوتا ہے۔ فافہم حق الفہم ۔

گر عالیہ خوشبو شد در گیسوی او آویخت	ور وسمہ کمان کش شد با ابروی او پیوست

عالیہ خوشبوی مرکب کہ در گیسو مالند۔ ووسمہ نیل کہ بر جبیں متصل با ابرو کشند ومراد از عالیہ ووسمہ یا معنی حقیقی ست کہ از اعیان ست ویا معنی مجازی از اسلام وکفر کہ از اعراض ست وآویختن وپیوستن عبارت از ارتباط۔ گیسو وابرو کنایہ از صفات مختلفہ محبوب۔ مطلب یہ کہ جتنے اعیان واعراض ہیں سب کو محبوب کے صفات مختلفہ سے ارتباط ہے کہ صفات ظاہر اور علل اور مکونات مظاہر اور معلولات ہیں۔ اس میں تعلیم ہے توحید افعالی کی۔

باز آی کہ باز آید عمر شدۂ حافظ	ہر چند کہ ناید باز تیرے کہ بشد از شست دست

اس میں التجا وطلب ہے توجہ ولطف محبوب کی کہ اس سے توفیق اعمال ومجاہدہ کی ہوگی جس سے عمر ضائع شدہ درحرمان کا تدارک ہو جائے گا گو وقت گزشتہ ہاتھ نہیں آیا کہ اسی کی بعینہ اصلاح ہو سکے لیکن عمر آئندہ کی اصلاح عمر گزشتہ کے فساد کا حسب وعدہ صادقہ رافع ومکفر ہو جاتا ہے۔ اس میں تعلیم ہے توبہ کی اور اس کی کہ اس کی توفیق بھی حق تعالیٰ ہی سے چاہے اپنے عزم وسعی پر اعتماد نہ کرے۔

غزل

گل در بر ومی در کف ومعشوقہ بکام ست	سلطان جہانم بہ چنین روز غلام ست

یہ شعر حالت بسط کا ہے یعنی گل مقصود آغوش میں ہے اور نشاط وانبساط دستیاب ہے اور محبوب کا معاملہ حسب مراد ہے پس دنیا کے سلاطین بھی ایسے وقت میں ہمارے سامنے مثل غلام کے ہیچ وناچیز ہیں کہ یہ دولت ان کو بھی میسر نہیں۔

گو شمع میارید درین بزم کہ امشب	در مجلس ماماہ رخ دوست تمام ست

یعنی جب ہماری مجلس قلب میں محبوب کی تجلیات تمام وکمال کے ساتھ ہیں تو ہم کو اس ظاہری شمع وزینت کی ضرورت نہیں۔ اشارہ اسطرف ہے کہ تنویر قلب کی کوشش چاہیے تزئین ظاہری میں منہمک نہ ہو۔

در مذہب ما بادہ حلال ست ولیکن	بے روی تو ای سرو گل اندام حرام ست

بادہ سے مراد شورش و مستی و وجد کہ غلبہ حال سے ہو اور مذہب ما کی تعمیم اس لئے کہ اہل ظاہر تو علی الاطلاق اس کو بوجہ عدم وجدان کے ریاء و ناجائز جانتے ہیں پس ارشاد ہے کہ یہ حالت ہمارے نزدیک حلال تو ہے مگر جب ہے کہ منشاء اس کا غلبہ حالی ہو ورنہ اگر خالی ریاء ہے تو ہمارے نزدیک بھی حرام ہے۔

گوشم ہمہ بر قول نے و نغمہ چنگ ست	چشم ہمہ بر لعل لب و گردش جام ست

قول نے و نغمۂ چنگ کنایہ از سخنان عشق۔ و لعل لب و گردش جام کنایہ از تجلیات کہ بمستی آرد۔ یعنی میرا اتمام تر مقصود و منتہائے مرام محبت الٰہی ہے خواہ اس کے مناشی ہوں جیسے سخنان عشق یا اس سے ناشی ہوں۔

در مجلس ما عطر میا میز کہ جان را	ہر لحظہ ز گیسوی تو خوشبوی مشام ست
از چاشنی قند مگو ہیچ و ز شکر	زان رو کہ مرا از لب شیریں تو کام ست

ان دونوں شعر کا وہی حاصل ہے جو اس غزل کے شعر دوم کا حاصل ہے اور ان دونوں شعر میں صنعت التفات ہے کیونکہ میامیز اور مگو کا مخاطب اور ہے اور گیسوی تو اور لب شیرین تو میں خطاب محبوب کو ہے چنانچہ بعض نسخوں میں بجائے میامیز کے میار یہ اس التفات کا مؤید ہے۔

تا گنج غمت در دل ویرانہ مقیم ست	پیوستہ مرا کنج خرابات مقام ست

گنج غم مراد عشق و کنج خرابات مقام محو و فنای صفات بشریہ و معنی ظاہر ست۔ اس میں اشارہ اس طرف ہوسکتا ہے کہ محو و فنا لوازم عشق سے ہے اگر یہ لازم متحقق نہ ہو تو حصول عشق کے زعم میں نہ رہے کہ وہ خیال محض ہے۔

از ننگ چہ گوئی کہ مرا نام زننگ ست	وز نام چہ پرسی کہ مرا ننگ ز نام ست

حاصل مطلب ظاہر ہے کہ مجھ کو ننگ سے فخر و رفعت ہے اور فخر و رفعت سے ننگ ہے اس شعر کا مضمون گویا متفرع ہے شعر سابق کے مضمون پر اور اس کلیہ کی ایک جزئی ہے یعنی عشق میں نخوت و ناموس کا فنا ہو جانا چاہئے کما قال الرومیؒ۔ ای دوای نخوت و ناموس ما + اے تو افلاطون و جالینوس ما۔

وان کس کہ چو ما نیست درین شہر کدام ست	می خوارہ و سرگشتہ و رندیم و نظر باز

اس کی ایک توجیہ تو ظاہر یہ ہے کہ گو ہماری حالت قابل ملامت ہے مگر اوروں کو بھی ہے اتنا فرق ہے کہ ہم میں ریا نہیں اور لوگ ریا سے اپنے کو صالح بنائے ہوئے ہیں اور یہ باعتبار اکثر کے کہا اور واقعی یہی قصہ مشاہد ہے اور اس میں اشارہ اس طرف ہوگا کہ اپنے عیب کو دیکھنا چاہئے دوسرے کے عیوب پر نظر نہ چاہئے۔ اور ایک توجیہ غامض یہ ہے کہ اگر ہم عاشق ہیں تو کیا ہوا شہر میں ایک بھی اس سے بچا ہوا نہیں ہے گو بواسطہ کسی مخلوق کے سہی اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ جو شخص جس چیز کا محب ہے آدمی کا یا جانور کا یا سیم وزر کا وہ کسی کمال کی وجہ سے ہے اور وہ کمال مستفاد ہے کمال حق سے پس محبوب بالذات حق تعالیٰ ہی ہے گو محب کو بھی اس کی خبر نہ ہو جیسے عاشق دیوار تابان حقیقت میں عاشق آفتاب تابان کا ہے گو اس کو اس کی خبر بھی نہ ہو۔ پس اس میں اشارہ ہوگا محبوب حقیقی کے منتہائی کمالات ہونے کی طرف اور جاننا چاہئے کہ ایسے بے خبر محب مقبول نہیں کیونکہ ان کا قبلہ توجہ تو مخلوق ہی ہے پس صرف وجود تعلق کافی نہیں ولو اضطراراً بلکہ اس کے ساتھ قصد تعلق بھی ضروری ہے اختیاراً۔

پیوستہ چو ما در طلب عیش مدام ست	با محتسبم عیب مگوئید کہ او نیز

مدام شراب۔ یعنی محتسب سے میری کیا شکایت کرتے ہو وہ بھی ہماری ہی طرح مبتلائے میخواری و عشق ہے اس کا مفہوم بھی شعر بالا کے مفہوم کلی کا ایک جزئیہ ہے بای المعینین اخذات

کایام گل و یاسمین و عید صیام ست	حافظ منشین بے مئی و معشوقہ زمانے

عید صیام عید الفطر۔ چونکہ اجتماع اشیاء مذکورۂ مصرعہ ثانیہ عادۃً موقع ہے مناسبت و مصاحبت محبوب کا اس لئے حاصل معنی بطور کنایہ کے یہ ہوا کہ آب حیات و صحت و شباب و فراغ کلا یا بعضا کو مغتنم سمجھو اور ذکر و محبت کا ذخیرہ جمع کرلو۔

غزل

وگر بقہر برانی درون ما صاف ست	اگر بلطف بخوانی مزید الطاف ست

ترجمہ ظاہر ہے مقصود یہ ہے کہ عبد کا کسی حالت میں کوئی استحقاق نہیں جیسا معتزلہ کا

مذہب ہے پس لطف و بسط پر شکر اور ہجر و قبض پر تفویض محض چاہئے۔

بیان وصف تو گفتن نہ حد امکان ست	چرا کہ وصف تو بیرون زحد اوصاف ست

یہ شعر حاصل مضمون لااحصی ثناء علیک کا ہے جیسا شعر اول میں عبد کے حق کی نفی تھی اس میں حق تعالیٰ کے حقوق کا غیر متناہی ہونا بیان کیا گیا ہے تاکہ ہر واحد سے بالخصوص مجموعا مرین سے حق تعالیٰ کا وفور عطا اور بندہ کا قصور و خطا ثابت ہو جائے اور اس کا استحضار عین وظیفہ سالک ہے۔

جوسرو سرکشی ای یار سنگدل باما	چہ چشم ہاست کہ برروی ماز اطراف ست

بعض نسخوں میں یہ شعر نہیں ہے اور غالباً نہ ہونا راجح ہے کیونکہ کوئی اچھی توجیہ اس کی نہیں بنتی۔ نیز محبوب حقیقی کو خطاب ہو نہیں سکتا اور محبوب مجازی کا خطاب محبوب حقیقی کے خطابات میں متخلل ہونا بدنما معلوم ہوتا ہے اور ہونے کی تقدیر پر اس کی توجیہ میں شفا نہیں ہوئی یہ خیال میں آتا ہے کہ محبوب مجازی کی شکایت ہے کہ تو تو ہم سے سرکشی کر رہا ہے اور دوسرے لوگ ہماری طرف کس درجہ متوجہ ہیں پس تجھ کو بھی ہم پر توجہ چاہیے۔ ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا۔

زچشم عشق توان دید روی شاہد ما	کہ نور چہرۂ خوبان زقاف تا قاف ست

مطلب یہ کہ میرے محبوب کا حسن ایسا ہے کہ دوسرے محبوبوں کا حسن اسی سے مستفاد ہے گویا وہ ان کے چہرہ کا نور ہے یعنی ان کے چہرہ میں جو نور ہے وہ اصلی نہیں ما بالعرض ہے اور اس ما بالعرض کا ما بالذات حسن محبوب حقیقی ہے پس کمال حسن تو ایسا ہے لیکن مجوبوں کو جو ادراک نہیں توجہ اس کی یہ ہے کہ اس کے لئے عشق و طلب شرط ہے اور ان میں شرط فائت ہے۔

زمصحف رخ دلدار آیتے برخوان	نہ این مقام مقالات کشف کشاف ست

این مقام سے مراد مقام عشق یعنی مباحث و کتب سے کام نہیں چلتا بلکہ مطالعہ و مشاہدہ محبوب کا ملازم ہے اور اس سے عبثیت علوم ظاہرہ کی لازم نہیں آتی بلکہ مقصود ان کی عدم کفایت کا بیان ہے جیسے کہا گیا ہے+ در کنز و ہدایہ نتوان یافت خدا را۔ اور کشف بمعنی شرح ہے اور لطافت اس میں یہ ہے کہ کشف ایک حاشیہ بھی ہے کشاف کا۔ اور بعض نسخوں میں مصرعہ ثانیہ اس طرح ہے کہ آن بیان مقامات کشف و کشاف ست۔ اور معنی یہ ہوں گے کہ وہ مصحف رخ دلدار خود ہی

بیان مقامات کشف وکشاف کا ہے یعنی جملہ ازان حاصل ست حاجت بکشف وکشاف ندارد اسکا حاصل بھی وہی ہے کہ اس مقام میں اس کی حاجت نہیں مطلق احتیاج کی نفی ہے جیسے وضو نماز کے قبل ضروری ہے مگر عین نماز کے اندر کوئی وضو کرنے لگے ظاہر ہے کہ نماز نہ ہوگی۔

عدو کہ منطق حافظ طمع کند در شعر	ہمان حدیث ہمای وطریق خطاف ست

یعنی میرا مخالف جو طمع کرتا ہے کہ نظم میں حافظ کی سی گویائی وفصاحت حاصل کرلوں اس کی ایسی مثال ہے جیسے خطاف کہ ایک پرندہ بیقدر و منزلت سیاہ رنگ ادنیٰ درجہ کا ہے اور اس کو وطواط بھی کہتے ہیں ہما کی مساوات کا دعویٰ کرنے لگے جو اعلیٰ درجہ کا پرندہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ناقصوں کو کاملین کی مساوات کا دم مارنا نہ چاہئے کہ رہزن سلوک ہے۔

غزل

ماراز خیال تو چہ پروای شراب ست	خم گو سرخود گیر کہ خمخانہ خراب ست

شراب سے مراد ظاہری شراب اور خم سے مراد بھی اسی کا ظرف۔ اور خمخانہ سے مراد اپنا خمخانہ یعنی وجود سالک کا مطلب یہ کہ اے محبوب آپ کے خیال اور ذکر میں جو مستی نقد وقت ہے اس سے اس ظاہری شراب کی کوئی حاجت نہیں کیونکہ یہ حلال اور دائمی اور وہ حرام اور عارضی اے مخاطب اس ظاہری خم سے کہہ دو کہ اپنا رستہ لے ہمارے یہاں اس کا کچھ کام نہیں کیونکہ ہماری ہستی محبوب کے ذکر و محبت سے فنا ہو چکی ہے جس کا سکر اس سکر خم سے بدرجہا فائق ہے پھر مفضول سے کیا کام رہا اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جس کو یہ سکر حقیقی حاصل نہ ہو وہ محتاج شراب ظاہری کا ہے اور یہ لازم اس لئے نہیں آتا کہ اس حالت میں مانع شرعی تو موجود ہے اور ایک مانع کا وجود بھی کافی ہے اور حالت سکر حقیقی میں دو مانع ہیں ایک مانع شرعی دوسرا وجود سکر حقیقی کا۔ اور اصل یہ ہے کہ مقصود بیان کرنا اکملیت سکر حقیقی کا ہے بہ نسبت سکر خمری کے تا کہ اس کی تحصیل کی رغبت ہو پس باعتبار اس مقصود کے اس لازم کے ورود کا شبہ اور احتمال ہی نہیں۔

گر خمر بہشت ست بریزید کہ بے دوست	ہر شربت عذبم کہ دہی عین عذاب ست

شعر بالا میں محبت ومعیت الہیہ کے مقابلہ میں لذات دنیا کا ہیچ ہونا مذکور تھا اور اس

ثمر میں بدون اس محبت و معیت کے صورت طاعات اپنی ذات سے عبادات ریائی ہے جو مذکور ہے کیونکہ عبادت ریائی میں یہی کمی ہوتی ہے کہ معیت الٰہیہ حاصل نہیں ہوتی اور چونکہ عبادت فی نفسہ سبب ہے ثمر بہشت کا اس لئے اس کو اس عنوان سے تعبیر کیا کہ عادت کے سبب یہ سببیت نہیں رہتی۔

افسوس کہ شد دلبرو در دیدۂ گریان	تحریر خیال خط او نقش بر آب است
بیدار شوای دیدہ کہ ایمن نتوان بود	زین سیل دمادم کہ درین منزل خواب است

منزل خواب دنیا کہ محل غفلت ست۔ وسیل دمادم حوادث وکارو بار دنیا کہ در ہدم بنیاد بمنزلہ سیل ست شعر اول حالت قبض کا معلوم ہوتا ہے اور دوسرا شعر عام نصیحت کا کہ حالت قبض کے بھی متعلق ہوسکتا ہے اور دوسرے حالات کے بھی۔ مطلب یہ کہ محبوب سے غیبت اور مفارقت ہوگئی مگر خیال اس کا باقی ہے اور چونکہ خیال کا اثر چشم پر بھی ہوتا ہے اور اس میں اشک بھر رہے ہیں اس لئے شاعرانہ لطافت سے تعجبا اس کو نقش بر آب سے تعبیر فرمایا اور مقصود اس سے اس کا سرعت زوال بیان کرنا نہیں ہے کما فہوا۔ آگے فرماتے ہیں کہ دنیا میں غفلت نہ چاہئے کہ غفلت موجب خسران و مورث حرمان ہے چنانچہ بعض اوقات اسی غفلت سے معصیت اور معصیت سے قبض ہو جاتا ہے۔

معشوقہ عیان میگذرد برتو ولیکن	اغیار ہمی بیند ازان بستہ نقاب ست

فاعل بیند ضمیر راجع بمعشوقہ و اغیار مفعول بیند یعنی محبوب کی تجلی ظاہر ہے لیکن چونکہ وہ اغیار کو بھی دیکھ رہا ہے اس لئے بطون کا نقاب باندھ رکھا ہے۔ احقر کے مذاق میں اس میں بیان ہے اس کی حکمت کا کہ دنیا میں جو ظہور محض نہیں ہے جیسا آخرت میں ہوگا بلکہ مقرون بالبطون ہے حاصل حکمت کا یہ ہوا کہ چونکہ دنیا میں کفار بھی ہیں اور ان کو ابتلاء مکلف کیا ہے ایمان بالغیب کا پس اگر انکشاف تام ہو جاتا تو ایمان اضطراری ہو جاتا اور وہ خلاف ابتلا تھا اس لئے انکشاف تام نہیں ہوا اور ہر چند کہ نفس ابتلاء اہل ایمان کے لئے بھی ہے مگر چونکہ وہ قبل مشاہدہ ایمان لا چکے اس لئے ان کے حق میں یہ ابتلاء خاص نہ رہتا۔ اور اگر کہا جائے کہ

صرف اہل ایمان کے لئے انکشاف تام ہو جاتا سب کے لئے عام نہ ہوتا۔ اس کا جواب دوسرے قاعدہ مستقلہ سے حاصل ہوسکتا ہے وہ یہ کہ عادت الٰہیہ یہی ہے کہ اکثر احکام دینویہ مشترک رہتے ہیں چنانچہ نزول بلیات وغیرہ میں مشاہد ہے۔ اور اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ آخرت میں باطن کے ساتھ موصوف نہ ہوگا۔ بات یہ ہے کہ وہاں کا بطون صرف مانع درک واحاطۂ حقیقت ہوگا مثل بطون دنیا کے مانع انکشاف ومعائنہ ذات نہ ہوگا۔

گل بر رخ رنگین تو تا لطف عرق دید	در آتش رشک از غم دل غرق گلاب ست

احقر کے ذوق میں مقصود اس سے محض بیان کرنا ہے کمالات حادث کے بے حقیقت ہونے کا کمالات واجب کے سامنے ترجمہ ظاہر ہے کہ جب سے گل نے محبوب کے رخ پر پسینہ کی لطافت دیکھی ہے غم اور رشک سے عرق ندامت میں ڈوب گیا اس کے عرق ندامت کو گلاب سے تعبیر کر دیا۔ وابعد الشراح حیث شبھوا مفردات الشعر بما لایتبادر الی الاذہان۔

در بزم دل از روی تو صد شمع برافروخت	وین طرفہ کہ بر روی تو صد گونہ حجاب ست

اس کا حاصل یہ ہے کہ محبوب عین تجلی میں مستتر اور عین ظہور میں باطن ہے کہ ہر چند کہ قلب میں صدہا شمع اس کی تجلیات وظہورات کی روشن ہیں مگر پھر بھی ہزاروں حجاب مانع ہیں۔ زیادہ تفصیل شعر بالا کے قبل کے شعر معشوقہ الخ کی شرح میں لکھی گئی ہے۔

سبزست درودشت بیا تا نگذاریم	دست از ہر آبے کہ جہان جملہ سراب ست

گذاشتن ترک کردن۔ ودرودشت ہر دو بمعنی صحرا کنایہ از کائنات۔ یعنی تمام ہستی آیات ودلائل ومنبہات سے پر اور معمور ہے آؤ تا کہ کنارہ آب سے کہ اس سے یہ سبزی ہے دست بردار نہ ہوں یعنی بصیرت وفکر سے کام لیں کہ وہی ذریعہ ہے استدلال بالآیات وعبرت وتذکر کا۔ آگے اس کو علت سے موکد کرتے ہیں کہ تمتعات دنیویہ تو محض ہیچ ہیں ان سے دل بستگی مت کرو۔ اور بعض نسخوں میں تا بگذاریم باءِ موحدہ سے ہے معنی یہ ہوں گے کہ آؤ کنارہ آب پر ہاتھ گزار دیں یعنی اس پر قبضہ کر لیں اور اس کو حاصل کر لیں جیسے بولتے ہیں دست برسر گذاشتن یعنی سر پر ہاتھ پھیرنا پس اس از کا ترجمہ اس طرح ہوگا کہ کنارۂ

آب پر سے ہاتھ کو گزار دیں لیکن غالباً یہ نسخہ غلط ہوگا کہ ارتکاب تکلف بارد کا کرنا پڑتا ہے۔

درکنج دماغم مطلب جای نصیحت	کاین حجرہ پر از زمزمۂ چنگ و رباب ست

مطلب یہ ہے کہ میرا دماغ آثار عشق سے پر ہے اس میں ترک عشق کی نصیحت کی گنجائش نہیں جیسا کہ خشک مزاج ظاہر پرست عشاق پر ملامت کرتے رہتے ہیں۔

راہ تو چہ راہ ست کہ از غایت تعظیم	دریای محیط فلکش ہمچو حباب ست

اس میں عظمت طریق وصول کی بیان کرتے ہیں کہ دریای محیط فلک اس طریق کا ایک حباب ہے یعنی فلک کی رفعت اور عظمت بھی اس کے سامنے ہیچ ہے اور ظاہر بھی ہے کیونکہ فلک کے طے کرنے سے وصول الی الملکوت میسر ہوتا ہے وبس اس طریق کے قطع کرنے سے وصول الی اللہ نصیب ہوتا ہے وشتان بین الملائکہ ورب الملائکۃ وماللتراب ورب الارباب۔ شاید مقصود اس سے امر ہو غایت مجاہدہ وسعی کا کہ مقصود عظیم کے لئے سعی بھی عظیم ہی چاہئے پھر خواہ حصول فضل ہی سے ہو جائے اور یہی ہوتا ہے مگر ارادہ شرط ہے۔

بی روی دل آرای تو ای شمع دل افروز	دل رقص کنان برسر آتش چو کباب ست

یہ شعر حالت قبض پر بسہولت منطبق ہوسکتا ہے اور آتش پر کباب کے الٹ پلٹ ہونے کو رقص سے تعبیر کیا گیا۔

حافظ چہ شد ار عاشق درندمت ونظر باز	پس طور عجب لازم ایام شباب ست

چہ شد جزای مقدم دار عاشق الخ شرط موخر ومصرعہ ثانیہ علت جزا ست وعاشق ورند ونظر باز کنایہ از غیر ضابط وشباب مراد ابتدای سلوک یا جوش عشق۔ مطلب یہ کہ حافظ جو غیر ضابط ہے جس پر اس کو ملامت کی جاتی ہے تو تعجب مت کرو کیونکہ ابتداء سلوک یا غلبہ عشق میں یہی طور ہوتا ہے اور اسی حالت میں بہت سے عجب عجب اطوار ہوا کرتے ہیں پھر ملامت نہ کرو۔ اس میں ممکن ہے کہ ارشاد ہو ترک ملامت کا اہل حال پر۔

غزل

کنون کہ درکف گل جام بادۂ صاف ست	بصد ہزار زبان بلبلش دراوصاف ست

بخواہ دفتر اشعار وراہ صحرا کن	چہ وقت مدرسۂ وبحث وکشف کشاف ست
فقیہ مدرسہ دی مست بودفتوی داد	کہ می حرام ولی بہ ز مال اوقاف ست
بدرد وصاف تراحکم نیست ودم درکش	کہ ہر چہ ساقی ماریخت عین الطاف ست

گل سے مراد مرشد راہ عشق بقرینہ جملہ درکف گل جام بادہ صاف ست + کیونکہ مرشد بھی فیوض عشقیہ کا قاسم اور واسطہ ہوتا ہے۔ اور بلبل سے مراد طالب۔ اور زبان سے مراد زبان حال۔ اور دفتر اشعار سے مراد لوازم عشق اور صحرا سے مراد جلوہ گاہ وخدمت مرشد کہ مشبہ بگل تھا اور گل صحرا میں ہوتا ہے اور مدرسہ الخ سے مراد خدمت علوم رسمیہ۔ اور می سے مراد وہ امور جن کو اکثر اہل ظاہر علی الاطلاق حرام کہتے ہیں اور عشاق مغلوب الحال ان میں مبتلا ہیں مثل شطحیات وسماع وغیر ذلک۔ اور مال اوقاف میں بقرینہ مقام یہ بھی قید ہے کہ غیر مستحق را حاصل مطلب یہ ہے کہ شیخ وقت فیوض تقسیم کر رہا ہے اور طالب زبان حال سے اس کے ثنا خوان ہیں ایسے وقت میں عشق کے لئے آمادہ ہوکر اس کی خدمت میں پہنچو اور اس حالت میں علوم رسمیہ کی بحث و درس کا موقع نہیں ہے (کیونکہ اہل خلوت کو برائے چندے دوسرے مشاغل غیر مفروضہ کو موخر کرنا پڑتا ہے) اور عشاق کے گو بعض حالات ظاہر امحل ملامت ہیں مگر انصاف کیا جائے اور کسی قدر اثر اور مذاق محبت کا ہو تو فقیہ معترض بھی یہی کہے کہ واقعی گو یہ حالات منکر ہیں مگر مال اوقاف کو جو معترضین بلا استحقاق کھا رہے ہیں اس سے تو یہ حالات اچھے ہیں کیونکہ ان حالات میں بعض امور تو اختلافی منکر ہیں اور مال اوقاف غیر مستحق کے لئے بالاتفاق منکر ہے اور منکر اختلافی اہون واخف ہے منکر اتفاقی سے اور بعض امور گو اتفاقاً منکر ہیں مگر غلبہ حال اس میں عذر ہے اور اکلین بغیر حق کے لئے کیا عذر ہے آگے بطور تعلیم فرماتے ہیں کہ جب فیض وتعلیم مرشد سے واردات عشقیہ کا سلسلہ شروع ہو تو درد وصاف کی تجویز کرنے کا تم کو کوئی حق نہیں یعنی قبض وبسط کی خواہش یا انکار خلاف طریق ہے جو کچھ عطا ہو جائے وہی تربیت باطنی کے لئے مصلحت اور وہی عین لطف ہے۔

ببرز خلق وزعنقا قیاس کار بگیر	کہ صیت گوشہ نشینان زقاف تاقاف ست

اس میں تعلیم ہے ترک بمعنی تقلیل تعلقات کی اور ترجمہ الفاظ ظاہر ہے۔

حدیث مدعیان وخیال ہمکاران	ہمان حکایت زردوز وبوریا باف ست

ہمکاران عشاق اس کا وہی حاصل ہے جو غزل ہذا کے غزل سابق سے سابق نے [illegible] ہے۔

خموش حافظ واین نکتہای چون زرسرخ	نگاہدار کہ قلاب شہر صراف ست

قلاب دغاباز کذافی الغیاث۔ مطلب یہ کہ جہاں نااہل کلام کے جانچنے والے ہوں وہاں حقائق ومعارف کا اظہار نہ چاہیے کہ مقصود اظہار علم نہیں بلکہ محض افادہ ہے اور وہ مفقود پھر اظہار بے سود۔ اس میں تعلیم ہے کہ حتی الامکان حالات باطنی کا ضبط چاہئے کہ نااہلوں سے یا متکلم کو ضرر ہوگا یا خود ان کو انکار کا ضرر ہوگا یا ان کے انکار سے دوسرے خالی الذہن لوگوں کو مخالفت اہل حال کا ضرر ہوگا۔ یا ان نااہل نافہموں میں بعضے معتقد ظاہر پر محمول کر کے اپنا دین خراب کریں گے۔

غزل

اگرچہ بادہ فرح بخش وباد گل بیزست	ببانگ چنگ مخوری کہ محتسب تیزست
صراحیے وحریفے گرت بدست افتد	بعقل کوش کہ ایام فتنہ انگیزست
در آستین مرقع پیالہ پنہان کن	کہ ہمچو چشم صراحی زمانہ خونریزست
زرنگ بادہ بشوئید خرقہا از اشک	کہ موسم ورع وروزگار پرہیزست

جیسے بعض اشعار میں احکام سکر کے بیان ہوتے ہیں ان اشعار میں احکام صحو کے بیان کئے ہیں۔ حاصل یہ کہ اگرچہ عشق سے طبیعت کو جوش ہوتا ہے اور واسطہ فیض سے فیض پہنچ رہا ہے جس کا مقتضا تھا اظہار احوال عشق مگر چونکہ محتسب یعنی مانع اظہار کہ صحو ہے تیز یعنی قوی و غالب ہے اس لئے اظہار مت کرو کیونکہ حالت صحو میں ضبط واجب ہے اور ایسی حالت میں اگر صراحی یعنی دل پر عشق اور حریف یعنی محرم راز میسر ہو تب بھی مقتضای عقل میں کہ اخفاء حال ہے کوشش کرو کیونکہ اہل زمانہ فتنہ انگیز ہیں اور ایسے امور پر فتنہ برپا کرتے ہیں اور لوگوں کو فتنہ میں ڈالنا یا خود فتنہ میں پڑنا درست نہیں مگر عارض سکر سے اس نہی کا مکلف نہ رہا تھا

جب سکر نہ رہا پھر حکم اصلی عود کر آیا پس پیالہ شراب یعنی احوال عشق کو آستین خرقہ میں پوشیدہ رکھو کنایہ ہے اخفاء احوال عشق سے کیونکہ اہل زمانہ خونریز ہیں جیسے چشم صراحی خونریز ہوتی ہے اس کو خونریز اس لئے کہا کہ اس میں سے شراب نکلتی ہے جس کا رنگ سرخ مثل خون کے ہوتا ہے۔ شاید چشم صراحی اس کی ٹونٹی کو کہا ہو جس میں سے شراب لیتے ہیں۔ اور اس کے پہلے شعر کے مصرعہ ثانیہ کی جو تقریر تھی وہی اس کے مصرعہ ثانیہ کی تقریر ہے۔ اور آگے فرماتے ہیں کہ زمانہ سکر میں جو کچھ اظہار اسرار ہو گیا ہے اب اشک ندامت سے سکر کے اس وہبہ کو خرقہ وجود سے دھونا چاہیے یعنی اس سے عذر و توبہ چاہئے کیونکہ اب موسم صحو ہے جس میں ورع و تقویٰ واجب ہے اور لوازم تقویٰ سے تلافی ہے مافات کی۔ اور رہا یہ کہ سکر میں تو گناہ ہی نہ ہوا تھا پھر توبہ کی کیا ضرورت ہے اس کی توجیہ یہ ہے کہ بعض اوقات تو سکر بھی ناقص ہوتا ہے جس میں من کل الوجوہ معذور نہیں ہوتا یعنی اختیار رہتا ہے مگر ناتمام جس میں ضبط متعذر نہیں بلکہ متعسر ہو جاتا ہے تو اس وقت گناہ لکھا جانا بعید نہیں اور اگر سکر تام بھی ہو تب بھی فی نفسہ تو کلمات غیر مشروعہ قبیح ہیں اس کا قبح مقتضی معذرت ہے جیسا بلا اختیار کسی بزرگ کو اپنی ٹھوکر لگ جائے تو اطلاع ہونے پر کس قدر شرماتا ہے اور معذرت کرتا ہے۔ تیسرے اس لئے کہ خلق ضلالت سے محفوظ رہے۔ پس ان اشعار میں دو امر کی تعلیم ہے ایک وجوب ضبط کی حالت صحو میں دوسری تلافی حالت سکر کی جیسا حضرت بایزید بسطامی قدس اللہ سرہ جب صحو میں آتے اور سنتے کہ میں نے حالت سکر میں سبحانی ما اعظم شانی کہا تھا تو فرماتے لو قلت سبحانی ما اعظم شانی فانا مجوسی فاقطع زناری واقول اشہد ان لا الٰہ الا اللہ۔

مجوی عیش خوش از دور واژگون سپہر	کہ صاف این سرخم جملہ درد آمیز ست

واژگون صفت دور سپہر مضاف الیہ دور واژگون۔ مطلب یہ کہ اس دنیا میں راحت مت طلب کرو کہ یہاں کی راحت بھی مکدر ہے مقصود تعلیم ہے ترک تعلق وحب دنیا کی تاکہ فکر آخرت میں لگے۔ اور خم سے مراد فلک باعتبار محدب ہونے کے اور نسبت حوادث کی فلک کی طرف یا اس کو کج رفتار کہنا شاعری ہے۔

سپہر برشدہ پرویزنے ست خون افشان	کہ قطرہ اش سر کسری و تاج پرویز ست

برشدہ بمعنی بلند شدہ صفت سپہر۔ و پرویزن غربال۔ دکسرے دپرویز نام دو بادشاہان یعنی یہ فلک بمنزلہ ایک غربال کے ہے جس میں سے خون ٹپکتا ہے چنانچہ سرکسری اور تاج پرویز بھی اسی کے قطرہ خون ہیں کہ ان کو خون اور ہلاک کر کے قطرہ قطرہ اور ریزہ ریزہ کر کے چھان ڈالا۔ اور بعض نسخوں میں بجائے قطرہ کے ریزہ ہے بمعنی ریختہ شدہ اس شعر کا مقصود بھی مثل مقصود شعر بالا ہے۔

ہر انچہ میرسد از نور فیض سبحانی	نصیبۂ دل شخصے کہ شب سحر خیز ست

یہ شعر گویا شعر سابق کا تتمہ ہے کہ اس میں تزہید تھی دنیا سے اور اس میں ترغیب ہے امور آخرت کی اور بعض نسخوں میں یہ شعر نہیں ہے اور اسلوب بھی اس کا کلام حافظ کا سا نہیں۔

عراق و پارس گرفتی بشعر خود حافظ	بیا کہ نوبت بغداد وقت تمریز ست

ترجمہ تو ظاہر ہے مقصود معنوی یہ ہوسکتا ہے کہ شیوخ کو اشاعۃ طریق و افادہ خلق کی حرص ہونا چاہئے یہ نہیں کہ اگر چند مقامات پر فیض پہنچ گیا تو اس پر قناعت کریں بلکہ دوسرے مقامات پر توجہ کرنا چاہئے کہ ان کو بھی ان کے افادات سے بہرہ ہو کہ یہ حضرات ورثہ ہیں انبیاء علیہم السلام کے اور انبیاء علیہم السلام کی یہی سنت ہے

غزل

یارب آن شمع شب افروز بکاشانہ کیست	جان ما سوخت بپرسید کہ جانانہ کیست
حالیا خانہ برانداز دل و دین من ست	تا ہم آغوش کہ می باشدہ ہمخانہ کیست
بادۂ لعل لبش کزلب ما دور مباد	راح روح کہٗ و پیمانہ دہ پیمانہ کیست
دولت صحبت آن شمع سعادت پرتو	باز پرسید خدارا کہ پروانہ کیست
میدہد ہر کسش افسونی و معلوم نشد	کہ دل نازک او مائل افسانہ کیست
یارب آن شاہ وش ماہ رخ زہرہ جبین	در یکتائے کہٗ و گوہر یکدانہ کیست
آن می لعل کہ ناخوردہ مرا کرد خراب	ہمنشین کہٗ و ہمکاسہ و پیمانہ کیست

گفتم اہ از دل دیوانہ حافظ بے تو	زیر لب خندہ زنان گفت کہ دیوانہ کیست

یہ تمام غزل حالت قبض وفراق کی معلوم ہوتی ہے اور بعض اشعار میں لفظ یارب آنے سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ان میں غیر رب کے معاملہ کا بیان ہوگا کیونکہ یہ یارب ندا کے لئے نہیں ہے بلکہ محض تعجب وحیرت کے لئے ہے اور بجز شعر پنجم ومقطع کے سب اشعار کا ایک ہی مضمون ہے مختلف عنوانات سے کہ ہم سے جدا ہو کر معلوم نہیں کس کے حال پر توجہ کی ہے اور دوسرے کے حال پر توجہ سے تعرض بطور غبطہ کے ہے جو کہ محمود ہے۔ پس فرماتے ہیں کہ خدا جانے وہ محبوب کہ مشابہ شمع شب افروز کے رونق بخشی میں ہے کس کے کاشانہ قلب میں متجلی ہے ہماری جان کو تو فراق میں سوختہ کر دیا۔ تحقیق تو کرو کس کا دوست بنا ہے فی الحال تو میرے خانہ دل ودین کو ویران کر دیا ہے فراق میں دل کا ویران ہونا تو ظاہر ہے اور دین کی ویرانی یا تو اس طرح ہے کہ فراق میں شکوہ ہوتا ہے اور یہ فی نفسہ مخل دین ہے گو عارض عذر سے مواخذہ نہ ہو اور یا اس لئے کہ قبض میں افسردگی ہوتی ہے اور افسردگی بہت طاعات میں مخل ہوتی ہے۔ معلوم نہیں کس کا ہم آغوش اور ہم خانہ یعنی کس کا مواصل ہے۔ اس کا بادہ لعل کہ خدا کرے ہم سے بھی اس کو قرب نصیب ہو معلوم نہیں کس شخص کا راحت روح اور کس کے پیمانہ کا ہم عہد ہو رہا ہے یعنی کس کے پیمانہ دل سے عہد کیا ہوگا کہ تجھ سے قرب کروں گا۔ اور بادہ اور پیمانہ کی مناسبت کا لطف ظاہر ہے اور اس شمع سعادت پرتو کی دولت صحبت کی نسبت پوچھو تو کہ کس کے پروانہ دل کے ساتھ واقع ہوتی ہے (پس پروانہ کی با زائد نہیں کما فہم البعض) اور سعادت پرتو کے معنی یہ ہیں کہ سعادت پرتو فیض وظل اوست۔ آگے شعر پنجم ہے جو دوسرے مضمون کا ہے یعنی ہر شخص محبوب کی تملق کرتا ہے جس کو مجازا افسوں کہہ دیا اور یہ بالتعیین معلوم نہ ہوا کہ وہ کس سے خوش ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ طریقہ ان کی رضا کا کسی کو معلوم نہیں کیونکہ شریعت نے طریق رضا کا خود بتلا دیا ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ یہ پورا یقین نہیں ہوتا کہ ہم اس طریق پر مستقیم ہیں یا نہیں کیونکہ بہت سے دقائق جو عوائق رضا ہیں خیال میں بھی نہیں آتے۔ اس سے غرض یہ تعلیم ہوگی کہ مجاہدہ وریاضت کر کے مغرور نہ ہو بلکہ لرزان وترسان رہے۔ آگے پھر عود ہے مضمون سابق کی طرف کہ وہ محبوب کامل الجلال والجمال معلوم نہیں کس کی منزل دل میں در یکتا و گوہر یکدانہ کی

تجلی فرما و نور افزا ہے اور معلوم نہیں کہ وہ تجلی جو ابھی ... [illegible]
میں بخوبی مشاہدہ بھی نہ کر چکا تھا اور مست و خراب ہو گیا خدا جانے ... [illegible]
کی ہم کاسہ اور ہم پیمانہ یعنی کس کی مواصل ہے۔ آگے قطعہ ... [illegible]
بلسان قال عرض کیا کہ بدون آپ کے حافظ کے دل دیوانہ کی حالت ... [illegible]
تبسم زیر لبی کر کے فرمایا کہ تو جو دل کو دیوانہ کہتا ہے تو وہ کس کا دیوانہ ہے۔ ... [illegible]
نہیں ہے اس معاملہ کے صدور عن المحبوب کے کیونکہ ... [illegible] احادیث سے
ہے اور سوال کچھ استفادہ میں منحصر نہیں کہ محال لازم آئے بلکہ ممکن ہے کہ ... شوق
لئے ہو اور دوسرے اغراض کے لئے سوال ہونا بھی احادیث سے ثابت ہے
احادیث فضل ذکر میں آیا ہے کہ ملائکہ سے سوال فرماتے ہیں کہ میرے بندے کیا
رہے ہیں الی آخر الحدیث۔ اور مقصود تمام غزل سے اظہار حزن ہے قبض پر جس سے
تفرع معلوم ہوتا ہے جو کہ لازمہ عبدیت ہے اور تعلیم بھی ہے کہ قبض میں خوب تضرع
زاری و عجز و نیاز سے کام لے کہ خواہ کوئی سبب ہو مگر زاری ہر حال میں نافع ہے۔

غزل

بنال بلبل اگر بامنت سر یاریست	کہ ما دو عاشق زاریم و کار ما زاریست

ترجمہ لفظیہ تو ظاہر ہے اور مقصود اس سے اس امر کا بیان کرنا ہے کہ اصل کام عاشق و
طالب کا انکسار اور زاری ہے کما قال الرومیؒ۔ دوست دارد دوست این آشفتگی + حتی کہ اگر
کوئی اس سے اختلاط کرنا چاہے تو دیکھ لے اگر وہ بھی اسی مذاق کا ہو تو اس سے ارتباط کرے
کہ اس سے تقویت حال کی ہوتی ہے ورنہ علیحدہ رہے کہ صحبت ناجنس سے ضرر ہوتا ہے۔

در آن چمن کہ نسیمی وزو ز طرۂ دوست	چہ جای دم زدن نافہ ہای تاتاری ست

ترجمہ لفظیہ ظاہر ہے اور مقصود معنوی یہ ہے کہ تذکرۂ محبوب کے سامنے تمام مفرحات
گرد ہیں اس میں تعلیم ہے کہ محب کو دوسری طرف متوجہ نہ ہونا چاہئے۔

بیار بادہ کہ رنگین کنیم جامۂ دلق	کہ مست جام غروریم و نام ہشیار یست

مخاطب کو مشورہ دیتے ہیں کہ شراب محبت الٰہی سے اپنی ہستی کو متصف کرنا چاہئے کیونکہ

ہماری حالت موجودہ واجب الاصلاح ہے اس لئے کہ ہم غرور وغفلت میں مدہوش ہو رہے ہیں اور اس کا نام ہشیاری رکھا ہے تو اصلاح ضروری ہوئی اور اصلاح کا یہی محبت الٰہیہ طریقہ ہے۔ اور بعض نسخوں میں جامۂ زرق بمعنی جامہ مکر ہے مراد اس سے وہی ہستی پر غرور ہے۔

نہ بستہ اند در توبہ حالیا برخیز	کہ توبہ وقت گل از عاشقی زبیکاری ست

اس میں ترغیب عشق کے ساتھ مخاطب کو ایک شبہ کا کہ عشق کے متعلق جواب دیتے ہیں وہ شبہ غلبۂ ظاہر پرستی سے پیدا ہوتا تھا کہ یہ حالت چونکہ سلف سے منقول نہیں اس لئے بدعت و معصیت ہوگی۔ جواب علی سبیل التنزل دیتے ہیں کہ اگر یہ فرض بھی کرلیا جائے تو پھر توبہ کرلیجیو عاشقی سے کیوں توبہ واعراض کرتے ہو کہ ابھی وقت ہے اس کی تحصیل کا کہ صحت و فراغ وقرب مرشد میسر ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ آزمائش ہی کے طور پر اس طریق کو اختیار کرلو کما قال الرومیؒ ۔ آزمون رایک زمانی خاک باش + اور تحقیقی جواب میں چونکہ مشاغبہ ہوسکتا تھا اس کو شاید اس لئے اختیار نہ کیا ہو۔ وہ یہ ہے کہ اس عشق کے متعلق دو امر ہیں مبادی اور آثار مبادی مثل مجاہدات خاصہ واشغال خاصہ فی نفسہ امور مباحہ ہیں اور ذرائع مقصود ہونے کی وجہ سے عبادت بالغیر ہیں اور آثار شورش وغیرہ امور وجدانی ہیں جو نہ طاعت ہے نہ معصیت اور خود محبت مامور بہ اور طاعت مقصودہ ہے پس کوئی امر بھی بدعت و معصیت نہ ہوا۔

سحر کرشمۂ وصلش بخواب میدیدم	زہی مراتب خوابی کہ بہ زبیداری ست

خواب سے مراد منام نہیں ہے بلکہ مقابل یقظہ کے ہے یعنی حالت بین النوم والیقظہ جو احیاناً اہل سلوک کو پیش آتی ہے۔ یعنی اس میں کچھ مشاہدات میسر ہوئے اور ایسا خواب بہت اچھا جو بیداری سے بھی بہتر ہو۔ تنبیہ:۔ یہ حالت مذکورہ از قبیل استغراق ہے اور استغراق میں ترقی ہوتی نہیں اور بیداری میں ترقی ہوتی ہے پھر بیداری سے وہ حالت کیسے افضل ہوسکتی ہے تو اس کی دو توجیہ ہیں ایک یہ کہ مطلق بیداری مراد نہ ہو بلکہ خاص وہ بیداری جس میں مشغول بہ ترقی نہ ہو پس عدم ترقی میں دونوں برابر پھر مشاہدہ میں وہ حالت فائق پس وہی افضل ہوئی دوسرے یہ کہ ابتداء میں بعض اوقات بعض ذرائع زیادہ انفع ہوتے ہیں بعض مقاصد سے اس کی حقیقت یہ ہے کہ مقاصد میں شرائط کمال نہیں ہوتے مثلاً تلاوت بے خشوع اور ایسی حالت مذکورہ سے خشوع

ہو گیا پھر وہ عمل مقصود کا بھی ہو گیا تو اس اعتبار خاص سے ذریعہ افضل ہو گیا بعض مقاصد سے بعض اس لئے کہا کہ مقاصد میں جو فرائض وغیرہ ہیں وہ ہر حالت میں ذرائع سے افضل ہیں۔ یہاں سے سمجھ میں آ گیا ہو گا کہ بعض مشائخ اذکار و اشغال میں مشغول کرنے تلاوت و نوافل کی تقلیل کرا دیتے ہیں سو حقیقت میں ان کو ترک کرانا مقاصد کا یا ترجیح دینا ذرائع کو مقصود نہیں ہوتا۔ ان کا مقصود یہی ہوتا ہے کہ طالب ان مقاصد کا اصل کامل بن جائے۔

خیال زلف تو پختن نہ کار خامان ست	کہ زیر سلسلہ رفتن طریق عیاری ست

مقصود بیان کرنا صعوبت عشق کا ہے کہ زلف مشابہ زنجیر کے ہے اور زنجیر کے تحت میں چلنا بڑی ہوشیاری کا کام ہے پس زلف محبوب کا طالب ہونا ہر خام کا کام نہیں اور یہ صعوبت باعتبار آثار عشق کے ہے کہ واردات شاقہ پیش آتے ہیں مثلاً قبض و ہیبت و حیرت و بعض مکاشفات جن میں احتمال اعتقاد امور غیر مشروعہ کا ہوتا ہے جو کہ ہلاکت حقیقیہ کا بھی سبب ہے جیسا دوسری جگہ خود فرمایا ہے۔

در راہ عشق وسوسۂ اہرمن بسی ست	ہشدار و گوش را بہ پیام سروش دار

پس بڑی ہی احتیاط اور حزم درکار ہے۔

لطیفہ ایست نہانی کہ عشق از وخیزد	کہ نام آن نہ لب لعل وخط زنگاری ست
جمال شخص نہ چشم ست وزلف وعارض وخال	ہزار نکتہ درین کاروبار دلداری ست

مطلب یہ کہ جو جمال مدار ہے عشق کا وہ ایک کیفیت خاصہ ہے محبوب میں جو وجدانا مدرک ہوتی ہے یہ خط وخال وغیرہ مدار اس کا نہیں ہے اسی کو دوسری جگہ فرمایا ہے۔

شاہد آن نیست کہ موئے ومیانے دارد	بندۂ طلعت آن باش کہ آنے دارد

اور اس میں ایک تحقیق عظیم کی طرف بھی اشارہ ہو گیا وہ یہ کہ بعض اہل ظواہر نے محبت الٰہیہ بمعنی میلان قلب ورجحان طبع کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ اس محبت کا سبب صرف حسن صورت ہوتا ہے اور حق تعالیٰ اس سے منزہ ہے اس کا جواب اس طرح ہو گیا کہ ہم اس سبب کا انحصار حسن صورت میں تسلیم نہیں کرتے بلکہ سبب اصلی ایک جمال وکمال خاص ہے جو علی وجہ الکمال حضرت

حق میں موجود ہے بسط اس بحث کا احیاء العلوم کی کتاب المحبۃ میں ہے جو دیکھنے کے قابل ہے۔

بآستان تو مشکل توان رسید آری	عروج بر فلک سروری بدشواری ست

ترجمہ لفظیہ ظاہر ہے۔ مقصود عظمت بیان کرنا ہے وصول الی المقصود کی تا کہ نعمت عظمیٰ سمجھ کر اس کے لئے خوب سعی کی جائے اور اس کی علامات ظاہر ہونے کے وقت شکر ادا کیا جائے۔

روندگان طریقت بہ نیم جو نخرند	قبای اطلس آنکس کہ از ہنر عاری ست

قبای اطلس سے مراد عبادات ریائیہ اور ہنر سے مراد اخلاص۔ مقصود ظاہر ہے کہ اہل حقیقت کی نظر میں عبادت بے اخلاص کی کچھ وقعت نہیں۔ اس میں تاکید ہے تحصیل اخلاص کی۔

دلش بنالہ میازار وختم کن حافظ	کہ رستگاری جاوید در کم آزاری ست

آزردن مراد ناخوش کردن۔ وکم آزاری مراد عدم ازاری۔ مقصود ارشاد ہے کہ عشق میں جو حالات ناگوار پیش آئیں اس سے شکوہ کرنا خلاف مرضی حق ہے جو مخل رستگاری ونجات ہے بلکہ اصطبار ضروری ہے کما قال السعدیؒ۔ خوشا وقت شوریدگاں غمش + اگر ریش بینند و گر مرہمش + دمادم شراب الم در کشند + وگر تلخ بینند دم در کشند + البتہ مغلوب الحال اس سے مستثنیٰ اور معذور ہے۔

غزل

اگر چہ عرض ہنر پیش یار بی ادبی ست	زبان خموش ولیکن دہان پر از عربی ست

عربی مراد سخنان فصیح کہ از صدق حال برخیزد۔ اس میں ایک حالت خاص کا بیان ہے کہ جوش عشق میں اپنی جان نثاری وخدمت گزاری ووفاداری کے اظہار کا بعض اوقات جوش ہوتا ہے اس کے بارہ میں کہتے ہیں کہ اگر چہ اپنی خوبی وہنر کا محبوب کے سامنے پیش کرنا بے ادبی ہے اور اسی لئے زبان خاموش بھی ہے لیکن جوش اس قدر ہے کہ ایسے کلمات منہ تک آجاتے ہیں گو ضبط کیا جاتا ہے اس میں اشارہ اس طرف ہو گیا کہ جوش میں بھی دعویٰ کی کوئی بات نہ ہونا چاہئے کہ خلاف ادب ہے اور طرق العشق کلها آداب۔

پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمۂ وناز	بسوخت عقل ز حیرت کہ این چہ بوالعجی ست

مقصود یہ کہ عجب قحط بصیرت ہے کہ کاملین کے کمالات سے آنکھیں بند کرلی ہیں اور شیطان مزدور کو کامل سمجھ رکھا ہے اس میں اشارہ ہے کہ تجویز مرشد میں بصیرت و تحقیق سے کام لینا چاہئے کما قال الرومیؒ ۔ پس بر دستی نباید داد دست

سبب مپرس کہ چرخ از چہ سفلہ پرور شد
کہ کام بخشی او را بہانہ بے سببی ست

یہ بطور سبب مضمون سابق کے ہے اور چرخ سے مراد عوام اہل عالم ہیں۔ مطلب یہ کہ عوام کی توجہ کا سبب کیا پوچھتے ہو ان کے رتبہ بخشی کے لئے کسی سبب معتد بہ کی تھوڑا ہی ضرورت ہے محض خیال کے پابند ہوتے ہیں جو جی میں آیا کر گزرے تحقیق کی عادت ہی نہیں۔ پس اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ عوام کے ہجوم سے کسی کے کمال پر استدلال نہ کیا جائے۔

ازین چمن گل بیخار کس نچید آرے
چراغ مصطفوی با شرار بولہبی ست

مقصود یہ ہے کہ کوئی راحت بدون محنت اور کوئی نفع بدون تحمل ضرر میسر نہیں حتیٰ کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو باوجود اس محبوبیت کے ابولہب کی ایذائیں سہنا پڑیں۔ پس طریق طلب میں امور شاقہ وصعبہ ظاہرہ یا باطنہ جو خلاف مزاج پیش آئیں ان کا تحمل چاہئے تا کہ دولت مطلوبہ حاصل ہو۔

حسن ز بصرہ بلال از حبش صہیب از روم
ز خاک مکہ ابو جہل این چہ بوالعجبی ست

مقصود یہ ہے کہ ظاہری اسباب کو نہ موثر سمجھے نہ مانع بالکل دارومدار فضل اور مشیت پر ہے۔ اس میں تعلیم ہے کہ نہ اپنے کمالات پر ناز کرے نہ دوسرے کے نقائص پر اس کی تحقیر کرے۔ ع تا یار کرا خواہد و میلش بکہ باشد۔

جمال دختر رز نور چشم ماست مگر
کہ در نقاب زجاجی و پردۂ عنبی ست

دختر رز بنت العنب شراب۔ واو چون از عنب حاصل می شود و در زجاج می ماند بطور حسن التعلیل محبوبیت او را معلل بدین علت ساختہ کہ شاید او در نقاب زجاجیہ است کہ از رطوبات سہ گانہ چشم ست کہ مجموعہ آن جلسد یہ وزجاجیہ وبیضیہ است وشاید در حجاب عنبی ست کہ از طبقات ہفتگانہ چشم ست کہ مجموعہ آن صلبی و مشیمی و شبکی و عنبی و عنکبوتی و قرنی و ملتحمی

ست ازین رو نور چشم ما باشد۔ وہلسان اشارت مقصود بیان کردن ست عزیز بودن نسبت عشقیہ را کہ در مستی مشابہ شراب ست و چون حسن التعلیل محض مضمون شاعرانہ می باشد ضرور نیست کہ در واقع چیزے مصداق آن شود بجز تحسین کلام و تشبیہ پس حاصل معنی آن باشد کہ عشق چنان عزیز ست کہ گویا نور چشم ماست کہ در رطوبت خاصہ و طبقہ خاصہ می ماند۔

دوای درد خود اکنون ازان مفرح جوی	کہ در صراحی چینی و شیشۂ حلبی ست

چون صراحی چینی و شیشۂ حلبی از انفس ظروف شراب ست کہ در و انفس شراب می ماند پس کنایہ شد از اکمل افراد خمر۔ مراد اس سے بھی وہی عشق ہے جو کامل درجہ کا ہو اور درد سے مراد امراض قلب کما قال الرومیؒ۔

ای دوای نخوت و ناموس ما	ای تو افلاطون و جالینوس ما

یا درد سے مراد ضلال طلب اور مفرح سے مراد نسبت و تعلیم اور صراحی چینی و حلبی سے مراد مرد کامل یعنی اگر اپنے درد طلب کی دوا کہ عبارت ہے وصول سے چاہتے ہو تو کسی کامل سے فیوض باطنی حاصل کرلو اور اس کی تلقین کا اتباع کرو۔

بہ نیم جو نہ خرم طاق خانقاہ و رباط	مرا کہ مصطبہ ایوان و پای خم طنبی ست

مصطبہ میخانہ و طنب خیمہ مثبک (گویم کہ شاید شامیانہ مراد باشد کہ رفیع ہم ست و درمیان سقفش و قنا تش شباک ہم ست واللہ اعلم و شاید آنرا طنبی ہم گفتہ باشند منسوب الی الطناب بمعنی رسن) و بنای رفیع کذا فی الغیاث والحاشیۃ والشرح چون در خانقاہ و رباط اکثر رسوم لایعنی و صورت طاعت بے معنی ماندہ بود لہٰذا کنایہ از عبادت ریائی گشت چنانکہ در مصرعہ مشہورہ ع چو بصومعہ رسیدم ہمہ یافتم ریائی + و مراد از میخانہ و خم سے طاعت مقرون بالمحبۃ والاخلاص ست۔ ترجمہ تو یہ ہے کہ خانقاہ و رباط کی محراب میں ایک جو کو بھی نہ خریدوں جبکہ میخانہ میرا ایوان ہے اور خم شراب کا پانو میری بناء رفیع ہے۔ مطلب یہ کہ خدا تعالیٰ نے مجھ کو ایوان عشق و سامان عشق عطا فرمایا ہے میری نظر میں عبادت ریائی ہیچ ہے۔ مقصود اظہار نفرت ہے ریاء سے۔

ہزار عقل و ادب داشتم من ای خواجہ	کنون کہ مست و خرابم صلای بی ادبی ست

عقل سے مراد عقل معاش اور ادب سے مراد ادب [illegible]
مطلب یہ کہ حصول عشق سے پہلے میں بھی عقل معاش اور ادب [illegible]
مال اور جاہ ہے اب تو اس کی ضد کے ساتھ متصف ہو گیا لما قال الرومی [illegible]
شد اور حرص و عیب کلی پاک شد۔ مقصود بیان کرنا ہے اہل عشق کا ترغیب کے لئے ۔

بیار می کہ چو حافظ مدام استظہار	بگریۂ سحری و نیاز نیم شبی ست

استظہار پشتی وقوت۔ مطلب یہ کہ اے مخاطب شراب محبت حاصل کر جس کے لوازم میں سے گریہ و نیاز ہے کیونکہ کامیابی میں امداد اسی گریہ و نیاز سے ملتی ہے جس طرح حافظ کو اسی سے امداد ملی۔ اور بعض نسخوں میں بجائے استظہار کے استغفار ہے یعنی تم جو ظاہری استغفار پر مغرور ہوئے ہو اور عشق و محبت سے مستغنی ہو تو اصل استغفار تو یہی گریہ و نیاز ہے جو موقوف ہے عشق و محبت پر جس طرح حافظ بھی اسی استغفار میں مشغول ہے پس اس کو حاصل کرو۔ اور اگر بیار کا مخاطب ساقی و مرشد ہو تو معنی یہ ہوں گے کہ فیض عشقی عطا فرمائیے کہ حافظ کو جس طرح استظہار یا استغفار اس سے نصیب ہوا مجھ کو بھی ہو پس حافظ کو ایک دوسرا شخص بطور تجرید کے فرض کر لیا گیا۔

غزل

عیب رندان مکن ای زاہد پاکیزہ سرشت	کہ گناہ دگرے بر تو نخواہند نوشت
من اگر نیکم اگر بد تو برو خود را باش	ہر کسی آن درو د عاقبت کار کہ کشت
ہمہ کس طالب یار ند چہ ہشیار و چہ مست	ہمہ جا خانۂ عشق ست چہ مسجد چہ کنشت
سر تسلیم من و خاک در میکدہا	مدعی گر نکند فہم سخن گو سر و خشت
ناامیدم مکن از سابقۂ روز ازل	تو چہ دانی کہ پس پردہ کہ خوب ست و کہ زشت
نہ من از خانہ تقوی بدر افتادم و بس	پدرم نیز بہشت ابد از دست بہشت
بر عمل تکیہ مکن خواجہ کہ در روز ازل	تو چہ دانی قلم صنع بنامت چہ نوشت
گر نہادت ہمہ این ست زہی پاک نہاد	در سرشتت ہمہ این ست زہی پاک سرشت

[illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] کشت
[illegible] [illegible] بہشت

[illegible] شخص کو جو ظاہر پر جمود کیے ہو اور اہل باطن کے [illegible] ظاہر ہو اور اہل [illegible] ظاہر ہی [illegible] کرتا ہو مگر اس [illegible] میں اعتراض اور طعن [illegible] کا اظہار ہو [illegible] مختلف عنوانوں سے جواب دیتے ہیں [illegible] اے زاہد پاکیزہ سرشت تم ہم رندوں کا عیب مت کیا کرو (پاکیزہ سرشت [illegible] طنز کے طور پر کہا) دوسرے شخص کا گناہ تمہارے نامہ اعمال میں تو نہ لکھا جائے گا [illegible] جواب [illegible] یعنی ہماری حالت اگر تمہارے نزدیک گناہ ہی [illegible] تم کیوں پڑتے ہو گناہ ہم کو ہوگا تم کو تو نہ ہوگا۔ اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی شخص [illegible] نہ کیا کرے یہ تو سنت انبیاء علیہم السلام و نصوص کے خلاف ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ جب ناصح مخاطب کو حق پہنچا چکا تو فرض ادا ہو گیا اب ہر وقت اس کے درپے ہونا اس شخص کا کام ہے جو مامور من اللہ ہو یا مامور من السلطان ہو جیسے انبیاء علیہم السلام یا سلاطین و حکام یا امیر الحسبہ وغیرہ کہ یہ مامون ہوتے ہیں [illegible] ورنہ اکثر ریا و نفاق [illegible] ہو جاتا ہے [illegible] کا۔ اور قرآن مجید میں آیۃ یا ایہا الذین آمنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم اور حدیث میں ارشاد لا یقص الا امیر او مامور او مختال اسی پر محمول ہے البتہ جو مخلص ہو وہ ملحق بالمامورین ہے وقلیل ما ھم اور یہاں کلام باعتبار اکثر اور غالب حالت کے ہے) آگے فرماتے ہیں کہ اگر میں نیک ہوں یا بد ہوں تم جاؤ اپنا کام کرو (یعنی اپنا کام چھوڑ کر میرے پیچھے کیوں پڑ گئے یہ بھی اشارہ ہے ایک مفسدہ کی طرف جو ایسے ناصح کو پیش آتا ہے یعنی بعض احوال میں دوسرے کو نصیحت کرنا مستحب ہوتا ہے مگر اس مشغولی میں اپنے فرض کام ضائع ہو جاتے ہیں تو ایسا مستحب پھر غیر مباح ہو جاتا ہے) ہر شخص انجام کار وہی کاٹے گا جو اس نے بویا ہوگا (آگے دوسرے عنوان سے فرماتے ہیں کہ) تمام آدمی محبوب کے طالب ہیں اس میں ہوشیار و [illegible] سب آ گئے اور ہر جگہ عشق ہی کا ظہور ہے اس میں مسجد اور بت خانہ سب آ گیا (یعنی [illegible] طرف [illegible] طلاق [illegible]

دو قسمیں ہیں ایک مطلوب کہ بالذات و بالقصد طلب کیا جائے جیسے کہ منزل کی طلب ہے دوسرے
بالعرض مطلوب جو تبعاً یا ثانیاً طلب کیا جائے جیسے راستہ کی طلب ہے کہ مقصود ذات کو نہیں
بلکہ اس کا قصد کرتے ہیں اور وہ کمال خواہ حقیقی ہو یا اضافی مستدعی اسباب ہے تو
مطلوب بالعرض ہوا اگر طالب کا قصد اس سے متعلق نہیں تو عشق میں مصرع دوم
اسی طرح مطلوب کی دو قسمیں ہیں ایک طلب ہوشیاری کے ساتھ دوسری طلب مستی کے
ساتھ ہماری طلب ہے پھر عیب یہ بھی ایک قسم طلب مقبول کی ہے پھر ہم پر اس طلب میں
کیوں اعتراض کیا جاتا ہے مصرعہ ثانیہ میں تقسیم اول کی طرف اور مصرعہ اولیٰ میں تقسیم ثانی کی
طرف اشارہ ہے آگے فرماتے ہیں کہ) میرا سر تسلیم و نیاز تو خاک در میکدہ سے جدا نہ ہوگا
(یعنی حالت عاشقانہ کو اپنے اعتراضوں سے نہ چھوڑوں گا) اگر مدعی (یعنی معترض کہ منشاء
الاعتراض کا مدعی ہونا ہے یا اپنی بزرگی و تقویٰ کا مدعی ہونا ہے) بات کو نہ سمجھے (یعنی مختلف عنوانوں
سے سمجھانے پر بھی نہ سمجھے) تو اس سے کہہ دو کہ اپنا سر پھوڑ لے (یہ کنایہ ہے عدم
حصول مقصود سے آگے فرماتے ہیں کہ) تم مجھ کو روز ازل میں جو قرار پا چکا ہے اس سے ناامید
مت کرو (یعنی اپنے علم مت لگاؤ کہ یہ کافر ہے دوزخی ہے) تم کو کیا معلوم کہ پس پردہ کون اچھا
ہے اور کون برا ہے (کما قال تعالیٰ فلا تزکوا انفسکم ھو اعلم بمن اتقی مطلب یہ
کہ اگر میری حالت بری ہو تو شاید اچھی ہو جائے اور اگر تمہاری حالت اچھی ہی ہو تو شاید بری
ہو جائے تو ناز اور تحقیر بالکل بے محل ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ) کچھ میں ہی خانۂ تقویٰ سے
باہر نہیں نکلا میرے باپ آدم علیہ السلام نے بھی جنت الخلد کو ہاتھ سے دے دیا تھا (اس شعر کے
کے یہ معنی ہیں اور یہ مطلب نہیں کہ اپنے لئے ارتکاب حاصل ہو کہ مجھ سے اگر کوئی لغزش و زلت
ہو گئی تو آخر آدمی ہوں جب آدم علیہ السلام سے ہو گئی تو اس قدر اور اس طرح کے طعن و تشنیع
مناسب نہیں قال علیہ السلام نسی آدم فنسیت ذریتہ و جحد آدم فجحدت ذریتہ
آگے فرماتے ہیں تم جو ایسی بڑھ بڑھ کر باتیں بناتے ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم کو اپنے
عمل پر ناز ہے (تو) یہاں عمل پر بھی ناز مت کرنا چاہئے۔ یوم الازل پر ہمیں معلوم نہیں تم کو سعید لکھا
ہے یا شقی اور اگر آپ کی بڑی اطاعت ہے تو آپ کو آپ کی اطاعت قرار پا رہی ہیں اور اگر آپ کی بڑی

طینت ہےتو بہت ہی نیک طینت ہے (مطلب یہ کہ اگر اس تنبیہ پر بھی تم باز نہیں آتے اور یہی طرز تمہاری طبیعت ہوگئی ہے تو سلام ہے ایسی طبیعت کو وہذا کما قال فی الشعر الاول پاکیزہ سرشت تہکما وہذا ماادی الیہ ذوقی۔ آگے فرماتے ہیں کہ تم جو محض اعمال ظاہری کی ترغیب جنت کے لئے دے رہے ہو اس میں شک نہیں کہ) باغ جنت لطیف ہے لیکن یاد رکھو کہ سایہ بید اور لب کشت یعنی نسبت عشقیہ کہ مثل سایہ بید ولب کشت کے فرحت بخش ہے نیز قابل غنیمت سمجھنے کے ہے (یعنی اس کو بھی حاصل کرو کہ جنت کی کامل نعمتیں اسی پر موقوف ہیں قال تعالے والسابقون السابقون اولئک المقربون بعد قولہ تعالیٰ اصحاب المیمنۃ ما اصحاب المیمنۃ خواہ یہ عشق سلف کے لون سے ہو یا خلف کے لون سے مگر یہ متیقن ہے کہ زہد خشک کو کسی نے سلف میں سے بھی کافی نہیں سمجھا۔ آگے اپنے کو وہی اوپر والی نصیحت کرتے ہیں کہ تم بھی اپنی نسبت عشقیہ پر مغرور مت ہونا اس کا اعتبار بھی خاتمہ پر ہے) اے حافظ اگر خاتمہ کے روز یہ جام محبت حاصل رہا تو اس خرابات دنیا سے سیدھے جنت میں پہنچو گے (ورنہ خاک بھی نہیں فقط)۔

جز آستان توام در جہان پناہی نیست	سرِ مرا بجز این در حوالہ گاہے نیست

خطاب ہے محبوب حقیقی کو کہ بجز آپ کے آستانہ کے میری کہیں پناہ نہیں یہی حاصل ہے مصرعہ ثانیہ کا۔ اس میں تعلیم ہے توکل وتفویض واعتماد علی الحق کی۔

عدو چو تیغ کشد من سپر بیند ازم	کہ تیر ما بجز از نالہٗ و آہے نیست

نالہ باشباع می باید خواند ورنہ سکتہ لازم می آید۔ وسپر انداختن کنایہ از عجز و ترک جنگ۔ مطلب یہ کہ میں انتقام نہیں لیتا ہمارا ہتھیار صرف آہ و نالہ ہے۔ اس میں تعلیم ہے سالک کو صبر و رضا وتسلیم کی اور تسلیہ ہے وعدہ نصر سے۔

چراز کوی خرابات روے برتابم	کزین بہم بجہان ہیچ رسم وراہی نیست

بہم مرکب از لفظ بہ بمعنی بہتر ومیم متکلم بمعنی مرا۔ مطلب یہ کہ طریق عشق سے بہتر کوئی طریق نہیں اس کو کبھی ترک نہ کروں گا اس میں تعلیم ہے استقامت وثبات علی مشاق السلوک کی خواہ ظاہری ہوں یا باطنی۔

زمانہ گر بزند آتشم بخرمن عمر	بگو بسوز کہ بر من برگ کاہی نیست

یعنی اگر زمانہ مجھ کو ہلاک بھی کردے کچھ پروا نہیں کیونکہ عمر وحیات کی قدر میرے نزدیک ایک پرکاہ کے برابر بھی نہیں اس میں تعلیم ہے عدم توحش عن الموت کی کہ یہی توحش سبب ہے حرص وطول امل وغیرہ کا۔

غلام نرگس جماش آن سہی سردم	کہ از شراب غرورش بکس نگاہی نیست

جماش مست و دلبر وشوخ ومراد از نگاہ احتیاج کمافی قولہ تعالیٰ لاینظر الیھم ارید بالنظر نظر الرحمۃ لا مطلق النظر۔ وشراب غرور عبارت از استغناء۔ مقصود بیان کرنا صفت غنا محبوب کا ہے اور علاوہ تحقیق مسئلہ صفات کے اس طرف بھی اشارہ ہوگیا کہ سالک اس کی غنا پر نظر رکھے اور اپنی عبادت وریاضت پر ناز نہ کرے جو کچھ کوئی کرتا ہے اپنے لئے کرتا ہے قال تعالیٰ من جاھد فانما یجاھد لنفسہ ان اللہ لغنی عن العالمین۔

مباش درپئے آزار وہرچہ خواہی کن	کہ در شریعت ما غیر ازین گناہی نیست

یعنی برابر این گناہے نیست مبالغۃً باین عنوان تعبیر نمودہ۔ مقصود بالخصوص امر فرمانا ہے اہتمام تقویٰ وورع کا حقوق العباد سے کہ سالک کے لئے سب سے بڑھ کر مضر ہے کہ تدارک اس کا خارج از اختیار ہے۔ نیز سلوک میں قلب میں خشوع پیدا کرنا خصوصیت کے ساتھ مطمح نظر ہے کہ وہ منبع ہے جمیع اخلاق حسنہ کا اور آزار دینا ناشی ہے قساوت قلب سے جو منافی خشوع ہے اس لئے بھی خلاف موضوع ہونے میں اشد ہے۔

عنان کشیدہ رواى بادشاہ کشور حسن	کہ نیست بر سر راہے کہ دادخواہی نیست

سہل یہ ہے کہ خطاب مرشد کو ہو کہ ذرا تفصیلی نظر سے طالبین کی طرف جزئیاً جزئیاً توجہ کیجئے (کیونکہ عنان کشیدہ چلنا سبب اسی تفصیلی نظر کا ہوتا ہے) سر راہ میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جو دادخواہ نہ ہو (یعنی سب محتاج تربیت ہیں۔ اس میں ارشاد ہوگا مشائخ کو کہ طالبین سے استغناء نہ کریں) اور بعض نے محبوب حقیقی کو مخاطب ٹھہرا کر یہ تقریر کی ہے کہ تجلی کے بعد جو استتار ہو جاتا ہے کچھ تو تجلی کو توقف وامہال ہونے دیجئے کہ بہت سے مشتاق روبراہ ہیں

عقاب جور کشادہ است بال در ہمہ شہر	کمان گوشہ نشینے و تیر آہے نیست

مدلول لفظی ظاہر ہے۔ شاید مقصود اس سے متنبہ کرنا ہو اہل ظلم کو کہ اب تک جو باوجود اس ظلم و ستم کے بچے ہو اس پر نازمت کرنا کسی اہل دل نے اب تک اس طرف توجہ نہیں کی ورنہ قلع و قمع ہو جاتا اور ان کی توجہ کا کوئی ضابطہ اور وقت معین نہیں پھر کس چیز کے دھوکے میں ہو۔ اس میں تحذیر ہوگی ظلم سے خصوص اہل دل پر جیسا اکثر منکرین معاندین کا شیوہ ہے۔ اور یا مقصود اس سے درخواست ہے اہل دل سے کہ اپنے معاملہ میں خواہ صبر کرو مگر عامہ خلائق پر جو شخص ظلم کرے اس وقت اپنے تیر و کمان بددعا سے کام لینا چاہئے اور یہ قید دوسرے دلائل سے معلوم ہے کہ جب بذریعہ نصیحت یا دعا اصلاح ہونے سے یاس ہو جائے۔

چنین کہ در ہمہ سو دام راہ می بینم	بہ از حمایت زلف تو ام پناہے نیست

مدلول لفظی ظاہر ہے مقصود یہ ہے کہ جب شیاطین الانس یعنی شیوخ مزورین و شیاطین جن یعنی موسوسین و مغوین کا ہجوم ہو تو اللہ تعالیٰ ہی سے پناہ طلب کرے کہ وہ ان اعداء سے محفوظ رکھے اور شریعت کو ایسے وقت معیار بنانا اور دعا بھی کرنا یہی اعتصام بحبل اللہ ہے انشاء اللہ تعالیٰ ہر خطرہ سے مامون و مصون رہے گا۔

خزینۂ دل حافظ بزلف و خال مدہ	کہ کارہای چنین حد ہر سیاہی نیست

سیاہ غلام حبشی۔ دعا کرتے ہیں کہ میرا دل کہ کنز معرفت ہے بالقوہ یا بالفعل محبوبان مجازی کے زلف و خال میں مبتلا نہ ہونے دیجئے کیونکہ ایسے امور عظیم الشان کہ مالک ہونا ہے ایسے کنز کا ایسے غلاموں کی حیثیت کے لائق نہیں۔ زلف و خال کو سیاہ سے تعبیر کرنے کا لطف ظاہر ہے باعتبار لون کے بھی اور باعتبار بے قدری کے بھی۔ اس میں تعلیم ہے کہ عشق مجازی سے قصداً بچنا چاہئے اور جو بلا قصد ہو جائے اس سے حقیقت کی طرف متوجہ ہونے کا قصد کرنا چاہئے بطریقہ الذی قد عرف۔

غزل

حال دل باتو گفتنم ہوس ست	خبر دل شنفتنم ہوس ست

مدلول لفظی یہ ہے کہ اپنا حال تجھ سے کہنے کی ہوس ہے اور اس کی ہوس ہے کہ اپنا حال دل کہہ کر تجھ سے اپنے دل کے بارہ میں کوئی خبر اس کے علاج بالوصل وغیرہ کی سنوں کہ امید بند ہے۔ اور مقصود یہ ہے کہ اے مرشد یوں جی چاہتا ہے کہ اپنے امراض قلب یا واردات بیان کر کے آپ سے اس کے متعلق اصلاح یا تفسیر و تعبیر یا طریق ترقی سنوں۔

طمع خام بین کہ قصہ فاش	از رقیبان نہفتنم ہوس ست

مطلب لفظی ظاہر ہے کہ باوجود اس قصۂ عشق کے فاش ہونے کے پھر اس کے پوشیدہ رکھنے کی ہوس کرنا طمع خام ہے اور مقصود معنوی اشارہ اس طرف ہے کہ جو حالت بلا اختیار ظاہر و فاش ہو جائے اس کے اخفاء کی کوشش کرنے کی ضرورت نہیں اور محققین کا یہی مسلک ہے کہ کسی حال کے نہ اظہار کا قصد کیا جائے نہ اخفاء کا کہ دونوں میں التفات الی الغیر ہے اور اصل مقصود توجہ بحت الی اللہ ہے۔

شب قدری چنین عزیز و شریف	باتو تا روز خفتنم ہوس ست

شب قدر مراد عمر کہ قابل قدر ست و چون دنیا محل تاریکی و خفاء حقائق ست تشبیہ بشب دادن مناسب شد در دز مراد روز مرگ کہ وقت انتباہ و انکشاف حقائق ست کما قال علیؓ الناس نیام اذا ماتوا انتبھوا مطلب یہ کہ یوں جی چاہتا ہے تمام عمر دم مرگ تک آپ کے ساتھ معیت بالقلب میسر رہے تا کہ اس کے ثمرہ میں بعد مرگ معیت بلا حجاب میسر ہو۔

دہ کہ در دانۂ چنین نازک	در شب تار سفتنم ہوس ست

ترجمہ لفظی ظاہر ہے کہ شب تاریک میں ایسے گوہر نازک کو سفتہ کرنا ہوس محض ہے۔ اور مقصود معنوی یہ ہے کہ دنیا میں کہ مشابہ شب تاریک کے ہے بالوجہ الذی قد ذکر فی شرح الشعر السابق) وصل بلا حجاب کی تمنا کرنا محض ہوس ہے۔ مقصود بیان کرنا اس خیال کے غلط ہونے کا ہے۔ للامتناع الشرعی ولا یؤاخذ بالتمنی الغیر الاختیاری۔

ای صبا امشبم مدد فرما	کہ سحرگہ شکفتنم ہوس ست

یعنی ای فیاض حقیقی یا اے مرشد کہ فیاض مجازی ہے دنیا میں میری مدد فرمایئے تا کہ صبحگاہ

قیامت میں مجھ کو شگفتگی وکمال انبساط کہ وصال بلا حجاب ہے نصیب ہو۔ اس میں اشارہ ہے کہ مجاہدات وریاضات میں استمداد من اللہ ہی مدار اعظم ہے اپنی قوت پر اعتماد نہ کرے۔

از برای شرف بنوک مژہ	خاک راہ تو رفتم ہوس ست

از برای وبنوک ہردو متعلق برفتن۔ اس میں تعلیم ہے تحمل مشاق وتذلل کی تحصیل مقصود میں۔

ہمچو حافظ برغم مدعیان	شعر رندانہ گفتنم ہوس ست

رغم خاک آلودہ شدن مراد بعکس مراد مدعیان۔ مطلب یہ کہ مدعیوں اور معترضوں کی پروانہ کرنا چاہئے اپنے عاشقانہ کام میں لگا رہنا چاہئے۔

غزل

حسنت باتفاق ملاحت جہان گرفت	آری باتفاق جہان میتوان گرفت

چونکہ ملاحت سے حسن کا کمال سمجھا جاتا ہے اس لئے یہ کنایہ کمال سے ہوا یعنی چونکہ محبوب حقیقی حسن ذاتی وصفاتی کے ساتھ موصوف ہیں اور اس وصف میں کامل بھی ہیں اس لئے تمام عالم مسخر قدرت ہے طوعاً یا کرہاً اور اس تسخیر میں صفات کمال مثل علم وقدرت وحکمت وغیرہا کا دخل ظاہر ہے اور یہ سب حسن میں داخل ہو گیا وہذا کقولہ تعالیٰ وله اسلم من فی السموات والارض طوعاً و كرهاً۔ مقصود اس بیان کمال سے تصحیح عقیدہ بھی ہے اور طالب کو ترغیب بھی ہے کہ ایسے کامل سے ضرور محبت کا تعلق ہونا چاہئے۔

افشای راز خلوتیان خواست کرد شمع	شکر خدا کہ مہر دلش برزبان گرفت

خواست کردن یعنی کردن خواست۔ وراز خلوتیان سوز وگداز کہ لازمہ عشق است وشمع عاشق۔ وگرفت گرفتہ شد کنایہ از بند شدن زبان۔ ولطافت شعری درین آنست کہ سوزش شمع کہ سر دل اوست در زبان او کہ طرف بالای اوست میرسد۔ ترجمہ لفظی یہ ہے کہ شمع نے چاہا تھا کہ راز اہل خلوت کا ظاہر کرے مگر اس کے راز دل نے زبان تک پہنچ کر اس کو سوختہ کر دیا اور اس کو اظہار سے بند کر دیا۔ مقصود یہ ہے کہ عشق ایک کیفیت وجدانی ہے کوئی شخص اس کے بیان کافی پر قدرت نہیں رکھتا جو شخص اس کا ارادہ کرے اس کی زبان اس سے عاجز ہو جاتی

ہے۔اور تمام امور وجدانیہ کی یہی کیفیت ہے کہ زبان اس کی تعبیر سے عاجز وقاصر ہے پس اگر کوئی مضمون عاشق کا غیر مفہم ہو یا خلاف حق کا موہم ہو اس پر طعن مت کرو۔

میخواست گل کہ دم زند از رنگ و بوی تو	از غیرتش صبا نفس اندر دہان گرفت

شین در غیرتش مضاف الیہ نفس ست۔ مدلول لفظی یہ ہے کہ گل اپنے میں رنگ و بو دیکھ کر تیرے رنگ و بو کے مساواۃ کا دعویٰ کرنا چاہتا تھا۔ مگر صبا نے غایت غیرت سے اس کا سانس اس کے منہ ہی کے اندر پکڑ لیا یعنی بولنے نہ دیا چنانچہ گل کا نہ بول سکنا ظاہر ہے۔ اور اس میں نہ بولنے کی ایک ادعائی علت بطور حسن التعلیل کے ہے۔ اور بعض نسخوں میں اس طرح ہے نفسش در دہان الخ پس غیرتش کے معنی ہوں گے غیرت خود اور بعض نسخوں میں ہے غیرتت یعنی از غیرت برتو۔ حاصل سب کا ایک ہی ہے مقصود معنوی یہ ہے کہ سالک پر جب غلبہ توحید کا ہوتا ہے تو اپنے افعال وصفات کو عین افعال وصفات حق تخیل کر کے دعویٰ منصوری کرنا چاہتا ہے مگر فیض وحی کہ پیغام رسانی دوست میں مشابہ صبا کے ہے بمقتضائے غیرت کہ صفات حق میں سے ہے جس کا مقتضا نہی عن القبیح ہے اس کی زبان پکڑتا ہے یعنی شریعت بنہی تشریعی اس کو منع کرتی ہے گو اثر اس نہی کا واقع نہ ہو۔ کیونکہ امر تشریعی مستلزم تشریع ہے مستلزم تکوین نہیں۔ پس اس میں اشارہ ہے کہ جب تک مرفوع القلم نہ ہو ایسی حالت میں کف لسان واجب ہے گو غلبہ حال سے ضبط میں کسی قدر تکلف اور تکلیف ہی کیوں نہ ہو۔

چون لالہ کج نہادہ کلاہ طرب زکبر	ہر داغ دل کہ بادۂ چون ارغوان گرفت

ہر داغ دل الخ مبتدا و کج نہادہ الخ خبر چون حرف تشبیہ و کبر کبر ظاہری یعنی استغناء۔ و داغ دل عاشق کہ دلش داغ شدہ باشد و چون ارغوان یعنی سرخ مشابہ ارغوان کہ نام گلے ست سرخ رنگ۔ مطلب یہ کہ جس عاشق نے بادہ عشق نوش کر لیا وہ تمام ماسوی اللہ سے مستغنی ہو گیا گویا لالہ کی طرح کلاہ طرب کج رکھے ہوئے ہے۔ اس میں ترغیب ہے تحصیل عشق کی۔ اور بعض نسخوں میں ہے ہر دل کہ داغ بادۂ الخ معنی یہ ہوں گے کہ جس دل نے ایسی بادہ کے داغ یعنی طلب کو اختیار کر لیا اور ترکیب وہی ہے۔

زان روی عشق ساغرمی خرمنم بسوخت	کآتش زعکس عارض ساقی دران گرفت

روی وجہ بمعنی سبب یعنی ازان سبب۔ مدلول لفظی تو ظاہر ہے کہ ساغرمی میں چونکہ عارض ساقی کا عکس پڑتا تھا اس لئے میں اس ساغر کی طلب میں بیتاب و بیقرار ہوگیا اور بلسان اشارت ساغرمی سے مراد تجلی افعالی اور عارض ساقی سے مراد تجلی صفاتی من حیث انہ ناش من التجلی الذاتی کما یدل علیہ اضافۃ العارض الی الساقی الذی ہوالذات۔ پس مطلب یہ ہوا کہ افعال حق (جو دال ہیں صفات حق پر اور ابتدائے سلوک میں یہی مطمح نظر ہوتا ہے قال اللہ تعالیٰ (ویتفکرون فی خلق السموات والارض ربنا ماخلقت ھذا باطلا الآیہ) اس لئے میری خرمن ہستی کے سوختہ کرنے والے اور فاعل حقیقی کے عشق میں بیتاب کرنے والے ہوگئے کہ ان میں صفات کی اور ان کے واسطے سے ذات کی تجلی تھی۔ اس میں تعلیم ہے ترقی نظر کی سلوک میں اس طرح سے کہ افعال سے صفات کی طرف اور ان سے ذات کی طرف توجہ کرے اور بعض نسخوں میں ہے آن روز عشق الخ اور روز سے مراد وقت یعنی اسی وقت سے ایسا ہوگیا تھا۔

آسودہ برکنار چو پرگار می شدم	دوران چونقطہ عاقبتم درمیان گرفت

ترجمہ یہ ہے کہ میں پرگار کی طرح کہ کنارہ پر چلا کرتا ہے نہایت راحت کی حالت میں چل رہا تھا آخر زمانہ نے مجھ کو نقطہ کی طرح کہ وسط میں ہوتا ہے۔ اندر لے لیا۔ اور شرح اس کی بعض شراح نے یہ کی ہے کہ میں پہلے عشق سے خالی تھا مگر آخر اس میں مبتلا ہوکر مصیبت میں پھنس گیا مگر احقر کا ذوق اس کو اس لئے قبول نہیں کرتا کہ سوق کلام سے ترشح ہوتا ہے کہ پہلی حالت کو ترجیح دے رہے ہیں پچھلی حالت پر اور یہ امر نہایت بعید ہے کہ خلو عن العشق کو عشق پر ترجیح دیں اس لئے احقر کے نزدیک بعض محشیوں کی توجیہ اچھی معلوم ہوتی ہے کہ جب تک دنیا سے بے تعلق تھا بڑی راحت تھی اب تعلقات میں پڑ کر گرفتار بلیات و مصائب ہوگیا۔ پس اس میں تنفیر ہے تعلقات ہوا و ہوس سے کہ مضیع راحت روحانیہ ہے اور بعض اوقات متلف راحت جسمانیہ بھی۔

زین فتنہا کہ دامن آخر زمان گرفت	خواہم شدن بکوی مغان آستین فشاں

یعنی اس زمانہ میں کہ آخری زمانہ ہے کہ اس میں وقوع فتن نصوص میں وارد ہے جو فتنے ظاہری و باطنی برپا ہیں ان سب سے اعراض کر کے عشق و معرفت کی پناہ حاصل کروں گا چنانچہ احادیث میں ذکر و طاعت کو حصن سے تشبیہ دی گئی) ہے جس میں احکام شرعیہ و احوال عشقیہ سب داخل ہو گئے کہ ان پر استقامت و استدامت عاصم عن جمیع المکارہ ہے۔

کانکس کہ پختہ شدمی چون ارغوان گرفت	بر برگ گل زخون شقائق نوشتہ اند

تا روان یعنی انار دانہ از غیاث ۱۲

شقائق لالہ و مراد از گل گل لالہ یعنی لالہ جو اپنے کمال کو پہنچ کر اپنے خون میں رنگین یعنی سرخ ہو جاتا ہے یہ گویا بزبان حال اس بات کو بتلا رہا ہے کہ جو شخص پختہ یعنی عاقل کامل اور تجربہ کار ہو گا وہ اسی طرح مئی سرخ یعنی طریق عشق کو حاصل کرے گا۔ اس میں بھی فضیلت ہے عشق الٰہی کی کہ کمال عقل کا مقتضا اسی طریق کو اختیار کرنا ہے۔

از غم سبک برآمد و رطل گران گرفت	می دہ کہ ہر کہ آخر کار جہان بدید

سبک حال۔ و آخر کار جہان زوال و اضمحلال۔ و رطل پیمانہ شراب و رطل گران پیمانہ بزرگ کذا فی الغیاث و مقابلہ اش باسبک (در ترکیب ۱۲) لطافت شاعری ست۔ مطلب یہ کہ اے ساقی عنایت ازلی مجھ کو فیض عشقی عطا فرما کیونکہ عشق ایسی محبوب اور مرغوب چیز ہے کہ جس نے اس دنیا کا انجام کار کہ فنا و زوال ہے دیکھ لیا وہ اس کے غم و فکر سے ہلکا پھلکا نکل کر ساغر عشق ہی کو اختیار کرے گا اور بعض نسخوں میں می خور ہے اور یہ زیادہ واضح ہے۔

چون بادشہ بہ تیغ زرافشان جہان گرفت	می دہ بجام جسم کہ صباح صبوحیان

صبوح شرابیکہ بامداد نوشند و صبوحی آنکس کہ درین وقت شراب نوشد و صباح صبوحیان ظرف گرفت و فاعل گرفت ضمیر راجع بجام و بہ تیغ متعلق بہ گرفت و جملہ صباح الخ صفت جام جم ای جامیکہ در صباح تمام جہان را مثل بادشاہ بہ تیغ زرافشان گرفتہ است یعنی تمام عالم را منور ساختہ است مثل بادشاہیکہ جہاں را مسخر کند بہ تیغے کہ شعاعش چون تاب زرریزد و مراد بجام

جم لطیفۂ قلب کہ اول عشق دران پرمی شود و از ان پس در قلب مادی و منور شدن عالم مادی از لطیفہ قلب پر ظاہر ست کہ منزہ از مادہ و واسطہ فیوض الٰہیہ و مربی جسم مادی ست مطلب یہ کہ لطیفہ قلب میں کہ مشابہ جام جم ہے اور جس کی ایسی ایسی شان ہے می محبت بھر کر عطا کر دیجئے اور بعض نسخوں میں جام زر ہے اور اس کا تناسب تیغ زرافشان سے زیادہ ظاہر ہے۔

فرصت نگر کہ فتنہ چو در عالم او فتاد	عارف بجام می زد و از غم کران گرفت

می مفعول زد و معنی بجام می راز دیعنی بجام انداخت یعنی اے طالب تم فرصت اور موقع کے منتظر رہو جب سامان میسر ہو فوراً تحصیل عشق میں سعی شروع کر دو کیونکہ عارفوں کا یہی شیوہ رہا ہے کہ جب عالم میں کوئی ظاہری یا باطنی فتنہ دیکھا فوراً قلب میں محبت پیدا کر کے سب جھگڑوں سے یکسو ہو گئے۔ یہاں دو شبہے ہوتے ہیں ایک یہ کہ تحصیل محبت ہر وقت واجب ہے پھر فرصت نگر کے کیا معنی۔ دوسرے یہ کہ اسی بنا پر وقوع فتن کی قید کیوں ہے۔ جواب یہ کہ یہ دونوں قیدیں ایسی ہیں جیسے حدیث بیعت میں ہے ما اطقتن یعنی قید واقعی ہے کیونکہ طاقت ہر وقت ہے اسی طرح فرصت اور وقوع فتن ہر وقت ہے اس طرح کی تعبیر میں تسہیل ہے طبع طالب پر پھر ذرا توجہ سے اس قید کا وقوع بھی ظاہر ہو جاتا ہے اور مقید کے ایقاع کو ضروری سمجھتا ہے۔

زین آتش نہفتہ کہ در سینۂ من ست	خورشید شعلہ ایست کہ در آسمان گرفت

اس میں معنی ظاہری کے اعتبار سے تو شاعرانہ مبالغہ ہے چنانچہ ظاہر ہے اور معنی باطنی کے اعتبار سے مضمون محققانہ ہے وہ یہ کہ سینہ سے مراد لطیفہ قلب مجازاً اور چونکہ وہ مادی نہیں اس لئے غیر محدود بمکان ہے اور آتش نہفتہ کہ عبارت ہے محبت سے اس کی صفت بحلول سریانی ہے اور محل کے غیر محدود ہونے سے ایسے حال کا غیر محدود ہونا ظاہر ہے اور آسمان مادی ہے اور اس کا شعلہ آفتاب بھی مادی اور حرارت اس کے واسطے سے مادی اور محدود ہے اور غیر محدود و معنی اعظم ہے محدود سے پس بوجہ اعظمیت کے وہ مثل کل و متبوع کے ہوا اور غیر اعظم مثل جزو تابع کے ہوا اس لئے از کہنا صحیح ہو گیا پس مقصود اس سے بیان کرنا ہے شرف و دائع انسانیہ کا تا کہ سالک ان سے کام لے۔

حافظ چو آب لطف زنظم تو میچکد	غیرے چگونہ نکتہ تواند برآن گرفت

ظاہراتو اپنی مدح ہے مگر مقصود یہ ہے کہ ملفوظات اہل حال پر ظاہر الفاظ دیکھ کر نکتہ چینی نہ چاہئے بلکہ لطافت معانی کو دیکھنا چاہئے تاکہ حرمان وخسران سے بچے۔

غزل

خیال روی تو در ہر طریق ہمرہ ماست	نسیم موی تو پیوند جان آگہ ماست

نسیم موی یعنی نسیمے کہ برموی تو گزر کردہ می آید یا مراد خوشبو مجازاً۔ مدلول لفظی ظاہر ہے اور بلسان اشارت یہ تفسیر ہوسکتی ہے تصور شیخ کی یا دوام عشق ومعیت محبوب حقیقی کی۔

ببین کہ سیب زنخدان او چہ میگوید	ہزار یوسف مصری فتادہ درچہ ماست

ترجمہ ظاہر ہے مقصود بیان کرنا ہے کہ محبوب حقیقی سب محبوبوں سے اجمل واکمل ہے تاکہ طالب بشراشرہ (پوری طور پر ۱۲) اسی کی طرف متوجہ ہو اور دوسری طرف التفات نہ کرے۔

برغم مدعیا نے کہ منع عشق کنند	جمال چہرۂ توحجت موجہ ماست

برغم بمعنی برخلاف یعنی جولوگ مانع عشق ہیں۔ ان کے جواب میں محبوب کا چہرۂ لطیف حجت کافیہ ہے کہ خود اگر دیکھ لیں تو عاشق ہوجائیں یا کم از کم ہم کو تو مورد اعتراض نہ بنادیں۔ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ عشاق پر جولوگ معترض ہیں سبب اس کا حقیقت سے بیخبری ہے۔

اگر بزلف دراز تو دست ما نرسد	گناہ بخت پریشان ودست کوتہ ماست

مطلب یہ کہ محبوب تک جس شخص کی رسائی نہ ہو اس کو چاہئے کہ اپنی استعداد بمعنی قابلیت قریبہ من الفعل کا کہ مکتسب من بعض الافعال ہے کہ بخت اس سے تعبیر ہے اور اپنے مرتبہ فعل واکتساب کا کہ دست کوتہ اس سے عبارت ہے قصور سمجھے محبوب کی طرف سے کرم ولطف میں کمی نہ سمجھے کہ وہ نہایت وسیع ومحیط ہے اور زلف کو دراز کے ساتھ موصوف کرنے میں معنی وسعت واحاطہ کی طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے جب اپنی قوت وفعل کی کوتاہی ہے تو سعی کرکے اس کا تدارک کرے اور بخت سے مراد تقدیر مکتوب واستعداد فطری واضطراری نہیں کہ وہ بلاقصد ودخل عبد کے خود مجعول حق وفعل حق ہے اور وہ خیر محض ہے لتضمنہ حکماً کثیرۃ

اس کو کوتاہی وقصور سے موصوف کرنا محال ہے۔

بحاجب درخلوت سرای خاص بگو	فلان زگوشہ نشینان خاک درگہ ماست
بصورت از نظر ما اگرچہ محجوب ست	ہمیشہ در نظر خاطر مرفہ ماست
اگر بسائلی حافظ درے زند بکشا	کہ سالہاست کہ مشتاق روی چون مہ ماست

بسائلی بیای معروف بمعنی سوال و در بعض نسخ چوسائلے بیای مجہول ست و معنی ظاہر ست۔ حاجب سے مراد خاص ملائکہ قاسمین فیوض الٰہیہ جن کو حدیث اسید بن حضیر میں سکینہ فرمایا گیا ہے۔ پس معنی یہ ہوئے کہ ایسے قاسمین فیوض سے فرما دیجئے کہ فلاں شخص یعنی داعی ہماری درگاہ کا خاک نشین ہے اور گو ظاہرا وہ (بوجہ معاصی کے) ہماری نظر خاص سے محجوب (یعنی بعید) ہے (لان البعد من لوازمہ العادیۃ الحجاب) لیکن (بوجہ خاکساری وانکسار ومعذرت تقصیرات کے) ہمارا مورد توجہ ہے تو اگر وہ سائلانہ (وعاجزانہ) دروازہ کھٹکھٹائے (یعنی طالب فیوض ہو) تو دروازہ کھول دینا (یعنی اس کو فیوض پہنچانا) کہ مدت ہوگئی وہ ہمارا مشتاق (اور طالب) ہے (اور طلب ہی پر فیوض ہیں گو شرائط کمال نہ ہوں۔ پس حاجب سے مراد روکنے والا دربان نہیں بلکہ پہنچانے والا۔ بعض شراح نے اول معنی سمجھ کر مراد ابلیس لیا ہے اور تکلفات باردہ کا ارتکاب کیا)

غزل

درین زمانہ رفیقی کہ خالی از خلل ست	صراحی می ناب وسفینۂ غزل ست

صراحی مئے ناب دل مالا مال از عشق وسفینۂ غزل کلام وملفوظات اہل اللہ اور مطلب ظاہر ہے۔ اور تخصیص درین زمانہ کی اس لئے کہ پہلے تو قابل صحبت کاملین کثرت سے تھے اور اس زمانہ میں ان کی قلت اور مزورین کی کثرت ہے اور اخوان دنیا بھی مثل پہلے کے نہ رہے کہ ان سے گزند نہ پہنچتا اب تو اگر دوست ہیں وقت ضائع کرنے والے اور اگر دشمن ہیں تو قلب کے پریشان کرنے والے۔ البتہ اس صراحی اور سفینہ کے قبل مرشد کا تجویز کر لینا شرط ہے۔

جریدہ رو کہ گذرگاہ عافیت تنگ ست	پیالہ گیر کہ عمر عزیز بے بدل ست

جریدہ بے تعلق از دنیا۔ گذرگاہ راہ پیالہ گرفتن عشق اختیار کردن۔ یعنی دنیا سے بے تعلقی اور حق تعالیٰ سے تعلق اختیار کرو اول کی علت یہ ہے کہ تعلقات میں عافیت نہیں دوسرے کی علت یہ ہے کہ عمر کا بدل نہیں اس لئے عمر کو مغتنم سمجھو اور تنگ ست کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ راہ عافیت میں اتنی گنجائش نہیں کہ اس میں تعلقات دنیا اور عشق الٰہی دونوں کو لے کر نکل سکو اور چل سکو اس لئے اول کو چھوڑ کر ثانی پر اکتفا کرو۔ اس میں اظہار غلطی ہے ہوسنا کان جمع ہیچما کا۔

نہ من ز بے عملی در جہان ملولم وبس	ملالت علماہم زعلم بے عمل ست

اس میں مذمت ہے بدعملی کی۔ یعنی صرف میں ہی اس بے عملی سے متنفر نہیں ہوں بلکہ علماء بھی ایسے علم سے متنفر ہیں جو مقرون بالعمل نہ ہو۔ مقصود اس سے تنبیہ ہے مدعیان علم کو جو اپنے کو بڑا سمجھتے ہیں کہ اگر اس کے ساتھ عمل نہ ہو تو بیکار ہے اور اگر عمل ہو تو اسکے لوازم میں سے انکسار ہے۔

بچشم عقل ببین در جہان پر آشوب	جہان وکار جہان بے ثبات وبے محل ست

بے محل بے موقع نیست کہ منافی ست بآیۂ ربنا ماخلقت ھذا باطلا بلکہ بمعنی آنکہ بر محل خود ثبات ندارد پس در لفظین عطف تفسیری ست ومعنی ظاہر ست۔ مقصود اس سے تنفیر ہے تعلقات دنیویہ سے جو کہ شرط سلوک ہے۔

دلم امید فراوان زوصل (بوصل) روی تو داشت ولے اجل برہ عمر رہزن امل ست

اس میں حسرت ہے ایسے لوگوں کے حرمان پر جو تمام عمر اسی ہوس میں رہتے ہیں کہ اب سامان تحصیل ذخیرہ آخرت کا کریں گے حتیٰ کہ موت آجاتی ہے پس امید سے مراد امل ہے بقرینہ آخر بیت اور حرمان کو اجل کی طرف منسوب کرنا حالانکہ اگر اجل بھی نہ ہوتی تب بھی یہ لوگ محروم ہی رہتے اس لئے ہے کہ اجل کی تاخیر میں بعض اوقات بوجہ تجربہ قبائح دنیا صحبت کسی کامل کے اس امل کے تحقق کی بھی نوبت آجاتی ہے اور موت آگئی تو یہ احتمال بھی قطع ہو گیا۔ اس میں تعلیم ہے تعجیل فی المقصود کی۔

زقسمت ازلی چہرۂ سیہ بختان	بشست وشوی نگردد سفید واین مثال ست

اس میں آثار شقاوت وقہر کا بیان ہے۔ اور این مثل ست فرمانا شاید اشارہ اس شعر

مشہور کی طرف ہو۔

باب زمزم و کوثر سفید نتوان کرد	گلیم بخت کسے را کہ بافتند سیاہ

اور زقسمت میں حرف زعلت کے لئے ہے یعنی ہر کہ سیہ بخت باشد بسبب قسمت ازلی۔

اس شعر سے مقصود یا تو تسلیہ ہے کہ مصرین علی العناد کی حالت پر حزن بیکار ہے ان کی اصلاح نہیں ہوسکتی اور تسلیہ سے غرض یہ ہے کہ ان کی فکر میں پڑ کر اپنے قلب کو تشویش میں کہ مانع ترقی سلوک ہے کیوں ڈالا جائے۔ اور یا مقصود تخویف ہے کہ آدمی اپنے حال واعمال پر ناز نہ کرے کیونکہ علم الٰہی میں معلوم نہیں کہ سعید ہو یا شقی۔ اور یہ خوف سبب ترقی سلوک ہے۔

بگیر طرۂ مہ طلعتے وقصہ مخوان	کہ سعد ونحس زتاثیر زہرہ وزحل ست

مصرع ثانیہ بیان ہے قصہ کا یعنی فضولیات کو چھوڑ کر عشق الٰہی حاصل کرو۔

خلل پذیر بود ہر بنا کہ مے بینی	مگر بنای محبت کہ خالی از خلل ست

یعنی قرب وقبول کی جتنی بنائیں ہیں جیسے اعمال ظاہرہ و باطنہ بلا حصول نسبت کے ان سب میں احتمال زوال کا ہے مگر محبت الٰہی جو بنائے قرب وقبول ہے یہ غیر محتمل الزوال ہے وھوالمراد فی الحدیث ببشاشة الایمان اذا خالط القلوب۔

کیونکہ مبنی اعمال کا محض قصد ہے اور قصد کا کسی وقت شہوت یا غضب سے مغلوب ہوجانا اور اس مغلوبیت کا مدت تک استقرار مستبعد نہیں بخلاف نسبت عشقیہ کے کہ وہ بمنزلہ امر طبعی اضطراری کے ہوجاتا ہے اور ایسے امر کا زوال مستبعد ہے گو کسی وقت اثر ضعیف ہوجائے مگر پھر جلد عود کر آتا ہے۔ اس سے یہ مقصود نہیں کہ اعمال بیکار ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اعمال کو ذریعہ اس نسبت باطنی کا بنانا چاہئے اور جب تک یہ میسر نہ ہو مجاہدہ شدیدہ کرنا چاہئے اس کے بعد بقدر ضرورت مجاہدہ کافی ہے۔

بیچ دور نخواہند یافت ہشیارش	چنین کہ حافظ ما مست بادۂ ازل ست

اس میں بیان ہے نسبت عشقیہ کے دوام وثبات کا۔ پس یہ شعر شعر سابق کی تفریع یا شرح کے طور پر ہے۔

غزل

دل ودینم شد ودلبر بملامت برخاست	گفت باما منشین کزتو سلامت برخاست

یعنی عشق میں میرا تو دل اور دین دونوں غارت ہوگئے (جس پر مجھ کو امید قدر دانی کی تھی) مگر محبوب ملامت کرتا ہوا اٹھا اور کہنے لگا کہ ہمارے پاس مت بیٹھو کیونکہ تم سے سلامتی (واعتدال) کی صفت اٹھ کھڑی ہوئی (اور اپنی حالت حد سے متجاوز ہوکر قابل ملامت کے کرلی جو ہم کو پسند نہیں۔ اس میں اشارۃً یہ ارشاد ہے کہ باستثناء مرفوع القلم شخص کے کسی حالت میں ضبط کو جوکہ اختیاری ہو گو اس میں کچھ کلفت بھی ہو ہاتھ سے دے کر اپنی حالت صحت یا حالت دین کو معرض فساد میں ڈالنا اور اعتدال شرعی سے خارج ہوجانا قبیح و مذموم ہے گو بوجہ بے علمی کے اپنی رائے فاسد سے یہ شخص اس کے ادخل فی التقرب والقبول ہونے کا زعم کرتا ہو اسی لئے حدیث میں سوال شوق کے ساتھ یہ قید لگائی ہے **فی غیر ضراء مضرة (ای مایعود الی الصحة) وفتنة مضلة (ای مایعود الی الدین) بعد قوله واسئلک شوقاً الی لقائک**۔

کہ شنیدی کہ درین بزم دمی خوش بنشست	کہ نہ در آخر صحبت بندامت برخاست

این بزم سے مراد وہ دنیا ہے اور یہ شعر مقارب المعنی اس شعر عربی کا ہے ؎ **ومن یحمل الدنیا لعیش یسره + فسوف لعمری عن قلیل یلومها +** مقصود اس سے تزہید ہے دنیا میں جو کہ شرائط سلوک سے ہے۔

شمع گر زان لب (رخ) خندان بزبان لافی زد	پیش عشاق تو شبہا بغرامت برخاست

اس میں حسن التعلیل ہے یعنی شمع جو تمام شب استادہ رہتی ہے اس کی وجہ یہ ہے۔ اسنے تیرے روئے خندان کی مساواۃ کا دعویٰ کیا تھا۔ اس لئے یہ کھڑا ہونا اس پر جرمانہ ہو ہے۔ اور بلسان اشارت بیان ہے اس کا کہ غلبۂ توحید میں جن لوگوں نے دعویٰ اتحاد کا انجام کاران کا مضرت ہوا خواہ جسمانی جیسا منصور کو خواہ نفسانی جیسا بایزید کہ بعد صحو کے پشیمان ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ **کنت الیوم کافرامجوسیا والآن اقطع زناری**

والقول اشهد ان لا اله الا الله اور پشیمانی وندامت کو منہیات کی پہنچ ہے مگر آ کر قلب کو اس وقت کلفت تو ہوتی ہے جس کا سبب صدور ہو گیا ہے اگر صادر نہ ہوتی تو یہ کلفت کیوں ہوتی اس اعتبار سے اس کو ضرر لسانی میں داخل کیا۔ اور خواہ ضرر روحانی ہو پنا نچہ ایسے دعاوی مانع ترقی ہیں اگر ان پر دوام رہا کیونکہ وہ دلیل سکر ہے اور سکر میں ترقی نہیں ہوتی ۔

درچمن باد بہاری زکنار گل و سرد	بہواداری آن عارض وقامت برخاست

مطلب یہ کہ سب میرے محبوب کے نیاز مند وثناء خواں ہیں حتیٰ کہ باد بہاری جو چمن میں گل وسرو کی بغل میں سے نکلتی ہے یعنی اس پر سے گزرتی ہے وہ بھی گل کے واسطہ سے اس کے عارض کی اور سرو کے واسطہ سے اس کے قامت کی ہواداری اور خدمت کرتی ہے کہ گل کو تازہ وخنداں اور سرو کو سبز وریان کر کے اس کے خوبی عارض وقامت کا اظہار کرتی ہے کیونکہ ۔ فی کل شیء له آیۃ + تدل علی انه واحد + اس میں محبوب حقیقی کے کمال کا تام ہونا اور ہر مصنوع کا مدلول بالوجہ العام ہونا بتلانا ہے تا کہ اس کی طلب میں سعی کریں ۔

مست بگذشتی واز خلوتیان ملکوت	بتماشای تو آشوب قیامت برخاست

مست کنایہ از استغناء۔ وبگذشتی تجلی کردہ مستتر شدی۔ وخلوتیان ملکوت اہل خلوت کہ در مراقبات نسبت بعالم ملکوت پیدا کردہ باشند۔ وتماشا مشاہدہ۔ وبا بمعنی در یا بمعنی برای۔ وآشوب قیامت شورش ونالہ۔ مطلب یہ کہ محبوب حقیقی جو متجلی ہو کر مستتر ہو گیا۔ تو اہل خلوت مشاہدہ سے یا استتار کے بعد مشاہدہ کے لئے بے تاب ہو کر نالہ وفریاد کرنے لگے۔ لان التجلی مفاجاۃ یورث الشوق ویذہب بالسکون وان الاستتار یورث الحزن وکلاہما یوجب الاضطراب۔ اور بعض خلوتیان ملکوت سے مراد ملائکہ لیتے ہیں مگر چونکہ بقول مشہور ملائکہ میں کیفیت شورش نہیں ہے۔ نیز ان کو خلوت کی بھی حاجت نہیں ہے اس لئے احقر نے اس کو پسند نہیں کیا مقصود بیان کرنا آثار احوال کا ہے ۔

پیش رفتار تو پابرنگرفت از خجلت	سرو سرکش کہ بناز قد وقامت برخاست

اس میں بھی حسن تعلیل ہے یعنی سرو کا جو پاؤں اپنی جگہ سے نہیں اٹھتا اور وہ نہیں چلتا

اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ تیرے قد وقامت کے مساوات کا مدعی ہوا تھا اس لئے شرم سے گڑ رہا ہے۔ اس کا حاصل مقصود بھی مثل شعر سوم شمع گرزان الخ کے ہے۔

حافظ این خرقہ بینداز مگر جان ببری	کاتش از خرمن سالوس وکرامت برخاست

این خرقہ یعنی خرقہ سالوس بقرینہ مصرعہ ثانیہ وکرامت مراد دعویٰ کرامت۔ اس میں مذمت ہے مکر اور دعویٰ کی یعنی اگر اپنی نجات چاہتے ہو تو اس خرقہ سالوس واظہار کرامت کو ترک کرو کیونکہ اس سے آگ پیدا ہوتی ہے یعنی یہ سبب ہے دخول فی نار جہنم یا وقوع فی نار الہجر ان کا۔

غزل

روی تو کس نہ دید وہزارت رقیب ہست	درغنچہ ہنوز وصدت عندلیب ہست

تا در ہزارت مضاف الیہ رقیب نہ باین معنی کہ ایشان رقیب تو ہستند یعنی شریک عشق کسے با تو فانہ غیر مقصود بلکہ باین معنی کہ باہم رقیب اندور تو یعنی شریک عشق بر تو۔ وکس ندید یعنی تفصیلا وادرا کا بالکنہ۔ ودرغنچہ یعنی مستتری بالمعنی المذکور یا کس ندید نافی رویت باشد در دنیا۔ مطلب یہ کہ محبوب حقیقی کو کسی نے دنیا میں نہیں دیکھا (**لان الرویة لاتقع فی الدنیا ویستثنیٰ منه رسول الله صلی الله علیه وسلم حیث رای لیلة المعراج او یقال انه رای فی الاخرة لان السماء من مکان الاخرة**) اور کسی کو آپ کی تفصیلی معرفت نہیں ہوئی مگر پھر بھی بیشمار عاشق وطالب ہیں شاید مقصود اس سے تصریح اس مسئلہ ہی کی ہوتا کہ اہل سلوک اس ہوس میں نہ پڑیں یا کمال حسن وجمال بیان کرنا ہو کہ اس اجمالی ہی معرفت نے یہ نوبت کر رکھی ہے جو اوروں کے تفصیلی مشاہدہ میں بھی نہیں اس سے معلوم ہوا کہ وہ بمراتب غیر متناہیہ اوروں سے اجمل واکمل ہے پس ایسی ذات کا طالب ہونا عین واجب ہے اور کس نہ دید سے اگر نفی رویت کی ہو تو مخصوص ہے دنیا کے ساتھ اور اگر نفی ادراک بالکنہ کی ہو جیسا درغنچہ سے یہی مراد ہے تو عام ہے آخرت کو بھی کیونکہ احاطہ حقیقت وہاں بھی نہ ہوگا لامتناعه **وهذا هو معنی قوله علیه السلام لایبقیٰ علی وجهه الارداء الکبریاء والله اعلم۔**

گر آمدم بکوی تو چندان غریب نیست	چون من درین دیار ہزاران غریب ہست

غریب در مصرعہ اولیٰ بمعنی عجیب وبعید و در مصرعہ ثانیہ بمعنی متعارف ۔ مطلب یہ کہ میں ہی اکیلا آپ کا مشتاق و طالب نہیں ہوں ۔ اس میں بھی کمال جمال بیان کرنا مقصود ہے تا کہ سامعین کو طلب کا شوق ہو ۔

ہر چند دورم از تو کہ دور از تو کس مباد	لیکن امید وصل تو ام عنقریب ہست

ترجمہ ظاہر ہے اور مقصود اس سے تعلیم ہے رجاء کی کہ وجوب شرعی کے ساتھ معین سلوک بھی ہے ۔ اور شعر ہذا میں اس کے دو محل محتمل ہیں یا تو دنیا میں مجوبی کی حالت میں بقاء آخرت کی امید یا حالت قبض میں بسط کی امید ۔

در عشق خانقاہ و خرابات شرط نیست	ہر جا کہ ہست پرتو روی حبیب ہست

اس کا یہ مطلب نہیں کہ خانقاہ کے اعمال اور خرابات کے افعال دونوں موصل و موجب قرب ہیں بلکہ معنی یہ ہیں کہ عاشق جس طرح خانقاہ میں ہادی کا مشاہدہ کرتا ہے خرابات کو دیکھ کر مضل کا مشاہدہ کرتا ہے پس اس کی نظر اور توجہ دونوں جگہ اسی کے ظہور و تجلی پر ہے اور یہ توحید افعالی یا صفاتی کی تعلیم کی طرف اشارہ ہے ۔

آنجا کہ کار صومعہ راجلوہ مید ہند	ناقوس و دیر وراہب ونام صلیب ہست

اس کا مطلب بھی وہی ہے جو اوپر کے شعر کی شرح میں مذکور ہوا ۔ ومید ہند ای کارکنان قضاوقدر ۔

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد	ای خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

کہ شد کدام شد ۔ مقصود تنبیہ ہے ان سالکوں کو جو حرمان کا شکوہ کیا کرتے ہیں مطلب یہ کہ کوتاہی طالب کی طرف سے ہے مطلوب سے دریغ نہیں پس اپنی اصلاح چاہئے ۔

فریاد حافظ اینہمہ آخر بہرزہ نیست	ہم قصہ غریب وحدیثے عجیب ہست

غالباً اس میں جواب ہے منکران کیفیات وجدانیہ کا ۔ فرماتے ہیں کہ اگر تم کو وجدان نہ ہو تو استدلال ہی سے سمجھ لو کہ عشاق کا یہ حیرت انگیز آہ و نالہ آخر کسی سبب عظیم ہی سے ہے پس بطریق برہان انی ان کیفیات کے وجود کو ثابت سمجھ لو ۔

غزل

ساقیا آمدن عید مبارک بادت	وان مواعید کہ کردی نرود ازیادت

معنی ظاہری تو یہ ہیں کہ اے محبوب تو نے عید کو وعدہ وصل کیا تھا اب عید بھی آ گئی وعدہ پورا کرواور معنی باطنی میں خطاب مرشد کو ہو سکتا ہے جس نے مسترشد سے (کسی ایسے وقت میں کہ مسترشد اس سے کسی تلقین یا توجہ کا طالب ہوا ہوگا اور اس وقت مرشد اپنی کسی باطنی تشویش ہیبت وغیرہ میں مبتلا ہوگا) یہ وعدہ کیا ہوگا کہ ہم کو طمانینت ہو تو تمہاری درخواست پوری کریں گے اور قرائن یعنی بشاشت وغیرہ سے مسترشد کو حصول طمانینت معلوم ہوا ہوگا اس وجہ سے اس حالت طمانینت کو بوجہ مایہ سرور ہونے کے عید سے تعبیر کر کے اس پر مبارکباد اور اس وعدہ کی یاد پیش کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

در شگفتم کہ درین مدت ایام فراق	برگرفتی زحریفان دل و دل میدادت

شگفت تعجب۔ برگرفتی برداشتی۔ حریفان یاران وعاشقان۔ دل میدادت استفہام ست یعنی آیا دل تو گوارا میکرد۔ اس میں بھی سہل یہ ہے کہ مرشد کو خطاب ہو یعنی اتنے روز تک جو آپ نے طالبین کی طرف توجہ نہیں کی تو کیا آپ کے دل نے اس کو گوارا کیا مجھ کو اسی کا تعجب ہے کیونکہ مقتضا ارشاد کا شفقت اور توجہ ہے رہا بموجود مانع وہ اس لئے ضعیف ہے کہ اہل کمال کی بقدر ضرورت توجہ بھی طالب کی اصلاح کے لئے کافی ہے اور وہ ہر حال میں ممکن ہے۔ پس اس شعر میں تعلیم ہے مشائخ کو کہ ایسے اوقات میں طالبین سے علیحدگی و بے التفاتی و یکسوئی و جواب خشک نہ چاہئے ان کی تو پوری بربادی ہے۔

برسان بندگی دختر رز گو بدر آی	کہ دم ہمت ماکرد زبند از آدت

مخاطب برسان مطلق رسانندہ بندگی تحیت و نیاز۔ دختر رز شراب مراد عشق بمشارکت وصف مستی لیکن بحیثیت بودن آن عشق درخود یعنی عشقیکہ وصف مسترشد ست بدرآی یعنی از خلوت۔ بند مراد پردۂ استتار اس میں بھی مثل سابق بطور تتمہ مضمون سابق مرشد ہی سے عرض مقصود ہے یعنی اے مبلغ ہماری صفت طلب و عشق کی طرف سے مرشد کو۔ سلام کے بعد یہ

پیغام پہنچادے کہ خلوت سے باہر آیئے اور ہمارے حال پر توجہ فرمایئے اور خدا تعالیٰ نے جو آپ کو یہ نعمت کمال اور قوت تکمیل عطا فرمائی اس کی ایک حکمت یہ بھی سمجھئے کہ طالبین کا افادہ آپ کی ذات سے وابستہ کرنا ہے پس ہمارا جو قصد خدا طلبی ہے یہ بھی سبب ہو گیا ہے آپ کے پردۂ استتار سے منصۂ اشتہار پر آنے کا پس ایک مقصود کمال سے تکمیل بھی ہے تو اس سے دریغ نہ کیجئے فالہمۃ بمعنی القصد واسناد لفظ کرد الیہا اسناد مجازی الی السبب ولنعم ما قیل فی بیان ہذا الحکمۃ۔ع خاص کند بندۂ مصلحت عام را۔ اور یہ جو میں نے کہا ہے ایک حکمت یہ بھی الخ اس کی وجہ یہ ہے کہ حکمت کا اس میں انحصار نہیں اہل ارشاد میں یہ بھی ایک حکمت ہے البتہ جو اہل ارشاد نہیں ہیں ان کے باب میں کلام نہیں کما قیل۔ احمد تو عاشقی بمشیخت ترا چہ کار + دیوانہ باش سلسلہ شد شد نہ شد نہ شد

شادی مجلسیان در قدم و مقدم تست	جای غم باد ہر آن دل کہ نخواہد شادت

جای غم باد ای محل وظرف غم باد۔ اس میں بھی خطاب ہے مرشد کو ان کے استمالت اور ان کے خوش رہنے کی دعا کر رہے ہیں۔

چشم بد دور کزین تفرقہ خوش باز آورد	طالع نامور و دولت مادر زادت

یہ بھی خطاب مرشد کو ہے ان کو حصول طمانینت ورفع تفرقہ خاطر یعنی تشویش پر مبارک باد دیتے ہیں مثل شعر اول کے۔ یعنی آپ کی خوش بختی ومقبولیت وہبیہ اس تفرقہ سے نکلنے کی باعث ہوئی اللہ تعالیٰ چشم حساد سے محفوظ رکھے کہ یہ دولت قائم رہے۔

شکر ایزد کہ ازین باد خزان رخنہ نیافت	بوستان سمن و سرو و گل و شمشادت

اس میں بھی خطاب ہے مرشد کو اور باد خزاں سے مراد وہی تشویش وتفرقہ خاطر اور رخنہ سے مراد خلل ومضرت اور بوستان الخ سے مراد کمالات باطنی مرشد کے۔ یعنی حق تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس حالت عارضہ سے آپ کے کمالات کو گزند نہیں پہنچا۔ اس میں اشارہ ہے اس تعلیم کی طرف کہ اگر مرشد کو کوئی ایسا امر پیش آجائے تو مسترشد کو اس کے کمالات کی کمی کا وہم نہ کرنا چاہئے کہ سراسر اس کی ہلاکت ہے۔

حافظ از دست مدہ صحبت آن کشتی نوح	ورنہ طوفان حوادث ببرد بنیادت

شعر بالا میں اصلاح تھی مسترشد کی علما اور اس میں اصلاح ہے اس کی عملاً یعنی اگر ایسی حالت مرشد کو پیش آ جائے تو اسکی صحبت یا اس کی خدمت نہ چھوڑ دے کہ جب یہ بے توجہی کرنے لگا تو دوسری تدبیر کریں بلکہ اس کی مثال کشتی نوح کی سی سمجھے کہ طوفان سے گو اس کو حرکت تھی مگر غرق سے خود محفوظ اور راکبین کی حافظ تھی اسی طرح گو مرشد میں کسی باطنی حالت کے غلبہ سے ایک گونہ خروج عن السکون عارض ہو جائے مگر وہ اس حالت میں بھی خود ضلال سے محفوظ اور دوسروں کے لئے حافظ ہے۔

غزل

ساقی بیار بادہ کہ ماہ صیام رفت	دردہ قدح کہ موسم ناموس و نام رفت
وقت عزیز رفت بیا تا قضا کنیم	عمرے کہ بے حضور صراحی و جام رفت
در تاب توبہ چند توان سوخت ہمچو عود	می دہ کہ عمر در سر سودای خام رفت
مستم کن آنچنان کہ ندانم زبیخودی	در عرصۂ خیال کہ آمد کدام رفت
بربوی آنکہ جرعۂ جامے بما رسد	در مصطبہ دعای تو ہر صبح و شام رفت
دل را کہ مردہ بود حیاتے ز تو رسید	تا بوی از نسیم میش در مشام رفت
زاہد غرور داشت سلامت نہ برد راہ	رند از رہِ نیاز بدار السلام رفت
زاہد تو دان و خلوت و تنہائی و نیاز	عشاق را حوالہ بعیش مدام رفت
نقد دلے کہ بود مرا صرف بادہ شد	قلب سیاہ بود ازان در حرام رفت
دیگر مکن نصیحت حافظ کہ رہ نیافت	گم گشتۂ کہ بادۂ عشقش بکام رفت

(جاننا چاہئے کہ طریق موصل الی اللہ دو ہیں طریق زہد اور طریق عشق جس کا جیسا مذاق ہو اس کی تربیت اسی سے ہوتی ہے۔ اور بعضے ان ہی دونوں طریقوں کو ریاء اختیار کرتے ہیں سو ایسا زہد ریائی اور عشق ریائی خود موصل ہی نہیں پس اس غزل میں بمناسبت

اپنے مذاق کے طرق عشق کی طلب کرتے ہیں اور طریق زہد کا اپنے لئے غیر کافی ہونا بتاتے ہیں اور کسی کسی شعر میں زہد ریائی کی مذمت کرتے ہیں اور عشق ریائی بھی باشتراک علت اسی طرح مذموم ہے مگر چونکہ حافظ کے زمانہ میں کہ زمانہ غلبہ وحکومت اسلام کا تھا اہل طریق عشق پر دار و گیر اور ہجوم بلیات کا زائد تھا اس لئے عشق ریائی قریب قریب مفقود کے تھا اس لئے اشعار میں اس سے تعرض بھی کم کیا جاتا ہے پس فرماتے ہیں کہ) اے ساقی عنایت ازلی مجھ کو طریق عشق عطا فرما کہ زمانہ زہد کا رخصت ہوا یعنی میں نے زہد سے وصول چاہا بوجہ عدم مناسبت مذاق وہ مفید نہ ہوا اس لئے اس کو رخصت کیا۔ اب قدح عشق پلا دیجئے۔ اور اسمیں رسوائی ہوگی مگر ناموس نام کا زمانہ بھی گیا یا تو یہ مراد ہے کہ اس زہد حقیقی سے پہلے جو زہد ریائی اختیار کیا تھا وہ بھی گیا اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حافظ نے ریاء اختیار کیا ہو یہ مطلق اہل طریق کی حالت بیان کر رہے ہیں اور یا یہ مراد ہے کہ زہد حقیقی میں بھی گو نام و ناموس کا لحاظ نہ ہو مگر طبیعت پر اس کا اثر ضرور ہوتا ہے عشق میں یہ بھی نہیں رہتا۔ آگے فرماتے ہیں کہ جس قدر زمانہ بلا نسبت عشقیہ کے گزرا اس کی قضا کریں گے یعنی خوب کوشش کریں گے جس سے اس کا تدارک بھی ہو جائے۔ آگے فرماتے ہیں کہ توبہ کی آگ میں کہاں تک جلا کریں اب تو شراب عشق پلا دیجئے کہ تمام عمر اس سودای خام کے خیال میں کہ زہد سے وصل ہوگا گزر گئی۔ اس توبہ سے یا تو توبۂ ریائی مراد ہے تب تو اس کا غیر مفید ہونا ظاہر ہے اور یا یہ کنایہ ہے طریق زہد سے کہ اس میں توبہ حقیقی بلا عشق کے ہے اور چونکہ وہ بار بار ٹوٹ جاتی ہے اس لئے ہمیشہ اسی کلفت و کوفت میں رہنا ہوتا ہے بخلاف توبہ مقرون بالمحبۃ کے کہ ہمیشہ کے لئے اس کلفت نقض قصدی سے امن ہو جاتا ہے گو دوسری حالتیں وہاں اس سے بھی صعب ہوں مگر وہ لذیذ ہیں۔ آگے کہتے ہیں کہ مجھ کو اس شراب محبت سے ایسا مست کر دے کہ مجھ کو یہ بھی خیال نہ رہے کہ کون آیا کون گیا یعنی مستی کامل عطا کر دیجئے اور میں اس امید پر کہ کرشمۂ فیض عشق نصیب ہو جائے مصطبہ یعنی مقام خلوت میں کہ محل طلب شراب محبت ہے آپ کی ثنا وصفت کرتا ہوں (فالدعاء کنایۃ عن الثناء) یا یہ معنی ہوں کہ آپ سے دعا کرتا ہوں۔ پس دعای تو میں اضافۃ مفعول کی طرف ہوگی۔ کما وقع ضمیر اللہ تعالیٰ مفعولاً للدعاء

فی قوله تعالیٰ دعا نالجنبه الخ یعنی دعای عشق برای خود از تو آگے فرماتے ہیں کہ جب سے نسیم کی محبت میرے قلب کے دماغ میں پہنچی ہے وہ مردہ سے زندہ ہو گیا (فالشین مضاف الیه للمشام) اس زندگی سے مراد نشاط عشقی ہے آگے فرماتے ہیں کہ زاہد نے تکبر کیا اور اپنے کو ذی کمال و ذی الاستحقاق سمجھا تو ہلاک ہوا۔ (جیسا کہ بعض زاہدان جاہل کو یہ بلا دعویٰ تقدس کی پیش آتی ہے) اور عاشق نے عجز و نیاز یعنی انکسار و تذلل اختیار کیا تو وہ دارالسلام یعنی بہشت یا مقام سلامتی و حفظ الٰہی میں جا پہنچا (یعنی عشق کے طریق میں یہ خصوصیت ہے) آگے فرماتے ہیں کہ اے زاہد تم جانو اور سامان زہد جانے یعنی تم اس میں رہو کہ سراسر تعب ہے اور عاشقوں کو تو حصول عشق سے عیش دائمی میسر ہو گیا یعنی ان قیود و تکلیف آمود سے رہائی ہو گئی اور یہ پہلے مذکور ہو چکا کہ عشق میں جو متاعب ہیں وہ خود لذت بخش ہیں اس لئے حقیقۃً متاعب نہیں۔ اور اس شعر میں نیاز سے مراد وہ نیاز نہیں جو اس کے قبل کے شعر میں تھا کہ وہ خاصہ عاشق کا ہے مراد عبادت ہے۔ کہ خلوت میں کر رہا ہے اور عبادت کی ذات نیاز ہے۔ آگے کسی معترض معاند و منکر مجادل کے جواب میں فرماتے ہیں کہ تم جو غلبۂ جہل و زہد خشک سے طریق عشق کو حرام حرام کہہ رہے ہو خیر حرام ہی سہی مگر میں نے اپنا دل اس میں اس لئے صرف کیا کہ میرا نقد دل بھی قلب سیاہ یعنی ردی اور معاصی میں سیاہ تھا پس بقول مشہور مال حرام بود بجائے حرام رفت حرام ہی میں صرف ہو گیا۔ پھر کیوں شور و شغب مچایا ہے آمین تعلیم ہے کہ مخاصم سے عاشق خصومت نہ کرے بلکہ ارخاء عنان و تسلیم سے پیش آئے۔ آگے مقطع میں ارشاد ہے کہ جس کے حلق میں بہاؤ عشق چلا گیا وہ دوسرے طریق کو اختیار نہیں کرتا پس حافظ کو نصیحت بیکار ہے اس میں بیان ہے دوام عشق کا گو تمکین میں سکون ہو جائے مگر نسبت وہی رہتی ہے۔

غزل

صبا اگر گزرے افتدت بکشور دوست	بیار نفحۂ از گیسوئے معنبر دوست
بجان او کہ بشکرانہ جان برافشانم	اگر بسوی من آری پیامی از بر دوست

گرچہ تنگ است این حضرت با شہ بار	برائے دیدہ دروغ باری ... است

اس شعر میں تم سے واردات غیبیہ مراد ہیں کیونکہ واردات کی حالت میں یہ ہوتا ہے کہ

واردات سے مراد اس کے فیض ہیں مراد ہے کہ فیض کے جو مقتضیات ہیں ان کو مجھ سے

تجلیات صفاتیہ ہیں اور غبار سے مراد اور تجلیات صفاتیہ ہیں کیونکہ یہ صفات متعلق ہوتی ہیں

مشابہ اسی طرح صفات غیر بھی ہیں اور ان کے واسطے سے وجوب ... مقصود

وحدت ہیں اس سے عرض ہے کہ مطلب یہ ہوا کہ اے ... فیض و مقصود میں جو

تو مقصود اگر میرے قلب پر القاء کرے جس سے مجھ پر ... متعلقہ صفات منکشف ہوں

اور ان کا کشف ہونا ظاہر ہے کیونکہ ان کا موصوف صفات ہیں اور شرف علم کا شرف معلوم سے ہوتا

ہے اگر تم نے یہ احسان کیا تو میں اس شکرانہ میں اپنی جان نثار کر دوں گا۔

اور اگر یہ امر ہو کہ اس درگاہ میں تم کو دخل نہ ہو (یہ مطلب نہیں کہ یہ واردات فیض و

انکشاف سے بالکل ہی ہیں بلکہ یہ مراد ہے کہ ... موقوف ہیں ... فیض کا اذن ... مخصوص

ہوتا ہے ان کا کوئی دخل نہیں ہوتا پس مطلب یہ ہوا کہ اگر میں اس فیض کے قابل نہیں

تو اس کے مبدا فیض سے ان فیوض کا واسطے تم کو منع کیا جائے پس یہ عدم دخل ... ہے

ہے) تو خیر ... کو وقف کر دو اور امر و اذن کی قید قواعد مشہورہ سے یہاں بھی ہے

مطلب یہ کہ فیض کا حکم نہیں مجھ سے فیض کا جاری ہونا چاہئے۔

من گدا ہستم وی وصل او ہیہات	گر بخواب بہ بینم جمال و منظر دوست
دل عوض ... ہیچ بید لرزان ست	زحسرت قد و بالائی چون صنوبر دوست

درشان خصوصہ گرے باشد کہ آن از اہل تجلیہ ہم دول صنوبر ہم او را گویند کذا فی المحیط

اس شعر میں بیان ہے اس کا کہ دوام تجلیات میں بھی انکشاف تام یعنی رویت جس طرح

آخرت میں ہوگی اس عالم میں واقع نہیں ہوتی لامتناعہ شرعا وان لم یمتنع عقلا۔

پس مطلب یہ ہوا کہ خواب یعنی حالت استغراق میں تو تجلی ہو سکتی ہے۔ اور اپنے محل میں

ثابت ہے کہ وہ تام نہیں ہوتی باقی وصل یعنی رویت عیانا کی تمنا ہی مستبعد ہے اور جس قدر

کشف ہوتا ہے وہ ایسا ہے کہ اس میں حسرت استتار کی بھی رہتی ہے مگو نہ غیر تام۔ پس اس
پر رنج ہے بعض۔ ناواقفوں کی غلطی کا۔ اور لفظ گدا سے اشارہ اس طرف ہوسکتا ہے کہ اس
ہے کا رنج ہمارا عدم تحمل وعدم قابلیت ہے جو آخرت میں مبدل بتحمل ہو جائے گا۔

اگرچہ دوست بہ چیزے نمی خرد مارا	بعالمی نہ فروشیم موی از سر دوست

یعنی اگرچہ نقصان امکانی کی وجہ سے ہم اس قابل نہیں کہ محبوب کے مقبول ہوں اور جو
کچھ عنایت ہے وہ فضل ہے نہ کہ ہماری قابلیت اسی لئے نمی خرد کہا کیونکہ اشترا عادۃً وشرعاً مبیع
کے نفیس وقابلیت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اسی لئے جو چیز محل بیع نہ ہو وہ مبیع نہیں ہوسکتی اور
قرآن مجید میں ان اللہ اشتری مجاز ہے بہرحال گو ہم اس نقصان امکانی کے سبب قابل
قبولیت کے نہیں مگر محبوب کمال وجوبی کی وجہ سے کامل المحبوبیت ہے اور اسی کی فرع ہے کہ ہم
نقصان کی وجہ سے مشرف بوصال تام نہیں ہوسکتے حتیٰ کہ آخرت میں بھی یہ انکشاف حد
ادراک کنہ تک نہ پہنچے گا البتہ محض بمشیت وحکمت الٰہیہ وہاں اس استتار سے حسرت نہ ہوگی اور
بجائے وصال تام کے اگر ہم کو واردات صفاتی کہ موئے از سر دوست اس سے عبارت ہے میسر
ہوجائے تو ہمارا منتہیٰ معراج ہے۔ جیسا کہ واردات افعالیہ ابتدا اس کی ہے اور چونکہ وارد
فعلی کے بعد تمنا ہوتی ہے کہ وارد صفاتی نصیب ہو اس لئے اس کی نسبت بعالمی نہ فروشیم کہ
کنایہ ہے لانرید استبداله سے نہیں کہا جاسکتا بخلاف وارد صفاتی کے کہ اس کا بدل اس سے خیر
کچھ بھی نہیں اور اس میں اشارہ اس طرف بھی ہے کہ جاہ کو حق خداوندی سمجھے اپنے کو جاہ عنداللہ
کے قابل نہ سمجھے کما حققہ مرشدیؒ بس نجات ومغفرت وعطاء حاجت ہی کو بڑی نعمت جانے۔

چہ باشد ار شود از قید غم دل آزادش	چو ہست حافظ مسکین غلام وچاکر دوست

اس کی وہی شرح مناسب ہے جو شعر بالا کے آخر شرح میں مذکور ہوا یعنی تذلل وعدم
تمدجاہ عنداللہ اور کفایت بر نجات وآزادی۔

غزل

غمش تا در دلم مادے گرفتہ است	سرم چون زلف او سودا گرفتہ است

لب چون آتش آب حیات ست	ازان آب آتشے درما گرفتہ است
ہمای ہمتم عمری ست کز جان	ہوای آن قد بالا گرفتہ است
شدم عاشق ببالای بلندش	کہ کارِ عاشقان بالا گرفتہ است

ان اشعار میں مختلف تمثیلات سے اظہار ہے اپنے عشق اور اس کے آثار کا پس مفردات مذکورہ فی الاشعار کے مقابلہ میں محبوب حقیقی میں مفردات مشبہ کا ہونا اوران میں وجہ شبہ کی تحقیق کرنا ضروری نہیں ترجمہ یہ ہے۔ کہ جب سے اس کا غم عشق میرے دل میں جاگزین ہوا ہے اس کے زلف پریشان کی طرح میرا دماغ بھی پریشان ہوگیا ہے اوراس کا لب جو سرخی میں مشابہ آتش کے ہے جان بخشی میں مثل آب حیات کے ہے اس آب سے ہم میں سوز وگداز کی آگ لگ گئی ہے اورایک عمر گزر گئی کہ میرے ہمائے ہمت نے اس قد بالا کی ہوا یعنی محبت اختیار کر رکھی ہے اور ہما اور ہوا میں مناسبت لفظیہ کی لطافت ظاہر ہے اور ہمت کو ہما اس لئے کہا کہ ہما بلند پرواز ہوتا ہے اور واجب سے محبت کرنا بھی بلند ہمتی ہے اور میں اسکے قد بلند پر اس لئے عاشق ہوا ہوں کہ میں نے سنا ہے کہ عاشقوں کا مرتبہ بڑا بلند ہے اس لئے اس کی تحصیل کا قصد کیا۔

چوما درسایۂ الطاف اوئیم	چرا اوسایہ از ماوا گرفتہ است

یہ چرا بطور اعتراض کے نہیں بلکہ اجمالاً تحقیق حکمت کی طرف اشارہ کے لئے ہے اور یہ شعر حالت قبض کا معلوم ہوتا ہے یعنی جب ہم اس کے سایۂ الطاف میں تربیت پارہے ہیں پھر جو اس نے ہم سے اپنا سایہ اٹھالیا اس کی کیا وجہ۔ یعنی یہ تو ہو نہیں سکتا کہ الطاف کے خلاف کیا ہو کہ حالت الطاف میں بے الطافی محال ہے اور الطاف کا وجود آثار وقرائن سے متحقق ہے پھر بے الطافی کا کب احتمال ہے جب یہ محتمل نہیں تو ضرور سایہ اٹھا لینے میں کوئی نہ کوئی حکمت ومصلحت ہی ہوگی کہ وہ بھی ایک گونہ لطف ہے اس لئے تنگ نہ ہونا چاہئے پس مصرعہ اولیٰ میں سایہ الطاف سے مراد مطلق لطف کا سایہ اور مصرعہ ثانیہ میں مراد سایہ سے خاص لطف کا سایہ وارتفاع الخاص لایستلزم ارتفاع العام فافہم۔ اس میں حالت قبض کے

متعلق اعلیٰ درجہ کی تعلیم ہے جس کا استحضار سالک پر لازم ہے۔

نسیم صبح عنبر بوست امروز	مگر یارم رہ صحرا گرفتہ است

یہ شعر حالت بسط پر زیادہ منطبق ہوتا ہے۔ صحرا سے مراد قلب یعنی آج قلب میں فیض کی خوشبو مہک رہی ہے معلوم ہوتا ہے کہ محبوب کی تجلی قلب پر ہوگئی ہے اور نسیم صبح مبتدا ہے اور عنبر بو خبر ہے۔

زدریای دو چشم گوہر اشک	جہان در لولوی لالا گرفتہ است

گوہر اشک مبتدا و گرفتہ است خبر۔ و جہان بحذف۔ را مفعول گرفتہ یعنی میری آنکھوں کے دریا سے جو گوہر اشک نکلے ہیں ان گوہروں نے تمام جہان کو درتابان سے گھیر دیا یعنی اس کثرت سے رویا کہ تمام زمین پر ہوگئی۔ مقصود مبالغہ ہے رونے میں۔

حدیث حافظ ای سروسمن ہر	بوصف قد تو بالا گرفتہ است

یعنی حافظ کے کلام نے جو تیرے وصف قد میں ہے رتبہ بلند حاصل کیا ہے مطلب یہ کہ جو کلام وصف محبوب میں ہوتا ہے وہ مقبول اور دل چسپ اور گرامی قدر ہوتا ہے پس اس میں اشارہ ہو جائے گا شرف علم حقائق کی طرف و معنی سمن برای بر او چون سمن در سفیدے یا خوشبو۔

غزل

صبح دم مرغ چمن با گل نوخاستہ گفت	ناز کم کن کہ درین باغ بسے چون تو شگفت
گل بخندید کہ از راست نرنجیم ولے	ہیچ عاشق سخن تلخ بہ معشوق نہ گفت
گر طمع داری ازان جام مرصع مئی لعل	در و یاقوت بنوک مژہ ات باید سفت
تا ابد بوی محبت بمشامش نرسد	ہر کہ خاک در میخانہ برخسار نرفت

ان اشعار میں مرشد کی خدمت اور ادب کا شرط طریق ہونا اور گستاخی اور بے ادبی کا گو اس کا منشاء کوئی امر مطابق واقع کے ہو مذموم ہونا مذکور ہے۔ یعنی بلبل نے کہ طالب ہے گل نوخاستہ سے کہ مرشد کامل ہے (جیسا گل نوخاست اپنے وصف میں کامل ہوتا ہے) یوں

کہا کہ آپ (اس شان ارشاد پر) ناز نہ کیجئے اور مسترشدین سے استغنانہ برتئے کہ ایسے ایسے اس باغ دہر میں بہت ہوئے ہیں اور پھر سب فنا ہو گئے اسی طرح تم بھی فنا ہو جاؤ گے تو اس عمر ناپائیدار میں جس قدر ثواب افادہ کا حاصل ہو سکے غنیمت سمجھو۔ مرشد نے (اپنی بلند حوصلگی سے برا نہیں مانا بلکہ) ہنس کر فرمایا کہ ہم سچی بات سے ناراض نہیں ہوتے لیکن تمہاری مصلحت کے لئے تم کو تعلیم کرتا ہوں کہ یہ طرز استفادہ کا نہیں ہوا کرتا کیونکہ استفادہ کے لئے ادب شرط ہے اور یہ طرز خلاف ادب ہے یہی وجہ ہے کہ آج تک) کسی عاشق اور طالب نے اپنے معشوق اور مطلوب سے سخن تلخ نہیں کہا ہے۔ آگے حافظؒ تائید تعلیم مذکور کے لئے کہتے ہیں کہ اگر تم اس جام مرصع یعنی قلب مرشد سے کہ پراز شراب عشق و محبت ہے مي لعل یعنی فیض عشقی چاہتے ہو تو (طریق نیازمندی اختیار کرنا چاہئے اور) نوک مژہ سے دُر ویاقوت پرونا چاہئے یعنی آنسو سفید کہ مشابہ در کے ہیں اور سرخ خون کے کہ مشابہ یاقوت کے ہیں برسانا چاہئے کہ وہ مژہ میں لگ کر ایسے معلوم ہوں جیسے مژہ سے در ویاقوت میں سوراخ کیا ہو مطلب یہ کہ عاجزی اور تضرع سے کام لینا چاہئے اور جس نے در میخانہ کو اپنے رخسار سے صاف نہ کیا ہوگا ابدالآباد تک بوی عشق اس کے دماغ تک نہ پہنچے گی یعنی یہ زاری کا کام ہے زور کا نہیں اس میں تعلیم ہوگئی بعض شرائط طریق کی۔ فہم وخاطر تیز کردن نیست راہ + جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ۔

در گلستان ارم دوش چواز لطف ہوا	زلف سنبل زنسیم سحری می آشفت
گفتم ای مسند جم جام جہان بینت کو	گفت افسوس کہ آن دولت بیدار بخفت

ان دو شعروں کا نہ مدلول لفظی نہ مقصود معنوی کچھ میری سمجھ میں نہیں آیا اور شرح سے شرح صدر نہیں ہوا اگر کوئی صاحب سمجھ کر ملحق[1] کر دیں ان کا احسان ہے۔

---

[1] کئی ماہ کا عرصہ ہوا کہ میں مراد آباد میں مولانا محمد صدیق صاحب دام فیضہ سے کہ علاوہ دوسرے کمالات کے نظم ونثر ومہارت فارسی میں یکتا ہیں ملا ان کو بھی ان اشعار کے حل کا طالب پایا اور یہ ایک عجیب اتفاق ہے پھر انہوں نے اپنی یہ رائے ظاہر فرمائی کہ غالباً درمیان میں کوئی شعر رہ گیا ہے کہ اس میں جزاء کلمۂ چو کی مذکور ہوگی اور شعر گفتم الخ مستقل ہے اھ تو اس صورت میں شعر ثانی سے مقصود بیان کرنا ہوگا تاجداران جہان کے فنا کا تزہید عن المال والجاہ کے لئے۔ اور مسند جم کو خطاب اس کے وجود فرضی ذہنی کے اعتبار سے ہوگا پھر نظر ثانی کے وقت میں نے باحتمال اس کے کہ شاید اس کا حل کسی تاریخی قصہ پر موقوف ہو تاریخ روضۃ الصفا کا مطالعہ کیا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سخن عشق نہ آن ست کہ آید بزبان	ساقیا می دہ وکوتاہ کن این گفت وشنفت

اس شعر کا مدلول لفظی تو ظاہر ہے اور مقصود معنوی بھی مخفی نہیں کہ محبت کی طلب کر رہے ہیں مگر بقرینہ لفظ گفت وشفقت۔ اس کو ماقبل سے تعلق ہونے کے احتمال سے اس کی تقریر بھی نہیں لکھی گئی اگر طبع سے پہلے حل ہو گیا تو حاشیہ پر یا آخر میں اضافہ کر دیا جائے گا۔ واللہ اعلم۔

اشک حافظ خرد وصبر بدریا انداخت	چہ کند سوز غم عشق نیارست ونہفت

اس میں بیان ہے بعض آثار عشق کا کہ اشک حافظ دریا ہو گئے اور خرد وصبر اس دریا میں غرق ہو گئے کیا کیا جائے ضبط پر قدرت ہی نہیں۔ اشک مبتدا انداخت خبر خرد وصبر مفعول انداخت۔

غزل

گر ز دست زلف مشکینت خطائی رفت رفت	ور ز ہندوی شما بر ما جفائے رفت رفت
برق عشق ار خرمن پشمینہ پوشی سوخت سوخت	جور شاہ کامران گر بر گدائے رفت رفت
گر دلے (دلم) ز غمزۂ دلدار بار دلم برد برد	درمیان جان وجانان ماجرائے رفت رفت
در طریقت رنجش خاطر نباشد می بیار	ہر کدورت را کہ بینی چون صفائے رفت رفت
عشق بازی را تحمل باید ای دل پائدار	گر بلائے بود بود او گر خطائے رفت رفت
از سخن چینان ملالت ہا پدید آید ولے	چون میان ہمنشینان ماجرائے رفت رفت

شعر آخر کے قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اشعار ایسی حالت کے ہیں کہ مرشد سے مسترشد

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اس میں لکھا ہے کہ جمشید پر شداد نے جس کا باغ ارم مشہور ہے۔ اپنے برادر زادہ ضحاک کو لشکر کشی کے لئے بھیجا تھا جس سے اس کی سلطنت برباد ہوئی مطلب یہ ہو سکے گا کہ میں نے جو شداد کے باغ ارم میں سنبل وغیرہ کی بہار دیکھی تو مجھ کو جمشید یاد آ گیا جس کو تاراج کر کے اس باغ کے بانی کو ترقی ہوئی اس وقت میں نے اس کے مسند کو مخاطب بنا کر پوچھا کہ جمشید کا سامان جس میں سے جام جم بھی ہے جس کی اضافت مسند کی طرف بادنیٰ ملابست ہے کہ اس پر رکھا رہتا تھا کہاں گیا اس نے بزبان حال اس کے ہلاک زدہ اہل کی خبر افسوس کے ساتھ دی اور غرض اس سے وہی تزہید مذکور مع تداول ایام بین الناس ہو جائے گی واللہ اعلم اور یہ توجیہ گو شافی نہ ہو مگر کافی ضرور ہو گئی اور قصہ مذکور کا کوئی جزو اگر ثابت بھی نہ ہو تب بھی مضر نہیں کیونکہ توجیہ شعر کے لئے اسقدر منقول یا مشہور ہونا بھی اس کا مصحح ہو سکتا ہے فقط منہ عشرۂ اولیٰ محرم ۱۳۲۸ھ

کے بارہ میں کسی نے سخن چینی کی ہے اوراس طرف سے کچھ عتاب ہو گیا ہے پھر بعد تحقیق برأت ثابت ہوئی جس سے مرشد کو اپنے بے محل عتاب پر افسوس ہے پس مسترشد اس افسوس کو اس طرح رفع کرتا ہے کہ اگر آپ سے عتاب میں غلطی بھی ہو تب بھی مجھ کو کوئی ملال وشکوہ نہیں اور اس میں تعلیم ہے اس معاملہ خاص کے متعلق جو کہ احیاناً مرشد ومسترشد کے درمیان واقع ہو جاتا ہے۔ کہ ایسی حالت میں ایسا عملدرآمد کرنا چاہئے نہ یہ کہ اس سے مکدر ہو کر بیٹھ رہے۔ اور تاویل فعل مرشد کی بہت سہل ہے کہ بشر سے ایسی غلطی۔ ہو جانا منافی اس کے کمال کے نہیں۔ یا یوں سمجھئے کہ ۔

آنرا کہ بجای تست ہر دم کرے	عذرش بنہ ارکند بعمری ستمے

اور اگر اس سے محبت مفرطہ ہے تو اس تاویل ہی کی ضرورت نہیں کیونکہ وہاں کدورت ممکن نہیں جس کے لئے رافع کی ضرورت ہو پس فرماتے ہیں کہ اگر محبوب کے زلف مشکین سے غلطی ہو گئی اور اگر محبوب کے ہندو یعنی زلف سے ہم پر کچھ سختی ہو گئی ہو گئی اور اگر برق محبت نے کسی کمل پوش کا خرمن تاب وقرار جلا دیا جلا دیا۔ برق محبت سے مراد غضب ہے۔ جس نے بوجہ محبت کے برق کا سا کام کیا کہ تاب وقرار کھو دیا پس اضافۃ برق کی عشق کی طرف ادنیٰ ملا بستہ سے ہے یا برق عشق میں اضافۃ بیانیہ ہو یعنی تمہاری محبت نے کچھ تو خود بواسطہ اس غضب کے میرا خرمن قرار جلا دیا اور اگر بادشاہ کا جور گدا پر ہو گیا ہو گیا اگر کوئی دل یعنی میرا دل محبوب یعنی مرشد کے اس خاص غمزہ یعنی عتاب سے باررنج یا پیچ وتاب و پریشانی میں مبتلا ہو گیا ہو گیا۔ اور میری جان یعنی ذات اور محبوب اور مرشد میں اگر کوئی ماجرا ہو گیا ہو گیا۔ طریقت میں تو تکدر خاطر کی گنجائش ہی نہیں آپ بدستور اپنی فیض رسانی میں مشغول ہوئے۔ جو کدورت بظاہر معلوم ہو جب صفائی ہو گئی وہ کدورت جاتی رہی (اور بظاہر کی قید اس لئے کہ واقع میں تو کدورت ہوتی ہی نہیں۔ اس شعر میں رفت اول کی ضمیر صفا کی طرف اور رفت ثانی کی ضمیر کدورت کی طرف ہے) عاشق کے لئے تحمل ضروری ہے۔

دل کو خطاب کرتے ہیں کہ مضبوط رہنا چاہئے اگر یہ قصہ عتاب کوئی امتحان تھا (ایک تاویل یہ بھی نکلی کہ شاید امتحان محبت مقصود ہو) وہ ہو چکا اور اگر کوئی غلطی تھی وہ ہو چکی اور

چلل خوروں کی بدولت ایسے ملال پیدا ہو جایا کرتے ہیں لیکن چاہیے وں میں ایسا ماجرا جب گزر گیا گزر گیا اس کو دل میں نہ رکھنا چاہئے۔

غیب حافظ گومکن زاہد کہ رفت از خانقاہ	پای آزادان چہ بندی گربجانے رفت رفت

یعنی زاہد سے کہہ دو کہ حافظ پر اگر وہ خانقاہ سے چلا گیا اعتراض مت کرو آزاد لوگوں کا پاؤں کیسے باندھ سکتے ہو اگر چلا گیا چلا گیا خانقاہ سے مراد طریق زہد ہے یعنی اگر طریق زہد چھوڑ کر بمناسبت مذاق کے طریق عشق کو اختیار کر لیا جیسا لفظ آزادان اس مذاق کا قرینہ ہے تو اعتراض کی کیا بات ہے کہ یہ بھی ایک طریق ہے تربیت کا۔

غزل

بکوی میکدہ ہر سالکے کہ راہ دانست	درد گرزدن اندیشہ تبہ دانست

یعنی جو سالک کہ عشق الٰہی کے طریقہ پر مستقیم ہو گیا وہ دوسرے دروازہ پر جانے کو یعنی غیر کی طرف التفات کرنے کو خیال فاسد جاننے لگا۔ اس میں بیان ہے اثر عشق کا کہ تشبث بالاسباب کو مغلوب کر دیتا ہے بخلاف سالک طریق زہد کے کہ اس کا تشبث بالاسباب بحالہ رہتا ہے اس لئے اعتدال پر آجاتا ہے اور دنیاداروں کو اس میں غلو ہوتا ہے کہ حلال وحرام میں بھی امتیاز نہیں کرتے۔

زمانہ افر رندی نداوجز بکسے	کہ سرفرازی عالم درین کلہ دانست

یعنی عاشقی کا تاج اسی کو ملتا ہے جو اس میں یعنی اس کے آثار تذلل وبدنامی کو سرفرازی جانتا ہے اور جو ان سے بچنا چاہتا ہے اس کو یہ دولت میسر نہیں ہوتی اس میں تعلیم ہے آمادگی کی ان امور کے لئے۔

برآستانہ میخانہ ہر کہ یافت رہے	زفیض جام می اسرار خانقاہ دانست

میخانہ طریق عشق۔ خانقاہ طریق زہد۔ مطلب یہ کہ طریق عشق میں فیض عشقی سے طریق زہد کے ثمرات بھی تصفیہ قلب وتزکیہ نفس سے حاصل ہو جاتے ہیں اور حصول کے بعد دانستن لازم ہے اس لئے اسرار دانست سے تعبیر کیا۔ مقصود ترجیح ہے طریق عشقی کی کہ اس سے غایات طریق زہد کے بھی حاصل ہو جاتے ہیں اور شدت تعلق وشغف طبعی محبوب حقیقی کے ساتھ یہ

علاوہ ہے بخلاف طریق زہد کے کہ اس میں طریق عشق کے اور ثمرات تو حاصل ہو جاتے ہیں مگر ایسا شغف نہیں ہوتا۔ مگر یہ ترجیح ایک وجہ خاص کے اعتبار سے ہے ورنہ بعض کی تربیت کے لئے طریق زہد اس لئے زیادہ راجح ہے کہ وہ مثلاً آثار عشق کا تحمل نہیں کر سکتے۔

ہر آنکہ راز دو عالم زخط ساغر خواند	رموز جام جم از نقش خاک رہ دانست

ساغر میں جو نقش و نگار بنے ہوتے ہیں خط ساغر سے وہ مراد ہیں اور راز دو عالم سے مراد ان کے احوال تکوینیہ تفصیلیہ نہیں ہیں کیونکہ ان کا انکشاف نہ مقصود ہے اور نہ لازم بلکہ راز سے صرف ان کی ایک صفت یعنی مظہر للموجود الحقیقی ہونا مراد ہے۔ اور یہ راز اس لئے ہے کہ ہر ایک کو اس کی طرف التفات نہیں ہوتا اور جو ہوتا بھی ہے تو وہ علی الدوام مستحضر نہیں رہتا۔ اور جام جم سے مراد جام جم متعارف اور اس کے رموز سے مراد احوال تکوینیہ تفصیلیہ جو اس جام میں منکشف ہوتے تھے اور محط فائدہ از نقش خاک ہے نہ کہ دانست پس اس قرینہ سے یہاں ایک قید مقدر ہے ای ہرگاہ کہ دانست۔ معنی یہ ہوئے کہ جس شخص پر راز عشق منکشف ہو گیا اگر کبھی امور کونیہ اس پر منکشف ہوتے ہیں تو اسکو اہتمام و تکلف و توجہ کی ضرورت نہیں ہوتی جیسا۔ ان لوگوں کو ضرورت ہوتی ہے جو اسی لئے ریاضت کرتے ہیں اور جیسا جمشید کو واسطۂ جام کی حاجت ہوتی تھی بلکہ محض نقش خاک راہ سے یعنی معمولی اور سرسری طور پر انکشاف ہو جاتا ہے اور اگر نہ ہو تو دوسری بات ہے اور وجہ احیاناً منکشف ہونے کی یہ ہوتی ہے کہ غلبۂ عشق سے شواغل نفس میں تقلیل ہو جاتی ہے اور یہی مدار ہے کشف کا بشرط اجتماع دوسرے شرائط مناسبہ کے۔ اور ایک توجیہ از نقش خاک رہ دانست کی یہ بھی کی گئی ہے کہ از نقش خاک یقین کر دو شمار کر دیعنی اس کو ایسے کشوف کی کچھ قدر نہیں رہی نقش پا کی برابر سمجھنے لگا جیسا کہا گیا ہے۔ ما کشف را بر کفش زنیم۔ پس از تقریر اول پر غلبہ ہو گا اور دوسری تقریر پر من قبیل کے معنی میں ہو گا۔ والثانی الطف معنی والاول اوفق للاستعمال لفظاً واللہ اعلم۔

دلم زنرگس ساقی امان نخواست بجان	چرا کہ شیوۂ آن ترک دل سیہ دانست

نرگس ساقی مراد غلبۂ عشق اطلاقاً للسبب علی المسبب چرا کہ نرگس چشم محبوب سبب این غلبۂ عشق می باشد چون آنرا مجاز از نرگس گفت دل سیہ گفتن مناسب فن شعر افتاد۔ وسوء ادب کے

چشم ساقی را سیہ دل بمعنی سنگدل می آید لازم نیامد [illegible] اطلاق [illegible] صف [illegible] بمعنی
لغوی نیست بلکہ بسبب او یعنی عشق کہ آن صف عاشق است [illegible] صف [illegible] مے
نیست چنانچہ ہمیں عشق را بلا نکیر ظالم و ستمگر نموده اند۔ مطلب [illegible] ہے [illegible] عشق میں
جان کی سلامتی نہیں چاہتا بلکہ جان بازی کو تیار ہوں کیونکہ عشق [illegible] ہے۔ جیسے
ما قیل۔ اگر مرد عشقی کم خویش گیر ✦ وگرنہ رہ عافیت پیش گیر ✦۔

درای طاعت دیوانگان ز ما مطلب	کہ شیخ مذہب ما عاقلی گنہ دانست

طاعت دیوانگان سے مراد جنون عشق اور عاقلی سے مراد ترک عشق یعنی ہم سے ترک
عشق کی درخواست مت کرو کہ ہمارے مشرب میں یہ گناہ ہے یعنی طریقت کا کیونکہ طریق
تربیت کا ترک کرنا مخل وصول الی المقصود ہے اس لئے مستحسن فی الطریقہ ہے۔

زجور کوکب طالع سحر گہان چشم	چنان گریست کہ خورشید دید و مہ دانست

شاید قبض کو کہ ایک قسم کا ہجران ہے جور کوکب کہا ہو۔ مطلب یہ کہ میں اس قدر رویا کہ
عالم علوی میں بھی مشتہر ہو گیا۔

خوش آن نظر کہ لب جام و روی ساقی را	ہلال یکشبہ وماہ چار دہ دانست

عادت ہے کہ ہلال کو بڑے شوق سے دیکھتے ہیں اور بدر کو ذوق کے لئے دیکھتے ہیں۔
مطلب یہ ہے کہ لب جام کو ہلال کی طرح اور روی ساقی کو بدر کی طرح مشاہدہ کیا کرے۔
پس کلام میں لف ونشر مرتب ہے مقصود یہ ہے کہ عشق اور معشوق ہی میں مشغول رہے اور کسی
طرف التفات نہ کرے۔

بلند مرتبہ شاہی کہ نہ رواق سپہر	نمونہ زخم طاق بارگہ دانست

رواق سقف مقدم خانہ و پردۂ کہ در کشیدہ باشند از سقف و پیشگاہ خانہ و مطلق سقف
وطاق بناء خمیدہ و محراب کذا فی الغیاث۔ و مراد از بارگاہ بارگاہ عشق مطلب یہ کہ عالی رتبہ وہ
بادشاہ یعنی وہ عاشق ہے کہ عشق کے سامنے تمام عالم کو ہیچ سمجھے اس کا بھی حاصل وہی ہے جو
شعر سابق کا تھا۔ پس اس میں بھی تعلیم ہے عالی ہمتی کی۔ اور عاشق کو بادشاہ اس لئے کہا کہ

ماسوی اللہ سے مستغنی ہے اور استغناء ہی اصل سلطنت ہے۔ حافظ [illegible]

را کاین قوم شہان بے کمر و خسروان بے کلہ اند۔

حدیث حافظ و ساغر کشیدن پنہان	چہ جائی محتسب و شحنہ پادشاہ دانست

حدیث الخ مفعول دانست و ضمیر در آن کہ راجع ہست بجانب شاہ فاعل [illegible] خفیہ میخواری کی اطلاع بادشاہ تک کو ہوگئی اور محتسب و شحنہ کا تو کیا ذکر ہے۔ مقصود [illegible] عادۃً کیفیت عشقیہ کو کتنی ہی کوشش اخفاء کی کی جائے مخفی نہیں رہتی۔ عشق و مشک [illegible] نہفتن۔ شاید اشارہ اس طرف ہو کہ اخفا کا بھی قصد نہ کرے والیہ ذہب المحققون

قالوا لا یقصد الاظہار ولا الاخفاء۔

غزل

تا سرِ زلفِ تو در دست نسیم افتادہ است	دل سودا زدہ از غصہ دو نیم افتادہ است

بعض اشعار آئندہ کے قرینہ سے کہ ان کا انطباق محبوب حقیقی پر خالی از تکلف دعوی نہیں بہتر ہے کہ اس غزل کو شان مرشد میں کہا جائے فاحفظ۔ زلف جب ہوا سے پریشان ہوتی ہے تو حسن ظاہر ہوتا ہے پس یہ کنایہ ہوا ظہور کمال سے یعنی جب سے مرشد کا کمال مجھ پر ظاہر اور منکشف ہوا ہے قلب عشق سے پارہ پارہ اور خستہ ہوگیا ہے اور چونکہ عشق میں بعض اوقات دل گھٹتا ہے اس لئے از عشق کی جگہ از غصہ کہہ دیا اور سودا اور زلف میں مناسبت سے لطافت شاعری بڑھ گئی۔

چشمِ جادوی تو خود عین سوادِ سحر ست	زین قدر ہست کہ این نسخہ سقیم افتادہ است

سواد حوالی شہر و مجازاً بمعنی شہر۔ سقیم بیمار و چیز ناقص مجازاً۔ یعنی مرشد کی چشم جادو کہ کنایہ ہے کمال باطنی سے جس میں خاصہ ہے تسخیر طالبین کا بجائے خود خاص ایک شہر پر جادو ہے اور اس کی دلربائی میں شبہ نہیں لیکن اتنی کسر ہے کہ یہ نسخہ چشم شفا کے لئے ناکافی ہے کیونکہ بے التفاتی غضب کی ہے اور نفع موقوف ہے التفات پر۔ اور عین اور سواد اور سقیم کی مناسبت چشم سے مخفی نہیں۔ یہ کئی جگہ مذکور ہو چکا ہے کہ ولولہ طلب میں بعض اوقات مسترشد شکوہ کرنے لگتا ہے مرشد کی بے التفاتی کا جس کا اس کو وہم ہو جاتا ہے۔

[illegible]	[illegible]

[illegible]

[illegible]

زلف کے اندر [illegible]

بیان کرنا [illegible]

بغرض اس کے [illegible]

محبت خوشامد [illegible]

سایۂ سروِ تو [illegible]	[illegible]

اس میں بیان ہے اثر توجہ مرشد کا [illegible] آپ کی [illegible]

ہوتی ہے پس مجھ پر توجہ [illegible]

زلف مشکین تو در گلشن فردوس عذار	چیست [illegible]

یعنی آپ کے عذار پر کہ مشابہ گلشن کے ہے زلف مشکین [illegible]

ہے جیسے باغ میں طاؤس ٹہلتا ہوا اس کا مقصود [illegible] ہے۔

دل من در ہوس روی تو ای مونس جان	خاک راہیست [illegible]

یعنی میں ہوا کے قدموں میں خاک راہ بنا ہوا اس سے پڑا ہوں کہ شاید ہوا مجھ کو اڑا کر

آپ تک پہنچا دے اور میں آپ کو دیکھ لوں یہ کنایہ ہے کمال اشتیاق زیارت سے جو آثار

محبت سے ہے اور ابتدا میں خصوصاً بہت مفید ہے۔

ہمچو گرد این تن خاکی نتواند برخاست	از سر کوی تو زان رو کہ عظیم افتادہ است

ہمچو گرد مشبہ بہ منفی کا ہے نفی کا نہیں شعر سابق میں چونکہ مجبوری تھی وہاں تو گرد ہونا

مناسب تھا کہ ہوا پہنچائے اور یہاں جب کوئی محبوب میں رسائی ہو گئی اب گرد نہ ہونا

مناسب ہے کہ جنبش نہ ہو یعنی میرا تن خاکی آپ کے کوچہ سے نہ اٹھے گا جیسے گرد کہ کنایہ ہے

طالب ناقص سے اٹھ جاتی ہے کیونکہ میں ایک عظیم طور پر پڑا ہوں اس میں بیان ہو جانے

لزوم عشق وتحمل شدائد کا تا کہ سامعین کو بعض آداب مرشد معلوم ہوں۔ پس عظیم ترکیب میں حال ہے ایسے موقعہ پر ہمارے محاورہ میں بولتے ہیں بے ڈھب پڑا ہوں۔

انکہ جز کعبہ مقامش نہ بُد از یاد لبت	بر درِ میکدہ دیدم کہ مقیم افتادہ است

لب کو اگر کنایہ ملفوظات سے کہا جائے بہت ہی مناسب ہے۔ مطلب یہ کہ جو شخص ہر وقت زہد ہی کا دعوے کرتا رہتا تھا اس نے جو آپ کے کچھ ملفوظات متعلق عشق کے سن لئے اب وہ آپ ہی کے در پر کہ محل فیض عشق ہے پڑا نظر آتا ہے۔

حافظ گم شدہ را با غمت ای جان عزیز	اتحادیست کہ از عہد قدیم افتادہ است

یعنی مدت دراز سے یہ گم کردہ راہ آپ کے غم عشق میں مبتلا ہے آپ اس کی رہبری کیجئے اور یہی اصلی مقصود ہے اس قسم کے عرض معروض سے پس گم شدہ کہنے میں استجلاب ہے ترحم کا۔

غزل

بلبلے برگ گلے خوشرنگ درمنقار داشت	واندران برگ ونوا خوش نالہای زار داشت
گفتمش درعین وصل این نالہ وفریاد چیست	گفت مارا جلوۂ معشوق دراین کار داشت

ترجمہ ظاہر ہے اس میں بیان ہے اس کا کہ گریہ عاشق کا ہمیشہ دلیل اس کے فراق و حرمان مقصود کی نہیں ہے بلکہ گریہ کے اور بھی اسباب ہیں منجملہ ان کے خود گرمی محبت ہے جو قرب وتجلی سے زائد ہو جاتی ہے جسکا اس جواب میں ذکر ہے پس کسی کی نسبت کچھ حکم لگا دینے کی جرأت نہ کرے یہ بحث رسالہ ہفت گریہ میں نہایت بسط و وضوح سے مذکور ہے اور یہ سبب فرح کے علاوہ ہے۔ اور ایک حدیث میں جو حضرت ابی بن کعبؓ کا رونا یہ سن کر کہ اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیا ہے وارد ہے وہ اسی پر محمول کرنا اقرب ہے۔

یار اگر نہ نشست با ما نیست جای اعتراض	بادشاہ کامران بود از گدایان عار داشت

عار سے مراد مطلق عدم مناسبت جس کی وجہ محبوب کا کمال وجوب (کہ معبر ہے بادشاہ سے) اور محبّ کا نقصان امکان وافتقار (کہ معبر ہے گدا سے) ہے مطلب یہ کہ چونکہ یہ مقرر

ہے کہ چہ نسبت خاک را با عالم پاک اس لئے قرب و وصول نہ ہونا تو اصل ہے اور جائے شکوہ نہیں ہاں اگر قرب و وصول ہو جائے یہ البتہ محل تعجب ہے اور فضل محض ہے اس میں اعلیٰ درجہ کی تعلیم ہے سالک متضجر کیلئے کہ اس مضمون کے استحضار سے اس کا ضجر خاطر بالکلیہ زائل ہو جائے البتہ فضل کی درخواست ہر حال میں ضرور ہے۔

عارفی کو سیر کرداندر مقام نیستی	ہست شد چون مستی از عالم اسرار داشت

یعنی فنا پر بقا مرتب ہوتا ہے اور مستی داشتن یہ بھی ایک قسم ہے فنا کی جس کو فناء علمی کہتے ہیں اور الم اسرار سے مراد واردات عشقیہ کہ غیر عاشق کے اعتبار سے وہ اسرار ہیں ان واردات کے غلبہ سے دوسرے معلومات سے ذہول ہو جاتا ہے یہی فناء علمی ہے۔

درنگیر د نیاز و عجز ما با حسن دوست	خورم آن کز نازنینان بخت برخوردار داشت

مطلب یہ کہ کوئی اپنے عجز و نیاز کے بھروسہ نہ رہے وہ محبوب کے کمال کے سامنے موثر نہیں ہوسکتا کیونکہ ادھر تو عجز و نیاز بوجہ ناقص ہونے کے جس سے حق عبدیت جو مقتضا ہے محبوب کی عظمت کا ادا نہیں ہوسکتا فاعل نہیں اور ادھر ذات و صفات بوجہ کامل اور واجب ہونے کے منفعل نہیں پھر تاثیر کی گنجائش کیا ہے بس اکتساب تو موثر نہ ہوا اب جس پر فضل ہے محض موہبت ہے جس کو بخت سے تعبیر کیا گیا ہے البتہ ہمارے امکان اور ان کے وجوب کا مقتضائی نفسہ یہی ہے کہ ہم ان کے سامنے عجز و نیاز کیا کریں۔ اس میں بھی بڑے پاکیزہ (وھی ان الوصول موھوب لامکتوب لکن مع ذلک فی الکسب وجوب ۱۲ لطف رسول) مسئلہ کی تعلیم ہے۔

خیز تا بر کلک آن نقاش جان افشان کنیم	کین ہمہ نقش عجب در گردش پرکار داشت

اس میں صور جمیلہ مخلوقہ سے نظر ہٹانے کا اور خالق الصور کی طرف توجہ بحت کرنے کا امر فرماتے ہیں کہ لائق محبوبیت کے وہ ذات ہے جس کے قلم کی حرکت سے یہ تمام نقوش پیدا ہو گئے اس میں بھی بڑا ضروری مسئلہ مذکور ہے جس میں صدہا غلط فہمی کر رہے ہیں۔

گر مرید راہ عشقی فکر بدنامی مکن	شیخ صنعان خرقہ رہن خانہ خمار داشت

صنعان بالفتح نام بزرگے کہ قصہ آں مشہور ست وخمار شراب فروش وخرقہ رہن خانہ خمار واشتن کنایہ از رسوا شدن چرا کہ این فعل ظاہر ست کہ موجب رسوائی ست۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو شیخ صنعان نے کیا تم بھی وہی کرو بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب اس نے عشق مجازی میں بدنامی کی پروانہ کی تو تم عشق حقیقی میں اس کی کیوں پروا کرتے ہو قال الرومیؒ

عشق مولےٰ کے کم از لیلےٰ بود + گوی گشتن بہر او اولی بود۔

وقت آن شیرین قلندر خوش کہ در اطوار سیر	ذکر وتسبیح ملک در حلقۂ زنار داشت

اطوار سیر احوال سلوک۔ مطلب تعلیم ہے ترک ریاء کا یعنی وہ بڑا اچھا عاشق ہے جو ظاہر میں گو بدنام ہو مگر مشغول بذکر وطاعت علی الدوام مثل ملائکہ کے ہو جن کی شان ہے لایفترون اور بوجہ اختفاء عن العیون کے ان کی شان لایراؤن بھی ہے حاصل یہ کہ تعمیر باطن کو منظور نظر رکھے گو تعمیر ظاہر نہ ہو۔ یہ مقصود نہیں کہ ظاہراً شرع کو ترک کردے بلکہ غرض یہ ہے کہ گو جاہ وشہرت واعتقاد عوام نہ ہو اور یہ بھی مقصود نہیں کہ قصداً رسوا ہو چنانچہ لفظ گو سے احقر نے اس کو ظاہر بھی کردیا ہے۔

چشم حافظ زیر بام قصر آن حورین سرشت	شیوۂ جنات تجری تحتہا الانہار داشت

اس میں اقتباس ہے۔ مقصود بیان کرنا ہے کثرت بکاء کا کہ منجملہ آثار عشق کے ہے۔

غزل

بدام زلف تو دل مبتلای خویشتن است	بکش بغمزہ کہ اینش سزای خویشتن است

خویشتن ترجمہ نفسہ ست برای تاکید در مصرعہ اولیٰ برای تاکید زلف ودر مصرعہ ثانیہ برای تاکید ضمیر شین کہ راجع بدل است ومضاف الیہ سزا۔ یعنی دل خاص تیرے دام زلف یعنی عشق میں مبتلا ہے (خاص کہنے سے یہ فائدہ ہو سکتا ہے کہ بواسطہ مظاہر جمیلہ کے نہیں بلکہ بلا واسطہ) اس کو تجلی (جلالی) سے قتل کردے (قید جلالی کا قرینہ بکش ہے کیونکہ جمالی محیی ہے) کہ اس کی یہی سزا ہے (مقصود اس عنوان سے محض حکم بالترتب ہے یعنی عشق پر کشتگی مرتب ہوتی ہے جیسے سزا مرتب علی الفعل ہوتی ہے عاشق کو اس کے لئے تیار رہنا چاہئے۔

گرت زدست برآید مراد خاطر ما	بجشش زود کہ خیرے برای خویشتن است

یہ محبوب حقیقی کو خطاب نہیں ہوسکتا لاستحالۃ استکمالہ بالغیر البتہ مرشد کو مخاطب کہنا ممکن ہے اور مطلب ظاہر ہے کہ ہم کو نفع پہنچانے میں آپ کو ثواب واجر ہوگا یہ مطلب نہیں کہ ہم کو نہ ہوگا بلکہ معنی یہ ہیں کہ آپ کو بھی ہوگا۔

بجانت ای بت شیرین من کہ ہچون شمع	شبان تیرہ مرادم فنای خویشتن است

یعنی شبہای تار میں شمع کی طرح کہ وہ جل کر فنا ہوجاتی ہے میرا مقصود بھی فنا ہی ہے اور تخصیص شب کی اگر حقیقی معنی پر محمول ہو اس لئے ہوسکتی ہے کہ اعمال جن پر احوال باطنیہ زیادہ مرتب ہوتے ہیں اکثر شب ہی میں واقع ہوتے ہیں اور اگر مجازی معنی یعنی فراق و ہیبت وغیرہ پر محمول ہو اس لئے ہوسکتی ہے کہ فنا کے بعض اقسام میں کہ وہ فنا اخلاقی ہے ان خاص احوال کو زیادہ دخل ہے کہ ان سے شکستگی پیدا ہوتی ہے پس اشارہ ہوگا بعض منافع احوال مذکورہ کی طرف۔

چورای عشق زدی باتو گفتم ای بلبل	مکن کہ این گل خودرو برای خویشتن است

یہاں مخاطب وہ شخص ہے جو طریق عشق کو اس غرض سے اختیار کرے کہ حسب خواہش ثمرات ومواجید اس پر مرتب ہوں گے پس فرماتے ہیں کہ اگر (اس غرض سے) عشق اختیار کرنے کی رائے قرار دی ہے تو میں کہہ چکا ہوں یعنی کہے دیتا ہوں کہ ایسا مت کرو اس واسطے کہ یہ موجود بالذات (خودرو اس سے کنایہ ہے کہ اس کی روئیدگی بلا کسی کی صنعت کے ہوتی ہے) کائنات سے مستغنی ہے (برای خویشتن اس سے کنایہ ہے اور خودرو میں۔ اشارہ علت استغنا کی طرف کردیا گیا یعنی موجودیت بالذات سبب ہے استغناء کا) اور جو مستغنی بالذات ہوگا اس پر دوسرے کا اثر تو ہو ہی نہیں سکتا کہ اس اثر کی وجہ سے دوسرے کی خواہشیں پوری کیا کرے بلکہ جو امر خود اس کے علم میں قرین حکمت ہوگا وہی کرے گا پس جو شخص اس طریق کو اختیار کرے تجویزوں سے قطع نظر کرلے اور نامرادی کو مراد سے افضل سمجھے ونعم ما قیل اگر مرد عشقی گم خویش گیر + وگرنہ رہ عافیت پیش گیر +۔

بمشک چین وچگل نیست حسن گل محتاج	کہ نافہاش زبند قبای خویشتن است

یعنی محبوب کے خود بند قبا ہی سے نافے پیدا ہوتے ہیں مقصود یہ ہے کہ محبوب حقیقی کے

کمالات ذاتی ہیں مستفاد عن الغیر نہیں گویا اس میں من وجہ تفسیر ہے شعر سابق کی۔

مرد بخانۂ ارباب بے مروت دہر	کہ کنج عافیت در سرای خویشتن است

اس میں نہی ہے حرص واظہار حاجت عند الخلق سے جو کہ شرائط طریق سے ہے۔

بسوخت حافظ ودر شرط عشق وجانبازی	ہنوز بر سر عہد ووفاے خویشتن است

درحرف جار متعلق برابط در خویشتن است یعنی باوجود مصاعب ومصائب کے راہ عشق سے منہ نہیں موڑا۔

اس میں اشارہ ہے کہ جو ظاہری وباطنی بلیات اس راہ میں پیش آئیں ان کا برداشت کرنا واجب ہے کما قیل۔

ناخوش تو خوش بود برجان من	دل فدای یار دل رنجان من+

غزل

صوفی از پرتو می راز نہانی دانست	گوہر ہر کس ازین لعل توانی دانست

پرتو می اثر عشق۔ راز نہانی معرفت حق۔ گوہر طینت واستعداد۔ لعل مراد شراب کہ مصداقش عشق است ولطافت شاعری در ایراد الفاظ متناسبہ مخفی نیست۔ یعنی سالک کو عشق کے اثر سے حق تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوگئی آگے فرماتے ہیں کہ اس عشق کے واسطے سے ہر شخص کی طینت واستعداد معلوم کر سکتے ہو اس طرح کہ جو شخص صالح الاستعداد ہے وہ یا اس میں ساعی ہے یا کم از کم قائل اور جو شخص فاسد الاستعداد ہے وہ اس کا مخالف اور معاند۔

شرح مجموعۂ گل مرغ سحر داند وبس	نہ کہ ہر کو ورقے خواند ومعانی دانست

مجموعہ مراد مرتبہ اجمال بقرینہ لفظ شرح یعنی یوں تو محبوب کی معرفت اجمالیہ سب ہی کو حاصل ہے مگر کسی قدر اس کی تفصیل کہ قرب وقبول میں دخل رکھتی ہو یہ صرف طالب ہی کو نصیب ہے نہ اس کو کہ اوراق کا درس کرتا ہو اور ما فی الاوراق کے معانی لغویہ واصطلاحیہ جان گیا ہو۔ مقصود یہ کہ یہ علم وجدانی ہے استدلالی نہیں۔ اور بعض نسخوں میں مصرعہ ثانیہ میں کہ پہلے ہے اور نہ پیچھے ہے تو اس صورت میں معانی کے قبل واو نہیں ہونا چاہئے اور معنی یہ

ہوں گے کہ مرغ صحر کے سوا کسی کے نہ جاننے کی وجہ یہ ہے کہ یہ بات نہیں کہ جس نے اوراق پڑھ لئے ہوں وہ ان معانی واسرار کو جانتا ہو اس لئے مقید بالدرسیات کا اس سے آ گاہ ہونا ضرور نہیں مقصود ترغیب ہے تصفیہ باطن کی کہ یہ علوم قلب پر وارد ہوں۔

عرضہ کردم دو جہان بردل کار افتادہ	بجز از عشق تو باقی ہمہ فانی دانست

باقی مفعول اول دانست وہمہ تاکید او وفانی مفعول ثانی۔ کار افتادہ آنکہ اورا کار عشق افتادہ۔ مقصود یہ ہے کہ محب بجز محبت الٰہیہ کے کسی طرف ملتفت نہیں ہوتا نعم دنیا کی طرف تو مطلقاً اور نعم آخرت کی طرف بالذات پس نصوص سوال آخرت کہ مرتبہ بالعرض میں ہے اس کے منافی نہیں۔

آن شدا کنون کہ زافواہ عوام اندیشم	محتسب نیز ازین عیش نہانی دانست

محتسب سے مراد وہ منکر جو قدرت ایذاء کی رکھتا ہو اور عوام سے مراد وہ منکرین جو اس کی قدرت نہ رکھتے ہوں مقصود یہ ہے کہ عشق میں نہ ایذاء بالید سے اندیشہ کرے نہ ایذاء باللسان سے۔

دلبر آسائش ما مصلحت وقت ندید	ورنہ از جانب مادل نگرانی دانست

دل نگرانی بیای مصدری دل نگران ای مشتاق شدن اس میں نہایت مفید مسئلہ کی تعلیم ہے یعنی اشتیاق کے موافق جو احوال پیش نہیں آتے محبوب کو اطلاع تو ہمارے اشتیاق کی ہے مگر ہماری اس آسائش کو جو احوال مرادہ کے وارد ہونے سے حاصل ہوتی ہماری مصلحت کے خلاف جانتے ہیں اس لئے انکار نہیں فرمایا جاتا

ع کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند۔

سنگ وگل را کند از یمن نظر لعل وعقیق	ہر کہ قدر نفس بادیمانی دانست

ہر کہ فاعل کند ویمن بضم یا برکت وبادیمانی فیض رحمانی کہ مسمی بنفس رحمانی نیز است ماخوذ از روایت مشہورہ علی الالسنہ انی لاجد نفس الرحمان من قبل الیمن کہ درحق اویس قرنی یا اہل یمن وارد شدہ یعنی از یمن اثر فیض الٰہی می یابم کہ مقبولان حق ازان طرف ظاہر خواہند شد۔ مطلب یہ کہ جو شخص فیض رحمانی کی قدردانی کرے گا اور اس کے فائض ہونے کے لئے قابلیت پیدا کر کے اس کا مورد بنے گا اس کو صفت کمال کے ساتھ

قوت تکمیل بھی عطا ہوگی کہ وہ سنگ وگل یعنی ناقص کو لعل وعقیق یعنی کامل کردے گا خواہ مباشرۃ اگر خدمت ارشاد اس کے متعلق ہے خواہ تسببا اگر یہ خدمت اس کے متعلق نہیں اس طرح سے کہ اس کو دیکھ کر اس کے احوال سن کر ناظرین وسامعین متاثر ہوتے ہیں۔

ای کہ از دفتر عقل آیت عشق آموزی	ترسم این نکتہ بتحقیق ندانی دانست

تحقیق متعلق نفی یا منفی و دانست مصدر ست ای دانستن ندانی بحذف مضاف ای طریق دانستن ندانی واغلب کہ بجای ندانی تتانی باشد پس توجیہ ظاہر است مقصود اس کا بھی مثل مقصود شعر ثانی کے ہے کہ علم عاشقی درسی واستدلالی نہیں ذوقی ووجدانی ہے۔

می بیاور کہ نہ نازد بگل باغ جنان	ہر کہ غارتگری باد خزانی دانست

یعنی دولت محبت کہ باقی ہے حاصل کرو جس نے فنائے دنیا کو چشم تحقیق سے دیکھ لیا ہوگا وہ کبھی اسباب عیش وسرور پر مغرور نہ ہوگا۔

حافظ این گوہر منظوم کہ از طبع انگیخت	اثر تربیت آصف ثانی دانست

حافظ مبتدا و دانست خبر۔ این گوہر منظوم مفعول اول دانست واثر الخ مفعول ثانی وانگیخت لازم وآصف ثانی مرشد کہ نائب آصف اول ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم است۔ مطلب ظاہر ہے مقصود اشارہ اس طرف ہے کہ ملفوظات طیبات مملو بافادات کا صدور متکلم اپنی جانب سے نہ سمجھے بلکہ مرشد کا فیض سمجھے۔

غزل

حاصل کارگہ کون ومکان این ہمہ نیست	بادہ پیش آر کہ اسباب جہان این ہمہ نیست
از دل وجان شرف صحبت جانان غرض ست	ہمہ آن ست وگرنہ دل وجان این ہمہ نیست
منت سدرہ وطوبے زپے سایہ مکش	کہ چو خوش بنگری ای سرو روان این ہمہ نیست
دولت آنست کہ بے خون دل آید بکنار	ورنہ باسعی عمل باغ جنان این ہمہ نیست
پنجروزے کہ درین مرحلہ مہلت داری	خوش بیاسای زمانے کہ زمان این ہمہ نیست

برلب بحر فنا منتظریم اے ساقی	فرصتے دان کہ زلب تا بدہان این ہمہ نیست
زاہد ایمن مشواز بازی غیرت زنہار	کہ رہ صومعہ تا دیر مغان این ہمہ نیست
دردمندے چومن سوختہ ازار وزار	ظاہرا حاجت تقریر دبیان این ہمہ نیست
ازتہتک مکن اندیشۂ وچون گل خوش باش	زانکہ تمکین جہان گذران این ہمہ نیست
نام حافظ رقم نیک پذیرفت دلے	پیش رندان رقم سودوزیان این ہمہ نیست

ان اشعار میں کئی امر کی تعلیم ہے۔ایک دنیا کی طرف مطلق التفات نہ کرنا نہ متاع کی طرف وہوفی الشعر الاول والرابع نہ جاہ کی طرف وہوفی الشعر التاسع والعاشر نہ عمر کی طرف وہوفی الخامس والسادس نہ اپنے جسم وروح کی طرف۔ وہوفی الشعر الثانی۔ دوسرے نعماء جنت کا بالذات طالب نہ ہونا وہوفی الشعر الثالث تیسرے نہی عجب سے وہوفی الشعر السابع اور شعر ثامن اور دوسرے اشعار کے بعض بعض جملوں میں کسی امر کی تعلیم نہیں محض عشق کی طلب اور اپنے دردعشق کے ظاہر وباہر ہونے کا بیان ہے اوراس میں حاجت بمعنی محتاج ہے اور بعض نسخوں میں دردمندی من بیای مصدری واضافت الی ضمیرالمتکلم المنفصل ہے اس میں بھی حاجت بمعنی محتاج ہے۔پس فرماتے ہیں کہ یہ تمام کارخانہ دنیا کا کچھ بھی نہیں بس درد عشق ہم کو عطا فرمادیجئے اور دل وجان جو عطا ہوا ہے محض مقصوداس سے یہ ہے کہ آدمی قرب محبوب کے قابل ہواوران کواس کی تحصیل میں استعمال کرے پس تمام تر دولت تو یہ قرب ہے ورنہ دل وجان بیکار ہیں۔اور سدرہ وطوبی سے اگرتم کوسایہ مطلوب ہے جوکہ حظ نفس ہے توناحق اس کے طالب ہوا ے سالک کہ استقامت میں مثل سرورووجدان کے ہے اگر غورکرکے دیکھوتو محض حظ نفسانی کے لئے وہ مطلوب نہیں ہاں بوجہ محل قرب ہونے کے مطلوب ہوتو اور بات ہے اور دنیا کی دولت جواس قدر مصیبت سے حاصل ہوکیا دولت ہے کہ محنت اس کی راحت پرغالب رہتی ہے اس شان کی دولت تو اگر جنت بھی ہوتو کچھ نہیں۔ یہ مبالغہ کے لئے محض فرض وتقدیر ہے کیونکہ دولت جنت تو واقع میں اس شان کی نہیں ہے بلکہ بہت ہی کم محنت میں بہت ہی بڑی یعنی غیر متناہی راحت میسر ہوتی ہے پس یہ اس ہی

میں داخل ہوگئی جس کو بے خون دل آید کہہ رہے ہیں یعنی دولت تو وہ ہے جس میں مشقت نہ ہو یعنی اس دولت کی مقدار کے اعتبار سے وہ مشقت کالعدم ہو اور وہ دولت قرب ہے اور جنت بھی کہ مقام قرب ہے، دنیا میں جو تم کو چند روزہ عمر مل گئی ہے اس میں آسائش حقیقی کا سامان کرلو اور یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ صعوبات دنیا سے آسائش اختیار کرو اور اس کا بھی حاصل وہی ہوگا کیونکہ اس آسائش سے بھی وہی آسائش حقیقی مقصود ہے اور زمانہ کچھ بھی نہیں یعنی فانی و منقضی ہے یوں ہی عمر ختم ہو جائے گی۔ اور چونکہ عمر باقی نہیں پس ہم موت کے انتظار میں ہیں اور اسی کو بس فرصت سمجھ لو جو کچھ بھی نہیں یعنی اس قدر قلیل جتنا فاصلہ لب سے دہن تک ہوتا ہے پس اے ساقی عنایت ازلی یا اے مرشد اس فرصت میں مدد فرمایئے کہ کچھ لے جائیں اور اے زاہد خشک تو جو اپنے تقدس پر مغرور ہے یاد رکھنا کہ غیرت الٰہی کے تصرفات عجیبہ سے بے خوف مت ہونا کہ صومعہ سے۔ دیر مغان تک بہت فاصلہ نہیں اگر غیرت نے کام کر دیا تو مسلمان سے کافر بنا دینا کچھ مشکل نہیں۔ اور جیسا میں دردمند ہوں ایسے شخص کو تقریر و بیان کی حاجت نہیں میرا حال طشت از بام ہے اور پردہ دری و رسوائی سے کہ خلاف جاہ ہے کبھی پروا نہ کرنا اور ہر حال میں خوش رہو کیونکہ اس جہان فانی کا جاہ و تمکین کوئی چیز نہیں اور گو بفضل خداوندی حافظ کا نام صلاح و خوبی میں مشہور ہو گیا لیکن عشاق کے نزدیک نیک نامی و بدنامی کا سود و زیان کچھ بھی نہیں ہے۔

غزل

بحریست بحر عشق کہ ہیچش کنارہ نیست	آنجا جز اینکہ جان بسپارند چارہ نیست

مطلب یہ کہ جب تک عشق باقی ہے اس کے آثار شورش و سوزش منقطع نہیں ہوتے یہاں تک کہ موت آجاتی ہے مقصود یہ ہے کہ عمر بھر کو اس کے شدائد کے تحمل کیلئے آمادہ رہنا چاہیے طمع عافیت کی نہ رکھنا چاہیے۔

آندم کہ دل بعشق دہی خوش دمی بود	در کار خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست

یعنی اس کے اختیار کرنے کے لئے جبکہ شیخ کامل سے مناسبت مذاق معلوم ہو جائے یا

اضطراری طور پر اس کے آثار ظاہر ہوں پس وپیش واندیشہ مت [illegible] یعنی امر خیر ہے اور اس کے فیضان کا وقت اچھا وقت ہے۔

مارا بمنع عقل مترسان ومی بیار	کان شحنہ در ولایت ما ہیچ کارہ نیست

یعنی اس کے شدائد دیکھ کر عقل مانع ہوتی ہے مگر ہم اس کے اس حکم کو لاشی سمجھتے ہیں اور فیض عشق کے طالب ہیں۔

از چشم خود بپرس کہ مارا کہ میکشد	جانا گناہ طالع و جرم ستارہ نیست

قطع نظر اس عنوان خاص سے کہ بپرس وجرم ستارہ نیست جس کا سبب شورس عشق ہے کہ ایک قسم کا عذر بھی ہے اصل معنون یہ ہے کہ عاشق جن شدائد سے متاثر ہوتا ہے اس کا اصل سبب محبوب کی تجلیات کا ظہور وخفا ہے اور اسباب طبعیہ سے جو شدائد ہوتے ہیں مثل مرض وفقر وغیرہ وہ اس سے چندان متاثر نہیں ہوتا۔

رویش بچشم پاک توان دید چون ہلال	ہر دیدہ جای جلوۂ آن ماہپارہ نیست

ہلال چونکہ باریک بہت ہوتا ہے (اس لئے اس کو دیکھنے کے لئے چشم کا امراض سے مبرا ہونا ضروری ہے اسی طرح محبوب کے مشاہدہ کے لئے دیدۂ بصیرت کا مبرا ہونا خلل علمی وعملی سے شرط ہے ورنہ ہر دیدہ اس کی تجلی کا محل نہیں ہے۔ اس میں ازالۂ رذائل کی تعلیم ہے۔

فرصت شمر طریقۂ رندی کہ این نشان	چون راہ گنج بر ہمہ کس آشکارہ نیست

اس میں عزیز القدر ہونا طریق عشق کا بیان کرتے ہیں کہ اس کی عام اطلاع اور عام پسندیدگی اس لئے نہیں کہ اس کے آثار اکثر مفوت عافیت ہیں اور بعض بظاہر مفوت عاقبت معلوم ہوتے ہیں۔

نہ گرفت در تو گریۂ حافظ بہیچ روی	حیران آن دلم کہ کم از سنگ خارہ نیست

ترکیب کم از سنگ خارہ نیست عرفاً نسبت ذم کے لئے مستعمل ہے اگر عرف سے قطع نظر کر کے محض اس کا معنون لغوی دیکھا جائے تو یہ حاصل ہے معنی صمدیت کا کہ وہ بھی لغۃً سنگ سخت کے معنی میں ہے اور اگر مقصود کنائی دیکھا جائے تو یہ کنایہ ہے عدم تاثر سے [illegible] یہ ہے کہ ذات میں بوجہ وجوب کے انفعال اور تاثر نہیں ہر فعل کہ اس سے صادر ہوتا ہے ارادہ

اور حکمت سے ہوتا ہے پس اس میں اشارہ ہو جائے گا کہ اپنے اعمال وطلب کو موثر نہ سمجھے اور اگر اس تاویل پر بھی طبیعت ابا کرے تو مرشد کی شان میں کہہ دینا اھون ہے کہ مخلوق کے ادب کے لئے معنی مجازی کافی محافظ ہے فقط۔

غزل

چہ لطف بود کہ ناگاہ رشحۂ قلمت	حقوق خدمت ما عرض کرد بر کرمت
بنوک خامہ رقم کردۂ سلام مرا	کہ کارخانۂ دوران مباد بے رقمت
نگویم از من بیدل بسہو کردی یاد	کہ در حساب خرد نیست سہو بر قلمت
مرا ذلیل مگردان بشکر این نعمت	کہ داشت دولت سرمد عزیز ومحترمت
بیا کہ با سر زلفت قرار خواہم کرد	کہ گر سرم برود برندارم از قدمت
زحال ما دلت آگہ شود مگر وقتے	کہ لالہ بردمد از خاک کشتگان غمت
روان تشنۂ ما را بجرعۂ دریاب	چو میدہند زلال خضر بجام جمت
صبا زروی تو با ہر گلے حدیثے کرد	رقیب کے رہ غماز داد در حرمت
دلم مقیم درتست حرمتش میدار	بشکر آنکہ خدا داشتہ است محترمت
ہمیشہ وقت توای عیسی نفس خوش باد	کہ جان عاشق دل خستہ زندہ شد بدمت
کمین گہست وتو خوش تیز میروی حافظ	مکن کہ گرد برآید زشہ رہِ عدمت

شرح میں ہے این غزل بجواب مرشدست یعنی مرشد کا کوئی خط وغیرہ آیا ہے اس کے جواب میں لکھ رہے ہیں کہ یہ کیسی عنایت ہوئی کہ آپ کی چکید گی کلک نے اچانک یعنی جبکہ پہلے سے توقع بھی نہ تھی ہماری خادمیت کے حقوق آپ کے کرم کے روبرو پیش کئے (یہ اسناد مجازی ہے یعنی رشحۂ قلم سبب ہو گیا بذل کرم کا) آپ نے نوک خامہ سے مجھ کو سلام لکھا ہے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ زمانہ کو آپ کے نقش ہستی سے خالی نہ رکھے (یعنی آپ ہمیشہ قائم رہیں) میں (بعضے ناشکروں کی طرح کہ وہ کہا کرتے ہیں کہ ادھر بھول کر کیسے متوجہ ہو گئے)

یوں نہ کہوں گا کہ مجھ کو بھولے سے یاد کرلیا ہے اس واسطے کہ یہ بھی عقل سلیم آپ سے قلم میں سہو کا احتمال نہیں (یعنی خط لکھنے سے عنایت ہی کا قصد ہے اور کوئی غرض دنیوی نہیں جو کہ محاورہ میں اس کہنے سے کہ کیسے متوجہ ہو گئے یہی مقصود ہوتا ہے۔ حاصل یہ کہ غرض پرستی سے آپ کی شان ارفع ہے اور اس سے مطلق سہو کی نفی مقصود نہیں اب میں چاہتا ہوں کہ آئندہ بھی ایسے ہی الطاف ناموں سے یاد رکھئے بے التفاتی کرکے) مجھ کو اس نعمت کے شکرانہ میں ذلیل نہ کیجئے کہ دولت سرمد نے آپ کو عزیز اور محترم رکھا ہے۔ میری طرف متوجہ ہو جایئے کہ میں آپ کے جذبۂ محبت سے یہ عہد (مکرر) کروں گا کہ اگر میرا سر بھی جاتا رہے تب بھی آپ کے قدم سے نہ اٹھاؤں گا مکرر اس لئے کہا کہ خود وقت ارادت کے یہ عہد قالاً یا حالاً ہو بھی چکا ہے اب یہ تجدید بشکرانہ کرم نامہ کے ہے آگے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہیں کہ) ہمارے دل (کی محبت) کا (پورا) حال آپ کو معلوم تو ہو جائے گا مگر اس وقت معلوم ہوگا جب آپ کے مقتولان محبت کی قبروں پر لالہ جم آئے گا (یعنی جب وہ مرجائیں گے ابھی اتنا معلوم نہیں مقصود یہ ہے کہ ہم کو اس درجہ کی محبت ہے تو اسی درجہ کی توجہ کے خواہاں ہیں سلام و پیام سے زیادہ یاد رکھئے اور) ہماری جان تشنہ کو ایک جرعۂ توجہ سے سرفراز کیجئے جبکہ آپ کو جام جم میں آب حیات خضری عطا کیا جاتا ہے (یہ کنایہ ہے فیوض الٰہیہ سے اور) قاصد نے ہر طالب سے آپ کی حکایتیں بیان کیں (یعنی جس طرح میرے پاس خط آیا اور طالبین کے پاس بھی رقعے پرچے یا زبانی پیام اس قاصد کے ہاتھ پہنچے جس پر بحکم رشک محبت کہتے ہیں کہ) پہرہ دار نے (رقیب بمعنی محافظ) آپ کے حرم میں غماز (یعنی قاصد من ہذہ الحیثیۃ) کو کب اور کس وقت رستہ دے دیا تھا کہ اس نے دوسرے گلوں سے آپ کی حکایتیں بیان کیں۔ یہ مضمون ناشی ہے سکر سے کما قیل۔

باسایہ ترانمے پسندم	عشق ست وہزار بدگمانی

(آگے مثل شعر ثالث کے پھر طالب استمرار متوجہ ہوتے ہیں کہ) میرا دل آپ کے دروازہ پر پڑا ہے اس کا پاس رکھئے اس نعمت کے شکر میں کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو محترم بنایا ہے (آگے دعا پر جواب کو ختم پر لانا چاہتے ہیں کہ) اے مسیحا دم خدا تعالیٰ ہمیشہ آپ کو خوش

رکھے کہ آپ کے کلام تحریری سے عاشق دل خستہ کی جان زندہ ہوگئی (آگے بطور جملہ زیادہ حد ادب کے بالکل ختم کرنا چاہتے ہیں جس میں بعضے شوخ مضامین کی جو کہ اس جواب میں سرزد ہوئے ہیں معذرت بھی ہے یعنی مخاطبت مرشد کی یہ مثل کمین گاہ کے ایک نازک مقام ہے اور تم مطلق العنان تیز چلے جاتے ہوایسا مت کرو کبھی عدم یعنی ہلاکت روحانی کی شاہراہ سے تمہاری گرد اٹھتی نظر آئے یعنی بے ادبی میں ہلاک نہ ہو جاؤ (شہ رہ) مخفف شاہراہ (اس میں ایک گونہ تعلیم بھی ہوگئی کہ اگر غلبہ محبت میں کوئی بے ادبی ہو جائے فی الفور معذرت کرلے) اور اگر ترکیب عیسی نفس باضافۃ ثابت نہ ہو چنانچہ میری نظر سے نہیں گزرا تو دوسرا نسخہ لے لیا جائے یعنی عیسی صبا اس تقدیر پر اس کی تقریر شکریہ قاصد کے ساتھ بہتر ہوگی کہ اس کے گفتگوی قاصدانہ سے طالب کو حیات وفرحت میسر ہوئی واللہ اعلم۔

غزل

زگریہ مردم چشم نشستہ درخون ست	ببین کہ درطلبت حال مرومان چون ست
بیادِ لعل لب و چشم مست میگونت	زجام غم مئے لعلے کہ میخورم خون ست
زمشرق سرکوی آفتاب طلعت تو	اگر طلوع کند طالعم همایوں ست
حکایت لب شیرین کلام فرہادست	شکنج طرہ لیلے مقام مجنون ست
دلم بجوکہ قدت ہمچو سرودلجویست	سخن بگوکہ کلامت لطیف وموزون ست
زدور بادہ بجان راحتم رسان ساقی	کہ رنج خاطرم از جورِ دورِ گردون ست
ازان زمان کہ زدستم برفت یارعزیز	کنارہ دیدہ من ہمچو رودجیحون ست
چہ گونہ شاد شود اندرون عمگینم	باختیار کہ از اختیار بیرون ست
زبیخودی طلب یار مے کند حافظ	چومفلسے کہ طلبگار گنج قارون ست

یہ غزل غالبًا حالت قبض کی ہے کہ تمام اشعار میں فراق کا شکوہ اور وصل کی تمنا مذکور ہے۔ یعنی غایت گریہ سے میری پتلی خون میں غرق ہوگئی اے محبوب ذرا طالبوں کے حال کو تو

دیکھئے آپ کی یاد میں (جو کہ فراق کے وقت ہے) جام غم سے جو شراب کہ میں نوش کرتا ہوں وہ شراب خون ہے یعنی خون پیتا ہوں اگر آپ کی تجلی ہو جائے تو میری قسمت بڑی اچھی ہے۔ (اور اے سامعین میرے اس ذکر فراق ووصال کا اور اس تعلق عشق کا تعجب مت کرو کیونکہ عشاق تو ہر حال میں محبوب ہی کا ذکر کیا کرتے ہیں چنانچہ) فرہاد کا کلام یہی ہوگا کہ لب شیرین کی حکایت کرے اور مجنون (کے دل) کا مقام بس شکنج زلف لیلی ہی ہوگا (اے محبوب) ہماری خاطر داشت کیجئے اور ہم سے خطاب کیجئے یعنی تجلیات وواردات سے مشرف فرمایئے اور بادہ فیض سے مجھ کو راحت پہنچایئے کہ جور فراق سے میرا دل رنجیدہ ہے جب سے میرا محبوب میرے ہاتھ سے گیا ہے یعنی جدا ہوا ہے غایت گریہ سے میری آنکھوں کی آغوش یا دامن کا کنارہ (علی اختلاف التخین واختلاف اللغتین فالمعنی الاول بکسر الکاف والثانی بفتحہا کذا فے الغیاث) رود جیحون بن گیا ہے۔ اور میرا دل غمگین کیونکر (اس حالت فراق میں) قصد واختیار سے خوش ہو (یعنی لوگ سمجھاتے ہیں کہ میاں دل کو خوش رکھو تو کیسے خوش رکھوں) کیونکہ یہ تو اختیار سے خارج ہے (خوشی تو جب ہی میسر ہوگی جب فراق مبدل بوصال ہو) اور یہ خوشی مرتبہ طبیعت میں ہے اور عقلی خوشی عین حالت فراق مصطلح میں بھی جبکہ اس کے مصالح پر اجمالاً یا تفصیلاً نظر کی جائے ممکن اور واقع ہے۔ آگے کہتے ہیں کہ حافظ جو محبوب (کے وصال) کی درخواست کر رہا ہے حالانکہ (طالب اور مطلوب میں کچھ مناسبت چاہئے اور وہ یہاں مفقود مالتراب ورب الارباب پس) اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی مفلس (اپنے حوصلہ سے زیادہ) گنج قارون کا طالب ہو تو یہ درخواست (ایسی بے عقلی کی) محض ناشی بیخودی سے ہے (بیخودی میں عقل کو موافقت ومخالفت پر نظر نہیں رہتی اور طلب یار کے ترجمہ میں جو احقر نے لفظ وصال نکال دیا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ نفس طلب بمعنی طلب رضا تو عین قضیۂ عقل ہے اور مامور بہ شریعت میں۔ اسی طرح طلب لقاء آخرت میں اور گو حوصلہ سے وہ بھی زائد ہے مگر امر شرعی اور وعدۂ یقینی اس پر غالب ہے اور اس وعدہ ہی کی فرع ہے عطاء تحمل البتہ یہ مواجید خاصہ جو اصطلاحی وصل ہے شرعاً بھی مامور بہ نہیں اور ان کے درپے ہونا تعلیم عقل صحیح کے بھی خلاف اسی لئے اکابر منع بھی کرتے ہیں

شعر میں اس کا ذکر ہے اور باوجود اس کے طلب کرنا شعر میں اس کا عذر ہے۔

غزل

زان یار دلنوازم شکریست باشکایت	گرنکتہ دان عشقی خوش بشنو این حکایت
بیمزد بود و منت ہر خدمتے کہ کردیم	یا رب مباد کس را مخدوم بے عنایت
رندان تشنہ لب را آبے نمید ہد کس	گویا دلے شناسان رفتند از ولایت
در زلف چون کمندش ایدل پیچ کانجا	سرہا بریدہ بینی بے جرم و بے خیانت
این راہ رانہایت صورت کجا توان بست	کش صد ہزار منزل بیش ست در بدایت
چشمت بغمزہ ماراخون خوردومی پسندی	جانا روانباشد خونریز راحمایت
ہرچند بروی آبم رو از درت نتابم	جوراز حبیب خوشتر کزمدعی رعایت
ای آفتاب خوبان می سوزد اندر ونم	یک ساعتم بگنجان درسایۂ سرایت
دراین شب سیاہم گم گشتہ راہ مقصود	از گوشہ برون آ ای کوکب ہدایت
از ہر طرف کہ رفتم جز د حشتم نیفزود	زنہار ازین بیابان دین راہ بے نہایت
عشقت رسد بفریاد گرخود بسان حافظ	قرآن زبر بخوانی باچاردہ روایت

اس غزل کے مضمون میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی باطنی شدید حالت میں گرفتار ہیں اور کشود کار میں توقف ہوا پس غایت وحشت سے مرشد پر بھی جھنجھلاتے ہیں اور دوسرے اہل ارشاد کی بھی شکایت کرتے ہیں پس فرماتے ہیں کہ اپنے یار دلنواز یعنی مرشد کا شکریہ بھی ادا کرتا ہوں بوجہ دلنوازی کے مجھ کو راہ پر ڈال دیا اور رہنمائی کی مگر یہ شکریہ شکایت کے ساتھ بھی مقرون ہے وہ شکایت شعر ثانی وثالث میں مذکور ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اب دستگیری کر کے اس مخمصہ موجودہ سے رہائی نہیں دیتے اگر تم رازدان عشق ہو تو اس حکایت کو اچھی طرح سنو وہ یہ ہے کہ ہم جس قدر خدمت بجالائے نہ اس کا کچھ صلہ ملا نہ اس کا احسان مانا یعنی نہ کچھ معاوضہ ملا نہ اس کی قدر کی گئی۔ مراد معاوضہ وقدر سے یہی ہے کہ اس عقبہ میں میری

مدد کی جاتی۔ خدا کرے کسی کو ایسا مخدوم بے مہر نہ ملے آگے عام شکایت ہے کہ پیاسوں کو کوئی پانی نہیں دیتا معلوم ہوتا ہے سارے ولی اس ملک سے کہیں چلے گئے ہیں یہاں کوئی نہیں رہا کہ ایک پیاسے کی پیاس کو نہیں بجھا سکتے۔ (ولی شناس کنایہ ولی سے ہے کیونکہ ولی را ولی می شناسد شاید اس تعبیر سے مبالغہ مقصود ہو کہ ولی تو کیا اگر کوئی ولی شناس ہی ہوتا تو خیر کسی ولی کا پتہ ہی بتلاتا کہ اس سے رجوع کرتا) تنگ ہو کر کہتے ہیں کہ مرشد سے کوئی جی نہ لگاتا کہ وہاں بے گناہ سر کاٹا جاتا ہے (شاید مسترشد پر اس کے بے موقع تقاضا و پریشان گوئی سے کوئی ڈانٹ پڑ گئی ہوگی یہ تنگی اس سے ہوئی اور بے جرم سے مراد جرم خفیف ہے پریشانی میں اپنا جرم خفیف ہی نظر آتا ہے یہی عذر ہے اس بیباکی کا۔ آگے راہ عشق کا بے پایاں ہونا بیان کرتے ہیں کہ) اس طریق کا انتہا کہاں ہو سکتا ہے۔ جس کی ابتدا ہی میں لاکھوں عقبات ہیں۔ (آگے عتاب کی شکایت ہے کہ) آپ کی نگاہ عتاب نے اور رہا سہا برباد کر دیا حضرت خونریز کی حمایت اچھی نہیں یعنی اس عتاب کا استمرار مناسب نہیں اور گو آپ نے اس عتاب سے ذلیل و خوار کیا مگر میں ہٹنے والا نہیں ہوں مدعیان مشیخت وارشاد یعنی شیخان مزور کی رعایت سے آپ کی کہ مستحق محبت ہیں سختی اور بے التفاتی ہی اچھی ہے (لاقتضاء المحبۃ الراسخۃ ولبناءہ علی مصالح) اور اب میری سوزش بہت بڑھ گئی ہے اپنے خانہ عنایت کے سایہ میں تھوڑی دیر مجھ کو بھی جگہ دے دیجئے اس شب سیاہ یعنی حالت حیرت میں میرا راہ مقصود گم ہو گیا ہے اے ہادی ادھر توجہ فرمائیے (اور آفتاب اور سایہ کا مقابلہ اور شب سیاہ اور کوکب کا مقابلہ ظاہر اللطف ہے) میں جہاں گیا وحشت ہی زائد ہوئی اس بادیہ خونخوار و ناپیدا کنار سے بھی پناہ ہے (مقصود اس سے محض استعظام ہے نہ کہ استعاذہ۔ آگے نفس کو امید دلا کر تسلی دیتے ہیں کہ) اگر تم اتنے بڑے عالم بھی ہو کہ قرآن مجید چودہ روایت کے ساتھ تم کو حفظ ہو تب بھی اس طریق میں تمہارا فریادرس عشق ہی ہوگا علوم مکتسبہ فریادرسی نہ کریں گے یعنی عقبات سے نجات کے لئے درسیات کافی نہ ہوں گی۔ بس استقامت علی الطلب ہی سے کوئی لطیفہ غیبی ایسا وارد ہوگا کہ ترقی کی راہ کھول دے گا۔ اور بعض نسخوں میں کز خود ہے یعنی عشق ایسی فریادرسی کرے گا جس سے ازخود یعنی بطور موہبت کے تم ایسے علامہ بن جاؤ گے مگر اس صورت میں الفاظ قرآن مردانہ ہوں گے بلکہ اسرار جو کہ قلب پر فائض ہوتے ہیں اور چودہ روایت کی

توجیہ دو ہوسکتی ہیں یا تو چودہ قرأت سات مشہور اور باقی غیر مشہور اور یا سات مشہور قرأت سے سات ائمہ ہیں اور ہر امام کے دو دو راوی یہ چودہ روایتیں ہوئیں۔

غزل

اس غزل کے بعض اشعار محبوب حقیقی کے معاملہ پر منطبق ہوسکتے ہیں اور بعض مرشد کے معاملہ پر۔

یا رب سببے ساز کہ یارم بسلامت	باز آید بر ہاندم از چنگ ملامت
خاک رہ آن یار سفر کردہ بیارید	تا چشم جہان بین کنمش جائے اقامت

غالباً مرشد سفر میں ہیں اور اشتیاق سے یا انقطاع فیوض سے حالت خستہ ہے جس پر ناواقف ملامت کرتے ہیں اس لئے کہہ رہے ہیں کہ اے اللہ کوئی ایسا سامان کر دیجئے کہ مرشد آ جائیں جس سے میری حالت درست ہو جائے تا کہ خلائق کی ملامت سے بچ جاؤں اب شدت اشتیاق سے کہتے ہیں کہ ان کی راہ کی خاک ہی لا دو تا کہ اپنی چشم جہان بین کو اس خاک کا مقام بناؤں اور شعر اول کی توجیہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ لائمین اس کی محبت میں اس لئے ملامت کرتے ہیں کہ اس کو دیکھا نہیں وہ آ جائے تو سب اس کو دیکھ لیں اور پھر ملامت چھوڑ دیں جیسا زلیخا نے یوسف علیہ السلام کا جمال لائمات کو دکھلا کر کہا تھا فذلکن الذی لمتننی فیہ اور مرشد پر اس کا انطباق اس طرح ہوسکتا ہے کہ بعض غیر معتقدین ان سے ارتباط پر ملامت کرتے ہوں گے جو ان کے کمالات کے مشاہدہ پر ختم ہو جائے گی۔

فریاد کہ از شش جہتم راہ ببستند	آن خال وخط وزلف ورخ وعارض وقامت

اس میں بیان ہے اپنی حالت حیرت کا کہ راہبستند عبارت اسی سے ہے اور یا وہ عبارت ہے اس سے کہ ایسا اسیر کیا کہ رہائی ہی متصور نہیں اور دونوں کا سبب عشق ہے۔ اشیاء مذکورہ مصرعہ ثانیہ کو سبب کہنے سے یہی مراد ہے۔ ایک حاشیہ میں ہے لفظ شش لطفے دارد کہ خال وخط وغیرہ در شعر ہمین عدد واقع ست اور یہ محبوب حقیقی و مرشد ہر دو پر منطبق ہوسکتا ہے۔ اور فریاد کرنا توجیہ ثانی پر اس اسیری کے زوال کی تمنا نہیں بلکہ شدت اضطراب اس کا منشاء ہے۔

امروز کہ در دست توام مرحمتے کن	فردا کہ شوم خاک چہ سود اشک ندامت

اس میں خطاب ہے مرشد کو کہ میرے حال پر توجہ کیجئے ورنہ جب ہم مر جاویں گے اور آپ اپنی بے توجہی کو یاد کر کر کے افسوس کیا کریں گے اس وقت کیا فائدہ ہوگا۔ یہ سب شدت اشتیاق کے مخاطبات ہیں جس کی وجہ شبہ بے التفاتی کا ہے اور بعض اوقات واقع میں بھی مرشد سے باقتضاء طبیعت بشری توجہ الی المسترشدین کی کمی ہو جاتی ہے تو اس صورت میں حکیمانہ تنبیہ ہے۔

اے آنکہ بتقریر و بیان دم زنی از عشق	ما با تو نہ داریم سخن خیر و سلامت

اس میں خطاب اس شخص کو ہو سکتا ہے جو احوال خاصہ پر (مثل ما ذکر فی الاشعار السابقۃ) عاشق کو ملامت کرتا ہے اور اس سے تحقیق سبب اضطراب کی کرتا ہے پس جواب دیتے ہیں کہ عشق کے آثار قالی نہیں حالی ہیں اور خیر و سلامت مختصر ہے مثل مشہور ما بخیر و شما بسلامت کا۔

درویش مکن نالہ زشمشیر احبا	کاین طائفہ از کشتہ ستانند غرامت

اس میں تسلی ہے طالب کی کہ ان مرشدوں کے (کہ محبوب ہیں) معاملہ سے نالاں مت ہو کہ یہ حضرات مسترشدین ہی کا جو کہ خود ہی مصیبت باطنی میں مبتلا ہیں قصور نکالا کرتے ہیں۔ کشتگی اسی مصیبت زدگی کو اور غرامت بمعنی جرمانہ و تاوان اسی قصور نکالنے کو کم اس عنوان سے تعبیر کرنا محض ضیق قلب سے ہے ورنہ فی نفسہ تنبیہ ہے اس پر کہ بعض اوقات یہ باطنی مصیبتیں واقع میں سالک کی بے اعتدالی یا بے علمی سے پیش آ جاتی ہیں۔

در خرقہ زن آتش کہ خم ابروئے ساقی	بر می شکند گوشۂ محراب امامت

اس میں بیان ہے اس کا کہ بعض اوقات طالب کو تنگی اس وجہ سے پیش آتی ہے کہ مرشد اس کے کسی امر محبوب للنفس کو چھڑاتا ہے مثلاً ترفع کو چھڑا کر تذلل کے لئے ارشاد کیا نفس پر گران گزرا اس کشمکش میں ضیق ہو گیا اس کی نسبت فرماتے ہیں کہ ایسے امر میں اطاعت کرنا ضروری ہے اور اعتقاد ضرورت اور عقد ہمت سے پھر وہ تنگی زائل ہو جاتی ہے پس خرقہ سے مراد ترفع و اظہار بزرگی ہے اور یہی مراد ہے گوشہ محراب امامت سے اور ابرو کا حسن چونکہ خم سے بڑھ جاتا ہے اس سے مراد ہے حسن ادا و تعلیم مرشد اور بر می شکند سے مراد ہے امر بازالہ ترفع۔ ممکن ہے کہ اوپر کے شعر میں جس کو غرامت کہا تھا اس شعر میں اسی

غرامت کی یہ ایک مثال ہو۔

حاشا کہ من از جور و جفائے تو بنالم	بیداد لطیفان ہمہ لطف است وکرامت

یہ گویا ترجمہ ہے ضرب الحبیب زبیب اور اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ مرشد کی سختی سرتاسر مصلحت ہوتی ہے اس سے شاکی اور تنگ نہ ہونا چاہئے۔

کوتہ نکند بحث سر زلف تو حافظ	پیوستہ شد این سلسلہ تا روز قیامت

اس میں خطاب ہوسکتا ہے محبوب حقیقی کو اور بحث سر زلف سے مراد سخن عشق ومحبت ہے یعنی چونکہ عشق وآثار عشق باقی اور لاتقف عند حد ہے اس کی حکایت بھی غیر منقطع ہے۔

غزل

اس میں مدح اور طلب ہے عشق کی اور بیان ہے اس کے بعض آثار کا اور تحریض ہے اس کے شدائد کے تحمل پر۔

ساقیم خضر ست و می آب حیات	توبہ از می چون کنم ہیہات ہات
بادۂ تلخ از لب شیرین لبان	در حلاوت می برد آب از نبات
چون دم عیسیٰ نسیم اوز لطف	مردۂ صد سالہ را بخشد حیات
جز بجب آتشین یعنی شراب	حل نمی گردد مرا این مشکلات
روزی ما بین کہ از دیوان عشق	جز مئے ہجران نشد مارا برات
شاد باد اروح آن رندے کہ او	برسر کوئے مغان یابد وفات
حاصل عمر تو حافظ درجہان	بادۂ صافی ست باقی ترہات

یعنی مرشد قاسم فیض عشقی ہے اور شراب آب حیات ہے تو پھر کیونکر عشق کو ترک کروں یہ نہایت بعید ہے (ہیہات بعد) ہاں لاؤ (ہات اس فعل بمعنی الامر) اور محبوب کے لب سے تو بادہ تلخ بھی قند ومصری سے افضل ہے (مراد اس سے یہ ہے کہ جو شدائد محبوب کی طرف سے عشق میں پیش آویں وہ لذات سے بھی زیادہ لذت بخش ہیں اور محبوب کے واردات یا

کلام مرشد دم عیسے کی طرح مردہ دلوں کے لئے حیات بخش ہیں اور معرفت کے یہ مسائل مشکلہ بدون عشق کے کافی طور پر (محض بحث وبیان سے) حل نہیں ہوتے۔ آگے عشق کی ایک شدت کا بیان کرتے ہیں کہ ہماری غذا دیکھو کہ دفتر عشق میں ہمارے حصہ میں صرف شراب ہجر آئی ہے (مراد اس سے قبض ہے برات بمعنی نصیب وقسمت) آگے اس شخص کو دعا دیتے ہیں جو راہ عشق سے مرتے دم تک نہ ہٹے آگے مقطع میں بتلاتے ہیں کہ بجز محبت الٰہیہ کے عمر کو جن مشاغل ومقاصد میں صرف کیا جائے سب فضول اور بیکار ہیں۔

غزل

یہ غزل مرشد کی جدائی میں لکھی گئی ہے کذا فی الشرح۔

شربتے از لب لعلش بخشیدم وبرفت	روی مہ پیکر او سیر ندیدیم وبرفت
گوئی از صحبتِ ما نیک بہ تنگ آمدہ بود	بار بربست وبگردش نرسیدیم وبرفت
بسکہ مافاتحۂ وحرز یمانی خواندیم	وز پیش سورۂ اخلاص دمیدیم وبرفت
سرز فرمان خطم گفت مکش تا نروم	ماسر خویش زخطش نہ کشیدیم وبرفت
عشوہ میداد کہ از کوئے ارادت نروم	دیدی آخر کہ چسان عشوہ خریدیم وبرفت
شد چمان در چمن حسن ولطافت لیکن	در گلستان وصالش نچمیدیم وبرفت
گفت از خود ببرد ہر کہ وصالم طلبد	ماباامیدوی از خویش بریدیم وبرفت
صورت او بلطافت اثر صنع خداست	مابرویش نظر سیر ندیدم وبرفت
ہمچو حافظ ہمہ شب نالۂ وافغان کردیم	کای دریغا بوداعش نرسیدیم وبرفت

در شعر ثانی بگردش ای بغبار او۔ ودر شعر ثالث حرز یمانی نام دعائے کہ برائے حصول مقاصد میخوانند وہمچنان فاتحہ وبرائے تسخیر قل ہو اللہ راخوانند۔ ودر شعر خامس عشوہ فریب مراد وعدہ کہ بوفا نرسد ودر شعر سابع از خود ببرد یعنی فانی شود۔ مطلب بعد حل مفردات وتعیین غرض کے بالکل ظاہر ہے اور بعض اشعار سے شبہ خلف وعدہ کا ہوتا ہے اس کا دفع یہ ہے کہ یا تو وہ وعدہ مقید تھا کسی قید کے ساتھ اور یا مقصود وعدہ سے بذل توجہ تھا جس کا خلف ثابت نہیں۔

غزل

اس میں بیان ہے عشق کے آثار خاصہ وعامہ کا۔

ماراز ارزوی تو پروای خواب نیست	بے روی دلفریب تو بودن صواب نیست
دردور چشم مست توہشیار کس ندید	کودیدہ کز تصور چشمت بخواب نیست
درہرکہ بنگرم بغمے از تو مبتلاست	یک دل ندیدہ ام کہ زعشقت خراب نیست
ہرکو بدست عشق تو شد کشتہ بردرت	اورادرانجاب سوال و جواب نیست
حافظ چوز ربوتہ درافتاد وتاب یافت	عاشق نباشدآ نکہ چورزاوبتاب نیست

یعنی تمہارے اشتیاق میں نینداڑ گئی اور آپ کا ذکر دائم ضروری ہے اور آپ کے عشق کے دورہ اور اثر عام سے ایک بھی اپنی حالت میں نہیں ہر شخص محو ہے (خواب بمعنی محو) مقصود اشارہ اس مسئلہ کی طرف ہے کہ ہر شخص جس کسی چیز کی محبت میں اس چیز کے کسی کمال کی وجہ سے مبتلا ہے اس کمال کا مرجع بالذات حقیقت میں ذات واجب ہے پس متعلق اس محبت کا واقع میں ذات ہی ہے اسی لئے تصور چشمت کہہ دیا مگر محبّ کو اسکی اطلاع نہیں جیسے دیوار تابان کا عاشق واقع میں عاشق آفتاب ہے مگر بے خبر اسی لئے اس محبت پر کوئی نفع مرتب نہیں ہوتا پھر اس مسئلہ کے بیان سے کیا فائدہ سو فائدہ یہ ہے کہ اس سے حق تعالیٰ کا کمال اور اس کمال کی وجہ سے واجب المحبۃ والاطاعت ہونا ثابت ہوگیا۔ اس کے بعد کے شعر اور ہر کہ بنگرم میں یہی مضمون ہے۔ آگے عشق کا اثر آخرت میں ظاہر ہونے والا مذکور ہے کہ مقتول عشق کا حساب و کتاب جناب باری میں نہ ہوگا لانہ شھید اکبر للحدیث الصحیح المجاھد من جاھد نفسہ۔ آگے تحمل بلیات عشق کی ہمت دلاتے ہیں اپنی نظیر پیش کر کے بھی کہ اس کو تقویت ہمت میں بڑا دخل ہے اور قاعدہ کلیہ بیان کر کے بھی جس کا ماٴخذ حدیث صحیح ہے اشد الناس بلاءً الانبیاء ثم الامثل فالامثل او نحوہ۔

غزل

خم زلف تو دام کفر و دین ست	زکارستان اویک شمہ این ست

یعنی کفراور دین دونوں مسخر جمال محبوب ہیں اس طرح سے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات میں سے مضل اور ہادی دونوں ہیں اور اسماء وصفات سب جمیل اور مقتضی ظہور ہیں پس اسم ہادی مقتضی ہوا خلق دین کو اور اسم مضل مقتضی ہوا خلق کفر کو پس دونوں مخلوق اپنے خلق میں دونوں اسموں کے جمال کے تابع ہوئے یہی مراد ہے مسخر اور عاشق ہونے سے اور چونکہ یہ امر عجیب ہے کہ دو متضاد چیزوں سے کسی کا جمال ظاہر ہو ورنہ اکثر محبوبان مجازی میں یہ ہوتا ہے کہ اگر ایک امر سے ان کا حسن پسند خاطر ہوتا ہے تو اس کی ضد اس کی پسندیدگی کو کم کردیتی ہے اس لئے مصرعہ ثانیہ میں اس کے عجیب ہونے کا حکم کرتے ہیں۔ قال الرومی ۔

عاشقم برلطف و برقہرش بجد + ای عجب من عاشقم بر ہر دو ضد + ۔

جمالت معجز حسن ست لیکن	حدیث غمزہ ات سحر مبین ست

یہ لیکن استدراک کے لئے نہیں بلکہ ترقی کے لئے ہے یعنی یہ خوبی تو ہے ہی لیکن ایک دوسری خوبی بھی ہے جیسے عربی میں اس معنی کے لئے لفظ بید آتا ہے۔ مقصود جمال اور استتار کہ غمزہ اس سے عبارت ہے دونوں کا کمال بیان کرنا ہے۔ اور بعض نسخوں میں بجائے معجز حسن است کے معجز عیسے است ہے حاصل یہ ہوگا کہ جمال تو محیی ہے اور استتار قاتل ہے جیسے سحر مہلک ہوتا ہے۔

برآن چشم سیہ صد آفرین باد	کہ در عاشق کشی سحر آفرین ست

چشم کو عاشق کش کہنا اگر باعتبار غمزہ یعنی نگاہ ہٹالینے کے ہے کہ کنایہ ہے استغناء سے تب تو شعر بالا کا مصرعہ ثانیہ اور یہ شعر متحد المعنی ہے اور اگر باعتبار نظر والتفات کے ہے تو عاشق کش کہنا اس معنی کر ہے کہ عشق کو اور زیادہ کردیا جس سے قلب زیادہ مجروح و بیتاب ہوگیا اور یہ اثر مشاہدہ جمال میں بھی ہے اور صد آفرین باد سے محض مدح مقصود ہے نہ کہ دعا۔ اور سحر آفرین کہتے ہیں ساحر کامل کو۔

عجب راہے ست راہ عشق ہیہات	کہ چرخ ہفتمش ہفتم زمین ست

اس میں بیان ہے طریق عشق کے علو کا کہ یہ چرخ ہفتم اس کی زمین ہفتم ہے یعنی وہ چرخ ہفتم سے بھی اعلیٰ ہے اور توجیہ اس کی یہ ہوسکتی ہے کہ مورد عشق کا قلب اور روح ہے اور

یہ لطائف بایں معنی فوق العرش ہیں کہ عرش منتہائے امکنہ ہے اور یہ بوجہ تجرد کے لا مکانی ہیں پس خارج از امکنہ ہوئے اور فوق العرش اور لا مکانی کا چرخ ہفتم اور مکانی سے رتبۂ اعلیٰ ہونا ظاہر ہے لتنزہ المجرد عن ظلمۃ المادۃ التی ہی فی غیر المجرد۔

تو پنداری کہ بدگو رفت وجان برد	حسابش کراماً کاتبین ست

اعراب کراماً کاتبین حکائی است۔ یا تو مقصود اس سے تعلیم ہے سالک کی ترک غیبت وغیرہ کے لئے اور یا تہدید ہے معترضین علی العشاق کی۔

زچشم شوخ تو کے جان تو ان برد	کہ دائم باکمان اندر کمین ست

مقصود یہ ہے کہ محبوب حقیقی کی دلربائی دائم ہے نہ مثل محبوبان مجازی کے کہ زوال حسن سے دلربائی بھی منقطع ہو جاتی ہے۔ اور کمان سے مراد ابرو ہے کہ چشم کے متصل ہوتی ہے۔

لبت را آب حیوان گفتم اما	چہ جائے آب کان ماء معین ست

ماء معین مراد ماء جنت ماخوذ از قولہ تعالیٰ فی الواقعۃ وکاس من معین یعنی آب حیوان میں چونکہ یہ نقصان ہے کہ گو حیات طویلہ بخشتا ہے مگر حیات ابدی نہیں بخشتا اس لئے وہ تشبیہ انقص ہے اس لئے کم از کم ماء معین سے تشبیہ دینا چاہئے گو ناقص وہ بھی ہے۔

مقصود یہ ہے کہ واجب کی تشبیہ ممکن سے تام نہیں پس یہ مسئلہ معلوم ہو گیا کہ ایسی تشبیہات وتمثیلات سے قیاس الغائب علی الشاہد میں مبتلا نہ ہو جائے جیسا بہت سے جہلاء صوفیہ اپنے عقائد بگاڑ لیتے ہیں۔ مگر پھر بھی اگر اس کی ضرورت ہو تو کسی قدر کامل سے چاہئے گو اس کے مقابلہ میں وہ بھی ناقص ہو مگر پھر اقرب الی الادب ہے۔

مشوا یجان زکید نفس ایمن	کہ دل بُردو کنون دربند دین ست

یا تو یہ مقصود ہے کہ طریق عشق میں بعض احوال ایسے پیش آتے ہیں کہ اگر علم حقیقت یا ہادی کامل نہ ہو تو دین کا اندیشہ ہے پس سالک کو تحذیر ہے اس مکر الٰہی سے لان المکر مختلف انواعہ باختلاف احوال الممکور۔ اور یا آمادہ کر رہے ہیں دین رسمی کے زوال کے لئے جو کہ اثر ہے عشق کا کیونکہ اہل رسم نے بہت سے قیود وزوائد دین کے اندر اغراض نفسانیہ سے

داخل کر رکھے ہیں اسی طرح صورت ریا و دین بنا رکھا ہے یہ سب حذف ہو جاتے ہیں۔

اور یا دین مرادف ہے ایمان کا اور ایمان تصدیق ہے اور تصدیق علم ہے اور طریق عشق میں بعض اوقات معلومات سے ذہول محض ہو جاتا ہے پس ایمن مشو تحذیر کے لئے نہ ہوگا بلکہ مجاز محض اطلاق و تنبیہ و تمہید کے لئے۔

زجام عشق مے نوشید حافظ	مدامش مستی رندی ازین ست

اس میں بھی بیان ہے بعض آثار عشق کا اور تقریر ظاہر ہے۔

غزل

دیدی کہ یار جز سر جور و ستم نہ داشت	بشکست عہد ما واز و ہیچ غم نداشت
یارب مگیرش ارچہ دل چون کبوترم	افگند وکشت و حرمت صید حرم نداشت

یہ مرشد کی بے التفاتی کے تو ہم پر محمول ہو سکتا ہے اور عہد یا تو حالی ہے اور یا بیعت کے وقت کا قالی کہ ہم تمہاری تربیت کریں گے۔ اور شعر ثانی کا منشاء غلبۂ محبت ہے کہ اس کی تکلیف اس پر بھی گوارا نہیں۔ اور اس میں یہ تعلیم بھی ہوگئی کہ مرشد سے کسی حال میں تعلق محبت کم نہ کرے۔

برمن جفا زبختِ بد آمد وگرنہ یار	حاشا کہ رسم جور و طریق ستم نداشت

پہلا کلام سکر کا تھا یہ صحو کا ہے یعنی جس حرمان پر تنگی ہو رہی ہے اس کا سبب بے توجہی مرشد کی نہیں بلکہ نقصان ہے اپنی استعداد کا تنبیہ اور واقع میں وہ حرمان نہیں بلکہ ہر شخص کی تربیت اس کی استعداد کے موافق ہے۔

دل اینہمہ جفا کہ بخواری کشید ازو	ہرجا کہ رفت ہیچ کسش محترم نداشت

اشارہ اس طرف ہے کہ تنگ ہو کر در مرشد کو چھوڑ کر دوسری طرف رجوع نہ کرنا چاہئے کیونکہ اہل نسبت میں سے باوجود علم کے ایسے شخص کی کوئی قدر نہیں کرتا اور جو قدر کرے وہ صاحب تکمیل نہیں اس سے نفع نہیں حاصل ہو سکتا اور اگر اس شخص نے نہ بتلایا تو یہ دلیل عدم

خلوص کی ہے جو خود مانع نفع ہے۔

ساقی بیار بادۂ و بادمے بگو	انکار مامکن کہ چنین جام جم نداشت

مطلب ہے زیادۃ عشق کی اور جواب ہے منکر کا کہ ہمارا جام یعنی قلب کاشف اسرار الٰہیہ۔ ہے اور جام جم کاشف اسرار کونیہ تھا فاین ہذا من ذاک اور ایسے علم شریف کا جلوہ گاہ قابل انکار نہیں۔

ہر رہروے کہ رہ بحریم درش نبرد	مسکین برید وادی درہ درحرم نداشت

اس میں تنبیہ ہے ان لوگوں کی غلطی پر جو سلوک میں مقصود اصلی یعنی قرب و رضا کو چھوڑ کر غیر مقصود مثل مواجید و تصرفات و کشوف وغیرہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ وہ مقصود تک نہیں پہنچتے گو کتنا ہی مجاہدہ کریں اس میں بھی بہت لوگ مبتلا ہیں۔

خوش وقت رندمست کہ دنیا و آخرت	برباد داد و ہیچ غم از بیش و کم نداشت

بیان ہے فضیلت عاشق کا کہ دنیا کو ترک کر دیتا ہے اور آخرت کو گو ترک نہیں کرتا مگر اس کو ملتفت الیہ بالذات نہیں سمجھتا پس برباد داد مفہوم عام ہے دونوں کو شامل۔

حافظ ببرتو گوئے فصاحت کہ مدعی	ہیچش ہنر نبود و خبر نیز ہم نداشت

مطلب یہ کہ تم مضامین عشق کلام فصیح سے کہے جاؤ اور مدعی منکر و مانع کی طرف التفات نہ کرو کہ نہ اس کو ہنر عشق حاصل ہے کہ اسکا محقق ہو اور نہ کچھ سنی سنائی خبر رکھتا ہے کہ مقلد ہو اس لئے اس کا انکار قابل التفات نہیں۔ اور بعض نسخوں میں گوئے سعادت ہے یعنی تم تحصیل سعادت عشق میں لگے رہو اور مدعی کی طرف الخ۔

غزل

بروای زاہد و دعوت مکنم سوی بہشت	کہ خدا در ازل از بہر بہشتم نسرشت
یکجو از خرمن ہستی نتواند برداشت	ہر کہ در راہ فنا دررہ حق دانہ نہ کشت
تو و تسبیح و مصلی ورہ زہد وورع	من و میخانہ و ناقوس ورہِ دیر و کنشت

منعم از می مکن ای صوفی صافی ای حکیم	در ازل طینت ما راز شے صاف سرشت
صوفی صاف بہشتی نبود زانکہ چو ما	خرقہ در میکدہ با رہن نہی آب بہشت
لذت از حور بہشت ولب حوض نبود	ہر کہ دامن معشوق نہ داد از دست بہشت
حافظا لطف حق ار با تو عنایت دارد	باش فارغ ز غم دوزخ و شادی بہشت

زاہد سے مراد ایسا شخص ہے جو محض اعمال کو کمال سمجھتا ہے گو اس میں محبت وخلوص نہ ہو اور صوفی صافی بھی اسی کو کہا صوفی باعتبار اس کے دعویٰ کے یا تمسخراً اور صافی اس اعتبار سے کہ خلوص سے صاف ہے کذا فی الشرح۔ اور بہشت اور حور اور لب حوض سے مراد اعمال ہیں کہ وہ کسی درجہ میں سبب ہیں ان مذکورات کے یعنی جبکہ اعمال میں خلوص ہو مگر یہاں مطلق اعمال مراد ہیں ولو من غیر خلوص اور تسبیح ومصلی وغیرہ اور خرقہ سے اعمال کا مراد ہونا بہت ہی ظاہر ہے۔ اور میخانہ واخواتہا اور می اور میکدہ اور دامن معشوق سے مراد محبت وخلوص بعد حل ان مفردات کے مطلب اشعار کا ظاہر ہے کہ بدون اخلاص کے اعمال کا بیکار ہونا بیان کر رہے ہیں اور یہی معنی ہیں بہشتی نبود کے جو کہ شعر خامس میں ہے یعنی عدم اخلاص فی العمل کا یہ مقتضا ہے گو اخلاص فی الایمان بہشتی ہونے کا سبب بن جائے۔ اور شعر ثانی میں فنا کا شرط بقا ہونا مذکور ہے اور مقطع میں جنت ودوزخ کا ملتفت الیہ بالذات نہ ہونے کی تعلیم کر رہے ہیں۔ اور مرغوب فیہ ومہروب عنہ ہونے کی نفی نہیں کرتے۔

غزل

اے نسیم سحر آرام گہ یار کجاست	منزل آن مہ عاشق کش عیار کجاست
شب تارست ورہ وادی ایمن درپیش	آتش طور کجا وعدۂ دیدار کجاست

یہ اشعار حالت قبض واستتار کے ہیں جس میں تجلیات ومشاہدات کی تمنا کر رہے ہیں۔ اور شب تار اور وادی ایمن سے مراد اسباب تجلی مثلاً طلب ومجاہدہ وذکر وشغل وغیرہ۔

ہر کہ آمد بجہان نقش خرابی دارد	در خرابات مپرسید کہ ہشیار کجاست

اگر خرابی سے مراد فنا ہے تب تو تعلیم ہے مراقبہ موت کی اور مصرعہ ثانیہ بطور مثل کے ہے یعنی چنانکہ در خرابات ہشیار نباشد ہمچنین در جہان کسے بے خرابی نباشد۔ اور اگر مراد اس سے صعوبت قبض ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ کوئی سالک اس سے خالی نہیں پس اس میں ایک گونہ تسلی ہے اور اس صورت میں خرابات سے مراد طریق اور ہشیار سے مراد سالم اس صعوبت مذکورہ سے اور یہ حکم باعتبار اکثر کے ہے۔

آنکس ست اہل بشارت کہ اشارت داند	نکتہ ہاہست بسے محرم اسرار کجاست

شاید اشارہ اس طرف ہو کہ ہم اپنے کلام میں بلسان اشارت نکات تصوف کے بیان کرتے ہیں جو ان اشارات کو سمجھ لے اس کو بشارت ہو اور نکات از قبیل علوم مکاشفات کے ہم کو بہت سے معلوم ہیں مگر چونکہ محرم اسرار کم ہیں اس لئے بقدر ضرورت بعضے نکات از قبیل علوم معاملہ بیان کردیئے ہیں۔ اس تقریر پر اس میں دلالت ہوگئی اس پر کہ ایسے اشعار سے کسی ظاہری لفظ کو کسی عقیدہ کا مدار نہ ٹھہرالیا جائے بلکہ جو مسئلہ دوسرے دلائل واضحہ سے ثابت ہو اس کو ان اشعار پر منطبق کرلیا جائے نہ یہ کہ خود ان اشعار سے اخذ اور استدلال کیا جائے بہت لوگ اس غلطی میں مبتلا ہیں۔

ہر سرموی مرابا تو ہزاران کارست	ما کجائیم و ملامت گر بیکار کجاست

مطلب یہ کہ طریق باطن امر وجدانی ہے جسکو معاملہ پڑتا ہے وہ تو سمجھتا ہے اور جس کو معاملہ نہیں پڑا اس کو اس کا ذوق اور ادراک نہیں ہوتا پس ملامت غلطی ہے اور کار و بیکار سے مراد یہی معاملہ اور عدم معاملہ ہے۔

عاشق خستہ زدرہ و غم ہجر تو بسوخت	خودنپرسی تو کہ آن عاشق غمخوار کجاست
بادہ و مطرب و گل جملہ مہیاست ولی	عیش بے دوست مہیا نشود یار کجاست
عقل دیوانہ شدآن سلسلۂ مشکین کو	دل زما گوشہ گرفت ابرد دلدار کجاست

ان میں بھی آثار استتار کے ہیں اور خودنپرسی عبارت ہے استغناء سے اور بادہ وغیرہ سے مراد اشغال واعمال اور عقل دیوانہ شد کے معنی ہیں عقل زاید شد۔ اور دل زما گوشہ گرفت

سے مراد ہے دل گم شدہ اور سلسلۂ مشکلین اور ابرو دلدار سے مراد تجلیات جن کی تمنا ہے اور تقریر مطلب کی سب ظاہر ہے۔

دلم از صومعہ و صحبت شیخ ست ملول	یار ترسا بچہ کو خانۂ خمار کجاست

صومعہ وصحبت شیخ سے مراد اعمال ظاہری بے محبت اور صحبت زاہد خشک۔ اور ترسا بچہ سے مراد مرشد عشق شبہ بہ للحسن والتفاوت بالظاہر والباطن اور خمار سے مراد بھی یہی۔ یعنی زاہدان خشک وزہد خشک وصول الی المقصود کے لئے کافی نہیں مربی باطن کی ضرورت ہے۔

حافظ از باد خزان درچمن دہر مرنج	فکر معقول بفرما گل بیخار کجاست

گل بیخار کجاست بیان ہے فکر معقول کا اس میں تسلی ہے حالت مذکورہ بالا پر یعنی راحت خالی از محنت عالم میں موجود نہیں پس ایسی حالت شاقہ کے پیش آنے سے پریشان مت ہو۔

غزل

خواب آن نرگس فتان تو بے چیزے نیست	تاب آن زلف پریشان تو بے چیزے نیست
از لبت شیر روان بود کہ من میگفتم	کین شکر گرد نمکدانِ تو بے چیزے نیست
چشمۂ آب حیات است دہانت اما	زیرلب چاہ زنخدان تو بے چیزے نیست
جانِ من باد فدائے تو یقین میدانم	درکمان ناوکِ مژگان تو بے چیزے نیست
مبتلائی بغم و محبت و اندوہ و فراق	ای دل این نالہ وفغان تو بے چیزے نیست
دوش باد از سر کویش بگلستان بگذشت	ای گل این چاک گریبان تو بے چیزے نیست
درد عشق ارچہ دل از خلق نہان میدارد	حافظ این دیدۂ گریان تو بے چیزے نیست

اس غزل کے سات شعر میں سے اول کے چار اشعار میں محبوب کے کمالات اور ان کمالات کے آثار اور اخیر کے تین اشعار میں محب کے حالات اور ان حالات کے موثرات مذکور ہیں پس لفظ چیز کہ ردیف میں ہے اول کے اشعار میں بمعنی اثر ہے اور اخیر کے اشعار میں بمعنی موثر اور اول کے اشعار میں مجموعہ مفردات سے مراد مجموعہ مطلق کمالات ہیں خاص

مفردات سے خاص کمالات مراد نہیں کہ ہر ایک میں تحقیق وجہ شبہ کی ضرورت ہو اور چشم نرگس کی خوبی خواب سے اور زلف کی خوبی تاب یعنی پیچ سے بڑھ جاتی ہے محض چشم و زلف کی مناسبت سے یہ لائے گئے ہیں۔ اور ازلبت شیر روان بود کنایہ ابتدائی ظہور سے ہے اور شکر سے مراد لب اور نمکدان سے مراد دہاں مقصود یہ ہے کہ محبوب کے جو کمالات ظاہر ہوئے وہ بے وجہ نہیں بلکہ مقصود اس سے خاص آثار کا مرتب کرنا تھا جن میں سے اعظم آثار عشاق کا فریفتہ کرنا ہے۔ اور اخیر کے اشعار کا مقصود یہ ہے کہ عشاق کا نالہ وفغان اور گریبان چاک اور دیدۂ گریان بے وجہ نہیں بلکہ اسکا سبب موثر کوئی امر عظیم ہے یعنی عشق۔ اور شعر سادس میں ظاہر مدلول کے اعتبار سے حسن التعلیل ہے یعنی اے گل شگفتگی میں تیرا جو گریبان ہوا سے چاک ہو گیا ہے معلوم ہوتا ہے وہ ہوا کوئے محبوب سے گزر کر گلستان میں آئی ہوگی اس لئے اس میں یہ اثر پیدا ہو گیا اور مدلول باطنی کے اعتبار سے عاشق کو خطاب ہے کہ جس عشق سے تیرا گریبان چاک ہوا ہے یہ ایک جاذبہ ہے جو جناب محبوب سے تجھ پر وارد ہوا ہے۔

غزل

دیدمش دوش کہ سرمست وخرامان میرفت	جام می برکف و در مجلس رندان میرفت
چون ہمی گفتمش ای مونس دیرینہ من	سخت میگفت دل آزردہ پریشان میرفت
نقش خوارزم وخیال لب جیحون می بست	باہزاران گلہ از ملک سلیمان میرفت
میشد آنکس کہ چو او جان سخن کس نشناخت	من ہمی دیدم واز کالبدم جان میرفت
گفتم اکنون سخن خوش کہ بگوید باما	کان شکر لہجۂ خوشگوئے سخندان میرفت
لابہ بسیار نمودم کہ مرد سود نداشت	زانکہ کار از نظر رحمت سلطان میرفت
بادشاہا زکرم ازسر جرمش بگذر	چکند سوختہ از غایت حرمان میرفت
چون بشد آن صنم از دیدۂ حافظ غائب	اشک ہموارہ زرخسار بدامان میرفت

معلوم ہوتا ہے کہ مرشد کسی امر پر آزردہ ہو کر چلے گئے ہیں اس معاملہ کو لکھ رہے ہیں۔

سرمست وخراماں کنایہ استغناء سے ہے۔ جام می بر اف لنا یہ دلفریبی سے یا شان افانہ سے جو سبب ہے دلفریبی کا۔ رندان سے مراد عشاق۔ خوارزم ایک شہر کا نام ہے اور جیحون اس کی نہر کا نام ہے کذا فی القاموس۔ مطلب یہ کہ خوارزم اور جیحون کا نقشہ اور خیال دل میں جمائے ہوئے چلے جارہے تھے۔ یا تو وہ شخص وہاں کے رہنے والے ہوں خواہ کوئی بزرگ ہوں یا کوئی محبوب ہو اور یا مراد اس سے بقرینہ تقابل ملک سلیمان کے مسکنت ہو یعنی مخدومیت سے دلبرداشتہ ہو کر مسکینی کو پسند کر کے چل دیئے جیسا آزاد مزاجوں کا مشرب ہوتا ہے۔ از ملک متعلق گلہ کے ہے اور باہزاران گلہ حال ہے جس کا عامل میرفت ہے اس سے مراد یہ ہے کہ سلطنت سلیمان یعنی مخدومیت کی بھی پروانہ ہوئی کیونکہ آزاد مزاج تھے۔ اور جملہ جاو جان سخن الخ صفت ہے آنکس کی جان سخن مغز سخن یعنی وہ سخن فہم تھے۔ ہمی دیدم کا مفعول رفتن اور امحذوف ہے کہ بگوید میں کاف کدامیہ ہے مراد اس سے سخنان حقائق ومعارف کا راز نظر رحمت سلطان میرفت کے معنی یہ ہیں۔ کہ کارروائی از لابہ نمیشد از نظر رحمت سلطان یعنی مرشد میشد وآن بوقوع نیامدہ ازان سودی نشد۔ بادشاہا الی حرمان بیان لابہ ومیرفت اندرین شعر بیان سودنداشت۔ واز غایت حرمان متعلق بسوختہ۔ اور تقریر اشعار کی بعد حل ان اجزاء کے ظاہر ہے شاید مقصود اس حکایت سے ناواقفوں کو یہ بتلانا ہو کہ راہ میں ایسے امور بھی پیش آجاتے ہیں۔ تاکہ وقوع کے وقت پریشان وبددل نہ ہو جائیں کہ یہ سلوک میں سخت مضر ہے۔

غزل

ہر آن خجستہ نظر کز پئے سعادت رفت	بکنج میکدۂ وخانۂ ارادت رفت
زر ظل دُرد کشان کشف کرد سالک راہ	رموز غیب کہ در عالم شہادت رفت
بیاؤ معرفتِ من شنو کہ در سخنم	زفیضِ روحِ قدس نکتۂ سعادت رفت
مجوز طالع مولود من بجز رندی	کہ این معاملہ باکوکب ولادت رفت
زبامداد بدست دگر برآمدۂ	وظیفۂ می دوشین مگر زیادت رفت
مگر بمعجزہ کوشد طبیب عیسے دم	چراکہ کارمن خستہ از عیادت رفت

ہزار شکر کہ حافظ زراہ میکدہ دوش	بکنج زاویۂ طاعت و عبادت رفت

اس غزل میں بیان ہے فضل وآثار عشق کا اور سعادت سے یہی مراد ہے اور کنج میکدہ اور خانہ ارادت بھی اسی کو کہا ارادت کا ترجمہ ہے مریدی اور بعض نسخوں میں ہے از خانہ الخ اس صورت میں ارادت کے معنی یا تو رہی مریدی کے ہیں جس سے اعراض ضروری ہے اور یا ارادہ سے مراد ارادہ وخواہش حظوظ ہے اس کا ترک بھی ضروری ہے۔ اور رطل دردکشان سے مراد بھی عشق ہے اور رموز غیب سے مراد تمام رموز غیب نہیں کیونکہ کشف لوازم ولایت سے نہیں بلکہ خاص رموز عشق ہیں اور ان کا وقوع ظاہر ہے کہ عالم شہادت ہی میں ہوتا ہے مگر بوجہ غیر مدرک بالعقول العامہ ہونے کے رموز کہہ دیا اور ظاہر ہے کہ حصول عشق سے اسرار عشق کہ وجدانی ہیں مدرک ہوتے ہیں۔ اور معرفت سے مراد علم معرفت مراد یہ کہ میرے ملفوظات میں نکات سعادت یعنی عشق کے مذکور ہیں۔ اور رندی سے مراد بھی عشق ہے۔ اور کوکب ولادت سے مقصود یہ ہے کہ میرا مذاق فطری عشق ہے۔ اور دست کے معنی ہیں طرز وروش کذا فی الغیاث اور بعض نسخوں میں بطرز دگر لکھا ہے۔ اور زبامداد الخ میں سہل یہ ہے کہ خطاب مرشد کو ہو یعنی پہلے تو آپ کو میرے حال پر توجہ تھی مگر اب کچھ طرز بدلا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ آگے کہتے ہیں کہ میری بیماری اس درجہ تک پہنچ گئی ہے کہ خالی تسلی و ہمدردی سے کام نہیں چلتا مرشد کے تصرف کی ضرورت ہے (اشارہ اس طرف ہے کہ تصرف یعنی ہمت وتوجہ کی ایسے وقت احتیاج ہوتی ہے جبکہ تعلیم محض نافع نہ ہو اسی واسطے اکابر نے تصریح کی ہے جب طالب ذکر سے متاثر نہ ہو تو شیخ ہمت سے کام لے) آگے مقطع میں اس پر شکر کرتے ہیں کہ سکر سے صحو میں آگئے کیونکہ آخری حالت میں صحو ہی ہو جاتا ہے۔ اور بعض نسخوں میں زراہ کی جگہ براہ اور بکنج کی جگہ زکنج ہے اس وقت معنی یہ ہوں گے کہ زہد ریائی سے عشق وخلوص میں آگئے وکلاہما صحیح۔

غزل

خمے کہ ابروی شوخ تو درکمان انداخت	بقصد جان من زار ناتوان انداخت

خم سے ابرو کا حسن بڑھ جاتا ہے مراد اس سے ظہور حسن ہے یعنی ظہور جمال سے محبوب

تجلی کا یہ مقصود تھا کہ طالبوں کو تعلق و تحقق ہو اور اس سے ہم اس مقصود میں لازم نہیں آتا قال اللہ تعالیٰ ان فی خلق السموات والارض واختلاف اللیل والنہار لآیات لاولی الالباب اس سے ظاہر ہے کہ خلق کائنات میں کہ مظہر جمال ہے حکمت اعتبار کی ہے اور اعتبار پر معرفت اور معرفت پر محبت کا ترتب ظاہر ہے پس ظہور جمال میں حکمت ترتب محبت کی ثابت ہوگئی۔

شراب خوردہ وخوی کردہ کے شدی بچمن	کہ آبروی تو آتش درارغوان انداخت

شراب خوردہ مست کنایہ از استغناء کہ موجب افزونی ربودگی دل عاشق باشد۔ وعرق کردہ مراد ازان باکمال جمال چہ عرق برروئ موجب ازدیاد حسن ست۔ چمن دل عاشق۔ ارغوان چون سرخ باشد کنایہ از دل خونین عاشق یا پارۂ از دل چنانکہ ارغوان جزوی از چمن باشد ولطافت لفظ آبروی پر ظاہر ست۔ مضمون شاعرانہ میں تو حسن التعلیل ہے کہ ارغوان کے خونیں ہونے کی وجہ محبوب کا چمن میں گزر کرنا ہے کہ اس کو دیکھ کر وہ خونبار ہوگیا اور مقصود معنوی وہ ہی ہے جو اوپر کے شعر میں تھا کہ ظہور جمال محبوب سبب ہوگیا دل عاشق کے خونیں ہونے کا اور کے شدی سے مقصود اثبات ہے نہ کہ استفہام یعنی خود میدانی۔

بیک کرشمہ کہ نرگس بخود فروشی کرد	فریب چشم تو صد فتنہ در جہان انداخت
زشرم آنکہ بروی تو نسبتش کردند	سمن بدست صبا خاک در دہان انداخت
بہ بزمگاہ چمن دوش مست بگذشتم	کہ از دہان تو ام غنچہ در گمان انداخت
بنفشہ طرۂ مفتول خود گرہ میزد	صبا حکایت زلف تو در میان انداخت

ان چاروں شعر میں امر مشترک حسن محبوب کو ترجیح دینا ہے دوسرے محبوبوں کے حسن پر خاص خاص عنوان سے۔ چنانچہ شعر اول میں نرگس پر چشم کو اس طرح ترجیح دیتے ہیں کہ نرگس نے دعویٰ سے ایک ہی کرشمہ کیا تھا کہ اس کے مقابلہ میں تیری فریب چشم نے صدہا فتنے برپا کر دیئے اور ایک کرشمہ اس لئے کہا کہ اس کا حسن ناقص اور متناہی ہے گویا صد کے مقابلہ میں ایک۔ اور شعر ثانی میں روی محبوب کو سمن پر اس طرح ترجیح دیتے ہیں کہ کہیں کسی نے سمن کو

تیرے رخ سے تشبیہ دے دی تھی شرم کے مارے اس نے اپنے منہ میں صبا کے ہاتھوں خاک جھونک لی یعنی ہوا سے جو خاک اڑ کر اس پر جا پڑی گویا اس کی وجہ یہ ہے۔ شعر ثالث میں دہن کو غنچہ پر اس طرح ترجیح دیتے ہیں کہ میں جو چمن میں گزرا اس کی وجہ یہ ہے کہ غنچہ کو دیکھ کر تیرے دہن کا خیال آ گیا ورنہ میرا چمن اور غنچہ سے کیا سروکار کیونکہ غنچہ ناقص ہے اور دہان کامل۔ اور شعر رابع میں زلف کو بنفشہ پر اس طرح ترجیح دیتے ہیں کہ بنفشہ اپنے کو آراستہ کر رہا تھا کہ صبا نے تیری زلف کی حکایت اس سے بیان کر دی بیچارہ شرمندہ ہو کر رہ گیا۔

کنون بآب مئی لعل خرقہ مے شویم	نصیبۂ ازل از خود نمی توان انداخت

نمی توان انداخت ای نمی توان دور کرد یعنی مذاق عشقی میرا فطری وجبلی ہے وجبل گردد وجبلی نگردد فلا ینفع اللوم۔

نبود رنگ دو عالم کہ نقش الفت بود	زمانہ طرح محبت نہ این زمان انداخت

غالباً اشارہ ہے مضمون کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف الخ کی طرف پس یہ محبت جو احببت میں مذکور ہے دو عالم کے وجود پر سابق ہے اور یہ محبت حادثہ اسی کا فیض ہے مقصود اس سے مدح ہے محبت کی۔

من از ورع مِی و مطرب ندیدمی ہرگز	ہوای مغبچگانم درین و آن انداخت

این و آن اشارہ بسوی مِی و مطرب۔ و مغبچگان محبوبان والجمیعۃ للجنس یعنی یہ آثار عشقیہ کی احیاناً فعل ظاہر تقویٰ ہو جاتے ہیں محض غلبۂ عشق سے صادر ہوتے ہیں پس معذور کہنا چاہئے۔

جہان بکار دل اکنون شود کہ دور زمان	مرا بہ بندگی خواجۂ زمان انداخت

خواجۂ زمان سے مراد مرشد کامل اس میں اپنے نفس کو بشارت دیتے ہیں کہ اب سب کام مرضی کے موافق ہو جائیں گے اور اس میں اشارہ ہے کہ مرشد کامل میسر ہونے کے بعد تسلی اور امید کامیابی کی رکھنا چاہئے پریشانی چھوڑ دینا چاہئے گو مفصلاً کوئی امر فہم میں نہ آئے۔

مگر کشایش حافظ درین خرابی بود	کہ قسمت ازلش در مئی مغان انداخت

خرابی سے مراد عشق کہ مخرب ظاہر ہے یعنی میرے لئے جو طریق عشق تجویز ہوا ہے

معلوم ہوتا ہے میری تربیت اسی سے وابستہ ہے۔

غزل

روشن از پرتو رویت نظرے نیست کہ نیست	منت خاک درت بر بصرے نیست کہ نیست
ناظر روی تو صاحب نظرانند ولے	سرگیسوی تو در ہیچ سرے نیست کہ نیست

شعر اول کے مصرعہ اولی میں جمال محبوب کے ظہور کا اور شعر ثانی کے مصرعہ ثانیہ میں اس کی محبت کا عام ہونا اور اس کے مصرعہ اولی میں معرفت کا خاص ہونا اور شعر اول کے مصرعہ ثانی میں اس معرفت میں محبوب ہی کی منت وفضل ہونا مذکور ہے اور یہ ظہور ومحبت کا عموم سب کے اعتبار سے ہے خواہ کسی کو ادراک ہو یا نہ ہو جن کو ادراک ہے ان کو بلا واسطہ ہے جن کو ادراک نہیں ان کو بواسطہ ہے۔ اور شعر اول کے مصرعہ ثانیہ کی تقریر یہ ہے کہ جن لوگوں کی بصر درست ہوگئی ہے یہ ان کا کمال نہیں ہے بلکہ طفیل ہے آپ کے خاک در کا پس اس میں اشارہ ہو جائے گا کہ کسی خوبی کو اپنی سعی کا ثمرہ نہ سمجھے بلکہ فضل خداوندی سمجھے۔

اشک غماز من ار سرخ برآید چہ عجب	خجل از کردۂ خود پردہ درے نیست کہ نیست

پردہ در غماز۔ اصل معنون تو ثابت کرنا ہے اثر عشق سے اشک خونیں کے نکلنے کو اور عنوان میں بطور حسن التعلیل کے ایک شاعری لطافت ہے کہ یہ سرخی خجالت سے ہے اور خجالت غمازی سے اور غماز باعتبار دلالت علی العشق کے کنایہ ہے۔

کمر کین بمن خستہ چہ بندی کہ زمہر	برمیان دل وجانم کمرے نیست کہ نیست

کین قہر۔ واستفہام چہ بندی برائے ترحم۔ وزمہر بیان کمرے در مصرعہ ثانیہ بمعنی پٹکہ دلمیان بمعنی کمر۔ مطلب یہ کہ میری کمر جان ودل پر تو عشق کے تمام پٹکے بندھے ہوئے ہیں یعنی میں ہر طرح خادم وعاشق ہوں مجھ پر ترحم فرمایئے اور قہر نہ کیجئے۔

تابدامن نہ نشیند زنسیمت گردے	سیل اشک از نظرم برگزرے نیست کہ نیست

گزر راہ وتادر نسیمت مضاف الیہ دامن۔ ترجمہ تو یہ ہے کہ اس خیال سے کہ ہوا چلنے

سے کبھی آپ کے دامن پر گرد نہ بیٹھ جائے میں تمام سڑکوں پر سیل اشک آنکھوں سے بہاتا ہوں تا کہ گرد جمی رہے اور مقصود یہ ہے کہ میں اس لئے روتا رہتا ہوں تا کہ محبوب کے دامن خاطر پر میری باد تقصیر سے غبار نہ بیٹھ جائے یعنی تا کہ ہمارے گناہوں سے ناراض نہ ہو جائیں پس اس میں اشارہ ہو گا کہ بندہ کو ہمیشہ نادم اپنے افعال پر رہنا چاہیے۔

نادم از شام سر زلف تو ہرجا نزند	باصبا گفت وشنیدم سحرے نیست کہ نیست

شام سے تشبیہ زلف کی باعتبار سیاہی کے ہے اور مقابلہ اس کا سحر سے لطافت شاعری ہے۔ ترجمہ لفظی تو یہ ہے کہ میں صبا سے ہر سحر کو یہ گفت وشنید رکھتا ہوں کہ تیری زلف کی حکایت ہر جگہ بیان نہ کرے اور بلسان اشارت مقصود یہ ہے کہ میں اہل معرفت کو سمجھاتا ہوں کہ اسرار باطنی ہر مجلس میں نہ کہیں بلکہ جب مخاطب صحیح ہو۔ اس میں نہی ہے افشاء اسرار سے غیر اہل کے سامنے۔

من ازین طالع شوریدہ برنجسم ورنہ	بہرہ منداز سر کویت دگرے نیست کہ نیست

مطلب یہ کہ محبوب کی طرف سے بخل افاضہ میں نہیں مگر میرا نقصان استعداد موجب خسران ہے۔ اشارہ اس طرف ہے کہ کمی کا سبب اپنی حالت ہوتی ہے نہ کہ محبوب کی بے توجہی۔ اور طالب صادق کی کمی باعتبار اس کی کسی خاص خواہش کے ہوتی ہے ورنہ فی نفسہ وہ کمی ہی اسکے حق میں مصلحت ہے مثلاً بعضے طالب مواجید کے ہوتے ہیں اور وہ ان کے لئے خلاف مصلحت ہوتے ہیں۔

از خیال لب نوشین تو ای چشمۂ نوش	غرق آب وعرق اکنون شکری نیست کہ نیست

نوش شیرین وگوارا د آب حیات کذا فی الغیاث یعنی شکر بھی محبوب کے خیال لب سے غرق آب عرق ہے مقصود یہ ہے کہ محبوبان مجازی محبوب حقیقی کے روبرو ناقص ہیں اس بتلانے سے غرض یہ ہے کہ ادھر التفات مت کرو۔

آب چشم کہ برومنت خاک درتست	زیر صد منت او خاک درے نیست کہ نیست

یعنی میرا آب چشم تو آپ کی خاک در کا ممنون ہے کیونکہ اسی کے اشتیاق میں وہ رواں ہوا

ہےاور دوسرے خاک دراس آب چشم کے ممنون ہیں کیونکہ وہ آب چشم کثرت گریہ سے ہر جگہ بہتا پھرتا ہے پس سب کو اس سے حصہ ملا۔اور بلسان اشارت اس میں بیان اس کا ہے کہ جس طرح سالک پر حق تعالیٰ کا احسان ہے اسی طرح کسی درجہ میں سالک کا احسان دوسروں پر ہے کہ وہ ان کی رہبری کرتا ہے بلکہ اس کی حالت محبت وطلب یا گریہ ونالہ کی دیکھ کر بھی دوسروں کو نفع پہنچتا ہے۔اس میں اشارہ ہے مضمون من لم یشکو الناس لم یشکو اللہ کی طرف۔

از وجود آنقدرم نام ونشانے ست کہ ہست	ورنہ از ضعف در آنجا اثرے نیست کہ نیست

مطلب ظاہر ہے کہ غایت ضعف کا بیان کرر ہے ہیں جس سے تمام قوۃ زائل ہوگئی صرف وجود کا حکم باقی ہےاوراس میں بیان ہے اثر عشق کا۔

شیر در بادیۂ عشق تو روباہ شود	آہ ازیں راہ کہ در وے خطرے نیست کہ نیست

مطلب یہ کہ طریق عشق میں کہ پر خطر ہے بڑے بڑے اقویاء عاجز ہو جاتے ہیں۔ اس میں بھی اشارہ ہے تعلیم شکستگی کی طرف کہ یہاں زاری کا کام ہے زور کا کام نہیں کما قال الرومی فہم وخاطر تیز کردن نیست راہ + جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ +۔

نہ من دل شدہ از دست تو خونیں جگرم	از غم عشق تو پر خون جگرے نیست کہ نیست

جگرے نکرہ تحت نفی میں ہونے سے عام ہےاور عام بمعنی کثیر کے بھی آتا ہے پس اگر مراد کثرت ہے تو ظاہر ہے کہ عشاق حق کثرت سے ہیں اور اگر عموم ہی مراد ہے تو عشق عام ہے بواسطہ و بلا واسطہ و مع الادراک و بلا ادراک کو اور اس کا عموم لجمیع القلوب صحیح ہے۔

از سرِ کوے تو رفتن نتوانم گامے	ورنہ اندر دل بیدل سفرے نیست کہ نیست

یعنی سفر تو بڑے بڑے دل میں آتے ہیں مگر غلبۂ عشق سے ایک قدم بھی کہیں نہیں جاسکتا۔سفر سے مراد میلان الی العادات الطبعیہ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ عشق سے امور طبعیہ کا ازالہ نہیں ہوتا البتہ مغلوب ہو جاتے ہیں پس احیاناً وسوسہ یا صدور کسی امر طبعی کا مستبعد نہیں نہ منافی کمال ہے جیسا بعض منکرین معاندین خفیف خفیف امور پر اعتراض کیا کرتے ہیں یا بعضے ناواقف طالبین ایسے امور پر عقیدت میں فتور ڈال دیتے ہیں۔

تو خود ای شعلہ رخشندہ چہ داری در سر ۔ کہ کباب از حرکات جگرے نیست کہ نیست

چہ داری در سر یعنی چہ خیال و چہ ارادہ داری و حرکات کنایت از ظہور و خفا و رافت وصورت استغناء اور یہ استفہام سوال کے لئے نہیں بلکہ اثبات کے لئے ہے یعنی ان معاملات میں کہ عشاق کے ساتھ واقع ہوتے ہیں۔ کوئی بڑی ہی حکمت و مصلحت ہے اس میں اشارہ ہوگیا کہ جو کچھ ادھر سے پیش آئے اس پر راضی رہے اور یہ نہایت معین ہے سلوک پر۔

مصلحت نیست کہ از پردہ برون افتد راز	ورنہ در مجلس رندان خبرے نیست کہ نیست

اس کا بھی وہی مقصود ہے جو غزل ہذا کے شعر سادس تادم از شام الخ کا ہے یعنی علوم مکاشفات علی الاطلاق اور علوم معاملہ جو اپنے ساتھ متعلق ہیں نااہل سے نہ کہنا چاہئے۔

بجز این نکتہ کہ حافظ زتو ناخوشنود ست	در سراپای وجودت ہنری نیست کہ نیست

زتو ناخوشنود ست کے یہ معنی نہیں کہ از تو ناراض ست یعنی یہ از صلہ کا نہیں بلکہ ابتدائیہ ہے یعنی اور از جانب او کا ہے مسرت ردنمودہ۔ اس میں شکایت ہے مرشد کی بے توجہی کی کہ توجہ جو مایہ مسرت ہے کبھی نصیب نہ ہوئی حاصل یہ کہ آپ میں سب خوبیاں ہیں مگر اتنی کسر ہے کہ بے توجہی کی عادت ہے۔ یہ مضمون ذرا بسط کے ساتھ ردیف الالف غزل صبا بلطف بگو شعر جز این قدر الخ کی شرح میں لکھا جاچکا ہے دیکھ لیا جائے۔

غزل

کس نیست کہ افتادہ آن زلف دوتا نیست	در رہ گزری نیست کہ دامی زبلا نیست
روئے تو مگر آئینہ لطف الٰہی ست	حقا کہ چنین ست درین روی وریا نیست
زاہد دہدم توبہ زروی تو زہے روے	ہیچش زخدا شرم وزروی تو حیا نیست
نرگس طلبد شیوہ چشم تو زہے چشم	مسکین خبرش از سرو در دیدہ حیا نیست
از بہر خدا زلف میارای کہ مارا	شب نیست کہ صد عربدہ با باد صبا نیست
باز آی کہ بے روی تو ای شمع دل افروز	در بزم حریفان اثر نور و ضیا نیست

دی میشد و گفتم صنما عہد بجا آر	گفتا غلط ای خواجہ درین عہد وفا نیست
تیمار غریبان سبب ذکر جمیل ست	جانا مگر این قاعدہ در شہر شما نیست
چون چشم تو دل می برداز گوشہ نشینان	دنبال تو بودن گنہ از جانب ما نیست
گر پیر مغان مرشد ماشد چہ تفاوت	در ہیچ سرے نیست کہ سری زخدا نیست
گفتن بر خورشید کہ من چشمۂ نورم	دانند بزرگان کہ سزاوار سہا نیست
عاشق چہ کند گر نخورد تیر ملامت	باہیچ دلا ور سپر تیر قضا نیست
در صومعۂ زاہدہ در خلوت عابد	جز گوشۂ ابروی تو محراب دعا نیست
ای چنگ فرو بردہ بخون دل حافظ	فکرت مگر از عزت قرآن خدا نیست

یہ تمام غزل بجز مقطع کے قبل والے شعر کے معاملات متعلقہ مرشد پر منطبق ہے یعنی ہر شخص (مراد بکثرت) آپ کے شیدا ہیں جس طرف آپ گزرتے ہیں طالبین مسخر ہوتے چلے جاتے ہیں آپ کا سیما آئینہ لطف الٰہی ہے جیسا حدیث میں ہے اذارأ واذکر اللہ اور یہ امر بالکل بلا روی وریا کہتا ہوں (یعنی خوشامد و تصنع سے نہیں کہتا) زاہد خشک مجھ کو آپ کے سلسلے سے ہٹانا چاہتا ہے ذرا منہ تو دھور کھے اس زاہد کو نہ خدا کی شرم رہی نہ آپ کے کمالات کی وہ زاہد بیچارہ کہ نرگس کی طرح جو کہ بشکل چشم ہے مگر بینائی سے معرا شیخ بن کر آپ سے تشبہ کرنا چاہتا ہے۔اور اپنی بیعت کی طرف بلاتا ہے چشم نرگس بالمعنی المذکور بھی عجب چشم ہے کہ آپ کی چشم کا مقابلہ کرتی ہے اس غریب کو حقیقت (ترجمہ سر بالکسر) کی خبر نہیں اور نہ آنکھ میں حیا ہے ہم تو آپ کے پورے معتقد ہیں اور کمالات کو ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں (وہذا ہو المراد بقولہ زلف میارا) جیسا کہ شیوخ احیاناً کسی مرید کی استواری عقیدہ کی مصلحت سے ایسا کرتے ہیں وفی ہذا قیل ریاء الشیخ خیر من اخلاص المرید کیونکہ ہمیشہ ویسے ہی غمازین ومخالفین سے ہمارا عربدہ اور رہتا ہے اب اظہار کمال سے ان کو اور حسد ہوگا اور وہ زیادہ مخالفت کریں گے ہمارا عربدہ اور بڑھے گا اور ترجمہ لفظیہ شعر ہذا کی یہ تقریر ہے

کہ تم اپنی زلف کو آراستہ مت کرو کیونکہ صبا اس کو پریشان کرے گی اور اس پر ہمارا اس سے عربدہ رہا کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ پریشان کرنا ایک قسم کی مزاحمت غرض تزئین کی ہے اس لئے میں نے اس کو کنایہ مخالفت سے قرار دیا اور اگر یہ شبہ ہو کہ پریشان کرنے سے اور بھی حسن میں افزونی ہو جاتی ہے یہ مخالفت کیا ہوئی جواب یہ ہے کہ بالذات تو مخالفت ہی ہے بالعرض سبب ازدیاد حسن کا ہو جاتا ہے سو بزرگوں کی مخالفت سے بھی اسی طرح ان کے کمالات کی دونی خوبی ظاہر ہوتی ہے اور یہ امر مشاہد ہے۔ آگے باز آئی میں مرشد کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں اور بدون ان کے مجلس کا فیوض سے خالی ہونا ظاہر کرتے ہیں آگے بے توجہی مزعوم وموہوم کی شکایت ہے اور مرشد کا جواب درین عہد وفا نیست یہ حسب مذاق مخاطب کے ہے جس نے عہد بجا آر کہنے میں گستاخی کی ہے ورنہ جواب یہ ہے کہ میرا عہد بالتوجہ جن شرائط سے مقید تھا وہ شرطیں نہیں رہیں۔ آگے تیمار غریبان الخ کا حاصل مثل شعر بالا کے ہے اور اسی کے مثل اس میں بھی شوخی ہے۔ آگے اپنے اس تعشق وتعلق شدید کا سبب بتلاتے ہیں کہ جب گوشہ نشین جو دوسری طرف بھی یعنی عبادات وریاضات میں متوجہ و مشغول ہیں آپ کی محبت سے خالی نہیں حالانکہ ایک طرف تعلق ہونا مانع ہوتا ہے دوسری طرف تعلق ہونے کو تو اگر ہم پیچھے پیچھے پھریں تو ہماری کیا خطا کیونکہ ہم کو تو ابھی کوئی مشغولی بھی نہیں محض مرشد کی تلاش ہی شغل ہے اور اگر ہم نے مذاق عشقی کا مرشد اختیار کر لیا تو ملامت گر زاہد وغیرہ ہم پر کیوں الزام دیتا ہے ہر سر میں (یعنی بکثرت) خدا تعالیٰ کی طلب ہے (ولکونہ مخفیا عبر عنہ بالسر) اور طالب اپنا رہبر اپنے مذاق کے موافق تلاش کرتا ہی ہے سو ہم نے بھی تجویز کر لیا آگے اس زاہد مدعی مشیخت کو نصیحت ہے کہ کامل کے سامنے دعویٰ مذموم ہے۔ آگے ملامت سے اپنی بے پروائی بیان کرتے ہیں کہ ہماری تقدیر میں یہی تھا کیا علاج کریں۔ آگے در صومعہ الخ میں خطاب محبوب حقیقی کو ہے کہ سب سالک آپ ہی کے طالب ہیں اس سے بھی شاید زاہد کو ستانا ہو کہ پھر ہماری طلب پر کیوں ملامت کرتا ہے فیکون تقریرہ کتقریر الشعر گر پیر مغان الخ آگے مرشد کو تنگ ہو کر کہتے ہیں کہ بے توجہی سے کیوں قتل کرتے ہو کچھ حافظ قرآن ہونے کا تو پاس کرو والعذر عن امثال ہذا ہو الغلبۃ۔

غزل

رواق منظر چشم من آشیانہ تست	کرم نما وفرود آ کہ خانہ خانہ تست
بلطف خال وخط از عارفان ربودی دل	لطیفہای عجب زیر دام ودانہ تست
دلت بوصل گل ای بلبل چمن خوش باد	کہ در چمن ہمہ گلبانگ عاشقانہ تست
علاج ضعف دل مابلب حوالت کن	کہ آن مفرح یاقوت درخزانہ تست
بہ تن مقصرم از دولت ملازمتت	ولے خلاصہ جان خاک آستانہ تست
چہ جای من کہ بلرزد سپہر شعبدہ باز	ازین حیل کہ در انبانہ بہانہ تست
من آن نیم کہ دہم نقد دل بہر شوخے	در خزانہ بمہر تو ونشانہ تست
تو خود چہ لعبتی ای شہسوار شیرین کار	کہ توسنے چو فلک رام تازیانہ تست
سرود مجلست اکنون فلک برقص آورد	کہ شعر حافظ شیرین سخن ترانہ تست

شرح میں ہے این غزل درجدائی مرشدست میں کہتا ہوں کہ بعض اشعار کا محبوب حقیقی کے متعلق ہونا زیادہ انسب ہے وقلیل ماہو۔ رواق سقفے کہ درمقدم خانہ سازند اور شرح میں ہے رواق منظر چشم مردمک دیدہ کذافی اصطلاح الشعراء اب معنی شعر اول کے ظاہر ہیں اور شعر ثانی میں خطاب محبوب حقیقی کو کہا جانا بہتر ہے کہ عارفین کا جاذب اسی کا کمال ہے گو یہ بھی احتمال ہے کہ مرشد کا مرجع العارفین ومحبوب العارفین ہونا بیان کرتے ہوں اور زیر دام ودانہ ہونا کنایہ ہے مخفی ہونے سے معنی یہ ہوئے کہ آپ کے پاس عجب لطائف مخفیہ ہیں مراد ان لطائف سے وہی کمالات ہیں جو کہ جاذب عارفین ہیں اور شعر ثالث میں دعا دیتے ہیں کہ آپ کو خدا تعالیٰ ہمیشہ مشرف بوصال رکھے کہ عالم میں تمام تر آپ ہی کے ارشادات کے فیوض ہیں۔ شعر رابع میں درخواست سخنان لطف کی کہ تعلیم وتلقین بھی اس میں داخل ہے کرتے ہیں کہ یہ ہمارے امراض باطنی کا علاج ہے بعض امراض مثل حزن ووسوسہ کم توجہی کا تو نفس خطاب اور بعض کا عمل بحسب تعلیم۔ اور شعر خامس میں کہتے ہیں کہ گو ظاہر جسم کے

اعتبار سے میں آپ کی خدمت میں حاضر رہنے سے مقصر ہوں (کیونکہ جدائی کی حالت میں لکھ رہے ہیں) لیکن روح وقلب سے آپ ہی کے آستانہ پر پڑا ہوں اور یہ شعر محبوب حقیقی کے خطاب میں بھی ہوسکتا ہے اور معنی ظاہر ہیں کہ اس سے قرب واتصال جسمانی نہیں ہے کیونکہ اتصال جسمانی موقوف ہے متصلین کی جسمیہ پر وہ ممتنع۔ اور شعر سادس میں کہتے ہیں کہ میں تو کیا چیز ہوں آپ کی مخفی تدبیروں اور خفی حکمتوں سے بڑے بڑے عاقل مدبر عاجز ہیں۔ شاید اس سے مقصود یہ ہو کہ اگر سالک کو کوئی امر ناگوار پیش آئے تو اس کو قرین حکمت سمجھے یا یہ مقصود ہو کہ اپنے تصرفات وغیرہ پر ناز نہ کرے شاید وہ استدراج نہ ہو یہ شعر محبوب حقیقی ہی کی شان میں ہوسکتا ہے۔ شعر سابع میں کہتے ہیں کہ میں محبوبان مجازی کے ساتھ دل کو وابستہ نہیں کرتا خزانہ قلب کے دروازہ پر آپ ہی کی مہر اور نشان لگ رہا ہے اس میں مذمت ہے تعلق محبوبان مجازی کی۔ شعر ثامن میں لعبت جو آیا ہے اس کے معنی ہیں کھلونا چونکہ عادۃً کھلونا خوبصورت اور خوبصورتی کی وجہ سے محبوب ہوتا ہے حاصل معنی اس کے محبوب ہوئے یعنی آپ کی محبوبیت اس درجہ بڑھی ہوئی ہے کہ فلک اتنا بڑا جسم جس پر کسی کی قدرت نہیں چلتی آپ کے تحت القدرۃ ہے اور اس کو محبوبیت کا اثر اس لئے کہنا صحیح ہے کہ قدرت ایک کمال عظیم ہے اور کمال سبب ہے محبوبیت حق تعالیٰ کا پس مسخر قدرت اور مسخر کمال اور مسخر محبوبیت سب کہنا صحیح ہے بالخصوص جب قالتا اتینا طائعین پر نظر کی جائے تو بلاواسطہ بھی مسخر محبوبیت کہنا بے غبار ہے کیونکہ طوع خود حاصل ہے محبت کا۔ یہ شعر محبوب حقیقی ہی کی شان میں ہوسکتا ہے اور شعر تاسع میں اپنے کلام کی کہ وصف معشوق میں ہے مدح کرتے ہیں کہ آپ کی مجلس میں جو سرود ہوتا ہے اس کا اثر فلک پر بھی ہوتا ہے یعنی جو شئے کسی سے متاثر نہ ہو وہ بھی متاثر ہوتی ہے کیونکہ حافظ کا کلام آپ کے ترانۂ مدح پر مشتمل ہے اور آپ کی مجلس میں اسی کا سرود ہوتا ہے اس میں بیان ہے تاثیر کلمات عشقیہ کا۔

غزل

ساقی بیا کہ یار زرخ پردہ برگرفت	کار چراغ خلوتیان باز درگرفت
آن شمع سرگرفتہ دگر چہرہ برفروخت	وآن پیر سالخوردہ جوانی زسر گرفت

حاشیہ میں ہے واین شعر در حال بسط بعد قبض گفتہ۔ پردہ مفعول برگرفت وضمیر فاعل راجع بسوی یار۔ کار چراغ الخ مراد رونق تازہ گرفت۔ شمع سرگرفتہ و پیر سال خوردہ کنایہ از دل کہ از افسردگی چون شمع کہ قریب مردن باشد نزدیک بود کہ سر در پردہ ظلمت کشد وہمچو پیر ضعیف شدہ بود پس از بسط مسرور شد۔ یا مراد از شمع سرگرفتہ واردات کہ مخفی وسر درگریبان شدہ بودند۔ یا معنی سرگرفتہ آنکہ گل او گرفتہ باشند کہ از ان پس روشن می شود پس مراد برین تقدیر دل باشد و بس واشارہ باین باشد کہ ہمین شان بسط بعد قبض می شود مایوس نباید بود واللہ اعلم۔

آن عشوہ داد عشق کہ مفتی زرہ برفت	وان لطف کرد دوست کہ دشمن حذر گرفت

مفتی سے مراد خواص منکرین اور دشمن سے مراد عوام منکرین یعنی عشق کے آثار ہم پر اس طرح وارد ہوئے کہ خواص مذکورین بھی متاثر ہو گئے اور عوام بھی دم بخود رہ گئے اس اثر کے دوام ترتب کا حکم نہیں کرتے بلکہ احیاناً ایسا بھی ہوتا ہے کہ مخالفین پر بھی اثر پڑنے لگتا ہے کما ذکر بہتل۔

زنہار زین عبارت شیرین ودل فریب	گوئی کہ پستۂ تو سخن در شکر گرفت

یہ زنہار استعاذہ کے لئے نہیں بلکہ استعظام کے لئے ہے یعنی اللہ اکبر محبوب کا کلام کس درجہ شیرین ہے گویا اس کے پستہ دہن نے اپنے سخن کو شکر میں لپیٹ رکھا ہے۔ مقصود بیان کرنا ہے ایک کمال محبوب کا تاکہ غیر طالبین کو طلب اور طالبین کو زیادت قلب پیدا ہو۔

بار غمے کہ خاطر ماخستہ کردہ بود	عیسے دمے خدا بفرستاد وبرگرفت

برگرفت یعنی دور کرد آن بار غم را۔ اس میں شکریہ ہے مرشد کا کہ ان کی ہمت یا تلقین سے قبض رفع ہوا ہوگا۔

ہر سرو قد کہ برمہ وخور حسن می فروخت	چون تو در آمدی پئے کار دگر گرفت

حسن می فروخت یعنی تفاخری کرد۔ مطلب یہ ہے کہ جو اپنے کو ماہ وخور سے بھی زیادہ حسین سمجھتے تھے جب محبوب حقیقی کا حسن ظاہر ہو گیا وہ اور کام میں لگ گئے کنایہ اس سے ہے کہ دعویٰ چھوڑ دیا اور بہتر ہے کہ اور کام سے مراد عاشقی ہو یعنی وہ خود ہی عاشق ہو گئے پس در آمدی سے مراد در آمدی بر دلہای ایشان اور اگر در آمدی کے معنی ہوں در آمدی بر دلہای

طالبان تو معنی یہ ہوں گے کہ جن طالبین کے سامنے محبوبان مجازی دعویٰ کرتے تھے : ب ان طالبین کے قلوب میں آپ کی معرفت ہوگئی اور ان حسینوں نے اپنی بے قدری دیکھی اور امید التفات نہ رہی اپنے دوسرے کام میں لگ گئے۔

زین قصہ ہفت گنبد افلاک پر صداست	کوتہ نظر ببین کہ سخن مختصر گرفت

این قصہ سے مراد عشق ہے۔ مطلب یہ کہ عشق کا سب میں اثر ہے کوتاہ نظر اس کو صرف بعض آدمیوں ہی کے ساتھ مخصوص سمجھتے ہیں اور ان کو ملامت کرتے ہیں۔ عشق سے مراد مطلق انجذاب الی اللہ خواہ مع الشعور ہو یا بلا شعور اور شعور کے ساتھ خواہ خود اس انجذاب کا ادراک ہو یا نہ ہو اور خواہ بلا واسطہ ہو یا بواسطہ جیسا اس کے قبل بھی بعض جگہ بیان کیا گیا ہے اس تقریر پر اس میں جواب ہوگا لائم کو اور ممکن ہے کہ فضیلت عشق کی بیان کرنا ہو۔

حافظ تو این دعا ز کہ آموختی کہ یار	تعویذ کرد شعر ترا وبزر گرفت

دعا سے مراد مطلق کلام کہ مشتمل ہے ثنا پر۔ تعویذ کرد یعنی اور امثل تعویذ شمار کرد یعنی گرامی داشت وبزر گرفت یعنی خرید چنانچہ تعویذ زامی خرند مراد آنکہ شعر را گرامی داشت وبر آن صلہ داد از لطف وکرم خویش۔ اور یار سے مراد اگر محبوب حقیقی ہے تو زکہ میں کاف سے بھی وہی مراد ہے اور معنی یہ ہوں گے کہ جو چیز عند اللہ مکرم ہو اس کی تعلیم کرنے والا اور کون ہوگا تو نے بھی سوا ان کے کس سے سیکھا ہے یعنی ان ہی سے سیکھا ہے پس مقصود یہ ہوگا کہ جو عمل مبرور صادر ہو جائے وہ ان ہی کا احسان ہے مغرور نہ ہو۔ اور اگر یار سے مراد مرشد ہو تو کاف میں دو احتمال ہیں ایک تو وہی جو مذکور ہوا پس مقصود یہ ہوگا کہ مرشد کی عنایت بھی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ کاف سے مراد بھی مرشد ہو اور آموختن ظاہری ہو یعنی یہ ان ہی کی تعلیم وتلقین کا فیض ہے اور آموختن کے اس معنی پر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یار سے مراد محبوب حقیقی ہو اور کاف سے مراد مرشد۔

غزل

شنیدہ ام سخن خوش کہ پیر کنعان گفت	فراق یار نہ آن میکند کہ بتوان گفت

حدیث ہول قیامت کہ گفت واعظ شہر	کنایتی است کہ از روزگار ہجران گفت
نشان یار سفر کردہ از کہ پرسم باز	کہ ہر چہ گفت برید صبا پریشان گفت
فغان کہ آن مہ نامہربان دشمن دوست	بترک صحبت یاران خود چہ آسان گفت
غم کہن بمئ سالخوردہ دفع کنید	کہ تخم خوشدلی این است پیر دہقان گفت
من ومقام رضا بعد ازین وشکر رقیب	کہ دل بدرد تو خو کرد و ترک درمان گفت
گرہ بباد مزن گرچہ برمراد وزد	کہ این سخن بمثل باد با سلیمان گفت
مزن بچون و چرا دم کہ بندۂ مقبل	قبول کرد سخن ہر سخن کہ جانان گفت
بعشوۂ کہ سپہرت دہد زراہ مرو	ترا کہ گفت کہ این زال ترک دستان گفت
بیار بادہ بخور زانکہ پیر میکدہ دوش	بسے حدیث غفور ورحیم و رحمان گفت
کہ گفت حافظ از اندیشۂ تو آمد باز	من این نگفتہ ام آنکس کہ گفت بہتان گفت

یہ غزل حالت قبض پر منطبق ہوتی ہے۔ پیر کنعان یعقوب علیہ السلام اور ہول قیامت روزگار ہجران سے کنایہ اور شعبہ ہونا اس لئے صحیح ہے کہ حقیقت عذاب کی بعد عن الحق ہے او سب انواع عذاب کے اس کے آثار وطرق ہیں۔ اور سفر کردہ کے معنی ہیں درحجاب شدہ مجازاً کیونکہ سفر سبب ہے حجاب کا۔ اور برید صبا سے مراد ہیں شیوخ غیر محققین جو قبض کی حکمتیں نہیں جانتے اور طرح طرح سے اس کے ازالہ ہی کی تدبیریں کرتے ہیں اور بعض اوقات وہ تدبیریں سب ناکافی ہوتی ہیں کیونکہ اس وقت اللہ تعالیٰ کو قبض ہی سے تربیت مقصود ہوتی ہے مطلب یہ ہوا کہ اس استتار کے متعلق کس سے تحقیق کروں کہ ان غیر محققین سے تو کوئی بات جمعیت بخش نہیں ملی پریشان اسی کو کہا (برید بمعنی قاصد) اس میں اس طرف بھی اشارہ ہوگیا کہ غیر محقق سے احوال باطنی میں رجوع نہ کرے اور نامہربان کا ترجمہ ہے قاہر کہ قہر ضد مہر ست اور نعوذ باللہ مطلق مہر کی نفی مقصود نہیں بلکہ خاص اسی معاملہ میں جس میں قہر ہوا ہے ظاہر ہے کہ مہر نہیں ہوا اور یہ باعتبار صورت کے ہے ورنہ قبض بھی عین مہر ہے البتہ

وہ لطف بصورت قہر ہے تنگدلی میں صرف قہر کے پہلو پر نظر پڑتی ہے اور چونکہ محبین کے ساتھ انواع معاملات ابتلاء کے پیش آتے ہیں اور ابتلاء صورۃً خلاف محبت ہے اس لئے دشمن دوست باضافت کہہ دیا یعنی کیسی آسانی سے اپنے محبین سے فراق اختیار کرلیا اور آسان ہونا اس کا ترجمہ ہے وکان ذلک علی اللہ یسیرا آگے ایک تعلیم محققین کی حالت قبض کے متعلق نقل کرتے ہیں کہ ان غموں کا اصل علاج عشق ہے یعنی عشق ومحبت ہی کو مقصود سمجھو دوسرے ثمرات سے کہ واردات بھی اس میں داخل ہیں قطع نظر کرو اور وہ حاصل ہی ہے پس اگر دوسرے ثمرات نہیں ہیں نہ سہی قال الرومیؒ۔

روز ہا گر رفت گورو باک نیست	تو بمان ای آنکہ چون تو پاک نیست

بس اس سے پوری تسلی ہوجاتی ہے گو قبض رفع نہ ہو اسی تسلی کو خوشدلی کہا گیا اور شیخ محقق کو پیر دھقان کہا گیا اور می سالخوردہ چونکہ قوی ہوتی ہے مراد اس سے عشق کامل ہے جس کے آثار میں سے ہے خواہشوں کا فنا ہوجانا آگے بھی گویا اسی مضمون کا اعادہ بعنوان دیگر ہے کہ آئندہ سے میں رضا اختیار کروں گا اور رقیب سے مراد وہی غیر محققین کہ وہ طالب بھی ہیں مگر دوسرے طالب کے لئے موصل الی الحبیب نہیں بلکہ تعلیم ناقص سے طالب کے پریشان کرنے والے ہیں اور یہی شان ہوتی ہے رقیب کی انکا شکر اس لئے ادا کرتے ہیں کہ ان کی تعلیم کے ناکافی ہونے کا تجربہ ہوکر دل یکسو ہوگیا اور تزاید غموم سے کہ ایک غم قبض کا تھا دوسرا تدبیرات کے غیر مفید ہونے کا اور بھی دل کو عادت پڑگئی اور اخیر میں علاج چھوڑ دیا کہ حقیقت میں یہی علاج تھا اس لئے رقیب کا بھی شکر ادا کرتے ہیں کہ اس کے حصول میں اس کو بھی من وجہ دخل ہے آگے بسط پر مغرور نہ ہونے کو فرماتے ہیں (گرہ بباد زدن تکیہ واعتماد برکار بے بقا کردن کذا فی الغیاث) آگے مضمون رضا کا اعادہ ہے اور حالانکہ ظاہراً مقام رضا علی الفعل کا ہے مگر سخن اس لئے کہا کہ کلام خداوندی میں رضا علی الفعل کا امر ہے تو اس کو قبول کرنے سے رضا علی الفعل حاصل ہوگی اور یا جانان سے مراد مرشد یعنی مرشد نے جو یہ علاج بتایا ہے گو تمہاری سمجھ میں نہ آئے مگر مان لینا کہ یہ اطاعت نافع ہوگی اور آگے بھی امر ہے

ترک غرور علی البسط کا اور یہ کہ اسکی کیا دلیل ہے کہ یہ زائل نہ ہوگا اسی کو دستان کہا گیا اور سپہر بمعنی زمان کی طرف نسبت اسناد مجازی الی الزمان ہے پس اس کا فاعل ہونا لازم نہیں آتا اور زال باعتبار کہنہ ہونے کے کہا اور دستان چونکہ لقب زال پدر رستم کا بھی ہے اس لئے اس کی لطافت شاعری ظاہر ہے اور چونکہ اوپر عشق کو علاج بتایا ہے اور اس میں بعضے ناواقف بوجہ اس کے بعض آثار کے شبہ غیر مشروع ہونے کا ڈال دیتے ہیں اور یہ شبہ مانع ہوتا ہے اس کے اختیار کرنے سے اس لئے اس وسوسہ کو دفع کرتے ہیں اور علی سبیل التنزل کہتے ہیں کہ اگر فرضا ایسا ہو بھی تو نصوص رحمت و مغفرت کے یاد کرو۔ آگے مقطع میں یہ بتلانا ہے کہ قبض وغیرہ کیسے ہی شدائد پیش آئیں محبوب حقیقی یا مرشد سے تعلق قطع نہ کرنا چاہئے ثبات چاہئے۔

غزل

اس میں بیان ہے بعض آثار عشق کا تاکہ عشاق اس کے لئے تیار رہیں اور گھبرائیں نہیں۔

مدام مست میدارد نسیم جعد گیسویت	خرابم میکند ہردم فریب چشم جادویت

اس میں بیان ہے فریفتگی عاشق کا علی الدوام جو کہ اثر ہے عشق کا۔

پس از چندین شکیبائی شبے یارب توان دیدن	کہ شمع دیدہ افروزیم در محراب ابرویت

توان دیدن مقصود استفہام ست۔ افروزیم صیغہ جمع متکلم۔ اس میں طلب ہے تجلی کی یا قرب کی اول امر طبعی ہے دوسرا امر عقلی اول تقدیر پر شکیبائی سے مراد قبض ہے اور تقدیر ثانی پر مجاہدہ و مشاق اور اظہار شکیبائی سے دعویٰ مقصود نہیں بلکہ استمالت۔

سواد لوح بینش راعزیز از بہر آن دارم	کہ جان رانسخہ باشد ز نقش خال ہندویت

لوح بینش مردمک چشم کذا فی الشرح۔ نسخہ صحیفہ ہندو سیاہ۔ ترجمہ لفظی یہ ہے کہ میں پتلی کی سیاہی کو اس لئے محبوب رکھتا ہوں کہ محبوب کے خال سیاہ کا وہ میری ذات کے لئے ایک نمونہ اور دفتر مطالعہ ہے یعنی پتلی چونکہ مشابہ خال محبوب کے ہے اس لئے اس کو عزیز سمجھتا ہوں اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ ایک اثر عشق کا یہ بھی ہے کہ محبوب سے جن چیزوں کو تعلق ہے ان سے بھی محبت رکھے فی الحدیث اللھم ارزقنی حبک وحب من

یحبک وحب عمل یقربنی الی حبک و مثل ذلک۔

تو گر خواہی کہ جاوید آنجہان یکسر بیار آئی	صبارا گو کہ بردار دز مانے برقع از رویت

مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ محبوب کے جمال و کمال کا انکشاف قلوب کی عمارت ونورانیت ہے پس یہ نور بھی اثر عشق کا ہوا کیونکہ اس کا سبب کہ انکشاف ہے خود مسبب ہے محبت سے اور آنجہان سے مرادیا تو عالم ابصار ہے جو اوپر کے شعر میں مذکور ہے یعنی اگر خواہی کہ دید ہارا ہمیشہ بانورداری پس پیش دیدہا متجلی بباش۔ اور اگر اس شعر کا ماقبل سے اتصال ملحوظ نہ رکھا جائے تو آنجہان سے مراد ہر وہ مقام ہوگا جہاں تجلی ہو یعنی جس مقام کو منور کرنا ہو اسی مقام میں تجلی فرمائیے پس آن کا مشار الیہ مصرعہ ثانیہ سے مفہوم ہوگا۔

وگر رسم فنا خواہی کہ از عالم براندازی	بیفشان زلف تاریز د ہزاران جان زہر مویت

اس میں اس کا بیان ہے کہ تعلق مع اللہ سے حیات جاوید حاصل ہوتی ہے ۔ہرگز نمیرد آنکہ الخ اور حیات سے مراد حیات لذیذہ ہے فلا یرد حیوۃ اہل النار اور یہ حیات بھی اثر عشق کا ہے۔

من و باد صبا مسکین دو سرگردان و بے حاصل	من از افسون چشمت مست و او از بوی گیسویت

اس میں بیان ہے عموم آثار عشق کا کہ میری طرح اور بھی عشاق ان آثار سے متاثر ہیں۔

من از لطف صبا دارم سپاس نکہت جانان	وگرنہ کے گذر بودے سحر گاہان ازین سویت

یعنی نکہت جانان جو مجھ تک پہنچ گئی جس کا میں شکر گزار ہوں سو یہ بدولت لطف صبا کے ہے ورنہ محبوب کا ادھر کا ہے کو گزر ہوتا کہ میں بلاواسطہ اس نکہت سے کامیاب ہوگا۔ اشارہ اس طرف ہے کہ مرشد کا شکر گزار ہونا ضروری ہے کہ اس کی بدولت معرفت میسر ہوئی ورنہ بلاواسطہ ہادی کے کسی کو یہ دولت نصیب نہیں ہوتی خواہ وہ ہادی نبی ہو یا ولی یا الہام ملک جس کے پاس نبی وغیرہ نہ پہنچیں اور احیاناً وہ مشرف ہو جائے وقد ذم اللہ تعالیٰ قوما ارادا والوصول بلاواسطة فقال وقال الذین لایعلمون لولا یکلمنا اللہ الخ پس نکہت جانان مشکور علیہ ہے مشکور نہیں بلکہ مشکور باد صبا ہے اور یہ بھی ایک اثر ہے محبت کا کہ واسطہ وصول کی شکر گزاری کرے۔

سواد دیدہ ہر وقتی بخون دل ہمی دیدم	عزیزش دارم این ساعت بیاد خال ہندوئت

بخون دل ہمی دیدم یعنی دشمن میداشتم کذا فی الحاشیہ ۔ یہ شعر ہم معنی ہے اس غزل کے شعر ثالث سواد لوح الخ کا جس کی شرح گزر چکی ۔

زہے ہمت کہ حافظ رست از دنیا واز عقبی	نیاید ہیچ در چشمش بجز خاک سر کویت

اس میں بیان ہے عشق کے اس اثر کا کہ دنیا متروک اور عقبیٰ غیر ملتفت الیہ بالذات ہو جاتی ہے ۔

غزل

مردم دیدۂ ماجز برخت ناظر نیست	دل سرگشتۂ ماغیر ترا ذاکر نیست

اس میں بضمن حکایت اشارۂ تعلیم ہے طالب کو کہ بجز مطلوب حقیقی کے کسی طرف التفات نہ کرے ۔

اشکم احرام طواف حرمت می بندد	گرچہ از خون دل ریش دمی طاہر نیست

اس میں تعلیم ہے کہ ہجر و پریشانی میں بھی طلب سے تقاعد نہ کرے اور پریشانی کو مانع نہ بنائے جیسے معذور کو حکم ہے کہ گو دم سے طہارت نہ ہو مگر اس کو مانع نہ سمجھے جیسے بعضے لوگ ایسے احوال یعنی ہجر و معذوری میں معطل ہو جاتے ہیں۔

بستۂ دام قفس باد چو مرغ وحشی	طائر سدرہ اگر در طلبت سائر نیست

بستۂ دام باد دعامی ہلاکت ست ۔ وطائر سدرہ جبریل مراد سالک ۔ وسائر روندہ مراد ساعی ومجاہد ۔ اس میں تعلیم ہے مجاہدہ وتحمل مشاق کی سلوک میں اور تہدید ہے استحقاق ہلاکت سے اس کے خلاف میں وہذا کقول الرومی ع ہر کہ این آتش ندارد نیست باد ۔

عاشق مفلس اگر قلب دلش کرد نثار	مکنش عیب کہ بر نقد روان قادر نیست

اس میں تعلیم ہے کہ عبادات کے کمال پر قادر ہونے کا انتظار نہ کرے جیسے بھی ہو جائے ترک نہ کرے وہی مفتاح مقصود ہو جاتی ہے اور کمال عبادت بھی تدریجاً اسی سے میسر ہو جاتا ہے بہت لوگ اس انتظار میں عمر بھر بطالت میں گرفتار رہے ہیں ۔

عاقبت دست برآن سرو بلندش برسد	ہر کرا در طلبش ہمت او قاصر نیست

اس میں تعلیم ہے طلب میں عالی ہمتی کی اور بشارت ہے وصول الی المقصود کی اس کے ذریعہ سے۔

از روان بخشی عیسی نزنم پیش تو دم	زانکہ در روح فزائی چو دست قادر نیست

اگر اس میں خطاب محبوب حقیقی کو ہو تو معنی بے تکلف ہیں اور اس میں اس مسئلہ کا بیان ہو جائے گا کہ کمالات ممکن کمال واجب کے سامنے لاشی محض ہیں اور فائدہ اس کی تصریح سے یہ ہو سکتا ہے کہ ممکن و واجب میں تباین کا اعتقاد واجب ہے۔ اور حلول و اتحاد کا اعتقاد باطل۔ اور اگر خطاب مرشد کو ہو تو عیسی سے مراد مجاز ادوسرے شیوخ جو مدعی احیاء قلوب کے ہیں ان کے زعم کے اعتبار سے ان کو عیسی کہہ دیا پس تعلیم اس کی ہوگی کہ اپنے شیخ کو سب شیوخ سے افضل یعنی نافعیت میں اکمل سمجھے جیسا کہ در روح فزائی کی قید اس کا قرینہ بھی ہو سکتا ہے یعنی تربیت باطنی میں آپ کے برابر نہیں۔ اور مجاز پر محمول کرنا اس لئے ضروری ہے کہ اعتقاد تفضیل ولی کا نبی پر کفر ہے۔

منکہ از آتش سودای تو آہے نہ زنم	کے توان گفت کہ بر داغ دلم صابر نیست

دلم مبتدا و صابر خبر و داغ بلا اضافت ست۔ اس میں تعلیم ہے تحمل و صبر کی اور یہ کہ زیادہ کمال ضبط ہی میں ہے کہ اس میں باطن کی بھی زیادہ ترقی ہے اور ابعد عن الریاء بھی ہے کہ عوام اکثر اہل شورش کو زیادہ کامل سمجھتے ہیں اور جو قادر ہی نہ رہے وہ مستثنیٰ ہے۔ اور بعض نسخوں میں آہے بزنم مطلب یہ ہو جائے گا کہ میں جو کبھی کبھی ایک آدھ آہ کر دیتا ہوں تو مجھ کو غیر صابر نہ سمجھا جائے مگر جب طاقت ہی ضبط کی طاق ہو جائے تو مجبوری ہے ورنہ باختیار آہ نہیں کرتا۔ قال الشیخ ۔ تسلیم سر در گریبان برند + چو طاقت نماند گریبان درند +۔

روز اول کہ سر زلف تو دیدم گفتم	کہ پریشانی این سلسلہ را آخرت نیست

روز اول سے مراد جس روز متکلم کو انکشاف آثار عشق کا ہوا ہے یعنی میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ اس کے آثار لاتقف عند حد ہیں۔ اس میں تعلیم ہے کہ عشاق کو ہمیشہ ان آثار کے لئے آمادہ رہنا چاہئے۔

سر پیوند تو تنہا نہ دل حافظ راست	کیست آنکس سر پیوند تو در خاطر نیست

پیوند وصل مطلب یہ کہ آپ کے بہت عشاق ہیں اس میں تعلیم ہوسکتی ہے اس کی کہ کوئی اپنے عشق ومحبت پر ناز نہ کرے یہاں ایسے ایسے بے انتہا ہیں۔

غزل

یہ غزل مرشد کے فراق میں ہوسکتی ہے اور اس میں اشارہ اس تعلیم کی طرف ہوسکتا ہے کہ مرشد سے کمال محبت شرط نفع ہے طبعی ہو یا عقلی۔

بے مہر رخت روز مرا نور نمانده است	وز عمر مرا جز شب دیجور نمانده است
ہنگام وداع تو زبس گریہ کہ کردم	دور از رخ تو چشم مرا نور نمانده است

دور از رخ تو ترکیب میں حال ہے جس میں کردم عامل ہے اور ضمیر متکلم کی ذوالحال۔ اور ایک توجیہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ یہ جملہ دعا ہو مطلب یہ کہ میں جو کہہ رہا ہوں چشم مرا نور نمانده است اور ایک معنی کر اے محبوب تم بھی میری چشم ہو تو خدا نہ کرے تمہاری نسبت نہیں کہتا اس بے نوری کو خدا تمہاری ذات سے دور رکھے۔

من بعد چہ سود ار قدمے رنجہ کند دوست	کز جان رمقے در تن رنجور نمانده است

چہ سود کی وجہ ظاہر ہے کہ تربیت باطن کی بعد مرگ نہیں ہوتی لانقطاع العمل۔

می رفت خیال تو ز چشم من و می گفت	ہیہات ازین گوشہ کہ معمور نمانده است

خیال سے مراد عکس مرئی کا جو پتلی میں پڑتا ہے اور ظاہر ہے کہ اسکے لئے محاذاۃ شرط ہے جب محبوب مجوب ہوگیا تو وہ عکس بھی زائل ہوگیا پس کہتے ہیں کہ وہ خیال بھی میرے گوشۂ چشم کے غیر معمور رہنے پر افسوس کرتا تھا مقصود اس ادعا سے مبالغہ ہے اپنی خرابی حالت کے بیان میں۔

نزدیک شد آندم کہ رقیبان تو گویند	دور از درت آن خستۂ رنجور نمانده است

دور از درت حال ہے یعنی بہت جلد میرے مرنے کی خبر سن لوگے اور رقیبان کی اضافت ضمیر مخاطب کی طرف ادنی ملابستہ سے ہے یعنی رقیبان من کہ در عشق تو شریک

من اند۔ یا بالمعنی اللغوی اضافت مفعول کی طرف بھی ہو سکتی ہے بعض نگہبانان تو و مانعان تو از ملاقات دیگر عشاق۔

وصل تو اجل را از سرم دور ہمین داشت	از دولت ہجر تو کنون دور نمانده است

حرف از در مصرعہ ثانیہ برای سببیت است یعنی بسبب ہجران۔ اور دولت اس لئے کہا کہ ہر چہ از دوست میرسد نیکوست یا دولت لغۃ بمعنی نوبت ہے یعنی پہلے تو وصل کی نوبت تھی اب ہجر کی جو نوبت آئی تو اس کا یہ اثر ہوا جو شعر میں مذکور ہے۔

صبرست مرا چارہ ز ہجران تو لیکن	چون صبر توان کرد کہ مقدور نمانده است

یعنی اصل میں تو ہجر کا علاج صبر ہی ہے مگر صبر کیونکر کیا جائے کہ خارج از قدرت ہو گیا ہے۔

در ہجر تو گر چشم مرا آب نمانده	گو خون جگر ریز کہ معذور نمانده است

یعنی گو پانی تو آنکھوں کا سب خرچ ہو چکا لیکن اس سے کہئے کہ خون جگر بہا کہ وہ اس سے بھی عذر نہ کرے گا۔ یعنی بعد اشکباری کے خون باری کے لئے تیار ہے۔

حافظ ز غم از گریہ نپرداخت بخنده	ماتم زده را داعیۂ سور نمانده است

داعیہ خواہش وسور جشن وشادی عروسی کنایہ از مسرت۔ اس میں بیان ہے بالکلیہ زوال سرور کا اور علی الدوام شغل گریہ کا۔ اور مصرعہ ثانیہ بطور مثال کے ہے۔

غزل

مدتے شد کاتش سودای او در جان ماست	وین تمنا بین کہ دائم در دل ویران ماست

در مصرعہ ثانیہ ضمیر در رابطہ بسوی تمنا وجملہ دائم الخ صفت تمنا۔ بیان کرتے ہیں اپنے عشق اور تمنائے وصال کا کہ آثار عشق سے ہے۔

مردم چشم بخوناب جگر غرق اند ازانکہ	چشمۂ مہر رخش در سینۂ نالاں ماست

یعنی چونکہ اس کا آفتاب رخ میرے سینہ میں ہے اس کے اثر سے میری پتلی خون جگر میں غرق ہے۔ اس میں بیان کرتا ہے اپنی یاد اور گریہ کا۔

آب حیوان قطرۂ از لعل ہمچون شکرش	قرص خوز عکسے زروی آن مہ تابان ماست

یعنی آب حیات اس کے لب سے اور قرص خوز اس کے رخ سے کمتر ہے۔ اس میں بیان ہے محبوب حقیقی کے حسن کے سامنے محبوبان مجازی کے حسن کے کم ہونے کا۔

تانفخت فیہ من روحی شنیدم شد یقین	برمن این بمعنی کہ مازان ویم وی زان ماست

یقین بمعنی متیقن واین معنی اسم شد ویقین خبر شد۔ یعنی اس آیت میں جو اضافتہ تشریفیہ ہے اس سے اختصاص آدم علیہ السلام کا حق تعالیٰ کے ساتھ اور ان کے واسطہ سے بنی آدم کا معلوم ہو گیا خصوص جبکہ مطلق انسان کے لئے بھی قرآن میں اسی قسم کی اضافتہ آئی ہے۔ ثم سواه ونفخ فيه من روحه اور ظاہر ہے کہ اختصاص نسبت فی الجانبین ہے اس لئے مازان ویم وے زان ماست ثابت ہو گیا۔ مقصود یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے انسان کو بدو خلقت میں شرف واختصاص اپنی ذات پاک کے ساتھ بخشا ہے اگر کوئی ضائع نہ کرے وہ باقی رہتا ہے ورنہ ضعیف یا زائل ہو جاتا ہے پس اس میں تعلیم ہے اس کو تضیع سے محفوظ رکھنے کی اور تضیع ہوتی ہے غفلت ومعصیت سے پس مقصود ان سے نہی کرنا ہے۔

ہر دلے را اطلاعے نیست بر اسرار غیب	محرم این سر معنی دار علوی جان ماست

غیب سے مراد عشق کہ اکثروں سے اس کے اسرار وآثار مخفی ہیں اور معنی دار صفت اول سر کی اور علوی صفت ثانیہ اس کی یعنی یہ جو راز بامعنی عالیشان ہے اس سے ہم ہی واقف ہیں شاید مقصود اس سے یہ ہو کہ ناواقفوں کو واقفوں سے دعویٰ ہمسری نہ چاہئے جیسا۔ ہمسری با انبیا بر داشتند + اولیا را ہمچو خود پنداشتند + بلکہ ان سے بہ نیاز واقتباس فیوض پیش آنا چاہئے۔

چند گوئی ای مذکر شرح دین خاموش باش	دین ما در ہر دو عالم صحبت جانان ماست

یہ مطلب نہیں کہ دین کی شرح سننا نہیں چاہتے بلکہ مطلب یہ ہے کہ تو دین حقیقی کی شرح جانتا نہیں پھر بیان کرنے سے کیا فائدہ تو صرف صورت دین کو جانتا ہے جس میں اعمال بے خلوص وبے معیت حق ہوں ہمارے نزدیک تو دین حقیقی کی روح معیت حق ہے جس سے تو تعرض ہی نہیں کرتا پس اعمال کی نفی بھی نہ ہوئی بلکہ تعلیم ہے خلوص کی کہ شرائط سلوک سے ہے۔

حافظا تا روز آخر شکر این نعمت گذار	کان صنم از روز اول داروی درمان ماست

روز آخر روز مرگ۔ از روز اول یعنی از ابتداء وجود ما۔ مطلب یہ کہ ہمیشہ سے ہم پر فضل رہا ہے۔ اس میں تعلیم ہے شکر کی کہ واجبات سلوک سے ہے۔

غزل

امروز شاہ انجمن دلبران یکی ست	دلبر اگر ہزار بود دل بر آن یکے ست
من بہر آن یکے دل و دین دادہ ام بباد	عیم مکن کہ حاصل ہر دو جہان یکے ست
سودائیان عالم پندار رابگوے	سرمایہ گم کنید کہ سود و زیان یکے ست
خلقے زبان بدعوی عشقش کشادہ اند	ای من غلام آنکہ دلش با زبان یکے ست
حافظ بر آستانہ دولت نہادہ سر	دولت دران سرست کہ با آستان یکے ست

اس غزل میں تعلیم ہے اخلاص کی کہ توحید حقیقی ہے۔ یعنی کوئی محبوب مطلوب نہیں سلطان المحبوبین ایک ہی ہے اور گو ظاہر میں بہت سے محبوب ہیں مگر دل ایک ہی پر ہے (پس بر حرف جار اور آن اسم اشارہ ہے اس میں ارشاد ہے کہ التفات ذات واحد ہی کی طرف چاہئے اور دین کے برباد کرنے کے دو معنے ہو سکتے ہیں یا تو زھد ریائی کہ اخلاص سے ریا مرتفع ہو ہی جائے گا اور یا دین بمعنی ایمان مرادف ہے تصدیق و علم کا اور بعض احوال عشقیہ میں علم و شعور بھی مضمحل ہو جاتا ہے اور حاصل ہر دو جہان کے معنے یہ ہیں کہ چیز یکہ در دو جہان حاصل کردنی ست اور یکے سے مراد وہی جو آن یکے میں مراد ہے اور سودا بمعنی خیال یعنی جن لوگوں نے طاعات سے طرح طرح کے خیال مال وجاہ وغیرہ کے پکار رکھے ہیں ان سے کہہ دیا جائے کہ اس سرمایۂ مال وجاہ کو دل سے گم کرو کہ ان کا حصول کہ سود ہے اور عدم حصول کہ زیان ہے سب برابر ہے یعنی طاعت سے اور ہی مقصود ہے خواہ یہ امور ہوں یا نہ ہوں اور نرے دعوے محبت سے کیا ہوتا ہے قلب ولسان میں مواطاۃ ضروری ہے یعنی جس طرح زبان سے اقرار ہے خلوص کا اسی طرح قلب میں بھی خلوص ہونا چاہئے اور حافظ نے تو روئے اخلاص آستانہ پر

رکھ چھوڑا ہے وہی شخص بادولت ہے جو اس آستانہ پر سر کو فدا کردے یعنی دوسرے کی طرف توجہ نہ کرے اور یہ بدون اخلاص کے ہوتا نہیں یعنی اخلاص اختیار کرے۔

غزل

المنۃ للہ کہ درمیکدہ بازست	زان رو کہ مرا بردر اور وی نیازست
خمہا ہمہ درجوش وخروش اندز مستی	وان می کہ درآنجاست حقیقت نہ مجازست

یعنی چونکہ میں اس درگاہ میں عجز وزاری رکھتا ہوں اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ دروازہ فیوض مفتوح ہے اور فیوض کا ورود ہے (اس میں اشارہ دو امر کی طرف ہوگیا ایک یہ کہ توجہ رحمت الٰہیہ کے لئے عادۃً توجہ عبد کی شرط ہے قال تعالیٰ **انلزمکموھا وانتم لھا کارھون.** وقال علیہ السلام **ان اللہ لایستجیب الدعاء من قلب لاہ.** دوسرا امر یہ کہ پھر بھی حق تعالیٰ ہی کا احسان ہے کیونکہ ہمارا عمل ناقص ان کی رحمت کاملہ کے متوجہ ہونے میں موثر نہیں ہوسکتا) اور چونکہ رحمت الٰہیہ متوجہ ہے اس لئے قاسمان فیوض (کہ ملائکہ ہیں یا مرشدین) سب جوش میں ہیں (چنانچہ طالب صادق کو نفع پہنچانے کے لئے سب مستعد ہوتے ہیں ملائکہ عقلاً اور بشر طبعاً بھی) اور جو شراب وہاں ہے وہ حقیقت ہے مجاز نہیں یعنی اس کا اثر دائی ہے عارضی نہیں مثل خمر ظاہری کے کہ تاثیر اس کی عارضی ہے

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق + ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

اس مدح میں ترغیب ہے اس کے تحصیل کی۔

اروی ہمہ مستی و غرورست وتکبر	وز ماہمہ بیچارگی وعجز ونیاز ست

مستی وغیرہ سے مراد استغناء بمعنی عدم احتیاج۔نہ بمعنی بے توجہی وتقابلش بعجز ونیاز ہم قرینہ برآن ست مطلب یہ کہ اس کو ہم سے حاجت نہیں ہم کو اس سے حاجت ہے۔اس میں عقیدہ کی بھی تصحیح ہے اور اس کی بھی تعلیم ہے کہ محتاج کو طلب میں کمی نہ چاہئے۔

شرح شکن زلف خم اندر خم جانان	کوتہ نتوان کرد کہ این قصہ درازست

شرح مضاف مضاف بہ شکن واو مضاف بزلف واو مضاف بجانان وخم اندر خم صفت زلف ومجموعہ مفعول نتوان کرد۔ مراد اس سے یا تو محبوب کے کمالات ہیں کہ غیر متناہی بالفعل ہیں اور یا آثار عشق کے ہیں کہ لاتقف عند حد ہیں پس یا مدح محبوب کی مقصود ہے اور یا مدح محبت کی۔

باردل مجنون وخم طرۂ لیلی ست	رخسارۂ محمود وکف پای ایازست

بار بمعنی دخل یا بارگاہ۔ مطلب یہ کہ دل مجنون کا مرجع خم زلف لیلی ہے اسی طرح رخسارہ محمود کا قرار گاہ کف پائے ایاز ہے۔ اس میں تعلیم ہے کہ محب کو غیر محبوب کی طرف التفات نہ چاہئے اور نیز محبوب کے ساتھ عجز و نیاز سے پیش آنا چاہئے۔

بردوختہ ام دیدہ چو باز از ہمہ عالم	تا دیدۂ من بر رُخ زیبای تو بازست

اس کا بھی حاصل وہی ترک التفات الی ماسوی المحبوب ہے اور تشبیہ باز سے اس لئے دی کہ اسکی آنکھیں باندھے رکھتے ہیں شکار کے وقت کھول دیتے ہیں۔

رازیکہ برخلق نہفتیم ونگفتیم	بادوست بگوئیم کہ او محرم رازست

تعلیم اس کی ہے کہ اپنے حالات باطنی ہر کس و ناکس سے نہ کہے صرف اپنے شیخ یا اس کے مثل کوئی مربی ہو اس ہی سے کہے۔

در کعبۂ کوی تو ہر آنکس کہ در آید	با قبلۂ ابروی تو درعین نمازست

اس میں نماز کی روح کا بیان ہے صورت نماز کی نفی نہیں۔ ترجمہ یہ ہے کہ جو شخص آپ کے کعبہ محبت میں پہنچ گیا وہ آپ کے قبلۂ ابرو کی طرف متوجہ ہو جانے سے عین نماز کے اندر داخل سمجھا جائے گا۔ یعنی روح نماز یہ ہے کہ محبت کے ساتھ متوجہ الی الحق ہو جائے اگر یہ نہیں ہے تو صورت نماز جسد بے معنی ہے پس اس میں تعلیم ہے تکمیل صلوٰۃ کی نہ کہ اکتفاء معنی محض پر کہ صورت کا مفروض ہونا خود منصوص ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس معنی کے صحیح و معتبر ہونے کی شرط یہی صورت ہے واذافات الشرط فات المشروط۔

ای مجلیسان سوزِ دلِ حافظِ مسکین	از شمع بپرسید کہ درسوز و گدازست

اس میں بیان اپنے سوز و گداز کا بھی ہے اور یہ بھی ارشاد ہے کہ عاشق کے حال کے

ادراک کے لیئے عاشقی ہی شرط ہے پس مبادرت الی الانکار خوب نہیں۔

غزل

میر من خوش میروی کاندر سراپا میرمت	ترک من خوش میخرامی پیش بالا میرمت
گفتہ بودی کے بمیری پیشم این تعجیل چیست	خوش تقاضا میکنی پیش تقاضا میرمت
عاشق مہجور مخمورم بت ساقی کجاست	گو خرامان شو کہ پیش قد رعنا میرمت
ایکہ عمری شد کہ تابیمارم از مژگان تو	تو نگاہے کن کہ پیش چشم شہلا میرمت
گفتۂ لعل منت ہم درد بخشد ہم شفا	گاہ پیش درد گہ پیش مداوا میرمت
خوش خرامان میروی چشم بداز روی تو دور	دارم اندر سر خیال آنکہ در پا میرمت
گرچہ جای حافظ اندر خلوت وصل تو نیست	ای ہمہ جای تو خوش پیش تو ہر جا میرمت

میر من یعنی ای امیر و سردار من پیشم متعلق بمیری۔ این تعجیل جواب ست از عاشق شہلا نوعی ست از نرگس کہ در گل آن بجای زردی سیاہی می باشد مشابہ چشم انسان و شہلا بمعنی چشم سیاہ کہ مائل بسرخی باشد۔ گفتۂ صیغہ مخاطب اس تمام غزل میں اپنی جانبازی کا بیان ہے ہر حالت میں اور محبوب کی ہر ادا میں چنانچہ اشعار میں وہ احوال و معاملات مختلفہ مذکور ہیں اور جانبازی کو لوازم عشق سے بتلانا یہی فائدہ ہے اس حکایت سے اور ترجمہ ظاہر ہے۔

غزل

کنون کہ می دمد از بوستان نسیم بہشت	من و شراب فرح بخش و یار حور سرشت
چمن حکایت اردی بہشت مے گوید	نہ عاقل ست کہ نسیہ خرید و نقد بہشت
بمی عمارت دل کن کہ این جہان خراب	دران سرست کہ از خاک ما بساز وخشت
وفا مجوی ز دشمن کہ پر توے ندہد	چو شمع صومعہ افروزی از چراغ کنشت
مکن بنامہ سیاہی ملامت من مست	کہ آگہست کہ تقدیر بر سرش (سرم) چہ نوشت

گدا چرا نه زند لاف سلطنت امروز	کہ خیمہ سایہ ابر ست و بزم گہ لب کشت
قدم دریغ مدار از جنازۂ حافظ	کہ گرچہ غرق گناہ ست میرود بہ بہشت

اس تمام غزل کا حاصل یہ ہے کہ وقت کو مغتنم سمجھ کر کچھ سرمایہ نجات وقرب جمع کر لینا چاہئے۔ اروی بہشت نام ماہ بہار۔نسیہ سے مراد آخرت اور نقد سے دنیا نہیں ہے کہ خلاف سیاق وسباق ہے بلکہ تحمیق ہے مسوف کی کہ وقت کو اگلے اوقات کے دھوکہ میں ٹالتا ہے۔ درآن سرست یعنی درآن خیال ست مطلب یہ کہ یہ عالم درپے اہلاک کے ہے یعنی مرنا یقینی ہے پھر کیوں ٹالتے ہو اور دشمن سے مراد یا تو جہان خراب جو کہ اوپر کے شعر میں مذکور ہے یعنی زمانہ کسی سے وفا نہیں کرتا کہ اس کو ہلاک نہ کرے اور یا نفس وشیطان کہ اعدی عدوک الذی بین جنبیک اور ان الشیطان للانسان عدو مبین مسلم ہے معنی یہ ہوں گے کہ ان کے دھوکہ میں مت آؤ اور وقت کو مت ٹالو کما قال تعالیٰ و لا یغرنکم باللہ الغرور۔اور پرتوے نہ دہد الخ یہ علت ہے ماقبل کو تشبیہ کے رنگ میں اور پرتوی نہ دہد جزا مقدم ہے اور مصرعہ ثانیہ شرط موخر ہے اور شمع مفعول ہے افروزی کا معنی یہ ہیں کہ اگر صومعہ کی شمع (مراد صومعہ سے مسجد ہے بقرینہ تقابل) بت خانہ کے چراغ سے روشن کر لو تو وہ کچھ نور نہیں دیتا (یہ مطلب نہیں کہ اس میں روشنی نہیں ہوتی) بلکہ مقصود یہ ہے کہ کسی درجہ میں بوجہ قبیح ہونے کے اس فعل میں ظلمت ہے یعنی جس طرح ظلمت سے نور لینا مستقبح ہے اسی طرح دشمن سے وفا کی امید رکھنا مستقبح ہے اور اس تشبیہ کا تناسب اس طرح ہے کہ کسی رائے پر عمل کرنا گویا اپنی عقل کو اس شخص کی عقل سے نور دینا ہے پس ماخوذ منہ کا شی مذموم ہونا مشبہ مشبہ بہ دونوں میں مشترک ہے۔نامہ سیاہی میں یا مصدری ہے یعنی نامہ سیاہ شدن بمعنی گنہگاری مطلب یہ کہ معاصی پر مجھ کو ملامت مت کرو (یعنی ایسی ملامت جس میں بوئے تحقیر وترفع آئے) اور کاف سر مصرعہ ثانیہ پر کدامیہ ہے اور سرش کی ضمیر مست کی طرف ہے اور بعض نسخوں میں سرم ہے اور وہ بہت ظاہر ہے اور اس کا حاصل حدیث کا مضمون ہے الاعمال

بالخواتیم اس کی مناسبت اس مقام سے یہ ہوئی کہ خود اپنی عمر کو غنیمت سمجھ کر کام میں لگو دوسروں کے درپے کیوں ہوئے کہ بے سود ہے اور یا مقصود یہ ہو کہ میں نے اپنے لئے ذخیرہ بنانے کو عشق تجویز کیا تو اس پر خشک مزاج ملامت کرنے لگے جیسا کہ بعض افعال یا اقوال مستی میں اس قسم کے صادر ہو جاتے ہیں اور گو وہ گناہ نہیں مگر بزعم خود مخش اس کو تعلیم کرکے جواب دیا تقریر جواب کی ظاہر ہے اور میں کہ گدا ہوں مثل لاف سلطنت کے کیوں نہ مسرور ہوں کہ موقع دولت عشق حاصل کرنے کا میسر ہے پس خیمہ الخ اس سے کنایہ ہے۔ آگے مقطع میں ارشاد اس کا ہے کہ اہل معصیت یا اہل ملامت کو حقیر نہ سمجھو اور اس کا حاصل بھی وہی دونوں امر ہو سکتے ہیں جو شعر لکن الخ کی شرح میں مذکور ہوئے ہیں۔

لطیفہ بعض حواشی میں شعر مقطع کے متعلق ایک قصہ عجیب لکھا ہے جو بعینہ نقل کیا جاتا ہے۔ منقول ست کہ حافظ ازین جہان رحلت فرمود مردمان بسبب اعمال رندانہ او بنماز جنازہ نمی پرداختند ناگہان شخصے گفت کہ این رند بر پارہائے سفال چیزے می نوشت و در سبوی انداخت از سبو پارہ سفال بردارید ہر چہ دران نوشتہ یابید بر آن عمل کنید چون این امر قرار یافت یکے از یشان ازان سبو پارۂ سفال برآورد چون دیدند ہمین شعر نوشتہ یافتند ازان وقت معتقد حافظ شدند و از جملہ اشعارش دیوان مرتب کردند و نماز جنازہ خواندند۔ انتہی۔

ردیف الثاء

غزل

درد مارا نیست درمان الغیاث	ہجر مارانیست پایان الغیاث
دین و دل بردند و قصد جان کنند	الغیاث از جور خوبان الغیاث
در بہائے بوسہ جانے طلب	میکنند این دلستانان الغیاث
خون ماخوردند این کافر دلان	ای مسلمانان چہ درمان الغیاث

داد مسکینان بدہ اے روز فضل	از شب یلدای ہجران الغیاث
ہر زمانم درد دیگر میرسد	زین حریفان بردل وجان الغیاث
ہمچو حافظ روز وشب بیخویشتن	گشتہ ام سوزان و گریان الغیاث

شعر اول حالت قبض کا معلوم ہوتا ہے شعر ثانی میں بھی اسی سے تنگدلی کا اظہار ہے کہ اس میں جان جاتی ہوئی معلوم ہوتی ہے اور جور کے معنے لغوی مراد نہیں کہ ترک عدل ہے بلکہ محض بمعنی قہر کے ہے گو صورۃً ہی ہو اور معنیً لطف ہو۔ اور خوبان کی جمعیت جنسیت کے لئے ہے اور دین سے مراد زہد ہے گو صادق ہی ہو کہ عشق کے غلبہ سے اس کے آثار بھی مغلوب ہو جاتے ہیں اور شعر ثالث میں بوسہ سے مراد تجلی مشروط بفنا ہے اور چونکہ وہ موقوف ہے فنا پر اس لئے در بہائے الخ کہا گیا۔ اور جانے مفعول ہے اپنے مابعد کے فعل کا اور طلب می کنند ایک فعل ہے اور شعر رابع میں کافر دلاں کے معنی ہیں سنگین دلان لانھم قیل فیھم ثم قست قلوبکم من بعد ذلک فھی کالحجارۃ کنایہ ہے استغناء وعدم تاثر سے پس نظر باعتبار معنی لغوی کے اس میں کوئی عقلی اشکال نہیں جیسا صمد اسماء الٰہیہ سے ہے اور ماخذ اس کا لغۃً وہ ہے جو قاموس میں ہے الصمدۃ صخرۃ راسۃ فی الارض مستویۃ بھا او مرتفعۃ اور لفظ کفر بھی لغۃً قبیح نہیں قال تعالیٰ فمن یکفر بالطاغوت ویؤمن باللہ اور اگر اس شعر کو محبوبان مجازی کے حق میں کہہ دیا جائے اور غرض اس کی تنفیر کہی جائے تا کہ ان سے اعراض کریں تو یہ اشکالات راساً متوجہ ہی نہ ہوں گے گو سیاق وسباق کے اعتبار سے قدرے بعید ہے اور قدرے اس لئے کہا کہ غزل میں ہر شعر مستقل ہوتا ہے تو بہت زیادہ بعید نہیں۔ اور شعر خامس میں روز فضل سے مراد روز وصل ہے بقرینہ تقابل کے اور اس میں اشارہ ہے اس طرف کو کہ وصل محض فضل ہے استحقاق سے نہیں۔ اور شعر سادس میں حریفان کے معنی ہیں یاران اور جمعیت جنس کے لئے ہے۔ اور شعر سابع میں بیخویشتن بمعنی بیخود حال ہے۔

❁❁❁

ردیف الجیم

غزل

سزد کہ از ہمہ دلبران ستانی باج	چرا کہ برسر خوبان عالمی چون تاج
دو چشم شوخ تو برہم زدہ خطا و ختن	بچین زلف تو ماچین دہند دادہ خراج
بیاض روی تو روشن چو عارض خورشید	سواد زلف تو تاریکتر ز ظلمت داج
لب تو خضر و دہان تو آب حیوان ست	قد تو سرو دمیان تو موی دگردن عاج

داج شب تاریک دراصل داجی بودہ۔ مقصود مشترک ان اشعار کا تفضیل ہے محبوب کی دوسرے محبوبوں پر سب صفات میں اور واجب کا فضل ممکن پر ظاہر ہے اور غرض اس سے تزہید ہے غیر اللہ سے۔

ازین مرض بحقیقت کجا شفا یابم	کہ از تو درد دل من نمیر سد بعلاج

مصرعہ ثانیہ کا یہ مطلب نہیں کہ تم میرا علاج نہیں کر سکتے بلکہ مطلب یہ ہے کہ تمہاری طرف سے میرے درد دل کے علاج کی نوبت نہیں پہنچتی یعنی میرا علاج نہیں کرتے پھر اور کس طرح شفا ہوگی کیونکہ شفا تو آپ ہی کے علاج میں منحصر تھی۔ یہ تنگی ہے خاص حالات وواردات کے انقطاع سے۔

دہان تنگ تو دادہ بآب خضر بقا	لب چو قند تو برداز نبات مصر رواج

اس شعر کا بھی وہی مطلب ہے جو اول کے اشعار چارگانہ کا۔

چرا ہمی شکنی جان من زسنگدلی	دل ضعیف کہ ہست او بناز کی چوز جاج

[illegible] اس کے لئے کوئی [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]	[illegible]

[illegible]

ردیف الحاء

غزل

اگر بمذہب تو خون عاشق ست مباح	صلاح ما ہمہ آن ست کان ترا ست صلاح

اس میں رضا وتسلیم کا اظہار ہے اور اشارہ اس طرف ہے کہ شدائد و مکارہ میں بھی حکمت ہوتی ہے اس پر بھی رضا چاہئے۔

سواد موی تو تفسیر جاعل الظلمات	بیاض روی تو تبیان فالق الاصباح

مقصود اس سے کمال بیان کرنا ہے صفات محبوب کا۔ تقریر ظاہر ہے۔

ز دیدہ ام شدہ صد چشم در کنار روان	کہ خود شنا نکند درمیان آن ملاح

یعنی اتنا پانی نکلا ہے کہ اس میں ملاح بھی جو کہ شناوری میں کامل ہوتا ہے شناوری نہیں کرسکتا۔ مقصود بیان کرنا ہے کثرت گریہ کا جو کہ بعض احوال کے طاری ہونے سے واقع ہوتا ہے۔

لب چو آب حیات تو ہست قوت روح	وجود خاکی ما را ازوست قوت راح

راح شراب یعنی تقویتیکہ از شراب حاصل می شود۔ اس میں بیان ہے صفت قیومیت کا جس کا استحضار و مراقبہ معین ہے کمال توحید کا۔

زچنگ زلف کمندت کسے نیافت خلاص	نہ از کمانچہ ابروو تیر غمزہ نجات

[illegible]

[illegible]

[illegible]	[illegible]

[illegible]

[illegible]	[illegible]

[illegible] مفعول ہے اور [illegible] جب [illegible]

کام مفعول نیابت و دل فاعل اور مقصود دونوں جملوں سے [illegible]

ناکامی کا بیان کرنا ہے جس کی وجہ واقع میں یہ ہوتی ہے کہ طالب کی [illegible]

کی مصلحت کے خلاف ہوتی ہے [illegible]

صلاح و توبہ و تقوے ز ما مجو زاہد	ز رند و عاشق و مجنون کسے نجست صلاح

اس کا حاصل وہی ہے جو بار بار مذکور ہوا ہے کہ ہر طالب کا مذاق جدا ہوتا ہے دوسرا طریق اس کے لئے مناسب نہیں ہوتا۔

پیالہ چیست کہ بر یاد تو کشیم قدح	ونحن نشرب شربا کذالک الاقداح

پیالہ جام صغیر بقرینہ مقابلہ قدح کہ پیالہ بزرگ باشد کمافی الغیاث۔ شربا مفعول مطلق ست از نشرب والاقداح مفعول بہ است مراد راد معنی کذلک ای علی الدوام مقصود اس سے طلب ترقی ہے مراتب قرب و وصول میں اور اشارہ ہے اس کی تعلیم کی طرف کہ طالب کو ایسا ہی چاہئے اور یہ ترقی موقوف ہے استقامت علی العمل والمجاہدہ پر پس اس میں بھی فتور و خلل نہ ڈالے قال الرومیؒ اے برادر بے نہایت درگہیست + ہر چہ بروے میرسی بروے مایست

دعای جان تو ورد زبان حافظ باد	مدام تا کہ بود گردش مساو صباح

دعا بمعنی ثناء و جان بمعنی نفس و ذات۔ شاید اس میں اشارہ ہو استقامت علی العمل والمجاہدہ کی طرف جو موقوف علیہ ہے ترقی مراتب قرب و وصول کا جس کی تقریر اوپر گزر چکی۔

غزل

بین ہلال محرم بخواہ ساغر راح	کہ ماہ امن وامان ست وسال صلح وصلاح
عزیز دار زمان وصال راکا ندم	مقابل شب قدر ست وروز استفتاح
نزاع برسر دنیای دون کسے نکند	بآشتی ببرای نوردیدہ گوے فلاح
دلاتو فارغی از کار خویش ومی ترسم	کہ کس درت نکشاید چوگم کنی مفتاح
بیار بادہ کہ روزش بخیر خواہد بود	ہرآنکہ جام صبوحش نہد چراغ صباح

ان اشعار میں ترغیب ہے عمر کو غنیمت سمجھنے کی اور عمل میں سعی کرنے کی اور ماہ محرم سے سال شروع ہوتا ہے اور نیز وہ اشہر حرم سے ہے جس میں امن وامان ہوتا ہے پس یہ کنایہ ہے اس سے کہ ابھی تمہاری عمر کی ابتداء ہے۔ باین بمعنی کہ ختم نہیں ہوئی اور وقت بھی امن وامان کا ہے کہ کوئی مزاحم عمل کا نہیں جس کی ایک وجہ بھی مناسب مقام مقطع سے پہلے شعر میں مذکور ہے کہ شاہ عادل کی حکومت کا زمانہ ہے اور زمان وصال سے مراد زمانہ امکان وصال یعنی مہلت عمل اور مقابل بمعنی مماثل۔ اور روز استفتاح کہتے ہیں پانز دہم رجب کو جس کی وجہ تسمیہ غیاث میں اس طرح لکھی ہے در رحمت ودرہای بہشت درین روز کشادہ می شود ودر کعبہ نیز بجہت زائران کشادہ می شود۔ وبعضے گویند کہ زبان عیسیٰ علیہ السلام درین روز کشادہ شد میں کہتا ہوں اول وجہ غالباً بناء علی المشہور ہے ورنہ کوئی روایت اس کے متعلق نظر سے نہیں گزری تقریر دونوں شعروں کی ظاہر ہے چونکہ اکثر حرص دنیا مانع ہو جاتی ہے سعی للآخرۃ سے اس لئے نزاع الخ میں اس کی مذمت کردی اور مراد کسی نہ کند سے یہ ہے کہ کس کہ معتد بہ باشد نکند اور گوی مفعول ہے ببر کا گوی بردن فعل مشہور ہے۔ اور دلا الخ میں ایقاظ ہے غفلت سے۔ اور مفتاح سے مراد عمر ہے کہ مفتاح عمل ہے یعنی اگر یوں ہی ختم ہوگئی تو پھر باب سعادت مفتوح نہ ہوگا لقولہ تعالیٰ **ومن کان فی ھذہ اعمی فھو فی الآخرۃ اعمی**۔ آگے بیار بادہ الخ میں عمل کے لئے اپنی مستعدی ظاہر کررہے ہیں تاکہ دوسروں کو بھی ترغیب ہو خصوصاً اس مستعدی کی جو علت بیان فرمائی وہ تو ترغیب عام ہی کے لئے موضوع ہے اور مصرعہ اولی میں

روز سے مراد روز حشر لینا بہتر ہے اور مصرعہ ثانیہ میں جام صبوح سے مراد عشق ومحبت اور تمام شمع صباح سے مراد آفتاب اور ضمیر شین کی راجع ہر آنکھ کی طرف اور چونکہ آفتاب نکلتا ہے شب کے ختم ہونے پر اس لئے بقول بعض محشین یہ کنایہ ہے دم واپسین سے یعنی ہر کس کہ جام صبوح پیش او چراغ صباح نہد روزش بخیر باشد مطلب یہ کہ ہر کرا عشق ومحبت دم واپسین پیش آرد روز حشرش بخیر خواہد بود حاصل یہ ہوا کہ روز مرگ اسی حالت میں آجائے کہ وہ مشغول بعمل و طاعت ہو کما قال تعالیٰ **ولا تموتن الا وانتم مسلمون۔**

لطیفہ ان اشعار کی شرح لکھنے کی تاریخ اتفاق سے ۳ یا ۴ محرم ہے علی اختلاف الحسابین کہ ان شبوں تک کا ماہ ہلال کہلاتا ہے (الی سبع فی قول) پس بین ہلال محرم کی شرح کا اس تاریخ میں لکھا جانا ایک اتفاق غریب ہے۔

کدام طاعت شائستہ آید از من مست	کہ رنگ صبح ندانم ز فالق الاصباح

اس میں تنبیہ ہے کہ عمل وسعی کر کے مغرور نہ ہو بلکہ خاتمہ سے ڈرتا رہے۔ ترجمہ یہ ہے کہ مجھ کو معلوم نہیں کہ مجھ سے کوئی اطاعت شائستہ خاتمہ کے وقت صادر ہوگی یا نہ ہوگی کیونکہ صبح کا یعنی دم واپسیں کا (کما ذکر فی شرح شعر قبلہ) رنگ ڈھنگ معلوم نہیں کہ فالق الاصباح کی جانب سے کس طرح ظاہر ہو اور مست بمعنی حیران یا تو اس ندانستن کی وجہ سے کہا یا بوجہ خائف ہونے کے کہا کما فی قولہ تعالیٰ **وتری الناس سکاری الخ۔**

زمان شاہ شجاع ست و دور حکمت شرع	براحت ای دل وجان کوش در مساو صباح

اول کے اشعار کی تاکید ہے کہ زمانہ شاہ عادل ومتشرع کا ہے کوئی کسی کو ستا نہیں سکتا خوب راحت سے عمل میں سعی کرتے رہو۔

بوی صبح چو حافظ شبے بروز آور	کہ بشگفد گل عیشت ز شعلۂ مصباح

شعلہ مصباح کنایہ آفتاب سے معلوم ہوتا ہے۔ یعنی اپنی عمر کو کہ زمانہ ہجران ہے بامید صبح وصل کے کہ روز واپسین نصیب ہوگا ختم کردو (اور رجاء وامید کے لوازم میں سے ہے عمل) کہ ایسا کرنے سے آفتاب نکلتے ہی تمہارا گل عیش شگفتہ ہوگا یعنی کامیاب ہوگے۔

ردیف الخاء

غزل

دل من درہوای روے فرخ	بود اشفتہ ہچون موے فرخ
بجز ہندوی زلفش ہیچ کس نیست	کہ برخوردارشد ازروے فرخ
سیاہ نیک بخت ست آنکہ دائم	بود ہمراز و ہمزا نوے فرخ
شود چون بید لرزان سرو آزاد	اگر بیند قد دلجوے فرخ
بدہ ساقی شراب ارغوانی	بیاد نرگس جادوے فرخ
دو تاشد قامتم ہچون کمانے	زغم پیوستہ چون ابروے فرخ
نسیم مشک تاتاری خجل کرد	شیم موی عنبر بوے فرخ
اگر میل دل ہر کس بجائے ست	بود میل دل من سوے فرخ
غلام خاطر آنم کہ باشد	چو حافظ چاکر ہندوے فرخ

فرخ کی نسبت محشیین وشراح نے لکھا ہے نام شخصے کہ گوشہ خاطر حافظ بظاہر متعلق باد بود پس اس صورت میں یہ بہتر ہے کہ اس غزل کو ابتدائی زمانہ یعنی قبل حصول عشق حقیقی پر محمول کیا جائے اور اگر فرخ سے مراد مطلق محبوب ہو جیسا محاورات میں لیلیٰ اور سلمیٰ اور شیرین اور عذرا سے مطلق محبوب مراد ہوتا ہے تو اس تاویل کی ضرورت نہیں۔اور شعر ثالث میں سیاہ نیک بخت است خبر مقدم ہے اور آنکہ الخ مبتدا موخر ہے نہ کہ بالعکس لفساد المعنی اور مراد اس سے زلف ہے اور مطلب اس کا اور شعر ثانی کا متحد ہے اور نسیم مشک تاتاری مفعول ہے خجل کردکا اور شیم الخ فاعل ہے اس کا۔اور شعر متصل بالمقطع میں اشارہ ہے وحدت مطلوب یا وحدت مطلب کی طرف۔اور مقطع میں اشارہ اس طرف ہے کہ محبوب کے متعلقین و منتسبین سے محبت رکھنا عین محبت محبوب ہے۔مؤیدہ حدیث اللھم ارزقنی حبک وحب من یحبک۔باقی اشعار کی تقریر، مطلب ظاہر ہے۔

اشعار غزل اول ردیف الدال موافق نسخہ متن

ابر آذاری برآمد باد نو روزی وزید	دوری میخواہم ومطرب کہ میگوید رسید
غالبا خواہد کشود از دولتم کاری کہ دوش	من ہمی کردم دعا و صبح آمین میدمید
تیر عاشق کش ندانم بر دل حافظ کہ زد	این قدر دانم کہ از شعر ترش خون میچکید

اشعار غزل اول ردیف الدال موافق نسخہ شرح

آنانکہ[1] خاک را بنظر کیمیا کنند	آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند
بے معرفت مباش کہ درمن یزید عشق	اہل نظر معاملہ با آشنا کنند
حافظ مدام وصل میسر نمی شود	شاہان کم التفات بحال گدا کنند

وكان هذا في اليوم الرابع من شهر الله المحرم ١٣٢٧ هجرية في بلدة تهانه بهون صينت من الفتن وصلى الله تعالىٰ علىٰ خير خلقه محمد وآله واصحابه اجمعين في السر والعلن.

الحمدللہ! ''مقالات حکیم الامت'' کی 87 ویں جلد مکمل ہوئی۔

---

[1] منجملہ لطائف آنست کہ ابتدای کلام حافظ واین شعر متقارب المعنی ہستند پس ختم برین نہایت لطافت دارد ۱۲ منہ

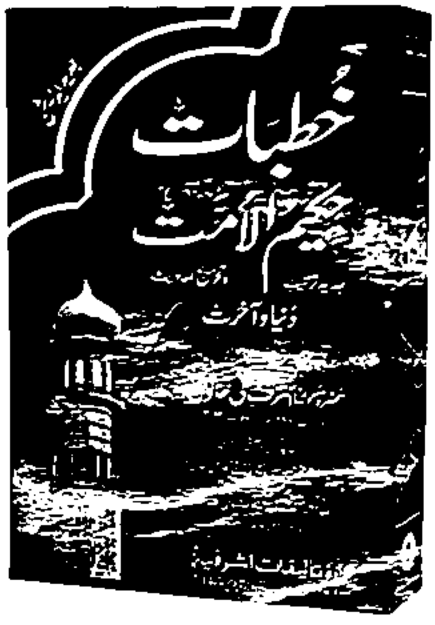
[2] درختم بر شعر ہذا ہم لطیفہ ایست وآن اینکہ از بعضے ثقات شنیدہ ام کہ در بدو حال حافظ تا آن گاہ کہ بمرشدی کامل نہ سیاہ بودند بالہام الٰہی حضرت شیخ نجم الدین کبریٰؒ برای تربیت باطن حافظ در شیراز تشریف آوردند و حافظ رااطلبید ند پس فرولیدہ حال وخستہ بال آمد نظر بر شیخ افتادن ہمان بود این شعر بر زبان روان شدن ہمان حضرت شیخ توجہ خاص نمودند والقاء نسبت راہ خود کردند از ان وقت حافظ را کمالات وحالات روز افزون رونمود پس ختم برین شعر کہ ابتدای عرفان از ہمیں و نہایت مناسبت دارد ۱۲ منہ

مقالاتِ حکیمُ الاُمتؒ...ایک تعارفی نظر

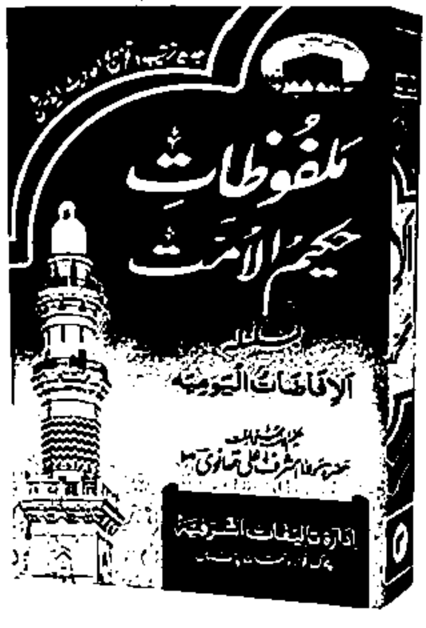
50 ہزار صفحات
106 جلدیں

خطباتِ حکیمُ الامت 32 جلد ... ملفوظاتِ حکیمُ الامت 32 جلد

کلیدِ مثنوی 10 جلد ... مقالاتِ حکیمُ الامت 32 جلد



حکیمُ الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے
تقریباً 350 الہامی خطبات 32 جلد
شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم
کی نگرانی میں جدید تخریج و تعلیق



حکیمُ الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے
تقریباً 16 ہزار ملفوظات کا مبارک مجموعہ
احادیث مبارکہ کی تخریج کے ساتھ 32 جلد



حضرت الشیخ جلال الدین رُومی رحمہ اللہ
کی معرکۃ الآراء الہامی کتاب مثنوی شریف
کی عظیم اُردو شرح 10 جلد

مذکورہ تینوں کتب کی جلدوں کی مجموعی تعداد 74 ہے اور یہ تینوں کتب مقالات حکیمُ الامت میں شامل ہیں



حکیمُ الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے نادر و نایاب قدیم و جدید
تقریباً 350 رسائل و کتب کی پہلی مرتبہ یکجا اشاعت

(جلد 75 تا 106 تک) (32 جلد)

یہ جدید مجموعہ اہل علم و فضل، ارباب مشائخ اور سلسلہ اشرفیہ سے
وابستگان حضرات کیلئے ایک بہترین علمی تحفہ ہے۔

نوٹ: مذکورہ مقالات حکیمُ الامت میں یہ کتب شامل نہیں ہیں

تفسیر بیان القرآن (2 جلد)...آسان بیان القرآن (2 جلد) از حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ
خلاصہ تفسیر بیان القرآن از مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ... مخطوطہ بیان القرآن ...یعنی حکیم الامتؒ
کے دست مبارک سے لکھے ہوئے مسودہ کا عکس...اشرف التفاسیر (3 جلد)...حکیم الامت...نقوش و تاثرات۔